مقالاتِ ارشادات

امام الہدیٰ شیخ المشائخ جانشینِ شیخ التفسیر

حضرۃ مولانا عبیداللہ انور نوراللہ مرقدہ

مرتبین

مولانا ڈاکٹر محمد اکمل قادری صاحب مدظلہ،

محترم محمد عثمان غنی صاحب بی اے

مکتبہ خدام الدین

شیرانوالہ گیٹ لاہور

مقالات وارشادات

عبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ

اِنتساب

فیلسوفِ اسلام حضرت الامام الشاہ ولی اللہ دہلوی ؒ

امامِ انقلاب حضرت العلام مولانا عُبید اللہ سِندھی ؒ

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی ؒ

امام الاولیاء حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری ؒ

کے نام

جن کے فلسفہ و نظریہ، افکار و سیاست، علوم و معارف،

تربیت و رُوحانیت کے تسلسل کا نام ہے :

نام کتاب : مقالات وارشادات امام الہدیٰ قطب العالم
حضرت جانشین شیخ التفسیر مولانا عبیداللہ انور قدس اللہ اسرارہٗ
مُرتّبین : ڈاکٹر محمدؐ اجمل صاحب مدظلہ
جناب محمدؐ عثمان غنی صاحب مدظلہ
ناشر : یکے از مطبوعات عالمی انجمن خدام الدین شیرانوالہ لاہور
قیمت : -/۲۰۰ روپے
صفحات : ۴۶۶
مطبع : تعمیر پرنٹنگ پریس فیروز پور روڈ لاہور

فہرست عنوانات

مقالات

ارشادات

اہم واقعات

حضرت مدنیؒ کی عظمت

خوشبوئے گل

(انتخاب از خطبات جمعہ و تقاریر مجلس ذکر)

مکاتیب

تقریظ

از

اُستاذ العلماء محدّثِ کبیر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بانی و مہتمم دارالعلوم حقّانیہ اکوڑہ خٹک

حامدًا و مصلّیاً

مخدومزادہ جناب ڈاکٹر محمّد اکمل قادری سلمہ اللہ اور اُن کے رفقاء سے معلوم ہُوا کہ حضرت جانشین شیخ التّفسیر، امام الہدیٰ مولانا عُبیداللہ انور مرحوم و مغفور (جو حضرت شیخ التّفسیر، الامام مولانا احمد علی لاہوریؒ کے علوم و معارف کے امین تھے، جن کی خاکپائی اور خدمت کی نسبت پر مجھ جیسے گناہگار کو فخر ہے) کے افادات، ارشادات، ملفوظات، سوانح اور افکار و ہدایات کی اشاعت کا اِدارہ خدّام الدّین اہتمام کر رہا ہے۔ جلد اوّل حضرت انورؒ کے ملفوظات وارشادات پر مشتمل ہے۔ ان کے مواعظ سادہ، پُر خلوص، دردِ دل اور سوزِ درُوں، عشقِ رسُولؐ اور اصلاح و انقلابِ اُمّت کے جذبات سے معمور ہوتے تھے۔ ع از دل خیزد بر دل ریزد والی بات تھی۔ مجھے یہ سُن کر بڑی مسرّت ہُوئی کہ مخدومزادہ میاں محمّد اجمل قادری دامت برکاتہم نے ادھر خصوصی توجّہ دی اور جناب محمّد عثمان غنی صاحب نے اس کی ترتیب و تالیف کا خصوصیّت سے اہتمام کیا اور اب یہ ہدایت و رحمت کا عظیم مجموعہ اور ایک دینی، انقلابی اور رُوحانی شاہکار افرادِ امّت کے ہاتھوں میں آرہا ہے۔

میری دلی دُعا ہے کہ باری تعالیٰ اسے ہر طرح نافع، مقبول عنداللہ وعندالنّاس بنائے۔ اسلامی، دینی اور رُوحانی حلقوں کے ذمّہ دار افراد اس کی قدر کریں اور گھر گھر اپنے ذکر و فکر اور تعلیم و تربیّت کے حلقوں میں خصوصیّت کے ساتھ اس کو پڑھیں، پڑھ کر سُنائیں، خدا کرے کہ اصلاح و انقلابِ اُمّت کا ذریعہ ہو۔ آمین

خاکپائے شیخ التفسیرؒ
عبدالحق غفرلہٗ

تقریظ

از

حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب دامت برکاتہم

خلیفۂ مجاز حضرت شیخ التفسیرؒ

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :

"سیّدِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا : جب کوئی مسلمان دُنیاوی آلائش سے کنارہ کش رہتا ہے تو اُسے اللہ تعالیٰ تین نعمتیں عطا فرما دیتے ہیں یعنی

۱۔ اُس کے دل میں دین کی سمجھ کو اُگا دیتا ہے۔

۲۔ دین کی باتوں کو اس کی زبان پر جاری فرما دیتا ہے اور

۳۔ اسے دُنیا کی بیماریاں اور اُن کا علاج بھی سمجھا دیتا ہے۔

جس کا نتیجہ بھی سیّدِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ فرمایا کہ :

اُسے دُنیا سے ایمان کی سلامتی کے ساتھ رُخصت فرما کر دار السلام (جنّت) میں پہنچا دیتا ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ بعض علماءِ کرام اور اولیاءِ عظام باوجودیکہ وہ نبی نہیں ہوتے مگر انکی زبان سے جو کلمات نکلتے ہیں وہ رضا مندئ ربّ کریم کی سند سے مشرف ہوتے ہیں۔ یہ تو تقریباً سارے مسلمان جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ حضرت عمر فارُوق رضی اللہ عنہ کی زبانِ درخشاں سے چند کلمات صادر ہوئے اور ادھر لوحِ محفوظ سے وہی ارشاداتِ مصدّقہ نازل ہو گئے۔

قرآنِ عزیز (جس پر سب مسلمانوں کا ایمان ہے) میں ہے اللہ تعالیٰ کے ایک نیک بندے حضرت لقمانؑ کے وہ کلمات جو آپ نے اپنے اکلوتے بیٹے کو بطورِ وعظ و نصیحت فرمائے تھے خداوند قدّوس کو اس قدر پسند آئے کہ لازوال وحی کے طور پر وہ سیّدِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قلبِ منوّر پر یُوں نازل فرمائے کہ قیامت تک ان کی تلاوت کی جائے گی۔ اسی طرح ہر دَور

میں بعض ایسے اہل اللہ گزرے ہیں کہ ان کی زبان سے وہی نکلا جو حکمتِ ایمانی کا ترجمان ثابت ہُوا۔ ہم گناہگاروں نے بھی ایسے چند مردانِ حق آگاہ دیکھے ہیں، اُن کے ارشادات سُننے کا شرف حاصل ہُوا جن کے ملفوظات یقین و حکمت سے اس طرح مزیّن ہوتے تھے کہ جس نے قلبِ سلیم کے ساتھ سُنے اس کی کایا ہی پلٹ گئی۔ ان میں سے قطب الارشاد و التکوین حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرّہ العزیز اور اُن کے عکسِ جمیل دورِ حاضر کے امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی قدس سرّہ العزیز کے اسماءِ گرامی سرِ فہرست ہیں۔ ان دونوں کے نورِ نظر، ان کی روایات کے امین، نمونۂ سلفِ صالحین حضرت مولانا عُبید اللہ انور نوّر اللہ مرقدہٗ اس کے صحیح مصداق تھے کہ جو فرمایا، جب بھی فرمایا، وہ حکمتِ دین کا منبع ثابت ہُوا۔ یہ محاورہ ہی نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ ؎

قدرِ نعمت بعد از زوال باشد

حضرتؒ اپنے مقامِ عبدیت میں اس قدر مستغرق رہتے تھے کہ پہلو میں بیٹھنے والے بھی نہ پہچان سکے۔ یہ بھی ہم گناہگاروں کی سعادت ہے کہ حضرتؒ کے ملفوظات، ارشادات اور بعض خطبات کے اقتباسات شائع کیے جا رہے ہیں اور یہ بھی خداوندِ قدّوس کی رحمت ہے کہ جس طرح بعض فنا فی اللہ اکابر اولیاءِ کرام، علماءِ حق کے بعض خدّام کو ان کے ملفوظات، کلمات، حالات کی اشاعت کا شرف عطا فرما کر ان خدّام کو ان اولیاءِ کرام کی زبان بنا دیتا ہے۔ اسی طرح دورِ حاضر کے امامُ الاولیاء حضرت مولانا احمد علی صاحب قدس سرّہ العزیز کے فرمودات کے انتخاب اور ترتیب و تدوین کا شرف بھی حضرت کے ایک مُسترشد الحاج محمّد عثمان غنی صاحب کو حاصل ہُوا کہ آپ کی مرتّبہ کتاب "ملفوظاتِ طیّبات" سے ایک دُنیا راہنمائی حاصل کر رہی ہے اور انشاءاللہ حاصل کرتی رہے گی۔

اب حضرت امام الہدیٰؒ کے جانشین ولی بن ولی بن ولی حضرت میاں محمّد اجمل صاحب کی نظرِ گوہر اثر نے بھی امام الہدیٰؒ کی ان برکات اور فیوضات کی ترتیب اور تدوین کے لیے بھی الحاج محمّد عثمان غنی صاحب کا انتخاب فرمایا۔ حضرت کا یہ انتخاب حاجی صاحب کے لیے سرمایہ سعادتِ دارین ہے اور ناظرینؒ کے لیے بھی باعثِ تسکین ہے کہ یہ کام اُسی کے سپرد ہُوا جو علمی طور پر اس کا اہل ہے اور رُوحانی طور پر اس خاندان کا حاشیہ نشین ہے۔ بارک اللہ فی مساعیہ الجمیلہ آمین

خادمِ دربار راشدی انوری

زاہد الحسینی

۱۵ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ

۸ نومبر ۱۹۸۷ء

شناورِ ادب جناب احمد ندیم قاسمی ڈائریکٹر مجلس ترقّی ادب کی

چند گزارشات

میری کیا بساط تھی کہ مَیں حضرت مولانا عُبید اللہ انور مرحوم و مغفور کے ملفوظات و ارشادات کے بارے میں کچھ عرض کرتا۔ البتہ حبیبِ گرامی محترمی جانباز مرزا صاحب نے یہ کہہ کر میری مشکل آسان کر دی کہ مجھے تو ان ملفوظات و ارشادات کے صرف ادبی مرتبے کے متعلق مختصرًا اپنے تاثرات قلمبند کرنے ہیں. چنانچہ تعمیلِ ارشاد کر رہا ہُوں۔

مَیں نے اپنے خالہ زاد برادرِ بزرگ حضرت مولانا غلام مُرشد مرحوم و مغفور سے شیرانوالہ دروازے کی مشہور و معروف انجمن خدام الدین کے بارے میں بہت کچھ سُن رکھا تھا۔ انہی کے ہاں مَیں نے ہفتہ وار "خدّام الدّین" کے چند شمارے بھی دیکھے تھے۔ پھر جب مَیں نسبت روڈ پر مقیم تھا تو مَیں نے حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک سے زیادہ مرتبہ اپنے پڑوسی اور دوست ڈاکٹر لقمان کے گھر سے نکلتے ہوئے دیکھنے کی سعادت بھی حاصل کی تھی. تب وہ عقیدتمندوں اور طالب علموں کے ایک انبوہ میں گھرے ہوتے تھے اور مجھ میں اتنا حوصلہ نہ تھا کہ بڑھ کر اُن سے مصافحے کی عزت حاصل کرتا۔ اُن کے صاحبزادے مولانا عُبید اللہ انور مرحوم و مغفور کا تذکرہ مَیں نے اخباروں میں اُس وقت سیاست کے حوالے سے پڑھا، جب آپ جمعیۃ العلمائے اسلام کے ایک نہایت محترم رہنما تھے. پھر جب ان کی رحلت کی خبر سُنی تو یہ سوچ کر دُکھ ہُوا کہ انکی عُمر کچھ زیادہ تو نہ تھی اور وہ جس باوقار علمی و دینی خانوادے کے سربراہ تھے، اس کے افراد کو اور انکے عقیدتمندوں اور شاگردوں کو بلکہ پُورے پاکستان کے مسلمانوں کو ابھی ان کی شدید ضرورت تھی. رُشد و ہدایت کے اس خانوادے اور اس کے محترم و معزّز ارکان سے میرے تعارف کا رقبہ بس اتنا سا تھا۔

مگر جب مجھے محترم محمّد عثمان غنی صاحب کے مرتّب کردہ "ارشاداتِ امام الہدیٰ" کا مسوّدہ پڑھنے کا موقع ملا تو مَیں نے محسوس کیا کہ جب اسلامی تعلیمات کو خوبصورت اسلوب میں، صاف ستھری اور پاکیزہ زبان میں اور بالکل واضح اور غیر مُبہم انداز میں پیش کیا جائے تو مسائل کو بھاری بھاری عالمانہ اصطلاحوں سے سجا کر پیش کرنے کے مقابلے میں یہ طریقِ کار زیادہ مؤثر ہوتا ہے. یہی وجہ ہے کہ مولانا عُبید اللہ انور مرحوم و مغفور کے ان ملفوظات، ان کے خطباتِ جُمعہ، ان کی مجالسِ ذکر اور ریڈیو پر اُردو اور پنجابی میں ان کی

تقریریں سیدھی دل میں اُترتی اور پڑھنے والے کے خون میں حلول کرتی چلی جاتی ہیں۔

دراصل اس کتاب کے تمام مندرجات کا محور مسلمانوں کے دل و دماغ میں اس انقلاب و اصلاح کا جذبہ بیدار کرنا ہے جو مولانا مرحوم کے پیکر کے ایک ایک مسام میں رچا بسا ہوا تھا۔ اس انقلاب و اصلاح کا منبع وہ عشقِ رسولؐ ہے جس سے رُوح اور ضمیر خالی ہو تو مسلمان محض نام کا مسلمان رہ جاتا ہے، چنانچہ مولانا کے تمام ارشادات اسی عشقِ رسولؐ کا درس دیتے ہیں جس کی برکت سے مسلمانوں کے اندر اس انقلاب و اصلاح کی خواہش بیدار ہوتی ہے جس نے چودہ سو سال پہلے سرزمینِ عرب کے بُت پرستوں کو توحید کا پرستار بنا انھیں سچّی اور کھری انسانیت کے نمونے بنا دیا تھا اور جنھوں نے علم و عرفان اور عدل و مساوات کے ایسے ایسے مراحل فتح مندی کے ساتھ طے کیے کہ دُنیا دم بخود رہ گئی۔

اس کتاب کے مرتب نے وضاحت کی ہے کہ خطبات اور مجالسِ ذکر کے یہ تمام حصّے حضرت مولانا مرحوم کی سوانح حیات کا حصہ تھے۔ اگر یہ حصّے سوانح میں شامل رہتے تو اس کتاب کی ضخامت بہت بڑھ جاتی۔ پھر ان تحریروں اور تقریروں کا ایک منفرد منصب بھی ہے اور یہی انھیں الگ کتاب کی صورت میں شائع کرنے کا جواز ہے — اور یہ نہایت معقول جواز ہے۔

اعلاءِ کلمۃ الحق، ملّتِ اسلامیہ کا استحکام و اتّحاد، دین کی تعلیم و ترویج اور نفاذِ شریعت اس کتاب کے مندرجات کے خاص موضوع ہیں۔ بلغاریہ کے دارالحکومت صوفیہ میں عالمی امن کانفرنس میں آپ کا خطبہ ان جُملہ موضوعات کا نچوڑ بھی ہے اور ایک ادب پارہ بھی۔ مجالسِ ذکر کے اقتباسات میں مندرجہ بیشتر واقعات بظاہر روزمرّہ کے عام واقعات معلوم ہوتے ہیں مگر حضرت مولانا نے ان کا ذکر جس طرح کیا ہے اس سے ان میں بہت گہرے معانی پیدا ہو جاتے ہیں۔ بظاہر معمولی بات سے ایک غیر معمولی کام لینے میں بھی ایک ادبی شان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اقتباسات شیخ سعدی کی گلستان بوستان کے تمثیلی اور استعاراتی حُسن کی یاد دلاتے ہیں۔

آخر میں مجھے مرتّبِ کتاب کی اس سلسلے میں تحسین کرنا ہے کہ انھوں نے حضرت مولانا کی پنجابی تقریریں کو پنجابی ہی میں درج کیا۔ اُردو یقیناً ہماری قومی زبان ہے مگر پنجاب کے لوگوں پر پنجابی زبان کے بھی کچھ حقوق ہیں اور حضرت مولانا نے بڑی فراخدلی اور صداقت سے یہ حقوق پورے کیے ہیں۔

مَیں ان تمام حضرات کو اس کتاب کی اشاعت پر مُبارکباد پیش کرتا ہوں جو اس کی ترتیب و اشاعت کے ذمّہ دار ہیں۔ مَیں انھیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ کتاب مُرتّب کر کے انھوں نے ایک کارِ خیر تو کیا ہی ہے مگر ساتھ ہی ایک تاریخی کارنامہ بھی انجام دیا ہے۔

احمد ندیم قاسمی

کلماتِ دُعا و برکت

از

جانشینِ امام الہدیٰ حضرت مولانا میاں محمد اجمل قادری صاحب دامت برکاتہم

○

الحمد للہ وکفٰی وسلام علیٰ عبادہ الّذین اصطفٰی امّا بعد
فاعوذ باللہ من الشّیطٰن الرّجیم بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم
لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (الاحزاب۔۲۱)

قرآنِ عزیز نے مسلمانانِ عالم کی نجاتِ دُنیوی و اُخروی کے لیے نبئ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اِتّباع یعنی افعالِ نبویؐ کی تقلید و پیروی کو ذریعۂ نجات بنایا۔ محدّثین کرام نے حدیثِ قولی کو حدیثِ فعلی پر ترجیح دی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کسی بھی فاعل کا کوئی بھی فعل بسا اوقات دیکھنے والے کے لیے مختلف اثرات چھوڑتا ہے جبکہ فاعل کا اپنا مقصد کچھ اور ہوتا ہے لیکن حدیثِ قولی میں ہر چیز واضح ہوکر اور نکھر کے سامنے آجاتی ہے۔ اسی لیے احادیثِ نبویّہ کے بعد صحابۂ کرام علیہم الرّضوان کے اقوالِ زرّیں اور تابعین کے فرمُودات کو اُمّتِ مسلمہ میں ہمیشہ ایک تبرّک کی حیثیّت حاصل رہی ہے۔

ہر زمانے کے پاکباز اور راست گو مُسلمان علماء کا یہ دستوُر رہا ہے کہ وہ اپنے اساتذہ کے ملفوظات بکثرت اپنے تلامذہ اور متوسّلین کے سامنے نقل کرتے آئے ہیں اور ان متبرّک الفاظ کا اثر بطور ایک عمل انگیز کے سامنے آیا ہے۔

ہمارے حضرت الشیخ وسیلتنا فی الدّارین سیّدنا و مُرشدنا حضرت امام الہُدیٰ رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کو اکابر کے واقعات سُنانے میں بڑا ملکہ حاصل تھا۔ اکابر کے ملفوظات اُنھیں از بر تھے۔ وہ ہمیشہ مختلف مجالس میں برموقع اُن کو نقل کیا کرتے تھے ــــ ایک مرتبہ ایک بہت بڑے عالمِ دین نے کہا کہ "ہمارے حضرتؒ اپنے اکابر کے ملفوظات کا انسائیکلو پیڈیا ہیں"۔

ہم نے اپنے بچپن میں کبھی یہ سوچا تک نہ تھا کہ ہم کُرید کُرید کر باباجی (حضرت سندھیؒ) اور دادا جان (حضرت لاہوریؒ) کے جو واقعات اپنے ابّا جانؒ سے پُوچھتے ہیں، بہت جلد اپنے

حضرتؒ کے اقوال اسی طرح ہمیں جمع کر کے اگلی نسلوں تک پہنچانے ہوں گے۔ ہمیں اپنے اباّ جانؒ کی جُدائی کا کبھی تصوّر نہ تھا اور یُوں لگتا تھا کہ ہم سدا آپؒ کے زیرِ سایہ اپنے نصیب کی خوشیاں سمیٹتے رہیں گے۔ لیکن آہ! بہت جلد ہمارے حضرتؒ ہم سے رخصت ہو گئے۔

حضرتؒ کی زبانِ مبارک سے سوائے قرآن و حدیث اور اپنے اکابر کے تذکروں کے کبھی اور کچھ نہ نکلا۔ کسی کی غیبت اور بُرائی تو دُور کی بات ہے ہمارے حضرتؒ اپنے بدترین دشمن کے کردار میں بھی کوئی نہ کوئی روشن پہلو ضرور تلاش کر لیا کرتے تھے اور پھر اُسی روشن پہلو کو سامنے رکھ کر اُس کی تمام تر بُرائیوں کو فراموش کر دیتے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۱۹۶۹ء کی ایک صُبح ہسپتال میں مَیں اپنی والدہ کے ساتھ حضرتؒ کے لیے کھانا لے کر گیا تو وہاں پر دو عورتیں روتی ہُوئی آئیں، معلوم ہُوا کہ یہ اُن ڈی ایس پی صاحب شریف چیمہ کی والدہ اور اُن کی بیوی ہیں جنھوں نے حضرتؒ پر ظلم و بربریّت کی انتہا کر دی تھی۔ وہ اپنے بیٹے کی مشکل سے نجات کے لیے دُعا کروانے کی غرض سے حاضر ہوئی تھیں۔ میرے دل میں یہ آتا تھا کہ میرے بس میں ہو تو ان عورتوں کو کم از کم ایک ایک تھپّڑ ضرور رسید کروں لیکن مَیں حیران رہ گیا جب حضرتؒ نے یُوں فرمایا کہ:

> "بہن! ہمیں چیمہ صاحب سے کوئی گِلہ نہیں۔ ہم نے اُن کو اُسی وقت معاف کر دیا تھا کیونکہ قصُور اُن کا نہ تھا، اُن کو حکم دینے والوں کا تھا۔ وہ اپنی ڈیوٹی پُوری کر رہے تھے اور مَیں اپنا فرض ادا کر رہا تھا۔ دونوں کی فرائض کی انجام دہی میں اگر کچھ بدمزگی ہو گئی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

اِس سے ایک عام آدمی، جس کو کبھی ہمارے حضرتؒ کے قریب بیٹھنے کا یا اُن کو جاننے کا موقع نہیں ملا، اُن کی عظمت کا احساس کر سکتا ہے۔ ہمارے حضرتؒ کے اقوال اور ملفوظات اسلامی تعلیمات کا نچوڑ اور ماحصل ہیں اور اِس نُور سے آج کا بھٹکا ہُوا انسان اپنی منزلِ گم گشتہ کو حاصل کر سکتا ہے —— اللہ تبارک و تعالیٰ عثمان غنی صاحب مدظلہ کی اس کاوش کو قبول فرمائے، حضرت شیخؒ کے یہ "ارشادات" یقیناً نوجوان نسل کی اِصلاح کا باعث ہیں۔

آمین یا الٰہ العالمین

احقر محمد اجمل قادری عفا اللہ

۲۵ ربیع الاوّل ۱۴۰۸ھ

مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ دروازہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدّمہ

اس جہانِ رنگ و بُو کو برپا کرنے اور کارخانۂ حیات کو پیدا فرمانے سے منشائے ایزدی یہ تھی کہ باعثِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلّم کو افضل البشر و الملائکہ اور امام الکل بنائے اور اپنے محبوبؐ کو رحمۃ للعالمین اور ان کے مبارک طریقوں کو اُسوۂ حسنہ قرار دے کر بنی نوع انسان کی روحانی بالیدگی کے سماں کی تکمیل کرے اس لیے اپنی نیابت وخلافت اور نبوت و رسالت کے سلسلۂ خیر کو تا ابد ختم فرما دیا اور حضورِ اقدس فداہ ابی و امی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اُمّت کو خیرالامم اور آخرالامم کا خطاب عطا فرمایا چنانچہ بارگاہِ نبوتؐ سے ارشاد ہُوا: اَنَا خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتُمْ خَاتَمُ الْاُمَمِ (الحدیث)

آپ نے مخلوق کی رُشد و ہدایت کے لیے اپنے نائبین علماءِ اسلام متقرر فرمائے، اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ اور پھر خود ہی ان کا مرتبہ اور مقام متعین فرما دیا (عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ)

اپنی سنّت کے مطابق حضرت حق جلّ شانہٗ ہر دور میں اپنے مخلصین علماءِ ربّانیین کو وراثتِ نبوی علیہ التحیۃ والسلام کے منصبِ جلیلہ پر فائز کرتے ہیں ـــــ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور اصحابِ رسول علیہم الرضوان کے متّبع تابعین کرام تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، محدثین، مفسّرین، اہل اللہ، علماءِ ربانیّین کے طائفہ منصورہ کو ہر دور میں اس عظیم وجلیل مقصد کی تکمیل کے لیے منتخب فرماتے ہیں۔ ان نفوسِ قدسیہ کے اوصاف و اخلاق سنّتِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے تابع اور اُنکی زندگی کا مشن تعلیم و ترویج دینِ متین اور اعلاءِ کلمۃ الحق کے لیے مسلسل جہاد ہوتا ہے۔

الجہاد ماضٍ الیٰ یوم القیامۃ (الحدیث)

اور ان کا ہر لحظۂ زیست احساسِ عمل کی تڑپ اور لگن میں گزرتا ہے اور شہادت ان کی تمنّا بن جاتی ہے ؎

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے | لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

رحمتِ باری تعالیٰ نے ظلمت کدہ عظیم ہندوستان میں نعمت دین اسلام صُوفیاءِ اہل اللہ

قرونِ اُولیٰ کے مُسلمان تجار اور علماءِ مخلصین کی وساطت سے پہنچائی۔

گو محمّد بن قاسم جیسے اولوالعزم اور باکردار لشکری مسلمان قیدیوں اور یرغمالیوں کی دادرسی کی غرض سے یہاں آئے مگر کبھی حکومت کو وسعت دینے یا بزورِ شمشیر دین نافذ کرنے کی مثال قائم نہیں کی۔ یہ الگ بات ہے کہ شریعتِ مطہرہ پر عمل کرنے کی بدولت یہاں کے مفتوحین نے انھیں دیوتا اور نجات دہندہ جانا۔

دراصل یہ اہل اللہ ظاہری علوم کے بحرِ زخار اور باطنی جلا سے قدسی صفت اخلاق و کردار کا مجسّمہ اور سنّتِ رسول علیہ الصلاۃ والسلام کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ اس لیے فطرتِ سلیمہ رکھنے والا ہر متنفّس ان کی طرف کھنچا چلا آتا تاکہ دینِ اسلام کے سچّے اور سُچّے طرزِ زندگی کو اپنا کر دُنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی حاصل کرتا ـــــ ان اہل اللہ علماءِ ربّانیین اور صوفیاءِ عظام کے پیش رو وہ اصحابِؓ رسول تھے جن کو مدینۂ رسولؐ سے والہانہ عشق تھا لیکن فریضۂ علم کی ادائیگی کے بے پایاں احساس نے انھیں راہِ وفا میں اپنے مقدّس ارمان بھی قربان کرنے پر مجبور کر دیا۔ انھوں نے رختِ سفر باندھا اور اطراف و اکنافِ عالم میں دُور دُور بستیوں اور شہروں میں جا پہنچے، پھر بعض کے جنازے بھی وہیں سے اُٹھائے گئے اور وہ وطنِ عزیز سے دُور قیامت تک کے لیے انھی خطّوں میں خاک کی چادر اوڑھ کر سو گئے۔ یمن اور دمشق، کوفہ و بصرہ، قسطنطنیہ و مدائن و مصر میں حضرت ابوالدرداؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابو ایوبؓ وغیرہم کے علم و عمل اور عظمتِ کردار سے وہ چشمہ ہائے فیض جاری ہوئے جن کی روانی سے حضرت حسن بصریؒ، حضرت سفیان ثوریؒ، امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام غزالیؒ اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور ان کے متوسلین جیسی نابغہ ہائے روزگار ہستیوں نے وسیع و عریض بے آب صحراؤں کو سیراب کر کے سبزہ زاروں میں تبدیل کر دیا، جہاں کِھلنے والے پھول اور کلیوں کی خوشبو ارضِ ہند میں پہنچی تو لاہور میں حضرت سیّد علی ہجویریؒ، اجمیر میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، ملتان میں حضرت بہاءالدین زکریاؒ، قلعہ گوالیار کی جیل میں حضرت مجدّد الف ثانیؒ اور دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہؒ جیسی ہستیاں بادۂ توحید سے روحوں کی پیاس بُجھاتے اور سنّتِ مطہرہ کے نور سے دلوں کی تاریکیاں دور کرتے ہوئے نظر آئیں۔

کم و بیش ہندوستان کے تمام مسلمان فاتحین سلاطین اور اُمراء اسلام کی اشاعت و تبلیغ میں ممد و معاون بننے کے بجائے دینِ حبلِ متین کے راستے کی دیوار اور ملّتِ مسلمہ کے لیے کلنک کا ٹیکہ بنے

رہے چنانچہ جب سلطنتِ مغلیہ کے جانشینوں کی عیاشیاں اور خدا کی نافرمانیاں انتہا کو پہنچ گئیں تو اس وقت کے اہل اللہ علماء ربّانیین خصوصاً حضرت مجدّد الف ثانیؒ، امام شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ اور ان کے خانوادۂ نسبی و معنوی نے اصلاح و تعمیرِ اُمّت کا بیڑا کمالِ حکمت اور بڑی جرأت سے اُٹھایا۔ امام شاہ عبد العزیزؒ، امام شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، حضرت سیّد احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء نے علم و عمل کے ہر دو میدانوں میں تاریخِ اسلام کے سنہری ابواب رقم کیے۔ انھیں اکابر اہل اللہ کے نام لیوا اور جانشین حضرات میں* حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، بانیٔ دار العلوم امام العصر مولانا محمّد قاسم نانوتویؒ امام المحدثین مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، شیخ العالم مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مجدّد الملّت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ، امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ، شیخ العرب و العجم مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ اور امام الاولیا حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نام سرِ فہرست آتے ہیں ——— اور مؤخر الذکر اکابرؒ سے بیک وقت اور بھرپور فیض یاب ہونے کا شرف صرف ایک ہستی کو ملا انھیں آج دُنیا امام الھُدیٰ جانشین شیخ التفسیر حضرت اقدس مولانا عبید اللہ انورؒ رحمہ اللہ قدس سرہٗ العزیز کے نامِ نامی سے جانتی ہے۔

حضرت اقدس علیہ الرحمۃ نے اپنی ذات کی حد درجہ نفی کرتے ہوئے توحیدِ خالص کا اثبات کیا۔ سُنّتِ رسُول علیہ السلام پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اعلاءِ کلمۃ الحق، تعلیم و ترویجِ دین، نفاذِ شریعت اور اتّحاد و استحکامِ مِلّت کے لیے زندگی بھر صبر آزما جدّوجہد کی، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، دین دشمنوں کی سازشوں اور یورشوں کے منجدھار سے مُلک و مِلّت کی ڈولتی ناؤ کو ہر دور میں اپنے علم و عمل کی قوت اور حکمتِ بالغہ کے ذریعے بڑی خوبصورتی سے ساحلِ مُراد تک پہنچایا۔

اپنے تیئس ۲۳ سالہ دورِ تزکیۂ نفس اور جہاد فی سبیل اللہ میں حضرت امام الھُدیٰؒ اپنے عظیم المرتبت والدؒ کے صحیح جانشین کے طور پر خدمتِ دین، تعلیم و تعلّمِ قرآن اور اصلاحِ باطن کرتے رہے۔ اپنے دادا امامِ انقلاب حضرت سندھیؒ کے علوم و معارف کے وارث ہونے کے ناطے اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے پروگرام کے لیے عالمی سیاست میں گہری دلچسپی لیتے رہے اور اپنے اُستاذ و مربّی شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے نورِ نظر ہونے کی وجہ سے مِلّی تحاریک اور عملی سیاست کے میدان میں ہمیشہ تاریخ ساز کردار ادا کرتے رہے۔

ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ قیامِ پاکستان کے بعد سے اب تک استخلاصِ دین، تعمیرِ ملّت اور

استحکامِ مملکتِ خداداد کے لیے کسی نے اتنی قربانیاں نہ دی ہوں گی اور اس قدر جد وجہد نہ کی ہو گی جتنی حضرت جانشین شیخ التفسیر رحمہ اللہ نے کی۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت ہو یا ۱۹۵۸ء کے دور کے تقاضے، ۱۹۶۸ء ایوبی آمریت کے خلاف تحریک کے رُوحِ رواں ۱۹۷۰ء کی تحریک بحالی جمہوریت میں قائدانہ حیثیت اور ۱۹۷۴ء کی فیصلہ کُن تحریکِ ختمِ نبوت کے بُنیادی محرّک ومحور کی حیثیت سے شامل ہُوئے۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک نظامِ مصطفٰے کے چلانے اور سنبھالنے والے حضرت امام الہُدیٰ رحمہ اللہ کے سوا کون تھے؟ جب لاہور کی مُسلم مسجد میں خون کی ندیاں بہادی گئی تھیں اور کوئی ماں کا لال اس تحریک میں کُود جانے کو تیار نہ تھا۔ یہ صرف شیر اٰلوالہ کا شیرِ یزداں شیخ التفسیرؒ کا جگر گوشہ ہی تھا جس نے سر پہ کفن باندھ کر پھر سے تحریک کو زندہ کر دیا۔ اس کے بعد ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۵ء تک جس جوانمردی، عظمتِ کردار، حکمتِ کاملہ کے ذریعہ مُلک وقوم کو تباہی کی سیاست اور بربادی سے بچا کر اپنے موقف کی سچائی اور استحقاقِ حق کے لیے سینہ سپر ہو گئے اور پائے استقلال کو دُنیا کی کوئی طاقت سرِ مُو لغزش نہ دے سکی۔

انجمن خدّام الدین کی جملہ مصروفیات، ہفت روزہ خدام الدین کی از اجراء تاحیات مکمل نگرانی فرماتے رہے۔ دورۂ تفسیر القرآن، درس وتدریس، ولی اللّٰہی علوم کی تکمیل اور شاہ ولی اللہ سوسائٹی کے قیام وانتظام کے علاوہ تعلیم القرآن سوسائٹی ایسے اداروں، مدارس ومساجد کی مکمل سرپرستی اور اعانت اپنی زندگی کے ہر دور میں بڑی تندہی سے جاری رکھی۔

تعلیم القرآن سوسائٹی حفظ وناظرہ اور ترجمہ وتفسیر قرآن کے لیے بچّوں اور بچّیوں کے سینکڑوں مراکز ومدارس قائم کر چکی ہے جہاں پر ہزاروں طلباء وطالبات علوم ومعارفِ قرآنی سے بہرہ مند ہو کر لاکھوں کی اصلاح کا ذریعہ بن رہے ہیں۔ حضرت امام الہُدیٰؒ کے شاگرد اور آپ کے ہاتھ پر توبہ اور جہاد کی بیعت کرنے والے ہزاروں لاکھوں متوسّلین اس وقت نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دُنیا میں دین کے انقلابی پروگرام اور حضور ختم المرسلین کے مشن کو لے کر چل رہے ہیں۔

شاہ ولی اللہ سوسائٹی کی نشست میں بطورِ خاص غیر معمولی دلچسپی لے کر مقالے پڑھنا اور علوم اور عرفان کے موتی بکھیرنا حضرتؒ کی عادتِ مبارکہ تھی۔ ان نشستوں میں تشنگانِ علوم ومعارف کو اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لیے غور وفکر کا نادر موقع میسّر آجاتا تھا۔

مجالسِ ذکر وفکر شہر اور مضافاتِ لاہور، اندرون اور بیرونِ مُلک بیسیوں مراکز اور نشستیں

قائم فرمائیں جہاں پر لوگوں کو اصلاحِ باطن اور روحانی بالیدگی کے مواقع میسّر آتے رہے، دورۂ تفسیر القرآن میں انقلابی طرز پر دورِ حاضر کے مسائل کے حل کے لیے رہنمائی فرماتے رہے۔

ہفت روزہ خدّام الدین اور ترجمانِ اسلام کے جاری کرنے والے خود حضرت اقدس انور رحمہ اللہ ہیں اور زندگی بھر ان کی نگرانی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ خدّام الدین کے مضامین اکثر اوقات خود دیکھتے اور ایک ایک لفظ کی اصلاح فرماتے۔

جامع مسجد شیرانوالہ میں اپنے والدِ گرامی کی مسندِ جلیلہ کے فرائض کی انجام دہی میں اپنے اسفار کو کبھی مانع نہیں آنے دیا، حتیٰ کہ بیرونِ مُلک کے بڑے بڑے پروگراموں کو اپنی اس مستقل ذمّہ داری کے لیے قربان کر دیتے۔ لاہور اور کراچی میں طلباء و طالبات کے جامعات کی مکمّل سرپرستی اور نگرانی فرماتے رہے۔

جمعیتہ علماءِ اسلام پاکستان کے قیام سے لے کر تاحیات اس کے پروگرام پر بڑی جانفشانی اور جرأت مندی سے جدّوجہد جاری رکھی اور جس وقت دُنیا سے رحلت فرمائی، حضرت امام الہُدیٰؒ جمعیتہ علماءِ اسلام کے متفقہ امیر تھے۔

یہ اللہ کی ذات والاصفات کا احسانِ عظیم ہے کہ حضرت اقدس امام الہُدیٰؒ کے دُنیا سے تشریف لے جانے کے بعد حضرت جانشین امام الہُدیٰؒ مولانا میاں محمّد اجمل قادری دامت برکاتہم العالیہ اپنے فرائضِ منصبی کو کمال محنت و اہلیت سے بہ احسن طریق نبھاتے ہوئے سچے وارث کی حیثیت سے جلوہ افروز ہیں۔ اللہ پاک انھیں عمرِ خضرؑ عطا فرمائے اور ان کی برکات کا فیضانِ عام جاری فرمائیں۔

یہ مجموعہ "مقالات و ارشاداتِ امام الہُدیٰؒ" حضرت اقدسؒ کی چیدہ ترین تقریروں، تحریروں اور تیئیس ۲۳ سالہ خطباتِ جُمعہ اور مجالسِ ذکر کے بیانات سے اقتباسات کے انتخاب پر مشتمل ہے۔ چند اہم خطوط بشمول عکسِ تحریر بھی اس کتاب میں شامل کر لیے گئے ہیں۔ انشاء اللہ العزیز دوسرا حصّہ "حالات و کمالاتِ امام الہُدیٰ" مع سوانح حیات اور مختصر طور پر زندگی کے مختلف پہلوؤں پر جائزوں اور تبصروں پر مشتمل ہوگا۔

اس کتاب کی تیاری میں نہ چاہتے ہوئے بھی بوجوہ تاخیر ہو گئی ہے۔ مؤلف محترمی مکرّمی جناب عثمان غنی صاحب نے بڑی تندہی اور عرق ریزی سے مجموعہ تحریر کیا ہے۔ جناب حاجی بشیر احمد اور

محبِ مکرّم جناب ظہیر میر ایڈووکیٹ نے بڑی سعادتمندی سے خصوصی دلچسپی لی ہے۔ جناب حکیم آزاد شیرازی نے بدقتِ نظر املاء اور ادب کی اصلاح فرمائی ہے۔ رئیس الخطّاطین حضرت سیّد نفیس الحسینی مدظلّہ نے اپنے شاگردِ رشید محمد جمیل حسن کو کتابت کے لیے متقرر فرمایا جنھوں نے بڑی محنت سے کتابت کے موتی پروئے ہیں۔ ان سب حضرات اور بے شمار دیگر احباب جنھوں نے اِس کاوش میں ہماری مدد اور رہنمائی فرمائی ہے ہم ان کے تہِ دل سے ممنون ہیں اور اللہ کی ذاتِ لم یزل سے اُمید واثق رکھتے ہیں کہ ان اصحاب کو دُنیا اور آخرت میں اجرِ جزیل اور انعامات عطا فرمائیں گے۔

رأس الاتقیا حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ بانی و مہتمم دارالعلوم حقّانیہ اکوڑہ خٹک (ایم۔ این۔ اے) کی خدمت میں حاضری کے سفر میں جناب عثمان غنی، حاجی بشیر احمد صاحب، ظہیر میر ایڈووکیٹ صاحب کے علاوہ گوجرانوالہ کے حاجی خوشی محمد صاحب بھی میرے شریکِ سفر تھے۔ شیخ الحدیث صاحبؒ نے بے حد شفقت و محبّت کا معاملہ فرمایا اور تقریظ کی املاء کے بعد ایک ایک لفظ بار بار سُن کر خود دستخط ثبت فرمائے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ ابتدائی کتابوں میں حضرت امام الہدیٰؒ کے استاد بھی تھے۔

یہ کِسے معلوم تھا کہ اس کتاب کے چھپنے سے پہلے وہ بھی اس جہانِ رنگ و بُو سے مُلکِ عدم کو سدھار چکے ہوں گے۔

حضرت امام لاہوریؒ کے خلیفۂ ارشد قطبِ زمان، مفسّرِ قرآن حضرت علّامہ مولانا قاضی زاہد الحسینی دامت برکاتہم العالیہ نے بھی بڑی چاہت اور کمالِ خلوص سے تقریظ تحریر فرمائی ہے، خُدا اِن ایسے بزرگوں کا سایہ سلامت باکرامت رکھے (آمین) اور مجھ ایسے گناہگار کی عمر بھی اِن ایسے کام کے انسانوں کو لگا دے۔

زیرِ نظر کتاب کے بُنیادی طور پہ دُو حصّے ہیں، پہلے حصّے میں حضرت اقدس رحمہ اللہ کے مقالات، چیدہ تحریریں، نشری اور غیر نشری تقاریر شامل ہیں، سیرۃ النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے شروع کر کے چند خاص خاص مقالہ جات اور تحریریں شاملِ مجموعہ کی گئی ہیں۔ اہم تقاریر مثلاً بلغاریہ کی عالمی امن کانفرنس میں تمام دُنیا کے مسلمان نمائندوں کی طرف سے، اسلام کا نظامِ امن و آشتی کے موضوع پر خطاب، حضرتؒ کا پندرھویں صدی ہجری کے آغاز پر پہلا اور آخری خطبہ وغیرہ مکمل

نقل کر لیے گئے ہیں، نشری تقاریر میں اردو اور پنجابی دونوں زبانوں سے انتخاب شامل کر لیا گیا ہے، اردو تقاریر مختلف موضوعات پر ہیں اور پنجابی تقاریر مستقل عنوان "ہدایت دی راہ" کے تحت ریڈیو پاکستان سے نشر ہو چکی ہیں جو در اصل پنجابی زبان میں تفسیرِ قرآن کی ابتدائی ترتیب ہے۔

دوسرے حصے میں "ارشادات" کے عنوان سے تئیس ۲۳ سالوں کے خطباتِ جمعہ اور مجالسِ ذکر کے بیانوں سے منتخب اقتباسات شامل کیے گئے ہیں۔ انھیں پیش کرنے کا اصل مقصد اصلاحِ اُمت ہے لیکن اس کے ساتھ ان میں علمی موضوعات اور اہم تاریخی واقعات کا بہت بڑا سرمایہ بھی جھلکتا ہُوا نظر آتا ہے۔

آخر میں مؤلف نے چند خطوط بھی بطور تبرک شامل کر لیے ہیں۔ شروع میں عکسِ تحریر کے طور پر ایک خط شکستہ بھی پیشِ نظر ہے۔ چند تلقینات اور مجرّبات بھی افادہ عام کے لیے لکھے گئے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ بغیر اپنے موجودہ شیخ کی اجازت اور تلقین کے ان پر عمل مناسب نہیں جس سے عموماً عمل ضائع اور بے سُود ہو جاتا ہے۔

دُعا فرمایئے۔ اللہ کرے یہ کتاب مستطاب، اصلاحِ احوال اور جذبۂ دینی اُجاگر کرنے میں کارگر ہو اور "دیر آید درست آید" کے مصداق ہر جگہ اور ہر حلقہ میں مفید ثابت ہو اور یہ کہ اصل سوانح حیات: "حالات و کمالات امام الہدیٰؒ" بھی جلد از جلد پیشِ نظر کی جا سکے۔

دُعا جُو سیہ کار

فقیر محمّد اکمل عفی عنہ

۴۵-۲ بجے شب

۲؍شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۱؍مارچ ۱۹۸۹ء

معروضاتِ مؤلّف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ امّا بعد

احقر کو اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی غلامی نصیب فرما کر بہت بڑا کرم فرمایا۔ الحمد للہ کہ اس گناہگار کا تعلق ایک ایسے اللہ والے سے ہُوا جس کے فیضِ نظر نے لاکھوں انسانوں کی تقدیریں بدل کے رکھ دیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد احقر کو یہ سعادت میسّر آئی کہ "ملفوظاتِ طیّبات" جیسی دلکش کتاب مرتّب کی۔ یہ کتاب بار بار چھپتی ہے اور ختم ہو جاتی ہے۔ اس سے پڑھنے والوں نے بے حد استفادہ کیا ہے، اور کر رہے ہیں۔

اب اللہ تعالیٰ نے مزید توفیق عطا فرمائی ہے کہ جانشینِ شیخ التّفسیر امام الھدیٰ حضرت مولانا عُبید اللہ انور صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفاتِ حسرت آیات کے بعد اُن کے خطباتِ جُمعہ اور مجالسِ ذکر کے چیدہ چیدہ حِصّے جمع کر کے "ارشاداتِ امام الھدیٰ" کے نام سے کتاب ہٰذا مرتّب کر دی ہے فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ ہر ارشاد کے ساتھ احقر نے حوالہ بھی درج کر دیا ہے اور عنوان بھی مقرّر کر دیا ہے

حضرت امام الھدیٰ مولانا عُبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ کے یہ ملفوظاتِ مقدّسہ موصوف کی سوانح حیات کا حصّہ ہے مگر سوانح حیات کی ضخامت بڑھ جانے کے خوف سے اُنھیں الگ کتابی شکل دے دی گئی ہے۔ سوانح حیات پر کام جاری ہے جو انشاء اللہ بہت جلد زیورِ طبع سے مزّین ہو کر مشتاقین کے ہاتھوں میں پہنچا دی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ اِس محنت کو قبول فرمائے اور میرے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

۲۲ ربیع الاوّل ۱۴۰۸ھ — احقر محمّد عثمان غنی

۱۵ نومبر ۱۹۸۷ء — خادم دربارِ عالیہ قادریہ راشدیہ انوریہ

مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ دروازہ لاہور

حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ

۱۹۷۸ء میں پنجاب بھر میں جمعیۃ علماء اسلام کی طرف سے سیرت کانفرنسیں منعقد ہوئیں جن میں جمعیۃ پنجاب کے رہنما مولانا قاری نور الحق قریشی (ملتان) مولانا قاری عبد السمیع سرگودھا مولانا محمد رمضان (میانوالی) مولانا محمد لقمان (علی پور) مولانا غلام ربانی (رحیم یار خاں) جانباز مرزا (لاہور) اور سید امین گیلانی (شیخوپورہ) وغیرہ حضرات نے شرکت کی۔ چند مقامات پر امیر پنجاب حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شرکت فرمائی اور اپنا تحریری مقالہ پیش فرمایا جو درج ذیل ہے

پھوٹا جو سینۂ شبِ تارِ الست سے
اُس نورِ اوّلیں کا اُجالا تمہی تو ہو

حمد و ستائش اُس ذاتِ قادر و توانا کو سجتی ہے جس نے اس کارخانۂ عالم کی ہر چیز کو عدم کی اندھیاریوں سے نکال کر وجود کی جلوہ گاہ پر نمودار کیا اور ازل و ابد جس کی ذات میں گم ہے اس عالمِ رنگ و بو کا ذرہ ذرہ اُس کی یکتائی و کبریائی و زیبائی کے گُن گا رہا ہے اور درود و سلام کائنات کے دُولہا اور اُس کے آخری پیغمبر پر جنھوں نے ظلم و جہالت میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو رُشد و ہدایت کا صحیح اور سیدھا راستہ دکھایا۔ سائنس کی رُو سے کرۂ ارض کی عمر تقریباً تین ارب سال ہے لیکن انسان کو اس خاکدان میں رہتے ہوئے دو لاکھ سے پانچ لاکھ سال کی مدت گزر رہی ہے۔ اس مُدت کا ۹۸ فیصد حصّہ تاریکی میں لپٹا ہوا ہے۔ ہماری تاریخ نہایت مختصر ہے اور جب گزشتہ تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں انبیاء و رسل کی سیرتوں ہی میں صحیح انسانیت کے خدوخال دکھائی

دیتے ہیں ــــ بلکہ سرورِ کونینؐ کی تعلیمات ہی نے حقیقی معنوں میں انسان کو اشرف المخلوقات کے مقام تک پہنچایا ہے۔ محسنِ انسانیت کا مجمل سا نسب نامہ "از آدم تا ایں دم" کچھ اس طرح ہے حضرت آدمؑ سے حضرت نوحؑ تک ۱۰ پشت، سام بن نوحؑ سے ابراہیمؑ تک ۹ پشت، حضرت اسماعیلؑ سے اُدد تک ۴۰ پشت، عدنان سے جناب عبداللہ والد گرامی آنحضرتؐ تک ۲۱ پشت، حضرت آدمؑ سے حضرت نبی اکرمؐ تک مؤرخین چھ ہزار ایک سو پچپن سال کی مدت قرار دیتے ہیں جب نبوتِ عیسوی کو تقریباً چھ سو برس بیت گئے اور دُنیا نورِ نبوت سے کاملاً محروم ہو گئی ــــ عرب و عجم، مشرق و مغرب نہ صرف خوابِ غفلت میں سرشار بلکہ شرک و کفر کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں سے دوچار دکھائی دینے لگے اور کہنے کو تو یہ انسان ہی تھا لیکن درحقیقت حیوان سے بدتر کردار کا شکار۔ اُولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (یہ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے) چنانچہ عرب لات و عزیٰ، نائلہ و ہبل پر فدا ہیں تو عجم کے رہنے والے شمس و قمر، اہرمن و یزدان، مہا دیو اور کرشن کی مورتیوں کے پرستار، روئے زمین کا چپہ چپہ مالکِ حقیقی کو فراموش کر کے خود ساختہ بتوں پر نثار ہو رہا تھا۔ ان حالات میں یکایک غیرتِ حق جوش میں آئی۔ اسکے جلال و جبروت کو حرکت ہوئی۔ دعائے خلیل اور نویدِ عیسٰی کی پذیرائی کا وقت آیا۔ پیر ۹ ربیع الاول ۲۰ اپریل ۵۷۱ء بوقت صبحِ صادق یہ آفتابِ نبوت بطنِ آمنہ سے ہویدا ہوا ؎

بصد انداز یکتائی بغایت شانِ زیبائی
امیں بن کر امانت آمنہ کی گود میں آئی

کفر و ضلالت کی تاریک گھٹائیں چھٹ گئیں۔ آفتابِ عالم تاب نے ظلمت کدۂ جہاں کو بقعہ نور بنا دیا، عالم تمام مطلعِ انوار ہو گیا۔

ولادت سے کچھ عرصہ پیشتر آپؐ کے والد ماجد عبداللہ بن عبدالمطلب اس جہانِ رنگ و بو کو خیرباد کہہ گئے۔ دُرِّ یتیمؐ کی والدہ آمنہ قبیلہ زہرہ میں وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی تھیں۔ رہائش مدینہ طیبہ میں تھی، پانچویں پشت میں آپؐ کا سلسلہ مادری و پدری جمع ہو جاتا ہے۔ آپؐ کے دادا نے ساتویں دن آپؐ کا نام محمدؐ رکھا۔ شرفاءِ عرب کے دستور کے مطابق کہ اُن کے بچے صحرا کی کھلی اور آزاد فضا میں پرورش پاتے تھے۔ آپؐ کو چند ماہ بعد حلیمہ سعدیہؓ کے سپرد کر دیا گیا تا کہ دیہات کی صحت مند آب و ہوا میں رہنے کے علاوہ خالص عربی زبان سیکھ جائیں۔ حلیمہؓ چار سال

بعد آپ کو واپس لائیں۔ بنی ہوازن کے گاؤں کی فضا آپ کو راس آئی۔ اس لیے کبھی مکّہ میں اور کبھی پھر گاؤں بھیج دیے جاتے۔ چھٹے برس سے مستقل اپنی والدہ کے پاس رہنے لگے۔ کچھ دنوں بعد حضرت آمنہ نے مدینے کا سفر کیا۔ آپؐ ساتھ تھے۔ واپسی میں مقامِ ابوا۔ پر والدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ اُمِ ایمن آپؐ کو مکّہ مکرّمہ واپس لائیں۔ تب آپؐ کی پرورش دادا کے سپرد ہوئی۔ اس فرض کو انھوں نے بطریقِ احسن انجام دیا۔ آپؐ کو اپنی اولاد سے بڑھ کر چاہا اور اپنی جان کے ساتھ لگا کر رکھا۔ دیگر انبیاء کی طرح شروع میں آپؐ نے بھی کچھ عرصہ اپنے گھرانے کی بکریاں چرائیں اور ان کی دیکھ بھال کی۔ ۱۲ برس کی عمر میں آپؐ نے اپنے چچا کے ساتھ شام کا سفر کیا۔ بصرہ کے عیسائی راہب نے جس کا نام بحیرا تھا۔ آپؐ کے آخری نبی ہونے کی نشانیاں بتلائیں۔ ۱۵ سال کی عمر میں آپؐ نے "حربِ فجاز" میں شرکت کی۔ جنگ کے خاتمہ پر "حلف الفضول" میں آپؐ نے نمایاں حصّہ لیا۔ عرب میں اسلام کے آغاز تک لڑائیوں کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ چلا آ رہا تھا۔ ان میں یہ جنگ بہت مشہور ہے۔ یہ جنگ قیس اور قریش کے درمیان لڑی گئی۔ اوّل قیس پھر قریش غالب آئے۔ آخر میں صلح پر خاتمہ ہُوا۔ چونکہ اس جنگ میں قریش حق پر تھے اور خاندان کے ننگ و نام کا معاملہ تھا اس لیے حضوؐر نے بھی شرکت فرمائی۔ لیکن کسی پر آپؐ نے ہاتھ نہیں اُٹھایا۔ اسے "حربِ فجاز" اسی لیے کہتے ہیں کہ ممنوع ایّام میں لڑی گئی تھی۔ دوسری جنگوں اور لڑائیوں کی طرح اس جنگ میں بھی ہر دو طرف سے بے دریغ خُون بہایا گیا۔ دردِ دل رکھنے والے کچھ لوگوں نے سوچا یہ غیر انسانی مشغلہ کیوں نہ ختم کر دیا جائے۔ آخر اس قتل و سفّاکی سے تباہی کے سوا اور کیا حاصل ہوتا ہے۔ اس غرض سے "حلف الفضول" کے نام سے معاہدہ ہُوا کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا اور کوئی ظالم مکّہ میں نہ رہنے پائے گا۔ اوّل جنھیں یہ خیال سُوجھا ان کا نام "فُضیل" سے شروع ہوتا ہے۔ اس لیے اسے بھی "حلف الفضول" کا نام دیا گیا۔

جوان ہونے پر آپؐ نے آبائی پیشہ تجارت شروع کیا۔ شام، بصرہ اور یمن کے سفر کیے۔ آپؐ بچپن سے اپنی بات کے پکّے، راست باز، دیانت دار اور بہت رحم دل تھے۔ اس لیے عرب آپؐ کو "الصّادق الامین" کے نام سے پکارتے۔ مثل ہے کہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات، یعنی جس نے آگے چل کر کوئی عظیم کارنامہ انجام دینا ہوتا ہے شروع ہی سے اُس کے اچھے آثار و قرائن دکھائی دینے لگتے ہیں اور یہاں تو معاملہ نبوت کا تھا۔ نبی کی زندگی میں کبھی تضاد نہیں ہوتا

کہ قبل از بعثت اُس کے حالات و معاملات کچھ اور ہوں اور بعد از بعثت کچھ اور۔ چنانچہ شغلِ تجارت میں قدم رکھنے کے ساتھ ہی حسنِ معاملہ امانت و دیانت اور پاکیزہ اخلاق کے عام چرچے ہونے لگے۔ اس سے متاثر ہو کر عرب کی مالدار اور تعلیم یافتہ خاتون تاجرہ خدیجہؓ نے حضورؐ سے تجارتی شرکت و معاونت کی درخواست کی۔ جسے آپؐ نے منظور فرما لیا۔ طے پایا مال اُن کا محنت حضورؐ کی۔ منافع آدھوں آدھ۔ چنانچہ شام سے منافع بخش اور کامیاب تجارتی سفر کے بعد بالخصوص اپنے معتمد غلام میسرہ سے حالاتِ سفر اور حضورؐ کی عفّت و پاکدامنی، بلند کرداری اور صداقت و معاملہ فہمی ایسے غیر معمولی اوصاف سُن کر خدیجہؓ نے حضورؐ سے مناکحت کی درخواست کی جو حضورؐ نے قبول فرمالی۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب سارا ماحول جنسی بے راہ روی کی سڑاند سے بسا ہُوا تھا۔ جہاں شعراء اپنی فحش کاریوں کو بڑھ چڑھ کر بیان کرنا ادب کا کمال سمجھتے تھے۔ جہاں بے حیائی و بے حجابی سے بھرے ہُوئے قصیدے کو اتنا بلند مقام حاصل تھا کہ دیوارِ کعبہ پر انھیں آویزاں کر دیا جاتا تھا۔ بہر کیف اس معزّز و محترم خاتون جسے طاہرۂ عرب کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، اس کا نصیبا جاگا۔ مجلسِ نکاح منعقد ہُوئی تو خطبۂ نکاح خود حضرت ابوطالب نے پڑھا۔ اس سے پیشتر عتیق مخزومی سے اُن کا نکاح ہُوا۔ وفات کے بعد دوسرا نکاح ابوہالہ تمیمی سے پڑھایا گیا۔ کچھ عرصہ بعد اُس کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس نکاح کے وقت حضرت خدیجہؓ بنت خویلد کی عمر چالیس برس اور آنحضرتؐ کی عمر ۲۵ برس تھی۔ حضورؐ کی ساری اولاد جناب قاسم جناب عبداللہ سوائے جناب ابراہیم کے جو مدینہ منورہ میں ماریہ قبطیہ کے بطن سے ہوئے۔ سیّدہ زینب، رقیہ، امِ کلثوم اور جگر گوشۂ رسولؐ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہن حضرت خدیجہؓ کے بطنِ اطہر سے پیدا ہُوئیں۔

جب آپؐ کی عمر ۳۵ سال کی تھی مکّے میں سیلاب آیا جس سے خانہ کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچا۔ سب قبائل نے مل کر تعمیر کی۔ حجرِ اسود نصب کرنے کا وقت آیا تو اختلاف ہو گیا۔ ثالثی قدرتاً آپؐ کے سپرد ہو گئی۔ آپؐ نے حجرِ اسود کو ایک چادر میں رکھا اور قبیلے کے ایک ایک سردار کو چادر کے کونے پکڑنے کو کہا۔ جب مقامِ نصب پر آ گیا تو آپؐ نے اپنے دستِ مبارک سے اُسے نصب فرما دیا۔ جس سے ایک خون ریز جنگ ٹل گئی۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس برس کی ہُوئی تو ۱۷ رمضان یکم فروری سنہ ۶۱۰ء

کو غارِ حرا میں جب کہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم حسبِ عادت مصروفِ عبادت تھے۔ جبرئیلِ امینؑ نے آکر یہ مژدہ سنایا کہ آج آپؐ کو حق تعالیٰ نے منصبِ رسالت پر فائز فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی عرض کیا اِقْرَأْ پڑھو۔ آپؐ نے فرمایا، مَا اَنَا بِقَارِئٍ، مَیں پڑھنا نہیں جانتا۔ یہ سُن کر جبرئیلِ امینؑ نے دو مرتبہ آپؐ کو سینے سے لگایا اور پھر کہا : اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ اور اس کے بعد سُورۂ اقرأ کی ابتدائی چند آیتیں تلاوت کیں۔ آپؐ نے بھی اسی طرح ان کو تلاوت کیا ؎

اُتر کر حِرا سے سُوئے قوم آیا اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

یہ ربّ العالمین کا پہلا سندیس اور اوّلین پیغام تھا۔ اپنے بندوں کے نام جسے لیکر معتکفِ غارِ حرا جبل النّوُر سے سیدھے اپنے گھر آئے اور اپنی مُونس و غمخوار رفیقۂ حیات سے تمام ماجرا کہہ سُنایا۔ جسے سُنتے ہی اوّل المومنین کا شرف جس ہستی کے لیے مقدّر ہو چکا تھا اُسے نصیب ہُوا، پھر جیسے ہی جنم جنم کے ساتھی صدّیقِ اکبرؓ، علی المرتضیٰؓ اور زید بن حارثہؓ کو اس کا علم ہُوا، دولتِ ایمان سے مشرّف ہو کر مُہرِ تصدیق ثبت کر دی۔ یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔ تین برس تک آپؐ خاموشی سے تبلیغ کا فرض ادا کرتے رہے۔ جب اعلانیہ تبلیغ کا حکم ہُوا تو آپؐ نے کوہِ صفا پر تمام اہلِ مکّہ کو جمع کیا اور بُرے اعمال سے توبہ کے لیے کہا جس سے سب کے سب آپؐ کے دشمن ہو گئے۔ جب ظلم و ستم حد سے بڑھا تو آپؐ نے حبشہ ہجرت کا مشورہ دیا۔ ۱۲ مرد ۴ عورتیں حضرت عثمانؓ کی قیادت میں حبشہ پہنچے۔ ۳ ماہ وہاں رہے پھر واپس آگئے۔ دوسری بار ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں حبش گئے۔ جعفر طیّار بن ابی طالب اُن کے قائد تھے۔ جنھوں نے شاہ نجاشی عیسائی کے دربار میں اپنی خطابت اور اسلام کی عظمت کا لوہا منوایا۔ قریشِ مکّہ نے بنو ہاشم کو دھمکی دی کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو کفّار کے حوالے کر دیں ورنہ ان کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے گا۔ چنانچہ تین سال تک آپؐ کو تمام خاندان سمیت شعبِ ابی طالب میں بطور پناہ گزین کے رہنا پڑا۔ اس دوران حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا۔ نبوت کے دسویں سال پہلے حضرت ابو طالب اور کچھ دنوں بعد حضرت خدیجہؓ وفات پا گئیں۔ ان ہی دنوں آپؐ نے طائف کا تبلیغی سفر کیا۔ مشرکین بڑی بے ادبی اور گستاخی سے پیش آئے۔ اوباشوں کو پیچھے لگا دیا۔ جنھوں نے آپؐ پر پتھر برسائے۔ ایک ساتھی نے بد دُعا کے لیے کہا تو آپؐ نے فرمایا،

مَیں اس قوم کی ہدایت کے لیے مبعوث ہُوا ہُوں نہ کہ ہلاکت کے لیے۔ یہ نہیں تو انشاءاللہ آئندہ ان کی نسلیں اسلام لائیں گی۔

تمام عرب کی طرح اہلِ مدینہ بھی حج کے لیے آیا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ کی تبلیغ و دعوت سے پہلے سال خزرج کے ۶ آدمی اسلام لائے۔ اگلے برس ۱۲ آدمی مسلمان ہو گئے۔ عقبۂ ثالثہ میں ۷۲ آدمی ایمان لے آئے۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ اُن کو تعلیمِ قرآنِ کریم دیتے تھے۔ ان لوگوں نے آپؐ کو مدینہ کی دعوت دی۔ چنانچہ تیرھویں سالِ نبوّت بحکمِ الٰہی آپؐ مدینہ منوّرہ ہجرت کر گئے۔

یہ تھی آپؐ کی مکّی زندگی کی ایک جھلک!

○

تقریب بآ پندرھویں صدی ہجری

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام

باب الاسلام سندھ کے ایک معروف سندھی رسالے کے ایڈیٹر کی خواہش پر یہ مضمون لکھا گیا، جس کا سندھی ترجمہ وہاں شائع ہوا۔

ایک مشہور ایرانی مصنّف حکیم بزوریہ نے اپنی کتاب "کلیلہ دمنہ" میں حضور نبی مکرّم رحمتِ دو عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم کی بعثت کے وقت ایرانی سوسائٹی کا جو نقشہ کھینچا ہے اُس کی ایک تصویر ملاحظہ فرمائیں:

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے صداقت سے ہاتھ اُٹھا لیا ہے، جو چیز مفید ہے وہ موجود نہیں اور جو موجود ہے وہ مُضر ہے، جو چیز اچھّی ہے وہ مُرجھائی ہوئی ہے اور جو بُری ہے وہ سرسبز ہے، دروغ کو فروغ ہے اور نیکی بے رونق ہے، علم پستی کے درجہ میں ہے اور بے عقلی کا درجہ بلند ہے، بدی کا بول بالا ہے اور شرافتِ نفسی پامال ہے، محبّت متروک ہے، نفرت مقبول ہے، فیض و کرم کا دروازہ نیکوں پر بند ہے اور شریروں پر کُھلا ہے، حکّام کا فرض صرف عیّاشی کرنا اور قانون کو توڑنا ہے، مظلوم اپنی ذِلّت پر قانع ہے اور ظالم کو اپنے ظلم پر فخر ہے، حِرص اپنا مُنہ کھولے ہُوئے ہے اور دُور و نزدیک ہر چیز کو نگل رہی ہے، تسلّط لائقوں سے نالائقوں کی طرف مُنتقل ہو گیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا مسرّت کے نشے میں یہ کہہ رہی ہے کہ میں نے نیکی کو مقفّل اور بدی کو رہا کر دیا ہے۔" (بحوالہ مولانا سندھیؒ، حالاتِ زندگی، تعلیمات اور سیاسی افکار ص ۱۹۲-۱۹۱)

ایک ایرانی مصنّف نے "شھد شاھد من اھلھا" کے مصداق اپنے گھر کے حالات کا جو نقشہ کھینچا ہے اور اُس دور کی سوسائٹی کے پوست کندہ حالات بلاکم و کاست بیان کیے ہیں

وہ واضح اور دوٹوک لفظوں میں کسی انقلاب کو دعوت دے رہے تھے کیونکہ آسمانی صحائف کی متفقہ شہادت یہی ہے کہ اس قسم کے حالات پیدا ہو جائیں تو تبدیلی ناگزیر ہو جاتی ہے۔

گیارھویں صدی کے مجدّد اور برِّصغیر کی نامور شخصیت حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ قدس سرّہٗ اسی ضمن میں اپنی معرکۃ الآرا کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں (محض اردو ترجمہ پیشِ خدمت ہے)

"جب یہ مصیبت بہت بڑھ گئی (یعنی مادیّت اور دُنیا پرستی کی مصیبت) اور مرض نے شدّت اختیار کر لی تو اللہ تعالیٰ اور اُس کے مقرّب فرشتے ناراض ہُوئے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ کی یہ مشیّت ہُوئی کہ اِس مرض کا مادہ ہی کاٹ کر پھینک دیا جائے، کیونکہ مرض لاعلاج حد تک بڑھ گیا تھا۔ چنانچہ اِس غرض کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مُحمّد رسُول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم کو مبعُوث فرمایا جو محض اُمّی تھے (جیسا کہ قرآنِ مجید میں سُورۃ جمعہ آیت ۲ میں ارشاد ہے) ناقل ۸ اور جنھوں نے کبھی ایرانی اور رُومی سوسائٹی (روس اور امریکہ کی طرح اُس دور کی دو عظیم اور سُپر طاقتیں) میں میل جول نہ رکھا تھا اور نہ ان کی رسم و رواج اور طرزِ معاشرت اختیار کی تھی، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم کو رسُومِ صالح اور غیر صالح کے درمیان تمیز کرنے کا معیار قرار دیا اور اُن کی زبانِ فیض ترجمان سے عجمیوں کی رسموں کی مذمّت کرائی اور دُنیاوی زندگی میں انہماک اور اس پر اطمینان کر کے بیٹھ جانے کی خرابی ظاہر کی، اُن کے دِل میں اللہ نے ڈالا کہ جن اخلاقِ فاسدہ اور رسُومِ مروّجہ کے عجمی عادی ہیں اور جن پر وہ فخر و مباہات کرتے ہیں وہ حرام ہیں، مثلاً ریشمی لباس، ارغوانی کپڑے، سُنہری اور روپہلی برتن، سُنہری زیور، ایسے کپڑے جن پر تصویریں بنی ہُوئی ہوں، مکانوں پر نقش و نگار، اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا کہ اِس نبی کی حکومت کے ذریعے سے ان قیصر و کسریٰ (رُومی و ایرانی سوسائٹی کے سربراہ) کی حکومت کو برباد کر دے، اور اِس کی لیڈر شپ کے ذریعے اُن کی لیڈر شپ کو ختم کر دے۔ چنانچہ اس کے وجود سے کسریٰ ہلاک ہو گیا، پھر کوئی کسریٰ نہ ہو گا اور قیصر کی قیصریت ختم ہو گئی اور

پھر کوئی اُس کا جانشین نہ ہوسکے گا۔" (جلد نمبر ا صفحہ ۱۰۶)

حکیم الامّت رحمہ اللہ تعالیٰ کے اِس اقتباس سے مقصد بڑا واضح ہے کہ اللہ کا نبی دُنیا سے ہر قسم کی بے انصافی اور عدمِ توازن دُور کرنے آیا تھا اور معاشرے کے وہ افراد و طبقات جو حد سے بڑھی ہُوئی پُر تعیّش زندگی میں مست ہو کر خدا نا آشنا ہو چکے تھے اور ان کے اعمال و افعال مِلّت کے دُوسرے طبقات کے لیے سمِ قاتل ثابت ہو رہے تھے اُن کا قلع قمع کر دیا جائے اور اللہ کی زمین انصاف سے بھر جائے۔

سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ ھلك قیصر فلا قیصر بعدہٗ وھلك کسریٰ فلا کسریٰ بعدہٗ۔ یہ ایک پیشین گوئی تھی جو زبانِ نبوّت سے نکلی اور اس کی صداقت کو بہت جلد دُنیا نے دیکھ لیا۔

اِس موقع پر قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عیش و نشاط میں غرق معاشرے اور سوسائٹی کے زوال کی رسول اللہؐ نے کیوں پیشین گوئی کی اور دُنیا بھر کے اہلِ صلاح و تقویٰ اور حکیم و دانا لوگ اس قسم کی سوسائٹی کو انسان اور انسانیت کے لیے کیوں سمِ قاتل سمجھتے ہیں؟
اس کا جواب سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۱۶ سے بخوبی معلوم ہو سکے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:
واذا اردنا ان نھلك قریۃ امرنا مترفیھا ففسقوا فیھا فحق علیھا القول فدمرناھا تدمیرا۔

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے دولت مندوں کو حکم دیتے ہیں پھر وہ وہاں نافرمانی کرتے ہیں تب اُن پر حجّت تمام ہو جاتی ہے اور ہم اسے برباد کر دیتے ہیں۔ (حضرت لاہوریؒ)

پنجاب میں حکمتِ ولی اللّٰہی کے مخلص اور بے لوث شارح حضرت مولانا احمد علی رحمہ اللہ علیہ اپنے مختصر حواشی میں اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں:
"یہ بھی یاد رہے کہ بستیاں ہمیشہ آسودہ حال لوگوں کی شامتِ اعمال سے تباہ ہُوا کرتی ہیں۔"

کبھی قرآنی قصص و واقعات پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالیں تو سب سے پہلے نبی مُرسل حضرت نوح علیہ السّلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم

تک آسمانی تعلیمات اور نبوی دعوت کی مخالفت میں وہی طبقہ آپ کو پیش پیش نظر آئے گا جو قرآن کی زبان میں "مترف" (دولت مند طبقہ) کہلاتا ہے۔ اس طبقہ نے اپنی دولت و ثروت پر غرور و ناز کرتے ہوئے ہمیشہ انبیاء علیہم السّلام اور اُن کے رفقاء اور اہلِ ایمان کا ذکر تحقیر آمیز انداز میں کیا ـــ حضرت نوح علیہ السّلام کے دور کے اہلِ ثروت اور اربابِ تموّل نے آپ کی دعوت کے جواب میں کہا:

"ہمیں تو تم ہم جیسے ہی ایک آدمی نظر آتے ہو اور ہمیں تو تمھارے پیرو وہی نظر آتے ہیں جو ہم میں سے رذیل ہیں۔" (ھُود آیت نمبر ۲۷)

حضرت صالح علیہ السلام کے حالات کے ضمن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

"اس قوم کے متکبّر سرداروں نے غریبوں سے کہا جو ایمان لا چکے تھے کیا تمھیں یقین ہے کہ صالح کو اُس کے رب نے بھیجا ہے؟ انھوں نے کہا جو وہ لیکر آیا ہے ہم اُس پر ایمان لاتے ہیں، متکبّروں نے کہا کہ جس پر تمھیں یقین ہے ہم اُسے نہیں مانتے۔" (الاعراف۔ آیت ۷۵،۷۶)

فرعون سے متعلّق قرآن کہتا ہے کہ اُس نے اپنی قوم سے کہا:

"کیا میں اس سے بہتر نہیں ہوں جو ذلیل ہے اور صاف بات بھی نہیں کر سکتا۔" (زخرف ۵۲)

سرکارِ دو عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے زمانہ میں کفّار و فسّاق آپؐ سے اسی انداز میں گفتگو کرتے اور آپؐ سے یہ مطالبہ کرتے کہ یہ غرباء اور اس طرح کے جو لوگ آپؐ کے ارد گرد رہتے ہیں انھیں ہٹا دیں تو ہم کم از کم آپؐ کی بات سُن لیں گے (ماننا نہ ماننا بعد کی بات ہے) اس پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو فرمایا:

"اور جو لوگ صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اُنھیں اپنے سے دُور نہ کر جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں تیرے ذمّہ ان کا کوئی حساب نہیں ہے اور نہ تیرا کوئی حساب اُن کے ذمّہ، اگر تُو نے اُنھیں دُور ہٹا دیا پس تو بے انصافوں میں سے ہو گا۔" (الانعام۔ ۵۲)

یہ تفصیلات جو گزریں ان سے اللہ کے نبیوں کے دُنیا میں آنے کے اسباب پر واضح

روشنی پڑتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص طبقہ ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی مخالفت و تکذیب میں پیش پیش رہا۔ اس سے ذرا آگے بڑھیں تو انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات پر حقیقی اور صحیح معنوں میں عمل پیرا وہی لوگ ہوتے ہیں جنھیں عرفِ عام میں "غرباء" کہا جاتا ہے، اسلام کی صدرِ اوّل کی تاریخ اس معاملہ میں بڑی واضح ہے اور آج تک یہی کچھ دیکھا جا رہا ہے، اس لیے حضور علیہ السّلام نے "غرباء" کو مستحق تبریک قرار دیا ہے اور فرمایا "فطوبیٰ للغرباء" اور آپؐ نے مسکینی کے عالم میں جینے مسکینی کے عالم میں دنیا سے رخصت ہونے اور مساکین کے طبقہ میں محشور ہونے کی دُعا فرمائی:

"اللّٰھم احینی مسکینا و امتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین۔"

اس کے بعد ایک اور بات بڑی ضروری ہے جس کو حکیم الامت امام ولی اللہ دہلویؒ نے ذکر فرمایا:

"ایرانیوں اور رومیوں کو مختلف اقوام پر حکومت کرتے صدیاں گزر گئیں اور اُنھوں نے دُنیوی زندگی کو ہی اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا اور آخرت کو فراموش کر بیٹھے اور شیطنت اُن پر غالب آگئی تو اُن کی زندگی کا حاصل یہ بن گیا کہ عیش میں دن گزاریں چنانچہ اُن میں سے ہر شخص دادِ عیش دینے لگ گیا اور اس پر اترانے لگا، اُن کا یہ طرزِ زندگی دیکھ کر دُنیا کے ہر گوشے سے عُلماء اور سائنسدان اُن کے گرد جمع ہونے لگے جو اُن کے لیے سامانِ عیش مہیا کرنے کے لیے عجیب عجیب دقیقہ سنجیاں اور نکتہ آفرینیاں کرنے لگے اور ان ایجادات کو باعثِ فخر سمجھنے لگے۔"

اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے ان سرمایہ پرست اُمراء کے لباسِ فاخرہ، عالیشان محلات، نمائشی جانور وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی بتایا ہے کہ اُن کے حالات کا اندازہ لگانے کے لیے تم اپنے دَور کے حکمرانوں اور اُمراء کو دیکھ لو..... اس کے بعد رقم طراز ہیں:

"ان ملوک و اُمراء کی زندگی کے طور طریقے رفتہ رفتہ عوام کے نظامِ معاشرت کے اصل اصول بن گئے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ سوسائٹی میں ان خرابیوں کا

استیصال ناممکن ہو گیا اور اس کی یہی ایک صورت باقی رہ گئی کہ ممکن ہو تو یہ بد عادات اُن لوگوں کے دلوں سے کھرچ کر نکال دی جائیں۔ بادشاہوں اور اُمراء کی اس عیاشانہ زندگی سے بہت سے خطرناک معاشی و معاشرتی امراض پیدا ہو گئے جو حیاتِ معاشرتی کے ہر ایک شعبے میں داخل ہو گئے اور یہ حالت ایسی ہمہ گیر ہو گئی کہ وبا کی طرح ساری مملکت میں سرایت کر گئی، اِس سے نہ شہری بچا نہ دیہاتی، نہ امیر محفوظ رہا نہ غریب، یہاں تک کہ ہر شخص ان خرابیوں کو دیکھتا تھا لیکن علاج سے مایوس تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوام و خواص شدید مالی مصائب میں مبتلا ہو کر رہ گئے۔" (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۰۵-۱۰۶)

آپ نے دیکھا کہ شاہ صاحبؒ کس طرح امراضِ مزمنہ کی تشخیص کرتے ہیں، جب اُمراء عیش پرستی کا شکار ہوتے ہیں تو غرباء "الناس علیٰ دین ملوکھم" کے مصداق ان کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرتے ہیں اور چونکہ ان کے اندر اس کی سکت نہیں ہوتی اور ان کے معاشی حالات اس کی اجازت نہیں دیتے اس لیے وہ معاشرہ میں ڈھور ڈنگر بن کر رہ جاتے ہیں اُوپر کا طبقہ انھیں بیل گدھے کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے اور معاشرہ واضح طور پر طبقاتی کش مکش کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس طبقاتی کش مکش میں اُمراء و ملوک کی زندگی کے اپنے انداز ہوتے ہیں، اُنھیں ہر حال میں اپنے معیار کو برقرار رکھنا ہوتا ہے۔ اس لیے وہ لوگوں پر ہر طرح کے ٹیکس لگاتے ہیں اور پہلے سے عائد ٹیکسوں کی شرح میں اضافہ کر دیتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نچلا طبقہ ٹیکسز کی ادائیگی کے لیے اپنی عزت و آبرو داؤ پر لگا دیتا ہے کہ بغیر ٹیکسز کی ادائیگی کے اُن کا جینا محال ہوتا ہے اور اگر کچھ لوگ ٹیکسز کی گراں باری سے بلبلا کر مقابلہ پر اُتر آئیں اور یہ سوچ لیں کہ جب باعزت زندگی نصیب نہیں تو بہادروں جیسی موت ہی سہی تو اس کا نتیجہ جنگ و قتال اور بغاوت کی شکل میں سامنے آتا ہے اور سوسائٹی کا سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے۔

معاشرے کا ایک اور المیہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ لوگ حکمرانوں کے حاشیہ نشین بن کر وظائف و جاگیر حاصل کرنے اور ہر حال میں بادشاہ اور اربابِ اقتدار کی خوشنودی چاہتے ہیں ان میں نام نہاد مذہبی پیشوا (جن میں مولوی اور پیر شامل ہیں) اور شعراء وغیرہ بھی شامل ہوتے ہیں حکیم دہلویؒ

ان دونوں امراض کا خوبصورتی سے تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"اس زمانہ میں اکثر بلاد کی بربادی کا سبب دو چیزیں ہیں۔ ایک تو سرکاری خزانہ سے بناوٹی حقوق کا نام لے کر لوگ روپیہ وصول کرتے ہیں جس نام سے وہ روپیہ لیتے ہیں اس کے حق کو وہ کسی طرح پورا نہیں کرتے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ کمانے والی جماعتوں یعنی کاشت کار، تاجر پیشہ وروں پر زیادہ سے زیادہ ٹیکس لگائے جاتے ہیں، ان میں سے نرم مزاج (دوسرے لفظوں میں غیرت و حمیّت سے عاری لوگ) تو ٹیکس ادا کر دیتے ہیں لیکن جن میں مقابلہ کی ہمّت ہوتی ہے وہ بغاوت اختیار کرتے ہیں اور ساری سوسائٹی درہم برہم ہو کر رہ جاتی ہے۔" (مولانا سندھیؒ صنہ ۱۹)

اسرائیلی سوسائٹی میں فرعونی طبقہ کا تسلّط و استیلاء۔ اور بنی اسرائیل کی بے بسی قرآن مجید نے کئی ایک جگہ بیان کی ہے حتّیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے بارگاہِ ایزدی میں درخواست کی کہ :

"اے رب ہمارے تُو نے فرعون اور اُس کے سرداروں کو دُنیا کی زندگی میں آرائش اور ہر طرح کا مال دیا ہے۔ اے رب ہمارے یہاں تک کہ اُنھوں نے تیرے راستہ سے گمراہ کر دیا، اے رب ہمارے تُو اُن کے مالوں کو برباد کر دے اور اُن کے دلوں کو سخت کر دے، پس یہ ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھیں۔" (یونس - ۸۸) حضرت لاہوریؒ

اور حضور علیہ السّلام کے دور کا قبائلی اور سرداری نظام بھی اسی نوعیّت کا تھا جس میں لاتعداد لوگ بھیڑ بکریوں کی طرح زندگی گزار رہے تھے اور وہ غلام باندی شمار ہوتے۔ ان کے نام نہاد آقا جس طرح چاہتے اُن کی تذلیل کرتے۔ یہ تو حجاز کی حالت تھی اور حجاز سے باہر اُس دور کی سُپر طاقتیں رُوم و ایران تھیں جن کا حال پہلے گزر چکا ہے۔

اِس ماحول و معاشرت میں اللہ کے آخری نبی تشریف لائے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

هو الّذی ارسل رسولہ بالهدیٰ و دین الحق لیظهرہٗ علی الدین کلّه ولو کرہ المشرکون (الصف ۹) وہی تو ہے جس نے اپنا رسُول ہدایت اور دین دے کر بھیجا تاکہ

اس کو سب دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔ (حضرت لاہوریؒ)

مولانا سندھیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"شاہ صاحبؒ (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک رسولِ کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بعثت کا مقصد ہی یہی تھا کہ اُن کے ذریعے خدا کے دین کو باقی سب دینوں پر غالب کر دیا جائے اور اسلام انسانوں کو ایک ایسا نظامِ حیات دے جو سب نظاموں سے بہتر اور اعلیٰ ہو۔ آپؐ کی بعثت کا یہ مقصد اس صورت میں پُورا ہُوا کہ قیصر و کسریٰ کا نظام جو ایک حد تک ساری دُنیا پر حاوی تھا پاش پاش ہو گیا اور انسانیت کو قیصریت اور کسرویت دونوں سے نجات ملی۔"

گویا غلامانہ ذہنیّت سے مرعوب بعض لوگوں کے بقول، اللہ کے سچّے نبیؐ کی وساطت سے آنے والا دین محض عبادات کے مجموعے کا نام نہیں بلکہ یہ کُل دُنیا کے ادیان پر غالب آنے کے لیے آیا ہے اور اس نے اپنی ابتدائی زندگی میں اپنی عظمت و برتری کا جو ثبوت پیش کیا ہے اُسے کوئی بدترین دشمن بھی نہیں جھٹلا سکتا اور یہ سلسلۂ خیر ایک ہزار برس تک کسی نہ کسی شکل میں دُنیا میں قائم اور موجود رہا۔ اور نہ صرف اپنے بلکہ بیگانے بھی اس کی برکات سے مستفید ہوتے رہے لیکن جونہی مسلمانوں کی اخلاقی حالت زوال پذیر ہوئی اور وہ مجاہدانہ اور انقلابی زندگی کو خیرباد کہہ کر عیش اور نشاط میں پڑ گئے اُن کا وقار اور عزّت خاک میں مل گئی، اقتدار سے محروم ہو گئے، سُودی نظام کی جکڑ بندیوں نے اُنھیں اپنی گرفت میں لے لیا۔ تہذیب و تمدّن غیروں کا، سوچ اور فکر غیروں کی — نتیجہ یہ ہے کہ آج وہ پھر جاہلیتِ اُولیٰ کا شکار ہیں۔

حکیم دہلویؒ نے اُن کی جن خرابیوں کا ذکر کیا ہے اور ملوک و سلاطینِ دہلی اور اُس دَور کے اُمراء کے جن حالات کو بیان کیا ہے وہ آج پُوری اور مکمّل شکل میں اس نام نہاد مسلم سوسائٹی میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ مسلمانوں کے زوال پذیر حالات نے اسلام کے روئے روشن کو داغدار کر دیا ہے (العیاذ باللہ) ——— اور دشمنانِ اسلام کو ہنسی کا موقعہ مل گیا ہے لیکن اللہ کے جو بندے آندھیوں میں چراغ جلا کر ملّت کی حُدی خوانی کے لیے وقتاً فوقتاً دُنیا میں آتے رہتے ہیں وہ کسی لمحہ مایوس نہیں ہوتے۔

مولانا سندھیؒ کے متعلق اُن کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ پچّیس سالہ جلاوطنی کے بعد جب

مولانا وطن واپس آنے لگے تو ایک ہندوستانی بزرگ عالم جو حجاز میں مقیم تھے اور مولانا کے دوست اور شاگرد تھے وہ چاہتے تھے کہ مولانا عمرِ عزیز کا باقی حصہ اسی حرم میں گزاریں جس کی عطر بیز فضاؤں میں اُنھوں نے بارہ برس گزارے ہیں مولانا کے خیالات میں تلاطم تھا، حرم کی محبت اور اسکی عظمت کا سکہ دل پر مستولی تھا، لیکن ایک بات تھی جو انھیں مضطرب کیے ہوئے تھی اور وہ واپس آنا چاہتے تھے۔ مولانا نے فرمایا :

"میرا یہ غیر متزلزل یقین اور عقیدہ ہے کہ اسلام کا مستقبل بڑا روشن اور شاندار ہے۔ بے شک اسلام پوری قوت اور توانائی کے ساتھ ایک بار پھر اُٹھے گا لیکن خارج میں اس کا وہ ڈھانچہ نہیں ہوگا جو اس وقت ہے۔ مجھے جس طرح اس بات پر یقین ہے کہ اسلام ایک بار پھر اُبھرے گا اُسی طرح میرا یہ بھی ایمان ہے کہ ہمارا موجودہ ڈھانچہ اب چند دِنوں کی بات ہے اسلام کو اپنا ایک نیا ڈھانچہ بنانا ہے اور مسلمان اسے جس قدر جلد بنا لیں بہتر ہوگا"

یہ کہہ کر ارشاد فرمایا :

"یہ دو عقیدے ہیں جو مجھے کشاں کشاں ہندوستان لے جا رہے ہیں (یہ تقسیمِ مُلک سے پہلے کا قصہ ہے) مَیں اب چراغِ سحری ہُوں۔ خدا معلوم زندگی کے کتنے دن اور ہوں گے، چاہتا ہوں کہ مرنے سے پہلے اپنی قوم کے کانوں تک یہ حقیقت پہنچا دُوں" (مولانا سندھیؒ ص ۹۹۔ ۱۹۸)

گویا اسلام اور چیز ہے اور موجودہ دور کے مسلمانوں کا طرزِ حیات بالکل دوسری چیز ہے — اسلام تو وہ ہے کہ جس کی علمی شکل قرآنِ عزیز ہے تو عملی شکل سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی ذاتِ گرامی۔ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام علیہم الرّضوان بھی یہی خیال فرماتے تھے کہ ایک قرآن جو جبرئیل امین کی وساطت سے قلبِ محمّد علیہ السّلام پر نازل ہُوا — جو بَین الدفتین موجود ہے اور دُوسرا قرآن وہ ہے جو مدینہ کی گلیوں میں چلتا پھرتا ہے۔ گویا دو قرآن کا عقیدہ اس تعبیر کے ساتھ اسلاف سے منقول ہے اور اسی حقیقت کی اُمّ المؤمنین سیدۃ کائنات صدیقہ طاہرہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا و رضوانہٗ نے دو جُملوں میں ترجمانی فرمائی کہ :

"کان خلقہ القرآن" کہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی سیرت اور حیاتِ طیّبہ

تو قرآن ہی تھا۔"

قرآن اور سنّتِ رسولؐ سے اسلام کا جو ڈھانچہ سامنے آتا ہے وہ بالکل ایک الگ چیز ہے جس میں عبادات، معاملات، اخلاق، تہذیب، معاشرت اور تمدّن و اقتصاد کی مکمل رہنمائی موجود ہے اور یہ محض دعویٰ نہیں بلکہ مسلمانوں کی ہزار سالہ زندگی اس بات کا ثبوت ہے اور اس وقت جو ڈھانچہ مردم شماری کے مسلمانوں نے بنایا ہُوا ہے وہ یہ ہے کہ ایک محدُود تعداد عبادات کا رسمی اہتمام کرکے یہ خیال کر لیتی ہے کہ ہم نے اسلام کے تقاضے پُورے کر دیے جبکہ اُس کا طرزِ زندگی، اُس کا نظامِ معاش و اقتصاد، اُس کا نظامِ سیاست و عدالت اور اُس کا نظامِ تجارت و زراعت وغیرہ خالص جاہلی بُنیادوں پر اُستوار ہے۔"

حضور رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے جس نظامِ حیات کا ڈھانچہ ملّتِ مُسلمہ کے لیے تجویز فرمایا تھا اُس کی عملی شکست و ریخت خود ہمارے ہاتھوں ہُوئی اور جس کی سزا ہمیں اس شکل میں مل رہی ہے کہ ہم قومی وقار سے محروم ہو گئے ہیں۔

آج کا جدید ذہن ایک صالح سیاسی نظام کے لیے انقلابِ فرانس اور ایک صالح معاشی نظام کے لیے کارل مارکس کے سرمایہ اور لینن و سٹالن کے عمل کو اپنے لیے ضروری قرار دیتا ہے۔ اور اس کے باوجود اسے اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ ہے۔ حالانکہ ایک مفکّر کے بقول سیرتِ نبویؐ اور دورِ حاضر کی تحریکات یعنی سوشلزم، کمیونزم، کیپٹلزم وغیرہ میں بڑے واضح تضادات ہیں۔ دورِ حاضر کی ان تحریکوں کا صرف یہی المیہ نہیں کہ یہ خُدا فراموش ہیں بلکہ یہ خود فراموش بھی ہیں۔ یہ انسان اور انسانیت کو نہیں سمجھ سکیں۔

محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پیغمبرِ انسانیّت تھے، آپ نے انسانی محنت کو اصل سرمایہ اور متاع قرار دیا، اور محنت کی بُنیاد پر لوگوں کو ذلیل سمجھنے والوں کو سخت انداز میں تنبیہ کی محنتی طبقات کی عنداللہ قدر و منزلت کو اُجاگر کیا اور خود عملی طور پر محنت کے کاموں میں شریک ہو کر دُنیا کو ایک سبق پڑھایا۔

پندرھویں صدی ہجری کے سلسلہ میں دُنیائے اسلام (؟) میں تقریبات کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ اس سلسلہ میں سیمینار، مجالسِ مذاکرہ، اخبارات و رسائل کے خصوصی ایڈیشن اور صدی ہجری منازل کی شکل میں عمارات کی تعمیر وغیرہ شامل ہے، لیکن ہمارے خیال میں یہ سب کچھ ایسے

حال میں ہو رہا ہے کہ مسلمان قوم قومی وقار اور اجتماعی خوُدداری سے محروم ہے۔ اس پس منظر میں اس نوع کی تقریبات بالائی طبقات اور اس سے متعلّق افراد کی ذہنی عیّاشی کا ذریعہ تو بن جاتی ہیں، لیکن مُلک و ملّت کے پلّے کچھ نہیں پڑتا۔

آج حالت یہ ہے کہ کئی ایک مسلم ممالک ایسے ہیں جن کی دولت و ثروت کا کوئی حساب نہیں، قدرت نے انسانیّت کی دستگیری اور حیاتِ اجتماعی کے بہتر مستقبل کی خاطر اُنھیں زرِ خالص اور سیّال سونا عطا فرمایا لیکن یہ دولت و ثروت یا تو اُن میں سے ایک محدُود آبادی کے عیش و تنعّم کی نذر ہو رہی ہے۔ یا ان اقوام و ممالک کے معاشی استحکام کے کام آ رہی ہے جو خدا بیزاری اور اسلام دشمنی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ کچھ مسلم ممالک ایسے ہیں جن پر غربت و افلاس کے تاریک سائے مسلّط ہیں اور ان کے عوام کاد الفقران یکون کفرًا کی نبوی حقیقت کے مطابق مختلف النوع باطل تحریکات کے علمبرداروں کا تر نوالہ بنے ہوُئے ہیں ــــ عالمِ حقائق میں بالخصوص افریقی ممالک میں عیسائیت و قادیانیّت کی سرگرمیاں پیش کی جاسکتی ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ امیر ترین مسلم ممالک نے بعض ایسے ادارے قائم کر رکھے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کی خاطر سرگرمِ عمل ہیں اور کوشاں ہیں لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ اُن کی کارکردگی بالکل صفر ہے اور وہ ٹھوس منصوبہ بندی جو مردِ مومن کی نظر کی غمّاز ہوتی ہے وہ بالکل نہیں ہے بلکہ بعض مثالیں تو ایسی پیش کی جاسکتی ہیں کہ مُفسد و مُفتن قسم کے لوگ اس قسم کے اداروں کے دستر خوان پر پل کر ملّت کے رہے سہے اجتماعی وقار کو خاک میں ملانے کا باعث و ذریعہ بنے ہوُئے ہیں۔

پندرھویں صدی ہجری ــــ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی حیاتِ ثانیہ کی صدی ہے ہمیں کوئی اعتراض نہیں بلکہ ہم دُعا گو ہیں کہ اللہ کرے ایسا ہی ہو لیکن مولانا سندھیؒ کے الفاظ میں ہمیں اپنا ڈھانچہ بدلنے کی ضرورت ہے ورنہ فطرت کی تعزیریں بے عمل و بدکردار قوموں کو زیادہ دنوں تک زندہ رہنے کا موقعہ نہیں دیتیں۔ سرکارِ دو عالمؐ نے قیصر و کسریٰ کی ہلاکت کی اس لیے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ وہ انسانیت کے نام پر ایک مذاق اور فریب تھا اور جو نظام انسانیت کے نام پر ایک فریب و مذاق بن جائے وہ اپنا ڈھانچہ جلد ہی توڑ بیٹھتا ہے۔

آج کے مسلمانوں نے بالخصوص ان کے بالائی طبقوں نے (جن میں حکمران، اُمراء، شعراء، ادباء، اور صوفیاء وعُلماء (الّا ماشاء اللہ) شامل ہیں) تلك الایام نداولها بین النّاس

کے مصداق کسی نہ کسی درجہ میں قیصریت، کسرویت اپنا رکھی ہے۔ وہ خود اس فاسد نظام سے گلوخلاصی حاصل کرلیں تو فہوالمراد ورنہ تو اسلام نے بہرحال اُبھرنا ہے — کوئی زبردست ہاتھ خود اس کا انتظام کرلے گا۔

پندرھویں صدی ہجری کے موقعہ پر سیرتِ رسولؐ کی روشنی میں یہی ہمارا پیغام ہے اور بس!

○

مولانا عُبیداللہ انورؒ

مغربی قومیں
مُسلمانوں میں اِنتشار پیدا کر رہی ہیں

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الّذین اصطفیٰ امّا بعد
اعوذ باللہ من الشّیطٰن الرّجیم۔ بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم
ھو الّذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ
علی الدّین کلّہ وکفیٰ باللہ شھیدا

ترجمہ: اللہ وہی تو ہے جس نے اپنے رسُول کو ہدایت اور سچّا دین دے کر بھیجا
تاکہ اُسے ہر ایک دین پر غالب کرے اور اللہ کی شہادت کافی ہے۔

خالقِ کائنات نے جب سے انسان کو اپنا نائب و خلیفہ بنا کر زمین پر بھیجا۔ اسی وقت سے اسے رُشد و ہدایت کا سامان بھی دے دیا تاکہ وہ اس قانونِ الٰہی کے تحت ہی مادّی و رُوحانی زندگی کی تعمیر کرے اور اپنی خواہشاتِ نفسانیہ یا باطل قوتوں کے دامِ فریب میں نہ آئے لیکن ابلیس لعین نے انسان کو گمراہ کرنے کا اعلان کیا ہُوا تھا۔ اس لیے اس نے ہر ممکن کوشش کر کے اسے خالقِ حقیقی سے دُور کر دیا۔ اور جب انسان کا رشتہ خدا سے ٹوٹا وہ گمراہیوں کے عمیق اور تاریک گڑھوں میں جا گرا۔ ان ہی گمراہیوں میں سے انسانوں کا وہ رویّہ تھا جو انھوں نے خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبروں اور رسُولوں کے متعلق اختیار کر لیا تھا۔ چنانچہ بعض وہ بدقسمت تھے جنھوں نے انبیاء کی مخالفت کی اور اس طرح اپنی عاقبت کو خراب کیا۔ اور کچھ ایسے لوگ تھے جو انبیاء کو خدا کا شریکِ کار بنا کر گمراہ ہوئے۔ انھوں نے انبیاء کی تعلیم کو بُھلا دیا اور اُن کے بتائے ہوئے اصولوں پر کاربند رہ کر ایک خدا کی عبادت کرنے کے بجائے انبیاء کی پرستش شروع کر دی۔

لیکن حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم چونکہ خدا کے آخری پیغمبر تھے اور آپؐ پر سلسلۂ نبوّت کو ختم کرنا مشیّتِ ایزدی کا منشا تھا۔ اس لیے آپؐ کو وہ اصول و ضوابط دیے گئے جو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے

اور ہر انسان کے لیے رہنمائی انجام دے سکیں۔ آپؐ نے ہر زمانے میں پیش آنے والے خطرہ سے بچاؤ کی تدابیر اپنی اُمّت کو بتا دیں۔

حضور علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا:

لعن اللہ الیھود والنّصارٰی اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد۔

کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں پر اس لیے لعنت بھیجی کہ انھوں نے انبیاء کی تعلیم پر عمل کرنے کے بجائے اُن کے مزاراتِ مقدّسہ کو سجدہ گاہ بنا لیا اور اس وجہ سے خدا کے مغضوب علیھم ٹھہرے۔ آپؐ نے اپنی اُمّت کو اس سے منع کیا اور بتایا کہ نجات کے لیے انبیاء کی تعلیم کے مطابق زندگی گزارنا ہے نہ کہ اُن کی پرستش و عبادت۔

قرآنِ حکیم نے جتنے واقعات بیان کیے ہیں اُن سے غرض تاریخ بتانا نہیں ہے اور نہ ہی قرآن کوئی تاریخی کتاب ہے البتّہ ان واقعات کو بیان کر کے انسانوں کو عبرت اور نصیحت دلانا مقصود ہے۔ آج اگر اس مُلک میں قرآنِ حکیم کی مکمّل تعلیم دی جاتی تو مُلک کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ لیکن افسوس مذہب اور اسلام کے نام پر حاصل کیے ہُوئے اس مُلک میں اسلام کا مذاق اُڑایا جاتا ہے۔ اصولِ اسلام کو ٹھکرا کر ایسے لوگوں کی تہذیب و تمدّن کی پیروی کو فخر سمجھا جا رہا ہے۔ جو انسانیّت کے رُوپ میں درندگی کا بیّن اور واضح ثبوت ہیں۔ یہ یورپین اقوام جو مشن بھیج کر لوگوں کو عیسائی بناتے ہیں، کالج، سکول اور ہسپتال بنا کر عوام کی خدمت کرنے کے بجائے انھیں عیسائیت کے جال میں پھنساتے ہیں لیکن عیسائیت قبول کرنے کے باوجود وہ چونکہ رنگ و نسل میں اُنکے برابر نہیں ہوتے۔ اس لیے اُن پر ظلم و ستم ڈھاتے ہیں۔

چنانچہ ویت نام میں یہی صورتِ حال ہے۔ جنوبی افریقہ اور دیگر پسماندہ علاقوں میں ان نام نہاد مہذّب اقوام کے ظلم کی داستانیں سُن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ نیز یہ قومیں ایشیائی اور افریقی عوام کے اخلاق کو تباہ کرنے کے لیے فحش لٹریچر شائع کرتے ہیں۔ ہالی وڈ کی فلمیں اس کا واضح ثبوت ہیں جن میں چوری، ڈکیتی، بے حیائی اور بے غیرتی کا سامان مہیا کیا جاتا ہے تاکہ یہ لوگ ذہنی طور پر بھی مفلوج ہو جائیں۔

مسلمانوں میں اتّحاد، یکجہتی اور یگانگت کی اشد ضرورت ہے لیکن مغربی اقوام مسلمانوں میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کے لیے اپنے ایجنٹوں سے یہ خدمات حاصل کرتی ہیں۔

اسلام نے ہمیں سبق دیا ہے کہ غریبوں، ناداروں اور بے کسوں کی دامے درمے قدمے سخنے مدد کرو۔ خود سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم بنفسِ نفیس بیواؤں کی داد گیری فرماتے، اور یتیموں کے لیے آپؐ کا دامنِ شفقت ہر وقت کھلا رہتا۔ اسی طرح صدّیقِ اکبرؓ کی زندگی کے واقعات سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔

پاکستان کی بُنیاد ہی مذہب پر رکھی گئی تھی اور اس کو حاصل کرتے وقت یہی نعرہ لگایا گیا تھا کہ یہاں مسلمان اسلام کے اصولوں پر عمل پیرا ہو کر امن و سکون کی زندگی گزاریں گے۔ اسلامی قوانین کا نفاذ ہوگا۔ لیکن اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود ابھی تک کچھ نہیں ہُوا۔ اُلٹا اسلام کے مخالفین کو تقویت پہنچائی گئی۔

اب پھر امتحان کا وقت آیا ہے۔ انتخابات ہونے والے ہیں۔ اب آپ لوگوں نے اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دینا ہے۔ کیا صدقِ دل سے اسلام چاہتے ہیں یا محض زبانی دعوٰی ہی کرتے رہتے ہیں۔

اب اگر ہم نے اسلام کے لیے تگ و دَو نہ کی تو پھر آئندہ نسلوں کی بے راہروی کی ساری ذِمّہ داری ہم پر ہوگی۔ اس لیے ہمیں اسلام کی خاطر اپنے مقدور بھر کوشاں رہنا چاہیئے۔ اللہ تعالٰے ہمیں اسلام کی خدمت کی توفیق نصیب کریں۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

روزنامہ "آزاد" لاہور
۲۰ر نومبر ۱۹۷۰ء

دُنیا بھر کے مذاہب اور اقوامِ عالم کے عظیم اجتماع عالمی امن کانفرنس بلغاریہ
میں
داعیٔ فکرِ ولی اللّٰہی عظیم مبلغ اسلام، امام الہدیٰ جانشین شیخ التفسیر

حضرت مولانا عبیداللہ انور رحمۃ اللہ علیہ
کی تاریخی تقریر

○

بلغاریہ کے دار الحکومت صوفیہ میں ۱۴ر فروری ۱۹۷۴ء سے ۲۰ر فروری ۱۹۷۴ء تک عالمی امن کانفرنس منعقد ہوئی جس میں رہوڈیشیا، جنوبی افریقہ اور پرتگال وغیرہ نسل پرست حکومتوں کے سوا دُنیا بھر کے تمام ممالک کے اعلیٰ سطحی وفود نے شرکت کی، یہ کانفرنس گزشتہ ۳۰ برس سے مختلف ممالک میں منعقد ہوتی ہے بسنہ ۱۹۷۴ء کی کانفرنس میں پاکستان کی نمائندگی کرنے والا وفد پاکستان امن کونسل کے صدر جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور رحمۃ اللہ علیہ اور جنرل سیکرٹری جناب مظہر علی خاں صاحب پر مشتمل تھا۔ جناب مظہر علی خاں نے ایشیائی مسائل پر کانفرنس میں ایک پُرمغز تقریر کی اور جانشین شیخ التفسیرؒ نے "اسلام اور امن" کے موضوع پر اُردو زبان میں حقیقت افروز خطاب فرمایا جس کا انگریزی اور بلغارین زبانوں میں دو مترجمین نے ساتھ ساتھ ترجمہ کیا —— عصرِ حاضر میں یہ پہلا موقعہ ہے کہ دُنیا بھر کی اقوام و ملل کے اتنے بڑے اجتماع میں اسلام کا پیغام ایسے مؤثر انداز میں دلائل و براہینِ قطعیہ کے ساتھ پیش کیا گیا حضرتؒ نے غیر مسلم دُنیا کے سامنے دینِ اسلام کی نمائندگی اور ترجمانی کا حق ادا کیا اور غیر مسلم نمائندوں کی طرف سے کیے گئے اعتراضات کا شکست جواب دیا۔ یہ تاریخی تقریر اور جوابات کی تفصیل درج ذیل ہے ——

جانشین شیخ التفسیرؒ اس دورے میں رُوس بھی تشریف لے گئے تھے۔ جہاں آپ نے ماسکو کی جامع مسجد "مسجدِ تاتار" میں دو جمعے پڑھے، مقامی علماء سے ملاقاتیں کیں اور اسلامی تعلیم گاہوں کا معائنہ فرمایا۔ صوفیہ میں بھی آپ نے اسلامی مراکز اور مساجد دیکھیں اور مقامی عُلماء سے ذاتی طور پر بھی ملے۔ آپؒ کا یہ سفر کوئی عام سفر نہیں بلکہ ایک عالمِ دین اور مبلغ اسلام کا سفر تھا۔ آپؒ کی اس تقریر کے اکیس زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔

○

اقوامِ عالم کے نام

اِسلام کا امن آفریں انقلابی پیغام

- جو کوئی ایک انسان کو قتل کرتا ہے وہ دراصل سینکڑوں انسانوں کے قتل کی بنیاد رکھ دیتا ہے
- ایک انسان کا قاتل پوری نوعِ انسانی کا قاتل ہے۔
- ایک انسان کو بچانا تمام نسلِ انسانی کو زندگی عطا کرنا ہے۔

○

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونومن بہٖ ونتوکل علیہ۔ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیّئات اعمالنا من یّھدہ اللہ فلا مضلّ لہٗ ومن یّضللہٗ فلا ھادی لہٗ۔ ونشھد أن لّا الٰہ الّا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ ونشھد انّ سیّدنا ومولانا محمّدا عبدہٗ ورسولہٗ۔ اما بعد

فاعوذ باللہ من الشّیطٰن الرّجیم۔ بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

قل یٰاھل الکتاب تعالوا الٰی کلمۃٍ سواءٍ بیننا وبینکم الّا نعبد الّا اللہ ولا نشرک بہٖ شیئًا وّلا یتّخذ بعضنا بعضا اربابا مّن دون اللہ ؕ فان تولّوا فقولوا اشھدوا بانّا مسلمون۔ (آل عمران-۶۴)

"(اے پیغمبر) تم (یہود اور نصاریٰ سے) کہہ دو کہ اے اہلِ کتاب (اختلاف و نزاع کی ساری باتیں چھوڑ دو) اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے دونوں کے لیے یکساں طور پر مسلّم ہے۔ یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ کسی کی ہستی کو اُس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ ہم میں سے ایک انسان دُوسرے انسان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرے کہ گویا خدا کو چھوڑ کر اُسے اپنا پروردگار بنالیا ہے۔ پھر اگر یہ لوگ (اس بات سے) رُوگردانی کریں تو تم کہہ دو" گواہ رہنا کہ (انکار تمہاری طرف سے ہے) اور ہم خدا کے ماننے والے ہیں۔"

معزّز شرکاء و منتظمینِ کانفرنس! مَیں اسلام کا ایک طالب علم ہوں اور مجھے بیحد خوشی ہے کہ قیامِ امن کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر واضح کرنے کا موضوع مجھے سونپا گیا ہے، جو

میرے لیے مذہبی طور پر ایک بہت بڑی سعادت ہے۔

محترم نمائندگانِ اقوامِ عالم! میں بغیر کسی تمہید کے عرض کرتا ہوں کہ اسلام وہ دین ہے جو دُنیا کے سامنے قیامِ امن کے لیے ایک ہمہ گیر اور انٹرنیشنل انقلابی پروگرام پیش کرتا ہے۔ دُنیا میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو بلا تفریقِ رنگ و نسل اور مذاہب و ادیان تمام نوعِ انسانی کو بقائے حیات کے لیے وسائلِ معیشت کے استعمال میں مساوی اور یکساں مواقع مہیا کرنے کا علمبردار ہے اور اسلام ہی وہ ربّانی نظامِ حیات ہے جو تفرقہ و تمیاز تشقّق و انتشار اور جنگ و فساد مٹا کر انسانی معاشرے کو امن و سکون کا گہوارہ بنا سکتا ہے۔

اسلامی نظامِ حیات کا اوّلین مقصد

اسلامی نظامِ حیات کا مقصدِ اوّلیں یہ ہے کہ ایک ایسی پارٹی اور ایسی انقلابی جماعت تیّار کی جائے جو نسلِ انسانی کے سامنے دُنیاوی زندگی کے مقابل مابعد الموت زندگی کی اہمیّت و فوقیّت واضح کرے جو بُرائیوں کے انسداد کے لیے اسلام کے بتلائے ہوئے قوانین پر عملدر آمد کرانے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو بتائے کہ گناہ اور برائی کا آخرت میں کیا نتیجہ مرتّب ہوگا۔ نیکی اور بھلائی سے امن قائم ہوگا، سلامتی پروان چڑھے گی اور آخرت میں اچھا بدلہ ملے گا، بُرائی اور گناہ سے فساد پھیلے گا، تباہی مچے گی اور آخرت میں بُرا بدلہ ملے گا۔ اسلام کی انقلابی جماعت کسی مُلک کے باشندوں کی اِس طرح ذہنی تطہیر کر کے (جسے اسلام کی زبان میں تزکیہ بھی کہا جاتا ہے) ایسا معاشرہ قائم کرتی ہے جس میں ظلم و استبداد اور انسانی محنت کے استحصال کے لیے کوئی گنجائش نہ ہو۔

اِمتیازی شان

اسلام کو دُوسرے نظام ہائے حیات اور مذاہب و ادیان سے یہ امتیازی شان حاصل ہے کہ وہ عقیدے اور نظریے کا اختلاف برداشت کرتا ہے لیکن ظلم و نا انصافی کی قطعًا اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کے نزدیک خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا سب سے بڑا گناہ اور عقیدے کا ناقابلِ معافی جرم ہے۔ بایں ہمہ اسلام مشرکوں کے لیے دُنیا میں کوئی سزا تجویز نہیں کرتا اور نہ اسلامی حکومت میں مشرکوں کے قتلِ عام کا حکم دیتا ہے، وہ اُن کے ہاتھ پاؤں نہیں کٹواتا اور نہ اُنھیں تختۂ دار پر کھینچتا ہے ___ بلکہ وہ مشرکین کو بھی خدا کی زمین پر زندہ رہنے اور زندگی

گزارنے کا حق دیتا ہے اور اسلامی معاشرے میں غیر مسلم مشرکین کو بھی خوراک و پوشاک اور رہائش وغیرہ کی پوری پوری سہولتیں ملتی ہیں اور یقین فرمائیے! کہ ربّ العالمین کی نعمتیں سورج، چاند، زمین، آسمان، آگ، پانی اور کائنات کی ہر چیز جس طرح تمام انسانوں کے لیے عام ہے، ایک اسلامی سٹیٹ میں بلا تفریق مذہب وعقیدہ اور رنگ ونسل، اسی طرح سکون و اطمینان، امن وامان اور زندگی گزارنے کا حق بھی مساوی طور پر ہر کسی کو ملتا ہے۔

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ

ہمیں اس میں کوئی شک نہیں کہ صرف اسلام ہی خُدا کا پسندیدہ اور مقبول دین ہے لیکن اسلام کہتا ہے لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْن۔ دین کے معاملے میں کسی فرد پر کوئی تنگی اور کوئی سختی نہیں ہے۔ مذہب اور عقیدہ ہر کسی کا اپنا اختیاری معاملہ ہے کسی پر کوئی دباؤ نہیں، کوئی مانے، کوئی نہ مانے۔ اسلام اپنا کلمہ پڑھانے کے لیے کسی کے سینے پر بندوق کی نالی اور سنگین کی نوک نہیں رکھتا اور کسی لالچ یا خوف کی وجہ سے جو کوئی مُسلمان ہونے کا اعلان کرے اُسے وہ منافق قرار دیتا ہے اور اُن منافقین کی ریشہ دوانیوں اور مکر و فریب کے باوجود وہ دُنیا میں اُنھیں بھی رہنے کا حق دیتا ہے۔

قیامِ امن! مسلمانوں کا مذہبی فریضہ

اِسلام درصل امن وسلامتی کا دُوسرا نام ہے۔ قیامِ امن مسلمانوں کا مقصدِ حیات ہے۔ اسلام کے نزدیک مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں اور کسی کو کوئی گزند یا ناحق تکلیف نہ پہنچے۔

اسلام نے اپنے پیروؤں پر صرف اپنے ہم مذہبوں کا خون بہانا ہی حرام نہیں کیا بلکہ ہر انسان کے خون اور زندگی کو محترم قرار دیا۔

قرآن مجید کے چھٹے پارے کے نویں رکوع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور (اے پیغمبرؐ) ان لوگوں کو آدمؑ کے دو بیٹوں کا حال سچّائی کے ساتھ سُنادو، جب اُن دونوں نے خدا کے حضور قبولیّت کے لیے قربانیاں چڑھائیں تو اُن میں سے ایک کی قبول ہوگئی (یعنی ہابیل کی) دُوسرے کی قبول نہیں ہوئی (یعنی قابیل کی) اس پر قابیل نے حسد سے جل کر ہابیل سے کہا "میں یقیناً

تجھے قتل کر دوں گا۔" (ہابیل نے) کہا "اللہ صرف متّقی آدمیوں ہی کی (قربانی) قبول کرتا ہے (اگر اس نے تیری قربانی قبول نہیں کی تو اس میں میرا کیا قصور؟) اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ اٹھائے گا تو (اٹھالے) پر میں تجھے قتل کرنے کے لیے کبھی ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام دنیا کا پروردگار ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ زیادتی ہو تو تیری طرف سے ہو، میری طرف سے نہ ہو اور تو میرا اور اپنا دونوں کا گناہ سمیٹ لے اور پھر دوزخیوں میں سے ہو جا، کہ ظلم کرنے والوں کو یہی بدلہ ملنا ہے۔" پھر ایسا ہوا کہ اُس کے نفس نے (یعنی قابیل کے نفس نے) اُسے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا۔ اس نے (ہابیل کو) قتل کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تباہ کاروں میں سے ہو گیا۔ اس کے بعد خدا نے ایک کوّا بھیجا اور وہ زمین کریدنے لگا تاکہ اُسے بتا دے کہ اپنے بھائی کی لاش کیونکر (زمین میں) چھپانی چاہیئے۔ (کوّے کو زمین کریدتا ہوا دیکھ کر) وہ بولا يٰوَيْلَتٰىٓ اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ۔ افسوس مجھ پر! میں اس کوّے کی طرح بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش (زمین کھود کر) چھپا دیتا۔ غرضیکہ وہ اپنی حالت پر بہت ہی پشیمان ہوا۔

ایک قتل سب کا قتل

قرآن مجید نے انسانی جان کی قدر و بزرگی بیان کرتے ہوئے خدا کا یہ قدیم اعلان تمام دنیا کو سنایا کہ: اسی بنا پر ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم لکھ دیا تھا کہ سوا اس حالت کے کہ قصاص لینا ہو یا ملک میں لوٹ مار مچانے والوں کو سزا دینی ہو، جس کسی نے کسی جان کو قتل کر ڈالا تو گویا اُس نے تمام انسانوں کا خون کیا اور جس کسی نے کسی کی زندگی بچائی تو گویا اُس نے تمام انسانوں کو زندگی دے دی۔

قیام و بقائے امن و امان کی جو بلیغ تعبیر قرآن نے اختیار کی ہے، اُس سے بڑھ کر دوسرا کوئی مؤثر پیرایۂ بیان ممکن نہیں۔ قرآن نے ایک جان کے قتل کو تمام کائناتِ انسانی کے قتل سے تعبیر کیا ہے۔

ایک بہت بڑے مسلمان محقق امام طبریؒ اس پر لکھتے ہیں:

ان المراد بذالك تعظيم العقوبة وسرة الوعيد من حيث ان قتل الواحد و قتل الجميع سواء	اس آیت میں عقوبت کی عظمت اور وعید کی شدّت مراد ہے اور بتانا ہے کہ ایک انسان کا ناحق قتل اللہ کے غضب اور عذاب کو اسی طرح

في استيجاب غضب الله وعذابه۔ فتح الباری ص ۱۶۸ ج ۱۲ — حرکت میں لے آتا ہے جس طرح تمام انسانوں کا قتل۔

عصرِ حاضر کے ایک بہت بڑے مسلمان عالم مولانا ابو الکلام آزادؒ لکھتے ہیں:

"قرآن کہتا ہے۔ اسی بنا پر خدا نے بنی اسرائیل کے لیے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ کسی انسان کو ناحق قتل کرنا ایسا ہے گویا تمام نوعِ انسانی کو قتل کر دینا۔ اور کسی انسان کو ہلاکت سے بچا لینا ایسا ہے گویا تمام انسانوں کو بچا لیا۔ کیونکہ نوعِ انسانی کا ہر فرد دوسرے فرد سے وابستہ ہے اور جو انسان ایک انسان کے لیے رحم نہیں کرتا وہ تمام نوعِ انسانی کے لیے رحم نہیں رکھتا۔

یہود کی فتنہ سامانی

لیکن تاریخ گواہ ہے کہ بنی اسرائیل نے اس حکمِ خداوندی کی کبھی پروا نہیں کی۔ یکے بعد دیگرے پیغمبر آتے رہے جو انھیں الٰہ العالمین کا حکم یاد دلاتے اور ناحق قتل و خونریزی سے روکتے لیکن یہود کے ہاتھ انسانی خون سے ہمیشہ رنگین رہے۔ یہود کی سرکشی آج بھی جاری ہے۔ امنِ عالم آج بھی ان کے ہاتھوں خطرہ میں ہے۔ سرزمینِ فلسطین پر وہ آج بھی بے گناہ بوڑھوں، عورتوں اور معصوم بچّوں کا خون بہا رہے ہیں۔ فلسطین مسلمانوں کا وطن ہے اور یہودی سامراج کی سازشوں سے یہاں گھس آئے ہیں۔ دُنیا کی کوئی بھی انصاف پسند قوم اس جارحیّت کی تائید نہیں کر سکتی۔

قتل! خلیفۂ اسلام کی نظر میں

انسانی قتل ایک بڑا ہولناک جرم ہے اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جب کبھی اس جُرم کا دروازہ کھُل جاتا ہے تو بسا اوقات اس کا بند کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ ایک قتل کے انتقام میں دو دو اور دو کے جواب میں چار چار قتل ہو جاتے ہیں۔ اس لیے یہ بات ناقابلِ تردید ہے کہ جو کوئی ایک انسان کو ناحق قتل کرتا ہے وہ دراصل سینکڑوں انسانوں کے قتل کی بُنیاد رکھ دیتا ہے۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلّم کے انقلابی ساتھیوں نے اس مسئلہ کو خُوب سمجھ لیا تھا۔ پیغمبرِ اسلامؐ کے بعد مدینہ میں جب اسلام کے تیسرے انقلابی سربراہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باغیوں نے محاصرہ کر لیا تھا تو حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں مَیں کسی طرح حضرت عثمانؓ کے پاس جا پہنچا اور کہا کہ مَیں تعمیلِ حکم کے لیے حاضر

ہوں۔ مَیں آپ کی اِمداد کے لیے یہاں پہنچا ہوں، حکم فرمایئے، حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا!

ایسرّك ان تقتل النّاس جميعا و اياى معهم.	کیا تمھیں یہ بات خوش کرے گی کہ آپ تمام لوگوں کو قتل کر ڈالیں اور ان کے ساتھ مجھے بھی۔
ابن کثیر	

"یہ تو ہرگز مجھے پسند نہیں" حضرت ابو ہریرہؓ نے جواب دیا حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا:

فانّك ان قتلت رجلاً واحدًا فكانما قتلت النّاس جميعًا	تو پھر (جان لیجئے کہ) اگر آپ نے کسی ایک کو قتل کر دیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا، کہ آپ نے گویا تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا۔
ابن کثیر ص ۱۴۷ ج ۲	

حضرت ابُو ہریرہؓ یہ سُن کر واپس چلے گئے۔ تاریخ شاہد ہے اِمام مظلوم خلیفۃ المسلمین ذو النّورین حضرت عثمان رضؓ نے جامِ شہادت نوشِ جاں فرمایا مگر تلوار اُٹھانے کی اجازت نہیں دی، یہ ہے آسمانی حکم کی عملی تفسیر۔ کیا دورِ حاضر کا کوئی سربراہِ مملکت بقاءِ امن و امان کی خاطر امیر المؤمنین کی طرح جان کی قربانی پیش کر سکتا ہے؟ ایں خیال است و محال است وجنوں۔

اسلام میں خودکشی کی ممانعت

کسی کو ناحق قتل کرنا بہت دُور کی بات ہے اسلام کسی کو یہ اجازت بھی نہیں دیتا کہ وہ خود اپنی جان کو ختم کر لے، اِس صورت میں ایک انسانی جان ضائع ہو جاتی ہے۔ اسلام نے اس لیے خودکشی کو بھی پوری قوّت کے ساتھ روکا ہے۔ اِس جُرم سے انسان کو باز رکھنے کے لیے ترہیب کے وہ ذرائع اختیار کیے ہیں جن سے ڈر کر انسان اِس ناحق اور غلط کام سے رُک جائے اور ایسے ارادہ کی کبھی جرأت تک نہ کر سکے۔ اِس سلسلہ میں قرآن نے خدا تعالیٰ کا حکم سُنایا کہ:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ	اور تم اپنی جانوں کو قتل نہ کرو۔

اِس جُرم کی سزا بیان کرتے ہُوئے کہا:

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا۔	اور جو ظلم و تعدی سے اِس جُرم کا مرتکب ہوگا ہم اُس کو آگ میں ڈال دیں گے۔

پیغمبرِ اسلام صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

ومن قتل نفسہ بشی	جو شخص جس چیز سے خودکشی کرے گا اسی
فی الدنیا عذب بہ	کے ساتھ آخرت میں اسے عذاب دیا
یوم القیامۃ (رواہ مسلم)	جائے گا۔

اور یہ بھی فرمایا:

ومن ذبح نفسہ بشی	جس کسی نے خود کو جس چیز کے ساتھ دُنیا
ذبح بہ یوم القیامۃ	میں ذبح کیا وہ اسی کے ساتھ قیامت میں
رواہ مسلم ص ۷۲ ج ۱	ذبح کیا جائے گا۔

اِنسان مختلف طریقوں سے اپنی جان ختم کر سکتا ہے۔ اسلام کسی صورت بھی اس جرم کی حمایت نہیں کرتا اور خودکشی کرنے والے کو معافی نہیں دیتا۔

حضرت محمّد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

من تردی من جبل فقتل نفسہ فھو فی نار جھنم یتردی فیھا خالدًا مخلدًا فیھا ابدًا، ومن تحسی سما فقتل نفسہ فسمہ فی یدہ یتحساہ فی نار جھنم خالدًا مخلدًا فیھا ابدًا، ومن قتل نفسہ بحدیدہ فحدیتہ فی یدہٖ یتوجأ بھا فی بطنہ فی نار جھنم خالدًا مخلدًا فیھا ابدًا، (جمع الفوائد ص ۱۷۵ ج ۱)

جو شخص پہاڑ سے گر کر اپنے آپ کو مار ڈالتا ہے وہ مرنے کے بعد جہنّم کی آگ میں گرتا چلا جائے گا۔ جس میں اُسے ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے اور جو شخص زہر پی کر اپنے آپ کو ہلاک کرے گا اُس کا زہر اُس کے ہاتھ میں ہو گا اور جہنّم کی آگ میں وہ ہمیشہ اُسے پیتا رہے گا اور جو اپنے آپ کو کسی ہتھیار سے قتل کرے تو اُس کا وہ ہتھیار اُس کے ہاتھ میں ہو گا اور جہنّم کی دہکتی آگ میں اُسے ہمیشہ اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا۔

اعانتِ قتل

اسلام قاتل کے علاوہ قاتل کے معاونین کو بھی معاف نہیں کرتا ــــــ

خاتم النّبیّین حضرت محمّد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

اذا امسک الرجل وقتلہ الاخر یقتل الذی قتل ویحبس الذی

امسك۔ (رواہ الدارقطنی)

جب کسی کو ایک شخص پکڑے رکھے اور دُوسرا قتل کر دے تو جس نے قتل کیا ہے اُسے قتل کیا جائے گا اور جس نے پکڑا ہے اُسے قید میں ڈالا جائے گا۔

اسلام فِتنہ وفساد کے تمام ممکنہ دروازے بند کرنے کا داعی ہے۔ وہ کسی شخص کو ایسے فِعل کی اجازت نہیں دیتا جس سے امن میں خلل واقع ہو سکتا ہو اور انسانی زندگیاں خطرے میں پڑ سکتی ہوں۔ اس نے قتلِ انسانی اور ایذا رسانی کے مجرموں کے لیے ایسی سزائیں تجویز کی ہیں جن پر عملدر آمد سے معاشرے میں جرائم کا وجُود تک باقی نہیں رہتا اور اس سزا کے خوف سے اِنسانی ذہن ارتکابِ جرم کا تصوّر ہی نہیں کر سکتا۔

مجاہدینِ اسلام کو دس (۱۰) ہدایات

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو میدانِ جنگ میں بھی اپنے پیروؤں کو زیادتی اور حدُود سے تجاوز کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دشمن کی سرکوبی کے لیے جانے والے اپنے انقلابی ساتھیوں کو ہدایات جاری کرتے ہُوئے فرمایا: مَیں تمھیں دس باتوں کی نصیحت کرتا ہُوں، انھیں یاد رکھنا۔ (۱) خبردار! خیانت نہ کرنا (۲) دھوکہ نہ دینا (۳) عہدشکنی نہ کرنا (۴) مثلہ نہ کرنا (۵) بچّوں، بُوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا (۶) کھجور کے درخت نہ اکھاڑنا نہ جلانا۔ (۷) کِسی پھلدار درخت کو نہ کاٹنا (۸) کھانے کے سوا اور کسی موقعہ سے بکری، گائے اور اُونٹ ذبح مت کرنا (۹) تمھارا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے بھی ہو گا جو دُنیا سے کنارہ کش ہو کر عبادت خانوں میں بیٹھے ہوں گے، اُن سے تعرّض نہ کرنا، اُنھیں اُن کے حال پر چھوڑ دینا۔ (۱۰) کچھ لوگ تمھارے پاس مختلف اقسام کے کھانے لے کر آئیں گے۔ جب اُن سے کچھ کھانا تو پہلے اُن پر اللہ کا نام ضرور لینا، اتنا وقت نہیں ہے کہ مَیں تفصیل سے بیان کر سکوں، وگرنہ خلیفۂ اسلام کا یہ دس نکاتی حکم نامہ اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام وہ دین ہے جو میدانِ جنگ میں بھی ظلم و نااِنصافی کی اجازت نہیں دیتا

اللہ کا کُنبہ

اسلام ساری مخلوق کو خدا کا کُنبہ اور ایک ہی گھرانہ قرار دیتا ہے اور

کسی کو بھی دُوسروں پر ظلم و تعدّی کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ عالمگیر انسانی اخوّت و محبّت کا سب سے بڑا داعی ہے۔ پیغمبرِ اسلام صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا :

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الیٰ عیالہ (رواہ البیہقی)

تمام مخلوق خُدا کی عیال ہے، اِس لیے خدا کے نزدیک سب سے بڑا محبُوب وہ شخص ہے جو اُس کے عیال سے حُسنِ سلوک کرے۔

اسلام کا منشا یہ ہے کہ تمام انسان باہم محبّت بھری زندگی گزاریں، آپس میں ایک دُوسرے سے محبّت و شفقت کا سلوک کریں اور عداوت و نفرت اور بُغض و حسد سے ہر کوئی اپنے کو دُور رکھے۔ یہاں وقت نہیں ہے ورنہ مَیں آپ کے سامنے بیان کرتا کہ اسلام سے پہلے دُنیا میں امن و امان کی بگڑی ہُوئی کیا صُورتِ حال تھی ؟ اِنسانیّت کس طرح دم توڑ رہی تھی ؟ شاہانِ عجم نے کس طرح دُنیا کو غلام بنا رکھا تھا ؟ مجبُور و بے بس انسانوں پر کسطرح ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے تھے ؟ اور عرب میں جنگ و فساد کی کیسی گرم بازاری تھی ؟ یہ اسلام ہی تھا جس نے آج سے چودہ سو برس پہلے دُنیا کو زندگی کے آداب سکھلائے اور انسان کو اُس کا صحیح اور جائز مقام عطا کیا اور اس کے تحفّظ کے لیے خدا کے حکم کو غالب کرنے کے لیے اُس نے جہاد کا حکم دیا۔

ایک عرب دیہاتی نے پیغمبرِ اسلام صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سوال کیا :

۱۔ ایک شخص نام و نمُود کے لیے جنگ میں شریک ہوتا ہے۔

۲۔ ایک شخص اپنی مدح و ستائش کی اُمید پر لڑائی میں شریک ہوتا ہے۔

۳۔ ایک شخص اپنی بہادری ظاہر کرنے کے لیے تلوار سے کھیلتا ہے اور جنگ میں دادِ شجاعت دیتا ہے۔

۴۔ ایک شخص صرف مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے لڑتا ہے۔

ارشاد فرمایا جائے کہ اِن میں کس کو جہاد فی سبیل اللہ کا ثواب مِلے گا ؟ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اِن میں کسی کو بھی جہاد کا ثواب نہیں ملے گا۔ جہاد کا ثواب صرف اُس شخص کو مِلتا ہے۔ من قاتل حتیٰ تکون کلمۃ اللہ ھی الاعلیٰ فھو فی سبیل اللہ عزّ وجلّ (ابو داؤد) جو صرف اِس نیّت سے جنگ کرے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو، بس یہی مجاہد فی

سبیل اللہ ہے۔

اسلام کا نظریۂ جنگ

اسلام وسعتِ سلطنت کے لیے اور دُوسروں پر جبراً اقتدار قائم کرنے کے لیے جنگ کرنے کی شدید مخالفت کرتا ہے، وہ صرف اور صرف ظلم و تعدی کی جڑ کاٹنے کے لیے تلوار سونتنے کا حکم دیتا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں مسلمان انقلابیوں کا ایک وفد نہایت سادگی اور وقار کے ساتھ شاہِ ایران کے دربار میں نعمان بن مقرنؓ کی زیرِ قیادت بے باکانہ پہنچا، اُن کی جرأت پر بادشاہ اور درباری دنگ رہ گئے۔ اِس موقعہ پر قائدِ وفد نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

"اے عمائدِ ایران! ہم تمھیں اُس مقدّس دین کی طرف بُلاتے ہیں اگر تم اِس پکار پر لبّیک کہو تو کیا کہنے! ہمیں تم سے تعرّض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، ہم کتاب اللہ تمھارے حوالے کر دیں گے وہی تمھاری رہنما ہو گی اور اس کے احکام کی پیروی تمھارا فرض ہو گا لیکن اگر تم اسلام کی دعوت قبول کرنے سے انکار کرتے ہو تو پھر تمھیں جزیہ ادا کر کے اسلام کے اقتدار کو قبول کرنا ہو گا اور وعدہ کرنا ہو گا کہ تمھاری سلطنت میں ظلم نہیں ہو گا اور بدی سر نہ اُٹھائے گی اور اگر تمھیں یہ بھی منظور نہیں تو پھر ہمارے اور تمھارے درمیان تلوار فیصلہ کریگی"

اِس تقریر سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کس نظریہ کے تحت جنگ کا اعلان کرتا ہے۔ جہاد کا مقصد صرف ظلم و تعدّی کا خاتمہ کرنا ہے کسی مذہب و عقیدہ پر حملہ آور ہونا نہیں اور نہ ہی جنگ کے ذریعے سلطنت کی سرحدوں کو وسعت دینا اس کا مقصود ہے۔ ورنہ جزیہ کی درمیانی راہ اسلام کبھی پیش نہ کرتا۔ اسلامی حکم یہ ہے کہ کوئی غیر مسلم قوم ذمّی بننے کی درخواست کرے تو خلیفۂ اسلام کا فرض ہے کہ وہ اِس پیش کش کو قبول کرے کیونکہ اس سے فتنہ و فساد کا دروازہ اُسی طرح بند ہو جاتا ہے جس طرح اسلام قبول کر لینے سے۔

اِسلام کے معنی

اسلام سراپا امن و سلامتی ہے۔ اِس کے معنی ہی صُلح و امن کے ہیں۔ دو مسلمان جب آپس میں ملتے ہیں تو خواہ رنگ و نسل کے اعتبار سے وہ کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں ایک دُوسرے کو سلامتی کی دُعا دیتے ہیں۔ السّلام علیکم اور وعلیکم السّلام کہنا اِنکا مذہبی شِعار ہے۔

لغوی طور پر سَالَمَہٗ کے معنی ہیں مصالحت کرنا۔ اَسْلَمَ فرمانبردار ہونا، دینِ اسلام اختیار کرنا اَلسِلْمُ صُلح کرنے والا۔ کہا جاتا ہے اَنَا سِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَنِیْ وَحَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَنِیْ (میں صلح کرنے والوں کے لیے صلح جُو اور لڑنے والوں کے لیے لڑاکا ہُوں) سلامتی، تابعداری تَسَالُمٌ۔ اَلْقَوْمُ باہم مصالحت و موافقت کرنا تَسَالَمَتِ الْخَیْلُ بغیر لڑے بھڑے ساتھ چلنا۔ اس لیے مجھے بجا طور پر یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ امن و سلامتی کا نام ہی اسلام ہے (اس موقعہ پر ایک عرب پادری نے کہا " مولانا نے اسلام کے امن و سلامتی کے جو معنی بیان کیے ہیں بالکل صحیح ہیں میں اُن کی تائید کرتا ہُوں")

حضرات شرکائے کانفرنس! میں عرض کروں گا کہ اسلام کی امن پسندی ہر دور میں مُسلّم رہی ہے۔ یہ اسلام کی عالمگیر امن پروری اور صلح جوئی ہی تھی جس کے لیے انسانی دل و دماغ نے اپنے دریچے وا کیے تھے، اسلام جبراً کسی پر مسلّط نہیں ہُوا۔ ظہورِ اسلام کے وقت پیغمبرِ اسلامؐ کے پاس کوئی حکومت نہیں تھی نہ کوئی حربی قوّت نہ دولت کے انبار، یہ سب کچھ مخالفین کے پاس تھا جو اسلام کے نام لیواؤں پر ظلم ڈھانے کے لیے مسلسل تیرہ برس تک مکّہ میں استعمال ہوتا رہا۔ ابُوسفیان جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ قریشِ مکّہ کا ایک تجارتی قافلہ لے کر رُوم گئے تو قیصر نے انھیں اپنے شاہی دربار میں طلب کیا (واضح رہے کہ اس سے قبل قاصدِ پیغمبر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ۔ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ایک گرامی نامہ قیصرِ رُوم کو پہنچا چکے تھے جس میں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی) قیصر نے ابُوسفیان کو نہایت عزّت و تکریم کے ساتھ اپنے سامنے بٹھایا اور ان کے ساتھیوں کو ان کے پیچھے۔ اور کہنے لگا میں ابُوسفیان سے چند باتیں پُوچھنا چاہتا ہُوں اگر وہ غلط بیانی کریں تو تم سب ان کو جُھٹلا دینا۔ عرب میں جھوٹ بولنا بہت بُرا سمجھا جاتا تھا۔ ابوسفیان کہتے ہیں اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ جھوٹا مشہور ہو جاؤں گا تو اس موقعہ پر میں ضرور جھوٹ بولتا مگر اتنا میں نے ضرور کیا کہ جب قیصر نے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حالات پُوچھے تو میں نے بہت گھٹا کر بیان کیے تھے۔ قیصر نے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق سوال کیا:

"اس شخص کا نسب تمھارے درمیان کیسا ہے"؟ "نسب کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کے ہیں"۔ ابوسفیان نے جواب دیا۔ "ان کے خاندان میں ان سے پہلے بھی کوئی ایسا شخص گزرا ہے

جس نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہو"؟ قیصر نے دوسرا سوال کیا۔ ابُوسفیان نے کہا "کوئی نہیں"۔
قیصر نے کہا "کیا اِن کے خاندان میں کوئی ریاست یا بادشاہت تھی جس کو تم لوگوں نے چھین لیا
ہو"؟ "کوئی نہیں"۔ ابُوسفیان نے جواب دیا۔ قیصر نے کہا "اِن کا اتّباع کیسے لوگ کرتے ہیں"؟
ابُوسفیان نے بتایا "ضعیف اور مسکین اور نوعمر لوگ اتّباع کرتے ہیں"۔ قیصر نے مزید سوال کیا
"جو لوگ اتّباع کرتے ہیں وہ اِن سے محبّت رکھتے ہیں یا ان سے بُغض رکھتے ہیں اور جُدا ہو جاتے
ہیں"۔ ابوسفیان: "اِس وقت تک کوئی ایک آدمی بھی اتّباع کر کے ان سے علیٰحدہ نہیں ہُوا"۔
قیصر: تمھارے اور اِن کے درمیان جو لڑائیاں ہوتی ہیں اُن میں فتح کس کو ہوتی ہے؟
ابُوسفیان: "کبھی اِن کو کبھی ہم کو فتح ہوتی ہے"۔
قیصر: وہ کبھی غدر اور عہد شکنی کرتے ہیں؟
ابُوسفیان: "غدر کبھی نہیں کیا، مگر آج کل ہمارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو رہا ہے اس میں
ہم مامون نہیں ہیں کہ وہ کیا کریں گے" — ابوسفیان کہتے ہیں کہ مجھے کسی سوال کے جواب میں
جھوٹ بولنے کا موقعہ نہیں ملا۔ البتّہ اِس سوال کے جواب میں ذرا موقعہ ملا۔ اس لیے میں نے
ایسی بات کہی۔ قیصر نے گفتگو کے بعد کہا "میرے سوالوں کے جواب جو تم نے دیے ہیں اُن سے
معلوم ہوتا ہے کہ .... بے شک یہ نبی ہیں۔ انبیا ہمیشہ اعلیٰ و اشرف خاندان کے ہوتے ہیں، اگر
اُن کے خاندان میں پہلے کسی نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اُنھوں نے بھی خاندانی بات
کا اتّباع کر کے دعویٰ کیا ہے۔ اگر اُن کا خاندانی مُلک چھینا گیا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اپنا ملک واپس
لینے کے لیے انھوں نے دعویِٰ نبوّت کیا ہے۔ انبیا کے پیرو ہمیشہ ضعفا و مساکین ہوتے ہیں۔
جس شخص کے دل میں حلاوتِ ایمان اثر کر جاتی ہے وہ کبھی برگشتہ نہیں ہوتا۔ انبیا کبھی غدر اور
عہد شکنی نہیں کرتے"۔ اور قیصر نے ابوسفیان سے کہا "اگر تم نے یہ باتیں سچ کہی ہیں تو ان کے
ملک و دین کا غلبہ اس وقت جہاں میں بیٹھتا ہُوں یہاں تک ضرور ہو جائے گا، کیا اچھّا ہوتا کہ
میں ان کے پاس ہوتا اور ان کے پاؤں دھو کر پیتا"۔ ابُوسفیان قیصر رُوم کی یہ گفتگو سُن کر
حیران رہ گئے اور کفِ افسوس مَلتے ہُوئے دربار سے نکلے۔

معزز سامعین! دُنیا میں قیامِ امن کے لیے جدّوجُہد کرنا مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے
ہمیں خوشی ہے کہ آج تمام دُنیا امن کے لیے پیاسی اور متلاشی ہے اور آپ اطرافِ عالم سے

اسی مقصد کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ یہ کام ہمارا ہے اس لیے میں پاکستانی عوام اور پوری اسلامی دُنیا کی طرف سے آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں اور شکریہ ادا کرتا ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ پاکستانی عوام اور تمام مسلمان تلاشِ امن، قیامِ امن اور بقائے امن کی جدّوجہد میں سب سے آگے ہوں گے اور اس سفر میں وہ کبھی تھک کر نہیں بیٹھیں گے۔

مَیں نے تقریر کے شروع میں قرآن مجید جو مسلمانوں کی مقدّس ترین آسمانی انقلابی کتاب ہے کی ایک آیت پڑھی تھی جس میں یہ پیغام دیا گیا ہے کہ اے پیروانِ مذاہبِ عالم! آؤ ایک نقطۂ اتّحاد پر جمع ہو جاؤ۔ آپس کے جھگڑے لڑائیاں چھوڑ دو۔ وہ نقطۂ اتّحاد یہ ہے، کہ اللہ کے سوا کسی کی حاکمیّت نہ مانیں، اُسی کی عبادت کریں اور کسی دوسرے کو اُس کا شریک نہ ٹھہرائیں پس اگر تم ہماری اس انقلابی دعوت کو نہیں مانتے تو ہمارا یہ کھُلا اعلان ہے کہ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ہم تو اسلام لائے فرمانبردار ہوئے اور خدا کو ماننے والے ہیں۔

اسلام انسانی فلاح و ترقّی کا علمبردار ہے، وہ دُوسرے مذاہب کی طرح ترقّی پسند تحریکوں کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ انسانی بھلائی کے لیے اُٹھنے والی ہر آواز کی تائید کرتا ہے۔ انقلابِ رُوس کے موقع پر یہودی اور عیسائی مذہبی لیڈروں نے رجعت پسند قوتوں کا ساتھ دیا تھا اس لیے اُنھیں رُسوائی اور ذِلّت کا مُنہ دیکھنا پڑا اور چین میں بُدھ مذہب کے رہنماؤں نے انقلاب کا ساتھ نہ دیا۔ اِس لیے بُدھ مذہب بھی وہاں اپنا وقار کھو بیٹھا اِس کے برعکس چین میں مسلمان اُسی طرح باقی ہیں اور اپنے مذہب و عقیدہ پر عمل پیرا ہیں، دینی مدارس بھی وہاں موجود ہیں، مَیں خود چینی علماء سے مِل چکا ہوں۔ اسی طرح رُوس میں بھی مسلمانوں اور اسلامی رہنماؤں نے انسانی بھلائی کے لیے برپا ہونے والے انقلاب کی مخالفت نہیں کی اور مذہب کو رجعت پسندوں کے مفادات کا نگہبان نہیں بنایا اور آج وہ یہاں بھی خوش اور مطمئن ہیں۔

بقاءِ مذہب

ہر مذہب کی بقا کا راز اسی بات میں مضمر ہے کہ وہ انسانی اخلاق و عقائد کی درستگی کے لیے اپنی تمام قوّتیں بروئے کار لائے اور انسانی بھلائی کے لیے کام کرے۔ اسلام وقت کے ہر چیلنج کا مقابلہ کرنے کی پُوری صلاحیّت رکھتا ہے اس لیے

وہ ہمیشہ باقی رہے گا وہ اپنی بقا کے لیے کسی سلطنت یا حکمران جماعت کی اعانت کا محتاج نہیں ہے۔ دنیا بھر کے مذاہب کے لیے اُس کی دعوتِ اتحاد آج بھی چودہ سو برس پہلے کی طرح باقی ہے۔ میں ان الفاظ کے ساتھ سلسلۂ گفتگو ختم کرتا ہوں۔ کوئی صاحب کسی بات کی وضاحت چاہتے ہوں یا کوئی سوال کرنا چاہتے ہوں تو بڑی خوشی سے کر سکتے ہیں۔

امریکی وفد کے ایک رُکن نے کہا" امن کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر جو بیان کیا گیا ہے تاریخ ثابت کرتی ہے کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اگر فی الحقیقت اسلام امن کا داعی اور جنگ و خونریزی کا مخالف ہے تو مسلمان روزِ اوّل سے ہی جنگیں کیوں لڑتے رہے ہیں؟ اور ان کے ہاں اپنے جنگی سپاہیوں کو انتہائی قدر و منزلت کی نگاہ سے کیوں دیکھا جاتا ہے"؟

مولانا ؒ نے اسلام کی ترجمانی کرتے ہوئے جواب میں فرمایا:

"میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ اسلام کا نظریۂ جنگ کیا ہے۔ مجاہدینِ اسلام نے آج تک جتنی جنگیں لڑی ہیں اُن کا مقصد دُوسری قوموں کو اپنا غلام بنانا یا اُن کا استحصال کرنا ہرگز نہیں تھا۔ میں نے وضاحت کے ساتھ کہا ہے کہ اسلام صرف ظلم و تعدّی کے خاتمہ کے لیے جنگ کرتا ہے اسلام اور مسلمانوں نے کبھی کسی قوم پر ظلم نہیں کیا اور نہ کسی کو غلام بنایا ہے جبکہ دوسرے لوگوں نے ہمیشہ اُن پر زیادتیاں کیں۔ برِّصغیر میں عیسائی حکمرانوں نے ڈیڑھ سو برس تک ہم پر جو ظلم توڑے ہیں آپ انھیں سُن نہیں سکیں گے۔ کون کہتا ہے؟ کہ زیادتی اور جارحیّت کا جواب دینا امن سکنی ہے یہی تو قیامِ امن کے لیے بالکل صحیح اقدام ہے کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ مکّہ کے رجعت پسند رؤسا و اُمراء نے پیغمبرِ اسلامؐ اور آپؐ کے ساتھیوں پر ایسے مظالم ڈھائے تھے کہ تاریخ اقوام اُن کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ مکّی زندگی میں تیرہ برس تک مسلمانوں نے مشرکینِ مکّہ کی تمام ستم رانیاں جھیلیں اور جب مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا گیا تو انھیں یہاں سے ہجرت کر کے مدینہ جانا پڑا اور تین سال گزرنے کے بعد اپنی مذہبی عبادت عمرہ ادا کرنے کے لیے مکّہ آئے تو انھیں شہر میں داخل ہونے سے روک دیا گیا۔ پیغمبرِ اسلامؐ کے ساتھیوں کی تعداد جو اُس وقت آپؐ کے ہمراہ تھے ایک ہزار چار سو تھی اُنھیں اس پر سخت صدمہ ہُوا۔ اہلِ مکّہ نے مسلمانوں سے یہ شرائط منوا کر آئندہ سال آنے کی اجازت دی کہ دس سال تک فریقین کوئی جنگ نہیں کریں گے۔ جو شخص اپنے ورثاء کی اجازت کے بغیر مسلمان ہو کر مدینہ جائے اُسے واپس کر دیا جائے گا۔

اور مسلمانوں میں سے جو کوئی مکہ چلا آئے اُسے واپس نہیں لوٹایا جائے گا۔ آئندہ برس عُمرہ کے لیے آئیں مگر ہتھیار میانوں میں بندھے ہُوئے ہوں اور تین یوم کے بعد مکّہ میں ٹھہرنے کی اجازت نہ ہو گی۔ یہ واقعہ اِس بات کا بیّن ثبُوت ہے کہ اسلام لڑنے جھگڑنے کو پسند نہیں کرتا اور امن و امان کی خاطر پیغمبرِ اسلامؐ نے مخالفین کی وہ شرائط بھی تسلیم کر لیں جو سراسر ناروا تھیں۔ اسلام اگر جنگ و جدال کا حامی ہوتا تو مسلمان عمرہ ادا کیے بغیر مدینہ واپس نہ جاتے۔ مسلمانوں کو مدینہ میں بھی چین سے رہنے نہیں دیا گیا اور کفارِ مکّہ ہی نے مدینہ پر چڑھائی کی تھی۔ مسلمانوں پر جنگ مسلّط کر دی گئی تھی۔ عہد شکنی اہلِ مکہ نے کی اور انسانیت کا خوُن بہانے کا فیصلہ بھی اُنہی نے کیا تھا۔

مُسلمانوں نے پہلی بار جو جنگ لڑی وہ خوُد نہیں لڑی تھی اُنھیں لڑنے پر مجبور کیا گیا تھا میدانِ بدر میں مسلمان مجاہدین کی تعداد تین سو تیرہ اور دشمن فوج کی تعداد ایک ہزار تھی۔ دشمن پوُری طرح مسلّح ہو کر آیا تھا اور مسلمانوں کے پاس صرف آٹھ تلواریں اور دو گھوڑے تھے۔ اگر اسلام جنگجو مذہب ہوتا اور مسلمان امن و صلح کے علمبردار نہ ہوتے تو کیا وہ اِس طرح خود کو غیر مسلّح رکھ سکتے تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اگر امن و امان کا داعی نہ ہوتا تو جنگِ بدر میں مسلمانوں کے پاس صرف آٹھ تلواریں اور دو گھوڑے نہ ہوتے بلکہ وہ ہر طرح کیل کانٹے سے لیس ہو کر مکّہ پر جا کر خود حملہ آور ہوتے۔ اپنی عزت مال اور جان کی حفاظت کے لیے لڑنے کو جارحیت نہیں کہا جا سکتا اگر ماسکو کے دروازوں پر پہنچی ہُوئی نازی فوجوں کا مقابلہ کرنا جنگ پسندی نہیں ہے تو مدینہ پر چڑھائی کر کے آنے والوں سے لڑنا جارحیت کیونکر ہے؟ اسلام بُزدلوں کا مذہب نہیں ہے۔ وہ جارحیت مٹانے کے لیے آیا ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ جارحین دہلیز پر آ پہنچیں اور مُسلمان گھروں میں دبک کر بیٹھے رہیں جیسے لینن گراڈ تک آئی ہُوئی جرمن افواج کو دھکیل کر واپس برلن پہنچایا گیا تھا اور یہ قطعاً زیادتی نہ تھی ایسی ہی آج سے چودہ سو برس پہلے مسلمانوں نے سرکش حملہ آوروں کو شکستِ فاش دے کر مکّہ تک پسپا ہونے پر مجبور کر دیا تھا... تالیاں... اگر یہ جنگ پسندی ہے تو پھر دشمن قوتوں سے نبرد آزما ہونا کِس کو کہا جاتا ہے؟... تالیاں... اور اگر یہ بھی امن شکنی ہے تو کیا جرمن کے نازیوں اور مکّہ کے قریشیوں کو مظلوم اور امن کے پاسبان قرار دے دیا جائے گا؟... کانفرنس ہال زبردست تالیوں سے دیر تک گونجتا رہا۔ آپ نے مزید فرمایا "اسلام پر ظلم و زیادتی کا بہتان لگانے والے غور سے دیکھیں کہیں اُن کی امن پسندی کے

دامن پر بے گناہوں کے خون کے چھینٹے تو نہیں پڑے اور کیا ہیروشیما پر ایٹم بم انسانی خون کے احترام میں گرایا گیا تھا؟" بعد ازاں ایک اور نمائندے نے سوال کیا۔ "ہم مان لیتے ہیں کہ سلام جنگی مذہب نہیں ہے اور وہ قتل و خونریزی کو پسند نہیں کرتا لیکن آپ ہی بتایئے کہ بنگلہ دیش میں پاکستانیوں نے اپنے ہی مسلمان بھائیوں کا قتلِ عام نہیں کیا؟" (اس سوال کو شرکاء کانفرنس نے بے محل اور نامناسب قرار دیا۔)

لیکن جانشین شیخ التفسیر نے تسلی بخش جواب دیا اور فرمایا "یہ الزام سراسر غلط ہے، کہ بنگلہ دیش میں صرف مغربی پاکستانیوں نے بنگالیوں کا قتلِ عام کیا۔ یہ سامراجی پراپیگنڈہ ہے میں مانتا ہوں کہ بنگلہ دیش میں مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمان قتل ہوئے۔ لیکن یہ لڑائی اور خونریزی سامراج کی گھناؤنی سازشوں اور عوام دشمن حکمرانوں کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھی۔ اس خونریزی کا اسلام کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کے تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں ۔ اُن کی آپس میں کوئی لڑائی اور مخاصمت نہیں ہے۔ اگر یہ بات غلط ہے تو بنگلہ دیش کا وفد اس کانفرنس میں موجود ہے وہ میری بات کی تردید کر دیں اور بتائیں کہ بنگالی مسلمانوں کی ہمارے ساتھ کیا دشمنی ہے۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ پاکستانی مسلمانوں کی بنگلہ دیش انڈیا اور دُنیا بھر کے مسلمانوں سے کوئی دشمنی اور کوئی لڑائی نہیں ہے۔ ہاں البتہ سامراجیوں اور اُن کے گماشتوں سے ہم سب کی مشترکہ لڑائی ہے جنھوں نے ہمیں آپس میں لڑایا اور ایک دُوسرے سے دُور کر دیا۔ سامراج نے ہمارے استحصال کے لیے اور ہمیں کمزور رکھنے کے لیے ہمارے درمیان جو دیواریں حائل کر دی ہیں وہ ایک نہ ایک دن منہدم ہو جائیں گی اور برِّ صغیر کے مسلمان متحد ہو کر اور مضبوط قوت بن کر جنوبی ایشیا سے سامراج کا جنازہ نکال دیں گے۔ ہمارا قرآن کہتا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ۔ (بے شک سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں) اور اُس نے ہمیں حکم دیا ہے فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ (پس اپنے بھائیوں میں صلح کرا دو) ہم قرآن کے اِس حکم پر عمل کریں گے اور ہمارے ہاں صُلح و آشتی اور اسلامی اخوت و محبت کا چمنستان ایک بار پھر آباد ہو جائے گا"

کانفرنس میں شریک دُنیا بھر کے وفود خصوصاً بنگلہ دیش کے وفد نے حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات پر انتہائی خوشی اور مسرت کا اظہار کیا اور پُر زور تائید کی۔ اللہ تعالےٰ حضرت جانشین شیخ التفسیرؒ کی اس عظیم خدمتِ اسلام کو شرفِ قبولیت سے نوازے، انھیں

خطبہ صدارت

یہ فکر انگیز صدارتی خطبہ حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ نے امیر جمعیتہ علماءِ اسلام مغربی پاکستان کی حیثیت سے ۷، ۸، ۹، مارچ ۱۹۶۹ء کو جمعیتہ علماءِ اسلام ڈیرہ اسمٰعیل خان کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والی سہ روزہ عظیم الشان آئینِ شریعت کانفرنس کے موقع پر پڑھا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، اَمَّا بَعْدُ :

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ،

ترجمہ: یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! سب سے پہلے جمعیتہ علماءِ اسلام ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے رہنماؤں اور کارپردازوں کو بالخصوص اور ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے غیور و جسور مسلمانوں کو بالعموم صدقِ دل سے اس امر پر مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے اس نازک دور میں جب کہ ملکی حالات ایک نہایت اہم موڑ پر ہیں اور ملک کے مستقبل کو سنوارنے کے لیے آئینی اصول طے کیے جا رہے ہیں اور اس کے دستوری خاکوں میں رنگ بھرنے کے لیے رہنمایانِ قوم پر تول رہے ہیں۔ "آئینِ شریعت کانفرنس" کے انعقاد کا رُوح پرور اور ایمان افروز فریضہ ادا کیا ہے اور اس طرح ملک بھر سے عُلماءِ امّت اور زعمائے مِلّت کو اکٹھا کر کے شریعت کی آواز کو اجتماعی طور پر بلند کرنے اور دین پسندوں کی قوّت کا مظاہرہ کرنے میں اہالیانِ ڈیرہ سارے مُلک سے بازی لے گئے ہیں۔۔۔ اللہ تعالیٰ اہالیانِ ڈیرہ کے اس مخلصانہ جذبے اور مبارک اقدام کو قبولیت سے نوازے اور کانفرنس کا اہتمام کرنے والوں اور اس میں حصّہ لینے والوں کو اجرِ جزیل عطا فرمائے۔ آمین

عزیزانِ محترم! سب حضرات جانتے ہیں کہ پاکستان دُنیا کے نقشہ پر اسلام کے نام سے وجود میں آیا تھا اور اس کے قیام کے وقت قوم کو فقط ایک ہی نعرہ دیا گیا تھا۔ پاکستان کا مطلب کیا

لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ جس کا واضح مطلب یہ تھا کہ پاکستان میں حاکمیت فقط اللہ تعالیٰ کی تسلیم کی جائے گی اور اس مملکتِ خداداد میں شریعتِ محمدّیہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسلام کا مکمّل نفاذ ہوگا چنانچہ یہ ایک زندہ و تابندہ حقیقت ہے کہ دُنیا کا یہی وہ واحد مُلک ہے جس کی تشکیل کے لیے ایک پوری قوم نے جغرافیائی سرحدوں پر نظریاتی سرحدوں کو ترجیح دی ہے اور کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ کو ملک کے قیام کے لیے بُنیاد بنایا ہے۔ پس اگر یہاں مسلمانوں کو اسلامی اصول کے مطابق زندگی بسر کرنے کا موقع نہ ملے اور اس مُلک میں کتاب وسُنّت کے مطابق قوانین نافذ نہ کیے جائیں تو ایسا کرنا نہ صرف اسلام سے بغاوت کے مترادف ہوگا بلکہ نظریہ پاکستان کے بھی قطعاً منافی ٹھہرے گا۔ لیکن بدقسمتی سے اس مملکتِ خداداد میں ۲۱ برس سے تعلیماتِ اسلام اور نظریہ پاکستان سے حد درجہ بے نیازی و بے اعتنائی برتی گئی۔ اور اس تمام عرصہ میں حکمران طبقہ دینِ اسلام سے اس طرح کا معاملہ کرتا رہا جیسے کوئی دشمنِ اسلام طاقت "اسلام" سے دیرینہ انتقام لینے کے درپے ہو۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کا نظام ہے جن لوگوں نے دینِ خداوندی سے دشمنی کی اللہ نے انھیں ذلیل و رُسوا کیا اور بالآخر وہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گئے۔

اِس حکومت نے بھی اسلام پر کچھ کم کرم فرمائی نہیں کی بلکہ ان کے دور میں دینِ اسلام کے تمام شعبوں کی تباہی و بربادی ہُوئی ہے اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ "آئینِ شریعت" ان کی چیرہ دستیوں کے باعث اللہ کے حضور فریاد کناں اور نالہ سنج ہے۔ مُلک میں فیملی لاء آرڈی نینس (عائلی قوانین) نافذ کر دیا گیا۔ خاندانی منصوبہ بندی کے نام پر نسل کشی کی مہم چلائی گئی اور اس بیہودہ منصوبے پر مُلک و قوم کے کروڑوں روپے ضائع کر کے اللہ تعالیٰ جلّ شانہ کی شانِ رزاقیت کو چیلنج کیا گیا اور فحاشی و بدمعاشی کو فروغ دینے میں سرگرم حصہ لیا گیا۔ ادارہ تحقیقاتِ اسلامیہ کے نام سے اسلام میں تحریفات کا دروازہ کھولا گیا اور اسلامی عقائد و نظریات کو سبوتاژ کرنے کی بھرپور سازش کی گئی، مرزائیت کو بال و پر مہیا کیے گئے، پریس پر پابندیاں عائد کی گئیں اور اس طرح مُلک میں لامذہبیّت اور انارکی کے لیے راہ ہموار کر دی گئی۔ یہ تمام پابندیاں عائد کرنے کے بعد اربابِ اقتدار نے خیال یہ کیا کہ عوام کی طاقت کو کچل دیا گیا ہے اور اس مُلک میں کوئی ایسا فرد نہیں جو حکومت کے جاہ و جلال کے سامنے دم مارنے کی جرأت کر سکے۔ لیکن یہ سب تصورات باطل ثابت ہُوئے اور ان کی حقیقت ایک سُہانے خواب سے آگے نہ بڑھ سکی، لاوا اندر ہی اندر پکتا رہا اضطراب

میں اضافہ ہوتا گیا اور بالآخر جب جمعیۃ علماءِ اسلام پاکستان نے اس تیرہ و تاریک فضا اور ایک اضطراب انگیز سیاسی گھٹن سے نجات پانے کے لیے مئی ۱۹۶۸ء کو لاہور میں ایک سہ روزہ عظیم الشان کانفرنس کے موقع پر پانچ ہزار کے لگ بھگ علماء کا فقید المثال جلوس نکالا۔ یہ لاوا مُلک کے دونوں صوبوں کے نامور اور شعلہ بیان علماءِ کرام کی تقاریر اور آغا شورش کاشمیری کے معرکۃ الآرا خطاب کی صُورت میں پھُوٹ کر بہہ نکلا اور اس نے مُلک کی فضا کو شعلۂ جوالہ بنا کر رکھ دیا۔

علماءِ کرام جو پہلے ہی خاموش نہ تھے مُلک کے کونے کونے میں تیز ہَوا کی طرح پھیل گئے۔ ان کے بعد وکلاء میدانِ عمل میں آگئے اور اس کے ساتھ طلباءِ عزیز آندھی کی طرح محاذ پر چھا گئے۔ چنانچہ اس جمود کے ٹوٹنے پر عوام۔ کے ہر طبقہ نے اسلامی قوانین کے نفاذ اور بحالیٔ جمہوریت کے لیے تحریک میں بڑھ چڑھ کر حِصّہ لیا۔ اب عالم یہ ہے کہ مُلک کا بچّہ بچّہ اور ہر فرد موجودہ اقتدار کے خلاف اپنے اپنے محاذ پر صف آرا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ طاقت سرنگوں ہو چکی ہے اور صداقت مسکرا کر یہ کہہ رہی ہے کہ نشۂ اقتدار میں بدست دینِ خداوندی سے غفلت و اعراض اور نافرمانی کی تمام سنّتیں تازہ کرنے والے حکمرانو! اب بھی وقت ہے ہوش میں آؤ اور خدا کی غیرت کو مزید آزمانے کی کوشش نہ کرو۔

دیکھو! توبہ کا دروازہ ہر وقت کھُلا ہے۔ اپنے گناہوں پر ندامت محسوس کرو، طاقت کو بھُول کر صداقت کی آغوش میں آجاؤ، اسلام کی بارگاہ میں کی گئی گستاخیوں پر قادرِ مطلق سے معافی مانگو۔ مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی بجائے خالق کے سامنے سرِ تسلیم خم کرو، اور آئینِ شریعت کے نفاذ کا منصوبہ تیّار کر کے اپنی سابقہ بے عملیوں کا کفّارہ ادا کرو۔

عزیزانِ گرامی قدر! مَیں حکومت ہی سے نہیں اپوزیشن راہنماؤں سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ وہ سابقہ حکمرانوں کے حشر سے عبرت پکڑیں اور اسلام کے دامنِ رحمت و عافیت میں پناہ لیں۔ اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر ہرگز نہیں ہے۔ اس کی لاٹھی بے آواز ہے مگر جب وہ گرفت کرتا ہے تو اس کی شانِ قہاری و جبّاری کے سامنے بڑے بڑے فراعنہ و نمارده کا زہرہ آب ہو جاتا ہے، ان کا غرور خاک میں مِل جاتا ہے اور اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ کی صداؤں کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتا ہے اس لیے سب پر لازم ہے کہ وہ اپنا سرِ نیاز خدائے برتر و بالا

اور قادرِ مطلق و بے نیاز کے آگے جُھکا دیں۔ اسی کے قانون کو اپنائیں اور پیغمبرِ آخر الزماںؐ کی لائی ہُوئی شریعت کو اللہ کی زمین پر نافذ کر کے خدائے رحیم و کریم کے سامنے سُرخرو ہوں اور نظریۂ پاکستان سے وفاداری کا ثبوت دیں۔ اس طرح ہم دُنیا کو بھی جنّتِ ارضی بنانے کا ذریعہ بنیں گے اور آخرت میں جنّاتِ النعیم کے مستحق ٹھہریں گے۔

محترم حضرات! جمعیۃ علماءِ اسلام شروع ہی سے اس امر کی داعی ہے کہ اس مُلک میں اللہ کا قانون اور محمّد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی لائی ہُوئی شریعت کا مکمّل نفاذ ہو۔ ہمارے اکابر اسی نظریہ کی نشر و اشاعت کرتے ہوئے دُنیا سے سُدھارے ہیں اور ہم بھی بحمد اللہ تعالیٰ نظامِ شریعت کے قیام کے لیے ساعی ہیں اور ساعی رہیں گے اور جب تک آئینِ شریعت کا نفاذ نہیں ہو جاتا ایک کل چین سے نہیں بیٹھیں گے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبّیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جمعیۃ علماءِ اسلام کے پہلے صدر تھے انہی کی دوڑ دھوپ اور مساعی جمیلہ سے لیاقت علی مرحوم نے دستور ساز اسمبلی سے قرار دادِ مقاصد پاس کرائی تھی۔ چنانچہ یہی جماعت قرار دادِ مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کوشاں رہی اور اب یہی جماعت "آئینِ شریعت" کا پھریرا لے کر میدان میں نکلی ہے اور انشاء اللہ یہ جماعت ہر محاذ پر اسلام کے جھنڈے کو بلند رکھے گی اور اسلام پر تن من دھن قربان کرنے سے کبھی گریز نہیں کرے گی۔

اِسلام کے معنی

لُغت کی ورق گردانی کیجیے تو سونپنا، تفویض کرنا، اپنے کو کسی کے سپُرد کرنا اور کسی کے حوالے کر کے اس کے آگے گردن ڈال دینا، اس کی اطاعت و فرمانبرداری اور احکام کی بجا آوری کے لیے سر جُھکا دینا۔ یہ سب معانی لفظِ اسلام کے نظر آئیں گے۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام کے مذہب کو بھی اسلام اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ کامل طور پر اللہ کے فرمانبردار اور اطاعت شعار ہوتے ہیں اور ہر حال میں اللہ کی رضا پر راضی رہتے ہیں۔ غرض مسلمان وہ ہے اور اسلام کا تابعدار وہی کہلا سکتا ہے جو اپنے آپ کو خدا کے سپُرد کر دے اور اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی تعمیل کے لیے اپنا سر جُھکا دے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ لفظ اسلام کا مادہ "سلم" سے ہے۔ سلم کے معنی صُلح، سلامتی اور انکسار کے ہیں۔ چونکہ تعلیم الاسلام کا اصلی اور براہِ راست تعلّق امن اور صلح سے ہے۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اس دین کو اسلام کے نام سے سرفراز فرمایا ہے۔ اگر دینِ اسلام کی ذاتی حیثیّت کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس مذہب کی ابتداء اور انتہا صرف تین جملوں میں سما جاتی ہے:

۱۔ زندگی بسر کرنے کا بہتر سے بہتر قانون —— اسلام کی علمی حیثیّت ہے۔
۲۔ اس قانون کی تکمیل اور تبلیغ —— یہ اسلام کی عملی منزل ہے۔
۳۔ بہترین دُنیا اور آخرت کا حاصل ہو جانا —— یہ تبلیغ اسلام کا نتیجہ ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ چند باطل پرست لوگ کرّہ ارض کی آسائش و آرائش پر قابض تھے آقائے نامدار جناب محمّد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دُنیا کے سامنے اسلام کو پیش کیا۔ باطل پرستوں نے اسلام کے خد و خال پر نظر ڈالتے ہی اس امر کا اندازہ کر لیا تھا کہ:

۱۔ اگر تبلیغ اسلام جاری رہی تو ہمارے تمام پیرو مُسلمان ہو جائیں گے۔
۲۔ اور اگر انھوں نے احکامِ اسلامی یعنی آئینِ شریعت کی پیروی کی تو پھر وہ دُنیا کے مالک بھی ہو جائیں گے۔

اس خیال کے ساتھ انھوں نے ارادہ کر لیا کہ خواہ کچھ ہی ہو ہم نہ تو مسلمانوں کو احکامِ اسلام پر عمل پیرا ہونے کی اجازت دیں گے اور نہ تبلیغ و اشاعت کی اجازت دیں گے۔ انھوں نے مسلمانوں پر طرح طرح کے مظالم توڑے، انھیں گھروں سے نکالا، جائدادوں سے محروم کر دیا اور ان تمام تر مزاحمتوں کے باوجود جب اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور تعمیلِ اطاعت کا سلسلہ نہ رُکا تو یہ باطل پرست لوگ تلواریں ہاتھ میں لے کر مسلمانوں کے سامنے آ کھڑے ہوئے لیکن پھر بھی مُنہ کی کھائی اور اللہ کا دین نافذ ہو کر رہا۔

لیکن آج کس قدر بدبختی کا مقام ہے کہ اسلام کا راستہ کافر نہیں بلکہ نام نہاد مسلمان اور اسلامی نام رکھانے والے ہی روک رہے ہیں۔ کہیں مولوی پر پھبتیاں کسی جا رہی ہیں کہیں اسلام کو فرسُودہ نظام قرار دیا جا رہا ہے، کہیں اسلام میں طرح طرح کے غیر اسلامی نظریات و عقائد داخل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور کہیں اس پاکیزہ نام کے ساتھ مختلف "ازموں" اور نظام ہائے کُفر کی

پیوند کاریاں کر کے اس جامع و اکمل اور ابدی آئین و دستور کو ناقص ثابت کرنے کی سعیٔ لاحاصل کی جارہی ہے۔

اِسلام یا آئینِ شریعت

مکمّل ضابطۂ حیات اور جامع دستورِ زندگی ہے

برادرانِ عزیز! اچھی طرح جان لیجئے کہ اسلام محض رسُوم و رواج اور نماز، روزہ و عبادت کا ہی نام نہیں۔ یہ ایک جامع و مانع نظامِ حیات ہے۔ یہ ایک مکمّل اور منظّم دستورِ زندگی ہے۔ انسانیّت کے ہر ہر گوشہ اور ہر ہر شعبہ پر حاوی ہے اور انسانی اعمال کا کوئی مناقشہ ایسا نہیں جس کے لیے یہ حکم اور قولِ فیصل نہ رکھتا ہو۔ یہ اپنی توحید تعلیم میں انتہائی غیوّر ہے اور کبھی پسند نہیں کرتا کہ اس کی چوکھٹ پر جھکنے والے کسی دُوسرے دروازے کے سائل بنیں۔ مسلمانوں کی اخلاقی زندگی ہو یا عملی سیاسی ہو یا معاشرتی، دینی ہو یا دُنیاوی، حاکمانہ ہو یا محکومانہ وہ ہر زندگی کے لیے ایک اکمل ترین قانون اپنے اندر رکھتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ آخری اور عالمگیر مذہب نہ ہوتا۔

خوب یاد رکھیے! یہ ہو نہیں سکتا اور یہ اسلام کے مزاج کے خلاف ہے کہ ایک شخص توحید تو اِسلام سے لے لیکن عبادت کے لیے مسجد، مندر اور کلیسا کو یکساں سمجھے یا رسالتِ محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم پر تو ایمان لے آئے لیکن معاشیات کے قاعدے کارل مارکس سے، دستورِ مملکت کے رمُوز ناخُدایانِ مغرب سے اور اخلاق کے ضابطے گوتم بُدھ سے سیکھنے جائے۔ معادیات، معاشیات، اخلاقیات اجتماعیات اسلام کے سب اپنے ہیں۔ کسی اور دین، کسی اور نظریے کی پیوندکاری اس کے ساتھ نبھ ہی نہیں سکتی۔

اِسلامی جمہوریّت اور اسلامی سوشلزم

عزیزانِ گرامی! آج کل ان اصطلاحات پہ بڑی بڑی بحثیں ہو رہی ہیں اور اخبارات کے کالم کے کالم سیاہ ہو رہے ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں اصطلاحیں اسلام کے مزاج کے خلاف ہیں۔ جو

شخص اسلامی جمہوریّت کی اصطلاح استعمال کرتا ہے وہ بھی اسلام کو ناقص تصوّر کرتا ہے۔ اور جو اسلامی سوشلزم کی اصطلاح کو رواج دینے کے غم میں گھُلا جارہا ہے وہ بھی اسلام کو مکمّل ضابطۂ حیات نہیں سمجھتا۔

اِس سلسلہ میں بڑا فریب یہ دیا جاتا ہے کہ ان ازموں اور طرز ہائے زندگی میں شامل سب کچھ اسلام میں ہے اور یہ نظریے اسلام کے خلاف نہیں۔ ان حضرات کی خدمت میں بڑے ادب سے گزارش کرتے ہیں کہ بھائی! اگر یہ سب کچھ اسلام میں ہے اور اسلام کے خلاف یہ نظریہ نہیں تو پھر اس کا نام جمہوریّت یا سوشلزم رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسے صرف اسلام ہی کیوں نہ کہہ دیا جائے اسلامی جمہوریّت یا اسلامی سوشلزم کی پیوند کاری سے کیا حاصل ہے اور ریشم کے پاکیزہ و صاف کپڑے میں یہ ٹاٹ کا پیوند کیوں لگانا چاہتے ہو؟

صاف اور سیدھی بات یہی ہے کہ نہ اسلام کا مزاج مغربی جمہوریّت سے لگاؤ کھاتا ہے اور نہ ہی کمیونزم کو اسلام سے سروکار ہے۔ اسلام فقط اللہ عزّ اسمہٗ جلّ مجدہ کی حاکمیّت کا قائل ہے۔ اس کا اعلان ہے اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اِک وہی باقی بُتانِ آذری!

اسلام میں سربراہِ مملکت کا کام نیابت و خلافت ہے۔ اس کا پیغمبر بھی قانونِ خداوندی کا نفاذ کراتا ہے اور اپنی خواہشات کے پیچھے کسی کو نہیں چلاتا۔ اسی لیے اس کا معاشی نظام کسی فنّی اور طبقاتی تقسیم کی نفرت پر مبنی نہیں بلکہ توحید کے فطری اصول پر قائم ہے۔ اسلام نہ اشتراکی آمریّت کا حامی ہے نہ یورپ کے سرمایہ دارانہ نظام کا مؤید ہے۔ اسلام شخصی ملکیّت کے بُنیادی حق کو تسلیم کرتے ہوئے کسی کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ دوسروں کے حقوق کا استحصال کر سکے۔

آئینِ شریعت بے مثل ہے

برادرانِ اسلام! آئینِ شریعت ہر اعتبار سے منفرد اور بے مثل ہے۔ دُنیا کا کوئی آئین اور دستور اس کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ دُنیا کی حکومتوں کے قوانین و دساتیر چند انسانوں کے باہمی صلاح و

مشورے کے مرہونِ منّت ہیں اور ظاہر ہے انسان کا بنایا ہُوا کوئی قانون نقائص سے پاک نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ انسان خود ناقص ہے اور اخلاقی کمزوریوں کا حامل ہے نیز اس کی عقل بھی محدود ہے۔

عزیزانِ محترم! یہ شرف صرف آئینِ اسلامی ہی کو حاصل ہے کہ وہ اُس ذاتِ بے ہمتا کا بنایا ہُوا ہے جس کا علم زمین و آسمان کے ذرّے ذرّے پر حاوی ہے اور جو ہر انسان کی فطری اور طبعی ضروریات سے بخوبی واقف ہے۔ اس لیے اس کا بنایا ہُوا قانون ہی ہر زمانہ میں ساری دُنیا کے تمام انسانوں کی ضروریات کا ضامن اور کفیل ہو سکتا ہے۔

خوش نصیب ہیں آپ حضرات کہ قانونِ الٰہی کے وارث ہیں اور یہ آپ کے پاس محفوظ ہے لیکن یہ انتہائی بد قسمتی ہو گی کہ اسے عملی زندگی میں نہ اُتارا جائے۔

آزما کر دیکھیے، معزز حضرات! آئینِ شریعت کی پکار سُنو اور اس پر کان دھرو! اگر تمھیں کسی قسم کا شک و اشتباہ ہے کہ یہ قانون کس طرح ایک قوم کے لیے زندگی بخش ہو سکتا ہے اور محض دستورِ اسلامی پر کیسے حیاتِ قومی کا انحصار ہے تو اپنے ماضی کو دیکھ لو۔ قرونِ اولیٰ کی شاندار روایات آپ کے سامنے ہیں اور اس کے بعد عمُر بن عبد العزیز کا دورِ حکومت آئینۂ تاریخ میں آج تک پوری آب و تاب سے جگمگا رہا ہے۔ پھر اس کا موازنہ موجودہ مغربی قوانین سے کیجیے اور دیکھیے کہ کوئی دُور کی نسبت بھی اسے اس قانون سے ہے؟ اپنے ہی مُلک کے قانون کو دیکھ لیجیے۔ اس کی دھجیاں بکھیری جا رہی ہیں اور دُنیا جانتی ہے کہ انسان کا بنایا ہُوا کوئی قانون انمٹ اور غیر متبدل نہیں۔

آیئے ہم سب مل کر جو آئینِ شریعت کانفرنس میں شریک ہیں یہ عہد کریں کہ ہم اس مُلک میں آئین و قوانینِ شریعت نافذ کر کے دم لیں گے اور اس راہ میں بڑی سے بڑی قربانی سے بھی ہرگز دریغ نہیں کریں گے کیونکہ اس میں مُلک کے استحکام و سالمیت کی ضمانت ہے۔

حضراتِ محترم! اس اعلان کے بعد اب مجھے اجازت دیجیے کہ موجودہ حالت اور آئندہ طریقِ عمل کی نسبت اپنی ناچیز رائے آپ کی خدمت میں پیش کروں۔

آپ سب جانتے ہیں کہ ہمارا یہ اجتماع جس کے انعقاد پر آپ کو خطبہ شروع کرنے سے قبل میں مبارکباد پیش کر چکا ہوں۔ ایک جماعتی عمل ہے ہم سب جمع ہوئے ہیں کہ آئینِ شریعت کے نفاذ کی راہیں سوچیں اور اپنے گم کردہ مقصد کی جستجو کریں۔ اس لیے ضروری ہے کہ حکمتِ الٰہی

نے تمام اعمال کی کامیابی کے لیے جو شرائط مقرر کر دی ہیں وہ اس عمل کی کامیابی کے لیے بھی ضروری سمجھیں۔ چنانچہ ہمارا پہلا فرض یہ ہے کہ مقصد کی جستجو سے پہلے خود اپنے اندر ان شرائط کی جستجو کرلیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ دماغ دیا ہے جو ارادہ کرتا ہے اور اعضاء و جوارح دیے ہیں جو اس ارادے کو عمل میں لاتے ہیں۔ پس ہر انسانی عمل کی کامیابی کے لیے دو باتیں ضروری ہیں۔ ارادہ کا صحیح ہونا اور فعل کا صحیح ہونا اور منصوبہ بندی سے انجام پانا۔ دُنیا کا کوئی عمل نہیں جو ان دو شرطوں کے بغیر وجود میں آسکے لہٰذا اس راہ کی شرطِ نیّت کا اخلاص ہے یعنی جو کام کیا جائے اس سے مقصود صرف رضائے الٰہی اور ادائے فرض ہو۔ عرض یہ ہے کہ نفس اور ذات کی خواہشوں اور آلودگیوں کو اس میں کوئی دخل نہ ہو۔ بلاشبہ ہمارا مقصد نہایت عظیم ہے اور ہم نے ادائے فرض اور خدمتِ انسانی کی ایک ایسی راہ منتخب کی ہے جس سے بڑھ کر ذمّہ داری کی انسان کے لیے کوئی راہ نہیں ہوسکتی۔ ہمارے کاندھوں پر اللہ کے رسُولوں اور نبیوں کی نیابت کا مقدّس بوجھ ہے اور ہمارے سامنے حق کی شہادت اور اُمّتِ مرحومہ کے احیاء و تجدید کا عظیم الشان کام ہے پس اگر ایسے مقدّس اور اعلیٰ و ارفع کام کے لیے بھی ہم خلوصِ نیّت نہ رکھ سکیں اور اغراض و اہوا کی کدورتیں ہمارے دلوں کو ملوّث کرتی رہیں تو ہمارے لیے یہ مقامِ شرم و ندامت ہے۔ اس راہ کی دُوسری شرط کام کی صحیح منصوبہ بندی اور صحّت و صلاحیّتِ عمل ہے۔ جب ارادہ و اعتماد صحیح ہوگیا تو اب اس کو فعل میں لانے کے لیے جو طریقے اختیار کیے جائیں وہ نہج حق و ثواب پر ہوں ہر طرح کی گمراہی، کجروی اور کمزوری و نقائص سے محفوظ ہوں۔ اس بارے میں قرآن حکیم نے ہمیں بتایا ہے کہ تمام برکاتِ عمل کا اصلی مبدأ اور سرچشمہ سُنّتِ نبوی علی صاحبہا الصلوات والسلام ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

پس اے عزیزانِ گرامی! یہی دو شرطیں ہیں، جن کی تکمیل پر ہمارے تمام اعمال کی کامیابی موقوف ہے اور اس سلسلہ میں خلافتِ راشدہ کا نظام اور اصحابِ محمّد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی جانبازیاں اور سرفروشیاں ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں اور انھیں کے طریق پر چل کر ہم اپنی منزلِ کو سر کرسکتے ہیں۔

حضراتِ علماء و ارکانِ جمعیتہ! اس وقت بہت بڑی آزمائش ہمارے طریق کار کے لیے درپیش ہے۔ لیکن آزمائشوں سے گزرنا ہماری روایت اور اسلاف کی سُنّت ہے۔ علماءِ حق نے

گزشتہ چودہ صدیوں میں جس طرح اپنا فرضِ منصبی انجام دیا ہے اور دعوتِ حق و اعلانِ حق کی راہ میں جس طرح قربانیاں اور سرفروشیاں کی ہیں۔ دُنیا کی کسی قوم کی تاریخ حق پرستی کی ایسی درخشندہ مثالیں نہیں دکھا سکتی۔

وہ دیکھئے! امامِ دار الہجرۃ حضرت مالک بن انس مدینہ کی گلیوں میں جا رہے ہیں۔ انکی مُشکیں اس زور سے کس دی گئی ہیں کہ دونوں بازو اُکھڑ گئے ہیں اور اوپر سے پیہم تازیانے کی ضربیں پڑ رہی ہیں۔ اس عالم میں بھی جب زبان کُھلتی ہے تو اِسی مسئلہ کا اعلان کرتے ہیں جسے حق سمجھتے ہیں لیکن وقت کی حکومت اسے بزورِ طاقت روکنا چاہتی ہے۔

وہ دیکھئے! گورنر مدینہ مسلمانوں کے اس امام اور عاشق خیر الانام کی تشہیر و تذلیل کے لیے اونٹ کی برہنہ پیٹھ پر سوار کرا کے گشت کرا رہا ہے اور ان کا یہ حال ہے کہ جب کوئی بازار یا مجمع ان کے سامنے آتا ہے تو عین ضربِ تازیانہ کی حالت میں کھڑے ہو جاتے اور پکار کر کہتے ہیں من عرفنی فقد عرفنی و من لم یعرفنی فانا مالک بن انس اقول ان الطلاق المکرہ لیس بشیٔ۔

اب امام ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھئے! معتصم باللہ جیسے قاہر و جابر بادشاہ کے سامنے کھڑے ہیں۔ نو جلاد یکے بعد دیگرے تازیانے لگا رہے ہیں۔ پیٹھ زخموں سے لہولہان ہو گئی ہے۔ تمام جسم خون سے رنگین ہو چکا ہے اور یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا ہے کہ جس مسئلہ کو وہ کتاب و سُنّت کے خلاف سمجھتے ہیں، اس کا ایک مرتبہ اقرار کر لیں لیکن اس پیکرِ عزیمت، مجسّمہ کتاب و سُنّت اور صابر و شاکر کی زبان صدق ترجمان سے یہی صدا بلند ہو رہی ہے۔ اعطونی شیئًا من کتاب اللہ وسنۃ رسولہ۔

امام الاعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھئے! قید خانہ بغداد میں اسیر ہیں لیکن اسکے باوجود منصور عباسی جیسے قاہر و سفّاک بادشاہ کے سامنے اُن کا سر نہیں جھکتا۔

دُور نہ جایئے اسی برِّصغیر پاک و ہند میں حضرت شیخ احمد سرہندی مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مقدس چہرہ پر نظر دوڑایئے۔ قلعہ گوالیار میں قید ہیں مگر جہانگیر کے آگے اس سر کو جھکانے کے لیے تیار نہیں جس کو اللہ نے صرف اپنے ہی آگے جُھکنے کے لیے بنایا ہے۔

پھر اس سے بھی قریب آجایئے وہ دیکھئے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ

عین جوارِ حرم میں گرفتار کیے جا رہے ہیں۔ ستّر برس کی عمر ہے اور جب ان کا قد ان کے دل کی طرح اللہ کے آگے جھک چکا ہے۔ اپنے شاگردِ باصفا اور ہمارے مخدوم شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے جانثاروں کے جلو میں اسارتِ مالٹا کے پانچ سال گزارنے کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں اور یہ مصیبت انھیں صرف اس لیے برداشت کرنا پڑ رہی ہے کہ اسلام کی تباہی و بربادی پر ان کا خدا پرست دِل ہرگز صبر نہیں کر سکتا اور انھوں نے اعدائِ حق کی مرضیات واہوا کی تسلیم واطاعت سے مردانہ وار انکار کر دیا ہے۔

اب ان کے بعد حضرت شیخ التفسیر قدس سرہ العزیز اور حضرت امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قافلہ آتا ہے اور وہ دیکھیے یہ اصحابِ عزیمت و استقامت جیل کی کال کوٹھڑیوں کو قال اللہ اور قال الرسولؐ کی دِلنواز صداؤں سے زندہ کر رہے ہیں۔ اُن کا مشن یہ ہے کہ جان چلی جائے مگر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی آن باقی رہ جائے اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شانِ ختم المرسلینی میں سرِ مُو فرق نہ آنے پائے۔

وہ غور فرمایئے، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبّیر احمد عثمانیؒ پاکستان کی بسیط فضاؤں میں سرگرم نظر آ رہے ہیں اور اہالیانِ پاکستان سے مُطالبہ کر رہے ہیں کہ پاکستان جس اساس اور نظریہ کی بُنیاد پر قائم کیا گیا تھا اُس کی تکمیل کرو۔

اُن کی رُوح پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ مجھ سے بے وفائی نہ کرنا۔ میری انتھک کوششوں سے پیش کردہ قرار دادِ مقاصد کو فراموش نہ کر دینا اور اس مُلک میں آئینِ شریعت نافذ کر کے دَم لینا۔ دیکھو! اگر تم نے مُلک میں اسلام کو نافذ نہ کیا تو مجھے قیامت کے دن خدا اور رسُولؐ اور اپنے اُن ہم عصر علماء کے سامنے جن سے میں نے پاکستان کے بارے میں اختلاف کیا تھا شرمندہ ہونا پڑیگا۔ ذرا سوچو تو سہی کہ اگر آپ اسلام کو پسِ پُشت ڈال کر پاکستان میں اور کوئی نظام رائج کرتے ہیں تو پھر حصُولِ پاکستان کا اور اس راستے میں دی گئی قربانیوں کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے؟

حضرات! اب میں نہایت ہی تھوڑے سے وقفہ کے نوٹس پر جو کچھ سپُردِ قلم کر سکا ہُوں، اُسی پر اکتفا کرتے ہوئے آخر میں صرف اس قدر گزارش کرنا ضروری خیال کرتا ہُوں کہ ارکینِ جمعیّت اور مُلک کے تمام دین پسند باشندوں کو آئینِ شریعت کے نفاذ کے لیے اپنی مساعی تیز سے تیز تر کر دینی چاہئیں اور اپنی تمام تر کوششیں تنظیمِ جماعت اور دین پسندوں میں اتّحاد کے

لیے وقف کر دینی چاہئیں ورنہ حشر کے میدان میں رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ہاتھ ہمارے گریبانوں میں ہوگا اور وہ سوال کر رہے ہوں گے کہ تم نے میری امانت کو جو کتاب و سنّت کی شکل میں آپ کے پاس چھوڑ آیا تھا کیوں پسِ پُشت ڈال دیا اور تم نے میرے پیغام سے مسلسل اعراض و اغماض کیوں روا رکھا۔

اراکینِ جمعیۃ اور حضرات عُلماءِ کرام! موجُودہ حالات میں میری رائے کے مطابق ہمارے لیے ضروری اور لازم ہے کہ ہم آئینِ شریعت کے نفاذ کی آواز کو مؤثر اور نتیجہ خیز بنانے کے لیے کم از کم مندرجہ ذیل مقاصد کو فوری طور پر اپنائیں۔

(۱) مُلک کے دین پسند حلقوں میں اتّحاد و اتفاق کی پوری کوشش کریں۔

(۲) طلباء جو مستقبل کے معمار اور قوم کا بہترین سرمایہ ہیں ان کی ذہنی و فکری اور عملی اور اخلاقی تربیّت کی طرف فوری توجّہ دیں اور ان میں دینی اقدار کو اُجاگر کرنے کے لیے جامع منصُوبہ بنائیں۔

(۳) مُلک کی مزدور جماعتوں کی تنظیم کریں کیونکہ ان سے بے نیاز رہ کر ہم آئندہ کوئی کام نہیں کر سکتے۔

(۴) زندگی کے ہر گوشے میں تحریر و تقریر کے ذریعہ عوام کی مکمّل راہنمائی اور اپنے اخلاق و عمل اور دلائل و براہین کے زور سے ان کے دلوں اور دماغوں میں یہ حقیقت راسخ کر دیں، کہ اسلامی نظام اور آئینِ شریعت دیگر تمام ادیان اور ازموں سے کہیں اعلیٰ و برتر ہے۔

(۵) عوام کی مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی اصلاح و ترقّی کے لیے ایسی تعلیم گاہوں کا اجراء کرنا چاہیئے جہاں مرتّب و مسلسل لیکچروں کے ذریعہ اس طرح تعلیم دی جائے کہ ہر مہینے کا ایک متعیّن کورس ہو اور اس میں ایک خاص مقدار کی مفید اور ضروری معلومات موجُود ہوں۔

(۶) کوشش کریں کہ جمعہ کے خطبات کی اصلاح ہو اور ان کے ذریعہ ضروری اور مفید معلومات سامعین کو ہفتہ وار مل سکیں۔ چنانچہ اس پروگرام کے نفاذ کے لیے لیکچروں کی تربیّت اور اشاعت ضروری ہے اور اس کا خود جمعیۃ علماءِ اسلام کو دین پسندوں کے تعاون سے اِنتظام کرنا چاہیئے۔

حضرات! آخر میں ان معروضات کے بعد میں اللہ تعالیٰ سے توفیقِ عمل کے لیے دست

بدعا ہوں اور صرف اس قدر کہنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ اگر ہماری نیّتیں اخلاص سے اور ہمارے قلوب ایمان کی حلاوت سے خالی نہیں ہیں تو ہمیں راہ کی مشکلات پر نہیں بلکہ رہنمائے حق کی دستگیری پر نظر رکھنی چاہیئے۔

ان الفاظ کے ساتھ میں اہالیانِ ڈیرہ اسماعیل خان اور جمعیّت علماءِ اسلام ڈیرہ کے قابلِ فخر رہنماؤں اور اراکین کو اس کانفرنس کے بر وقت انعقاد پر ایک مرتبہ پھر صمیمِ قلب سے مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس عظیم الشان کانفرنس کو "آئینِ شریعت" کے نفاذ کے لیے سنگِ میل بنا دے۔ آمین۔"

خطبہ استقبالیہ

یہ خطبہ استقبالیہ حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ نے جون ۱۹۷۰ء کو لاہور میں جمعیت کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والی عظیم الشان تاریخی آئینِ شریعت کانفرنس میں پڑھا

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

مہمانِ محترم!

میرے اور میرے رفقاء کے لیے یہ امر باعثِ فخر و مسرّت ہے کہ ہم مُلک کے گوشہ گوشہ سے آنے والے آپ معزز مہمانوں کا استقبال کر رہے ہیں۔

اس تپتے ہوئے گرم موسم میں دُور دراز سے آپ کا یہاں آنا اسلام اور ملّت کے مسائل کے ساتھ آپ کی گہری دلچسپی و وابستگی کا بیّن ثبوت ہے اور اس بات کی شہادت ہے کہ جمعیۃ علماء اسلام نے جس کلمۂ حق کو اپنا نصب العین بنایا ہے وہ آپ کو ہر چیز سے عزیز ہے۔

یہ مُلک جو اسلام کے نام سے برّصغیر کے کروڑوں مسلمانوں کی صد سالہ جدّ و جہد اور بے شمار قربانیوں کے ساتھ وجود میں آیا۔ آج اسلام اور مسلمان عوام کے ہی معاملہ میں ایک نہایت سنگین صُورتِ حال سے گزر رہا ہے جو لمحہ بہ لمحہ نازک تر ہوتی جا رہی ہے۔ گزشتہ ۲۲ سال میں یہاں جو کچھ ہوتا رہا وہ اسلام اور مسلمان عوام کے ساتھ مسلسل دھوکہ اور فریب کا عمل تھا اور ان کی سینکڑوں سال کی آرزوؤں اور تمنّاؤں کے خُونِ ناحق کی داستان ہے۔

برّصغیر کے مسلمان عوام جو ہندوؤں اور انگریزوں کے دوطرفہ دباؤ کی وجہ سے سیاسی اور اقتصادی محرومیوں کا شکار بن گئے تھے۔ اس نئے مُلک کے وجود میں آنے سے بجا طور پر یہ اُمید قائم کر رہے تھے کہ انھیں اب ان محرومیوں سے نجات مِل جائے گی اور وہ اسلام کے سایہ میں مساوی و اقتصادی حقوق سے بہرہ ور ہو جائیں گے۔ خالص اسلامی نظام کا نفاذ انھیں عہدِ حاضر

کی لادینیت سے محفوظ کر دے گا۔ غریب عوام کی سیاسی بالادستی اُن کے مِلّی وجود کو مستحکم و مضبوط بنا دے گی۔ اور اقتصادی وسائل، صحیح تربیّت سے مِلّت کا ایک ایک فرد خوشحال بن جائے گا۔ اس طرح ایک بار پھر وہ عہدِ رفتہ واپس آجائے گا جسے دُنیا خلافتِ راشدہ کا دَور کہتی ہے۔ اور پاکستان عہدِ حاضر میں اس دور کا مثالی نمائندہ بن کر عالمِ اسلام اور تمام دُکھی انسانیّت کے لیے ایک نمونہ بن جائے گا۔

افسوس کہ برِّصغیر کے مسلمانوں کی یہ اُمید، یہ آرزو، یہ تمنّا نہ صرف پامال کر دی گئی بلکہ گزشتہ بائیس ۲۲ سال میں پاکستان کے مسلمان عوام کو اُبھرنے تک سے روکے رکھا گیا۔

مجھے بائیس ۲۲ سال کے گزرے ہُوئے واقعات دُہرانے کی ضرورت نہیں۔ آپ سب جانتے ہیں کہ اس دوران یہاں کیا کچھ ہُوا اور حکمران ٹولیوں کے ہاتھوں پاکستان کے مسلمانوں نے کیسے کیسے زخم کھائے۔

اسلامی نظام سے انھیں محروم رکھا گیا۔ اسلام کے نام سے ان پر غیر اسلامی قوانین نافذ کیے گئے۔ ختمِ نبوت کے عقیدہ کے تحفظ سے رُوگردانی کی گئی۔ پاکستان کی خارجی سیاست کو امریکی سامراج کے ساتھ نتھی کر دیا گیا۔ مُلک میں امریکی بے حیا ثقافت کو پھیلایا گیا۔ نئی نسل کو اسلام کی تعلیم سے محروم رکھا گیا۔ کروڑوں کسانوں اور مزدوروں کو بدحالی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جاتا رہا۔ چند خاندانوں کی اقتصادی و معاشی اجارہ داری قائم کر دی گئی۔ ابتدائی سیاسی و جمہُوری حقوق تک سے مُلک کے عوام محروم بنا دیے گئے۔ نوکر شاہی و افسر شاہی کی گرفت سخت تر کر دی گئی۔ آدمی کے لیے انصاف کا حصول محال تر ہو گیا۔ حتیٰ کہ یہاں اسلام کو مسخ کر کے اس کے جدید ایڈیشن اور ازم تیار کیے جانے لگے۔

چنانچہ اسلام سے رُوگردانی اور غریب عوام کے ظالمانہ استحصال کے روّیہ نے یہاں اشتراکیّت کا ردِّعمل بھی پیدا کر دیا۔ اِس پُورے عرصے میں جمعیتہ علماءِ اسلام ہی وہ تنہا جماعت تھی جو مسلسل یہ پکار بلند کرتی رہی کہ پاکستان کے غریب مسلمانوں کو سیاسی اقتدار اور اقتصادی خوشحالی سے محروم نہ کرو، اور کسی تغیّر تبدّل اور خود ساختہ تاویل کے بغیر خالص اسلام اور خلافتِ راشدہ کے دور کا نظام نافذ کر دو، ورنہ یہاں لادینیّت و اشتراکیت کے خطرات بڑھ جائیں گے۔

جمعیتہ علماءِ اسلام کی اس پُکار پہ کان نہیں دھرے گئے تاآنکہ یہ خطرات نمودار ہو کر سامنے

آگئے۔

جب یہ خطرات نمودار ہو گئے اور جدید سرمایہ داری و سامراجی مفادات اس کی زد میں آ گئے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اب بھی جمعیتہ علماء کی آواز پر کان دھرے جاتے اور سرمایہ داری اور سامراج کی لعنت سے چھٹکارا حاصل کر کے یہاں صحیح اسلامی قانون و نظام نافذ کر دیا جاتا۔ چنانچہ جمعیتہ علماء اسلام نے خطرات کے نمودار ہوتے ہی اس طرف بھی توجہ دلائی لیکن افسوس کہ اس موقعہ پہ بھی سامراجیت و سرمایہ داریت کے حامی عناصر نے اصلاح احوال کے بجائے اسلام کے نام کی آڑ لے کر ان مفادات کے تحفظ کی دوڑ دھوپ شروع کر دی اور پاکستان کے مسلمان عوام کے درمیان تصادم کے راستے ہموار کرنے لگے۔

حضرات! آج قوم تصادم کے اس بحران کے بیچوں بیچ لا کر کھڑی کر دی گئی ہے اور صورتحال یہ بنا دی گئی ہے کہ یا تو اسلام کے نام سے سرمایہ داری و سامراجی عناصر کو بدستور اس ملک پر مسلط رہنے دو یا پھر سوشلزم و اسلام کے نام سے نام نہاد کفر و ایمان کی لڑائی میں پوری قوم مبتلا ہو کر اپنے آپ کو ہمیشہ کے لیے بحرانوں کا شکار بنائے رکھے۔

سامراجیت و سرمایہ داریت کے حامی عناصر صرف یہ کھیل کھیلنے کے لیے جمعیتہ علماء اسلام کے خالص اسلامی اور عوام دوستی کے موقف و مسلک کو جھوٹے پروپیگنڈے کے ذریعے اشتراکیت کا نام دے کر امن و اعتدال کی اس واحد راہ کو بھی روک دینا چاہتے ہیں۔

پس ملک کے یہ حالات ہیں جن کے پیش منظر میں آپ کا یہ قافلہ حق یہاں جمع ہوا ہے آپ نے مئی ۱۹۶۸ء میں اسی لاہور میں جمع ہو کر دس سال کے سیاسی جمود آمریت اور بد دینی کے خلاف محاذ قائم کیا تھا۔ ۶۸ء کی کل پاکستان جمعیتہ علماء اسلام کانفرنس نے آمریت و لادینیت کو جھنجھوڑا تھا اور ایک عظیم الشان جلوس سے عوام کو بیدار کرنے کی ابتداء کر دی تھی۔ چنانچہ اس اجتماع نے ملک کے دونوں حصوں میں عوام کو بیدار کر دیا اور ایک سال بھی نہیں گزرنے پایا تھا کہ آمریت کا دس سالہ طلسم پاش پاش ہو گیا اور مسلمان عوام ملک کے گوشہ گوشہ میں بیدار ہو گئے۔

اب پھر بجا طور پر آپ کے اس عظیم اجتماع سے جو پہلے کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ ہے پاکستان کے مسلمان توقع کر رہے ہیں کہ ماضی کی طرح اب بھی آپ ہی کا دیا ہوا جوش و ولولہ موجودہ حالات کے بدلنے کا ذریعہ بنے گا اور قوم سرمایہ داری و سامراجیت کے نئے حربوں سے نجات حاصل کر کے

اشتراکیت کے خطرہ سے بھی محفوظ ہو جائے گی اور خاتم النّبیّین محمّد عربی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا لایا ہُوا اسلامی نظام بھی اس سرزمین پر قائم و نافذ ہو جائے گا۔

حضرات! ان معروضات کے ساتھ ہی میں اپنی گزارشات ختم کرنا چاہتا ہوں اور آخر میں ایک بار پھر آپ تمام مہمانوں کا دلی خیر مقدم کرتے ہوئے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے دین و ملّت کے مسائل کا احساس کر کے اس گرم موسم میں زحمتِ تشریف آوری گوارہ کی۔

اُمید ہے کہ ہماری طرف سے مہمان داری میں کوئی کوتاہی محسوس ہو تو اسے ہماری مجبوری پر محمول کرتے ہوئے درگزر فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے بلند مقاصد میں کامیاب فرمائے۔ آمین

اسلام زندہ باد۔ پاکستان زندہ باد۔ آئینِ شریعت زندہ باد۔ ختمِ نبوّت زندہ باد۔ ۲۲ اسلامی نکات زندہ باد۔ پاکستان کے غریب مسلمان عوام زندہ باد۔ جمعیتہ علماء اسلام زندہ باد۔

خطبہ استقبالیہ

یہ خطبہ استقبالیہ حضرت مولانا عُبید اللہ انورؒ نے ۲۵، ۲۶ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو جمعیۃ کے زیر اہتمام گوجرانوالہ میں منعقدہ نظامِ شریعت کانفرنس میں پڑھا، جس میں ملکی، سیاسی، معاشی، سماجی، انتظامی مسائل پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ـــــ

○

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰی شَرِیْعَۃٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ (الجاثیہ)

قابلِ صد احترام مشائخ عظام، علماء کرام، اراکین جمعیۃ علماء اسلام و مندوبین کل پاکستان نظامِ شریعت کنونیشن گوجرانوالہ۔

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

سب سے پہلے میں مجلس استقبالیہ کی طرف سے آپ سب بزرگوں اور احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اپنی مصروفیات کے باوجود آپ حضرات مجلس استقبالیہ کی دعوت پر اپنا قیمتی وقت صرف کرتے ہوئے سفر کی صعوبتیں اور اخراجات برداشت کر کے نظامِ شریعت کنونیشن میں شمولیّت کی غرض سے تشریف لائے۔ آپ کا یہ ذوق وشوق اور جذبہ و ولولہ دینِ حق کی خاطر آپ کے دِلوں کی دھڑکنوں کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ اس خطّہ زمین میں کلمۃ الحق کی سربلندی اور اسلام کے نظامِ عدل و انصاف کے شاندار مستقبل کی بھی غمّازی کرتا ہے۔

حضرات گرامی قدر!

جیسا کہ کنونیشن کے عنوان سے ظاہر ہے۔ آپ بزرگوں کو گوجرانوالہ تشریف آوری کی زحمت دینے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم اس امر پر غور کر سکیں کہ ایک آزاد مسلم مملکت کے شہری اور اسلام کے نام پر حاصل ہونے والے مُلک کے باشندے ہونے کے باوجود ہم ابھی تک اسلامی نظام

عدل و انصاف کی برکات سے کیوں فیض یاب نہیں ہو سکے اور قرآن و سنّت کے نظامِ حیات کے عملی نفاذ کی منزل ابھی تک ہماری نظروں سے اوجھل کیوں ہے؟

اس حقیقت کے اظہار کے لیے کسی لمبی چوڑی تمہید کی ضرورت نہیں کہ ہم مسلمان اسلام کی صداقت کے اعتراف اور اسے بحیثیتِ دین قبول کر لینے کے ساتھ ہی اس امر کے پابند ہو جاتے ہیں کہ ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام معاملات اسلامی احکام کے مطابق طے پائیں کیونکہ اسلام محض عبادات و اخلاق کے کسی مجموعہ کا نام نہیں بلکہ اسلام ایک مکمّل ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے تمام شعبوں میں انسان کی راہنمائی کرتا ہے، اس میں عقائد بھی ہیں، عبادات بھی، اخلاق بھی ہیں اور اقدار و روایات بھی، غرض یہ کہ انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو اسلامی تعلیمات کے لحاظ سے تشنہ ہو اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسی مکمّل اور صحیح اسلام کو قبول کرنے کی ہدایت کی ہے۔

ارشادِ باری ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔ — اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین تو صرف اسلام ہے

دوسرے مقام پر فرمان ہے:

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ۔ — جس نے اسلام کے سوا کوئی اور دین (نظامِ حیات) تلاش کیا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

اور ربّ العزّت اسلام کو مکمّل و اکمل نظامِ حیات کے طور پر تسلیم کرنے کی شرط لگاتے ہوئے فرماتے ہیں:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۔ — اے ایمان والو! اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

ان ارشاداتِ گرامی کا مطلب بالکل واضح ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ صرف اسلام اور مکمّل اسلام کو زندگی کے دستور کے طور پر قبول کرنے کی ہدایت فرماتے ہیں اور اس سے کم کسی بات پر وہ راضی نہیں۔

اور یہ حقیقت بھی محتاجِ وضاحت نہیں ہے کہ مملکتِ خداداد پاکستان کے قیام کا مقصد صرف یہی تھا کہ برِّصغیر کے مسلمان قرآن و سُنّت کے نظام کے مطابق اپنی زندگی گزار سکیں، اسی جذبہ نے

مسلمانوں کے دلوں کو قربانی کے لیے گرمایا تھا اور برّصغیر کی مسلمان قوم نے علیحدہ وطن کے قیام کے لیے اتنی عظیم قربانی دی تھی کہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے اور ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ صرف اور صرف اسلامی نظامِ عدل و انصاف کی برکات سے فیضیاب ہونے کے شوق اور "پاکستان کا مطلب کیا۔۔ لآ الٰہ الّا اللّٰہ" کے پُرجوش نعروں کی گُونج میں ہی ملتِ اسلامیہ نے قربانی و ایثار کی ان نئی راہوں کی نشاندہی کی تھی ورنہ تحریکِ پاکستان کو مُسلم رائے عامہ کی پُشت پناہی حاصل نہ ہوتی لیکن آج جب کہ قیامِ پاکستان کو انتّیس ۲۹ سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے ہم اسلامی نظام کو اپنی زندگی اور معاشرہ میں نافذ کرنے کے دوہرے عہد کے باوجود ابھی تک اس منزل سے کوسوں دُور ہیں۔

حضرات! آپ کو یاد ہوگا ۱۹۶۸ء میں جمعیۃ علماءِ اسلام کی عظیم اور تاریخی لاہور کانفرنس میں جمعیۃ علماءِ اسلام کے زعماء نے اس خطرہ سے خبردار کیا تھا کہ مشرقی و مغربی پاکستان کے درمیان اتّحاد کا واحد ذریعہ اسلام ہے، اس لیے اگر اسلام کو فی الفور نافذ نہ کیا گیا تو ملک کے دونوں حصّوں کو یکجا رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ افسوس! اہلِ حق کی اس صدا پر کسی نے کان نہ دھرا اور وطنِ عزیز صرف ۴ سال بعد اسلامی نظامِ عدل سے محرومی کا رونا روتے ہُوئے دو حصّوں میں بٹ گیا اور آج جب کہ پھر مُلکی وحدت و سالمیّت میں علاقائی عصبیّت کا زہر گھول کر مُلک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی سازشیں ہو رہی ہیں، ہم اسی ۶۸ء کے سٹیج پر کھڑے ہیں اور اپنا ملّی اور دینی فرض سمجھتے ہوئے حکمرانوں سے یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ:

"اگر تمھیں باقی ماندہ مُلک کی سالمیّت عزیز ہے تو پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کو ایک رکھنے والی واحد قوت اسلام کی بالادستی قبول کر لو، اسلامی نظامِ عدل کے سامنے جُھک جاؤ اور خدائے بزرگ و برتر کے احکام و فرامین کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دو، ورنہ اسلام کے مقابلہ میں تمھاری یہ ہٹ دھرمی باقی ماندہ مُلک کو بھی لے ڈوبے گی، مُلک کو متّحد رکھنا تمھارے بس میں نہیں رہے گا اور اس کے نتائج کی ذمّہ داری دُنیا و آخرت میں صرف تم پر ہو گی۔"

بزرگانِ محترم و برادرانِ اسلام!

اس موقع پر یہ سوچنا ہمارا فرض ہے کہ ہم آزادی حاصل کرنے کے ۲۹ سال بعد بھی آزادی

کے مقاصد کیوں حاصل نہیں کر سکے جبکہ ہمارا ایک پڑوسی مُلک چین ہمارے بعد آزاد ہو کر نہ صرف اپنے مقصدِ آزادی (سوشلسٹ معاشرے کے قیام) میں کامیاب ہے بلکہ دُنیا کی بڑی طاقتوں میں شمار ہوتا ہے لیکن ہمارے قدم مقصدِ آزادی کی طرف آگے بڑھنے کے بجائے مزید پیچھے ہٹے ہیں۔

اگر آپ موازنہ کریں گے تو یقیناً اس بات کو محسوس کریں گے کہ دینی تعلیمات، عبادات، اقدار و روایات، اخلاق، حمیّت و غیرت اور جذبۂ جہد و عمل کے لحاظ سے ۳۰ سال قبل کا دور آج کی نسبت کہیں زیادہ بہتر اور قابلِ رشک تھا اور آج ہم ان تمام امُور سے رفتہ رفتہ محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں ان کے اثرات معدُوم ہوتے جا رہے ہیں اور اسی رجعت قہقری ہی کا ثمرہ نتیجہ ہے کہ مملکتِ خداداد پاکستان کا ایک اہم حصّہ اتّحاد و اتّفاق کے واحد رشتہ اسلام کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے بنگلہ دیش کی صُورت میں ایک الگ مملکت کی صُورت اختیار کر چکا ہے، اور مُلک کے باقی ماندہ حصّوں کو بھی اسی راہ پر چلانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

حضراتِ مکرّم! اسلامی نظامِ عدل سے انحراف کا صرف یہی ایک نتیجہ نہیں جو مُلکی سالمیّت کے لیے ایک حقیقی خطرے کی صُورت میں ہمارے سروں پر منڈلا رہا ہے اور جس کا ایک کاری وار ہم پر بیت چکا ہے بلکہ قدم قدم پر اسلامی نظام سے محرومی کا احساس ہمارے دِلوں پر چرکے لگاتا چلا جا رہا ہے۔

آج مُلک میں مزدور کسان اور محنت کش طبقہ کے مسائل روز بروز اُلجھتے جا رہے ہیں اور مفاد پرست طبقے اپنی اغراض کے لیے ان مسائل کی پیچیدگیوں میں اضافہ کیے چلے جاتے ہیں حالانکہ یہ تمام تر مسائل غیر اسلامی نظامِ معیشت و اقتصاد کی پیداوار ہیں۔ اسلام کسی فرد یا طبقے کو دوسروں کے استحصال کا حق نہیں دیتا اور ہر محنت کش کو اس کی محنت کا صحیح صِلہ دلانے کی ضمانت دیتا ہے لیکن یہاں اسلام کے مقدس لفظ کو جس فریب کاری کے ساتھ ظالم سماج کے تحفّظ کے لیے استعمال کیا گیا اور اسلام کے نام پر آگے آنے والوں نے اپنی خود غرضیوں کی صورت میں اسلام کا جو غلط اور گمراہ کُن عملی نقشہ پیش کیا، اس نے ظلم و استحصال کی چکّی میں پسنے والے محنت کشوں کو دوسرے ازموں کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا اور آج مزدور و صنعت کار اور کسان و زمیندار کے درمیان اعتماد کی فضا قائم کر کے ایک دُوسرے کے حقوق دلوانے کا فطری اور صحیح راستہ اختیار کرنے کی بجائے عمداً طبقاتی کشمکش کی فضا پیدا کی جا رہی ہے، مزدور کو کارخانہ دار سے اور کسان کو زمیندار سے سوچی سمجھی سکیم کے تحت لڑایا جا رہا ہے تاکہ مُلک میں غیر فطری اور غیر اسلامی نظامِ معیشت (کمیونزم) کے لیے راہ ہموار کی جا سکے۔ حالانکہ اس مسئلہ کو

قرآن وحدیث اور بالخصوص امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تعلیمات کی روشنی میں تسلّی بخش طریقہ سے حل کیا جاسکتا ہے اور ملکی ترقّی اور محنت کش کے مفاد کے لیے یہی راستہ زیادہ صحیح اور فطری ہے۔ اسی طرح معاشرہ میں جرائم کائنات نیا اضافہ ایک مستقل مسئلہ کی حیثیّت اختیار کرچکا ہے۔ قتل، چوری، ڈاکہ، بدکاری، رشوت اور دیگر معاشرتی جرائم روز وشب افزوں تر ہیں اور مروّجہ نظامِ امن وقانون جو ظالم فرنگی نے ہمارے قانونی مسائل کو الجھانے حصولِ انصاف کو مشکل بنانے، اور ہمیں جرائم کا خوگر بنانے کے لیے سوچی سمجھی سازش کے تحت رائج کیا تھا، آج اپنے مقاصد میں پوری طرح کامیاب ہے اور ہمارے معاشرہ میں جرائم کا الاؤ پوری شدّت کے ساتھ دہک رہا ہے۔ جرائم کے اس نہ رُکنے والے سیلاب کو بھی صرف اسلام کے نظامِ امن وقانون اور اسلامی حدود وتعزیرات ہی کے ذریعہ روکا جاسکتا ہے۔ اس کے سوا پاکستانی معاشرہ کو جرائم سے نجات دلانے کی اور کوئی صورت ممکن نہیں ہے۔

مُلک میں سیاسی بے یقینی اور بے اعتمادی کی بنیادی وجہ بھی اسلام کے نظامِ حکمرانی سے رُوگردانی ہے۔ آج صُورتِ حال یہ ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد جتنے حکمران بھی آئے اسلام ان کے لیے کرسیِ اقتدار حاصل کرنے کا زینہ اور کُرسی کو بچانے کی ڈھال سے زیادہ اور کوئی حیثیّت اختیار نہ کرسکا، یہاں اسلام کے نام پر کُفر والحاد کی آبیاری کی گئی اور جمہوریّت کے نام پر ظلم وجبر کی ہولی کھیلی گئی، ایک سے بڑھ کر دُوسرا ڈکیٹیٹر آیا اور عوام کو ان کے جمہوری، آئینی اور انسانی حقوق سے محروم کرنے کے سوا کسی عمل خیر کی توفیق نہ ہُوئی، آج کے دور کو ہی سامنے رکھ لیجئے موجودہ حکمران گروہ جو اسلام، جمہوریّت اور سوشلزم کے نام سے برسرِ اقتدار آیا تھا، اس کے ہاتھوں اسلام کے نفاذ کی کیفیّت آپ نے دیکھ لی۔ اللہ تعالےٰ کے احکام وفرامین اور قرآن وسُنّت کے واضح ارشادات کو سفارشوں پر ٹالا جارہا ہے۔ محرّمات مثلاً سُود، شراب، بدکاری اور عُریانی وغیرہ سرکاری ذرائع کے سہارے ترقی پذیر ہیں، خدا، رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ناموس وعزّت کو معاذ اللہ مجروح کرنیوالا گمراہ کُن لٹریچر اسلامی جمہوریہ پاکستان کے پریسوں میں دھڑا دھڑ چھپ رہا ہے۔

ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ غیّور اسلامی رائے عامہ کے زبردست دباؤ سے مجبور ہوکر قادیانیت کے بارے میں فیصلہ کرلینے کے بعد اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے سے قصداً گریز کیا جارہا ہے، اس گروہ کو غیر مسلم قرار دینے کے باوجود اسلام واکابرِ اسلام کے خلاف ان کے توہین آمیز و گمراہ کُن لٹریچر کی

اشاعت و تقسیم کی کھلم کھلا اجازت دی گئی ہے اور قادیانیوں کی اسلام دشمن اور مسلم آزار حرکات کا کوئی نوٹس نہیں لیا گیا۔

حق و صداقت کی آواز بلند کرنے کے مراکز مساجد و مدارس کو محکمہ اوقاف کے ذریعہ سرکاری پروپیگنڈہ مشینری کا حصّہ بنانے اور وزارتِ مذہبی امور کے زیرِ سایہ حق و صداقت کی آواز کا گلا گھونٹنے کی سازش کی جا رہی ہے۔

اس گروہ نے جمہوریت کی "سربلندی" اس طرح کی ہے کہ:

- ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات کے نتائج کو تسلیم نہ کر کے اور "اُدھر تم اِدھر ہم" کا نعرہ لگا کر پاکستان کو دو لخت کرنے کا سامان فراہم کیا۔
- انہی عام انتخابات کے نتائج سے انحراف کرتے ہوئے ایک عرصہ تک سرحد و بلوچستان میں اکثریتی جماعتوں جمعیۃ علماءِ اسلام اور نیشنل عوامی پارٹی کو اقتدار سپرد کرنے سے گریز کیا اور جب مجبوراً صوبائی حکومتیں ان کے حوالہ کرنا پڑیں تو مرکزی وزراء کی ایک کھیپ انکے خلاف سازشیں کرنے پر مقرر کر دی۔
- جمعیۃ علماءِ اسلام اور نیشنل عوامی پارٹی کی صوبائی حکومتوں کے عوامی اقدامات، عوام دوستی اور بالخصوص قائد جمعیۃ علماءِ اسلام و سابق وزیرِ اعلیٰ صوبہ سرحد حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ کے انقلابی اسلامی اقدامات کے ردِّ عمل سے خوفزدہ ہو کر مختلف بہانوں اور بے بنیاد حیلوں سے بلوچستان کی اکثریتی حکومت کو بلاجواز برطرف کر دیا جس کے نتیجہ میں مولانا مفتی محمودؒ کی کابینہ بھی احتجاجاً مستعفی ہو گئی اور اس طرح ان صوبائی حکومتوں سے چھٹکارا حاصل کیا۔
- سرحد و بلوچستان میں ۱۹۷۰ء کے عوامی فیصلہ کو مسترد کرتے ہوئے ارکانِ اسمبلی کے ضمیروں کی خرید و فروخت کے ذریعہ مصنوعی اکثریت قائم کی گئی اور عوام کی مرضی کے خلاف ان پہ کٹھ پتلی حکومتیں مسلّط کیں۔
- بلوچستان میں فوج کشی کر کے وہاں کے غریب عوام کو قتلِ عام کا نشانہ بنایا، بمباری کی اور نہتّے لوگوں پر بے تحاشہ گولیاں برسائی گئیں۔
- مولانا شمس الدّین شہیدؒ، خواجہ محمّد رفیق، ڈاکٹر نذیر احمد، عبدالصمد اچکزئی، نواب محمد احمد خان، جاوید نذیر اور دیگر بے گناہوں کو گولی کا نشانہ بنایا۔

* ضمنی انتخابات میں اندھا دھند دھاندلیاں اور بدعنوانیاں کرکے ووٹ پر عوام کے اعتماد کو ختم کرنے کی سازش کی۔
* آزاد کشمیر میں سردار عبدالقیوم کی حکومت کو غیر آئینی ذرائع سے الگ کرکے وسیع تر انتخابی دھاندلیوں کے ذریعہ خود ساختہ حکومت وہاں مسلّط کر دی۔
* ہنگامی حالات کو بلاجواز طول دے کر اور دفعہ ۱۴۴، ڈی پی آر اور دیگر امتناعی قوانین کے ذریعہ اظہارِ رائے اور پبلک اجتماعات کا راستہ روک دیا۔
* اخبارات اور پریس پر بے جا پابندیاں عائد کرکے اور مختلف اخبارات و جرائد کا گلا گھونٹ کر خوف و ہراس کی فضا مسلّط کر دی۔
* اپوزیشن کے عام جلسوں مثلاً لیاقت باغ راولپنڈی وغیرہ میں مسلّح غنڈہ گردی کرکے اور اپوزیشن راہنماؤں خصوصاً مولانا مفتی محمُود اور خان عبدالولی خان پر بار بار قاتلانہ حملے کرکے اپوزیشن کو خوفزدہ کرنے کی ناکام کوشش کی۔
* جیلوں میں سیاسی قیدیوں کے ساتھ انسانیّت سوز سلوک اور بہیمانہ طرزِ عمل اختیار کرکے جمہُوری و سیاسی عمل کی حوصلہ شکنی کی۔
* اسمبلیوں میں بھی عوامی نمائندوں کو اظہارِ رائے کے حق سے محروم کرکے انھیں بائیکاٹ جیسے آخری حربے پر مجبُور کر دیا۔
* سندھ میں زبان کے نام پر فسادات کا کھڑاک رچا کر سینکڑوں بے گناہوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا۔
* اور ان جیسے متعدّد دیگر اقدامات کے ذریعہ مُلک میں سیاسی عمل کو معطّل، بے جان اور غیر مؤثر بنا کر رکھ دیا۔

اسلام اور جمہوریّت کے بعد اس گروہ کے ہاتھوں سوشلزم کا حشر دیکھنا ہو تو کراچی اور لاہور میں عوامی پولیس کے ہاتھوں شہید ہونے والے بے گناہ مزدوروں اور مُلک بھر میں بے دخل ہونے والے مزارعین کا شمار کر لیجئے۔ آپ کو یہ تناسب شاید پاکستان کی پُوری سابقہ تاریخ سے بھی زیادہ نظر آئے گا۔

ان حالات میں "کُل پاکستان جمعیتہ علماءِ اسلام" جو شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ

اسماعیل شہیدؒ، امیر المومنین سید احمد شہیدؒ، امیر المومنین حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ، حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ، حضرت مولانا ابو المحاسن سجاد بہاریؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ، حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوریؒ، حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ، حضرت مولانا معین الدین اجمیریؒ، مولانا ابو الکلام آزادؒ، حضرت مولانا غلام محمد دین پوریؒ، حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ، حضرت مولانا عبد الرحیم پوپلزئیؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لودھیانویؒ، ڈاکٹر انصاریؒ، مسیح الملک حکیم محمد اجمل خانؒ، حضرت مولانا محمد صادق آف کھڈہ کراچی، قطب الاقطاب حضرت مولانا احمد علیؒ لاہوری، حضرت مولانا گل شیر شہیدؒ، حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجویؒ حضرت مولانا محمد عبد اللہؒ آف کندیاں شریف، حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، حضرت مولانا عبد الحنان بالاکوٹیؒ، حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ، حضرت مولانا سید گل بادشاہ سرحدیؒ، حضرت مولانا عرض محمد بلوچستانیؒ، حضرت مولانا سید شمس الدین شہیدؒ اور مولانا محمد اکرم لاہوریؒ جیسے علماءِ کرام، مشائخ عظام، مجاہدینِ آزادی اور سرفروشانِ اسلام کی وارث اور ان کے مجاہدات، جہد و عمل اور جذبۂ قربانی کی امین ہے اور جس کی پوری تاریخ اسلام اور ملتِ اسلامیہ کے لیے مخلصانہ اور بے لوث جدّوجہد سے بھرپور ہے۔ ایک بار پھر میدانِ عمل میں آنے کا فیصلہ کر رہی ہے۔ اپنے عظیم اسلاف کی تاریخ کو دہرانے پر آمادہ ہے اور ملک میں فرنگی سامراج کے سیاسی، معاشی، قانونی، تعلیمی اور سماجی نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر اس کے کھنڈرات پر اسلام کے مکمل عادلانہ نظام کی بلند و بالا اور مستحکم عمارت کی بنیاد رکھنے کا تہیہ کر چکی ہے۔ "کل پاکستان نظامِ شریعت کنونشن" کا مقصد بھی اس نئی اور فیصلہ کن جدّوجہد کا طریقِ کار طے کرنا ہے۔

بزرگانِ ملت و برادرانِ اسلام!

اس وقت پورے ملک کی نگاہیں آپ پر ہیں، ملک کے شاندار ماضی کے امین اور روشن مستقبل کے وارث آپ ہیں، آپ ہی نے اس ملک اور قوم کو کفر و ظلم کے اندھیاروں سے نجات دلا کر اسلام کے نظامِ عدل و انصاف اور نظامِ شریعت کی روشنی سے بہرہ ور کرنا ہے، اس لیے ہر قسم کے خوف اور مصلحت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوں اور اپنے باہمت، پرعزم اور جانفروش رہنماؤں اور قائدین کی قیادت میں ظلم و جبر اور کفر و الحاد کی تاریکیوں کو شکست دینے کے لیے

کمربستہ ہو جائیں، اللہ تعالیٰ ہمارا اور آپ کا حامی و ناصر ہے۔

میں آخر میں طویل سمع خراشی کی معافی چاہتے ہوئے ایک بار پھر مجلس استقبالیہ کی طرف سے آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ دور دراز علاقوں سے سفر کر کے اس اہم مقصد کے لیے تشریف لائے، ہم شرمندہ ہیں کہ آپ کے شایانِ شان میزبانی کا حق ادا نہیں کر سکے۔ بہر حال اس سلسلہ میں ہونے والی کوتاہیوں کو ہماری بے سروسامانی اور مجبوری پر محمول کرتے ہوئے درگزر فرمائیں اور قائدین کے گراں قدر ارشادات سماعت فرمانے کے بعد اپنے اپنے علاقوں میں جا کر جمعیۃ کے فیصلوں کے مطابق جہد و عمل میں مصروف ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے فیصلوں میں برکت عطا فرمائیں اور ہمیں انھیں پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق بخشیں۔

○

نظارۃ المعارف القرآنیہ ۱۹۱۳ء میں ہندوستان کے دار الحکومت دہلی میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے حکم سے شروع ہوا ــــ امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ پہلے مدرّس اور ناظم اور شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اُن کے رفیق مقرر ہوئے۔ بھوپال کی والیہ نواب جہاں آرا بیگم اس کے تمام اخراجات برداشت کرتی تھیں۔ ۱۹۱۵ء میں حضرت سندھیؒ حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے کابل ہجرت کر گئے تو حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ تنہا تمام نظام سنبھالنے لگے۔ یہ سلسلہ ۱۹۱۵ء تک جاری رہا اور ۱۹۱۷ء حضرت لاہوریؒ کو انگریز گرفتار کر کے لاہور لے آئے تو حضرت لاہوریؒ نے اپنا ٹوٹا ہوا باضابطہ سلسلہ خدمت قرآن انجمن خدام الدین کے نام سے دوبارہ جاری کیا ــــ زیر نظر مقالہ ۱۶ر اپریل ۱۹۸۳ء کو محاضرات قرآنی زیر اہتمام مرکزی انجمن خدام القرآن کے اجلاس میں حضرت امام الہدیٰ مولانا عبید اللہ انورؒ کی طرف سے قاضی ظفر الحق صاحب نے پڑھا۔

مولانا عُبید اللہ انورؒ

نظارۃ المعارف القرآنیہ

برِّ عظیم میں خدمتِ قرآنی کا ایک روشن باب

—— یہ مقالہ مرکزی انجمن خُدّام القرآن لاہور کے سالانہ محاضراتِ قرآنی کی آخری نشست ۶ ر اپریل ۱۹۸۳ء کو انجمن کے رفیقِ کار قاضی ظفر الحق صاحب نے مولانا انورؒ کی طرف سے پڑھا۔ جسے حاضرین نے بے حد پسند کیا ——

" نظارۃ المعارف القرآنیہ کے مقاصد قوم کے گوش گزار ہو چکے ہیں اور میرے دل کی یہ بات ہے کہ ان مقاصد کو اہم مقاصد خیال کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی اس کا یقین بھی رکھتا ہوں کہ موجودہ زمانہ میں مولوی عُبید اللہ صاحب (سندھی) ہی صرف وہ شخص واحد ہیں جو ان مقاصد کو انجام دے سکتے ہیں، اُن کی ذات خود ایک مدرسہ اور دار العلوم ہے۔ وہ جہاں بیٹھ جائیں اس کو نظارۃ المعارف کہہ سکتے ہیں۔ مَیں نے ۲۸ ر مارچ ۱۹۱۴ء کو اس درسگاہ کو دیکھا۔ ایک مختصر سا کمرہ فتح پوری کی مسجد کے حوالی میں ہے جو داخلِ مسجد ہے۔ چند طلباء اُس وقت مصروفِ درس تھے مَیں نے حیرت سے دیکھا کہ چند گریجویٹ جن کے لیے زمین پر بیٹھ کر سبق پڑھنا نہایت نفس کُشی کا کام ہے بڑے شوق سے اس نفس کُشی میں مشغول ہیں۔ اس سلسلہ سے بہت سی اُمیدیں ہیں۔ میرا جو خیال تھا کہ زمانہ حال کے موافق علماء پیدا کیے جائیں اور انگریزی خوانوں کو عالم بنایا جائے۔ وہ اسی طریقہ سے پورا ہو سکتا ہے اور ہو رہا ہے۔ خدا مولوی صاحب موصوف کو جزائے خیر دے۔ اور ندوہ (العلماء) کو چشمِ بصیرت کہ جو کام اُس نے پیشِ نظر رکھا تھا وہ یہاں ہو رہا ہے"۔

حضراتِ گرامی! ابھی آپ نے جو طویل اقتباس سماعت فرمایا یہ سیرت النبیؐ اور الفاروق النعمان جیسی کتابوں کے مصنّف اور مشہور اسکالر علّامہ شبلی نعمانی کا ہے، جنھوں نے ۲۸ ر مارچ ۱۹۱۴ء کو نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی کا معائنہ کیا۔ اور معائنہ کے بعد یہ رائے تحریر کی۔ اس ادارہ کے

ایک طالب علم مرزا اسحاق بیگ مراد آبادی نے مولانا محمّد علی جوہر مرحوم کے اخبار "ہمدرد" کو یہ رائے ارسال کی چنانچہ "ہمدرد" کی اشاعت ۷ اپریل ۱۹۱۴ء میں شائع ہوئی اور ابھی حال ہی میں "نادرات شبلی" کے عنوان سے متعدّد تحریرات اور مکاتیب کے ساتھ یہ سطور بھی یونیورسٹی اورنٹیل کالج کے مجلّہ پر فضل حق قریشی کی وساطت سے سامنے آئی ہیں۔

اس ادارہ سے سب سے پہلے جو صاحب فارغ ہوئے اُن کا نام پیر مصباح الدین احمد صدّیقی ہے جو ضلع رہتک کے صدیقی خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں ـــ اس خاندان کے بزرگوں کی محنت اور تبلیغ کے نتیجہ میں دہلی، گوڑ گانوہ، کرنال، حصار وغیرہ اضلاع میں متعدّد قبائل اسلام لائے اور اسی خاندان کے متعدّد افراد کو ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں شہید کیا گیا۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

پیر مصباح الدین ریٹائرڈ ڈی۔ای۔ایس ہیں اور آج کل اسلام آباد میں مقیم ہیں ـــ اُن کے اہم ترین ساتھیوں میں مشہور خادمِ قرآن خواجہ عبد الحی صاحب تھے جو دہلی کی ایک دوسری درس گاہ جامعہ ملیہ (جس کا سنگِ بنیاد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں علیگڑھ میں رکھا۔ پھر یہ درسگاہ دہلی منتقل ہوئی) میں قرآنی علوم پڑھانے پر مامور اور تقسیمِ ملک کے بعد اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں اسلامیات کے سربراہ رہے۔

پیر مصباح الدین صاحب کو جو سند ملی اُس پر بہ حیثیّت ناظم نظارۃ المعارف مولانا احمد علی لاہوری کے دستخط ہیں۔ ۲۳ شعبان ۱۳۳۴ھ کی تاریخ ہے۔ مہر میں مسجد فتحپوری کا عکس ہے۔ اور وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرْ کی معروف آیتِ کریمہ کے ساتھ ساتھ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ یُعْطِیْ کی حدیث بھی درج ہے۔ یہ ادارہ ۱۹۱۳ء میں دہلی میں قائم کیا گیا اور اس کے بانی و موسّس اصولی طور پر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن تھے۔ پہلے ناظم و مدرّس مولانا عبید اللہ سندھیؒ تھے۔ جبکہ اُن کے رفیقِ کار مولانا احمد علی لاہوریؒ تھے اور جب ۱۹۱۵ء میں مولانا سندھیؒ اپنے استاذِ گرامی شیخ الہندؒ کے حکم سے کابل تشریف لے گئے تو مولانا احمد علیؒ اس کے ذمّہ دار قرار پائے۔ ریشمی رومال کی تحریک کا راز فاش ہونے کے بعد طویل گرفتاریوں کا جو سلسلہ شروع ہوا تو مولانا احمد علی بھی اُس کی نذر ہو گئے اور یُوں یہ ادارہ وقتی طور پر بند ہو گیا۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے اپنی خود نوشت سرگزشت میں نظارۃ المعارف کے متعلق چند جملے لکھے ہیں، مولانا فرماتے ہیں:

"حضرت شیخ الہندؒ کے ارشاد سے میرا کام دیوبند سے دہلی منتقل ہوا۔ ۱۳۳۱ھ میں نظارۃ المعارف قائم ہوئی۔ اس کے سرپرستوں میں حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ حکیم اجمل خاں اور نواب وقار الملک ایک ہی طرح شریک تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے جس طرح چار سال دیوبند میں رکھ کر میرا تعارف اپنی جماعت سے کرایا۔ اُسی طرح دہلی پہنچ کر مجھے نوجوان طاقت سے ملانا چاہتے تھے اس غرض کی تکمیل کے لیے دہلی تشریف لے آئے اور ڈاکٹر انصاری سے میرا تعارف کرایا۔ ڈاکٹر انصاری نے مجھے ابوالکلام آزاد اور مولانا محمّد علی جوہر سے ملایا، اس طرح تخمیناً دو سال مسلمانانِ ہند کی اعلیٰ سیاسی طاقت سے واقف رہا۔" (سرگزشتِ کابل ص۱۱ مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۸۰ء)

اس ادارہ کی ہیئت کذائی مقاصد اور تاریخ کو سامنے رکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قیام سے شیخ الہندؒ ان عزیزانِ گرامی کو قرآن کی روشنی سے منوّر کرانا چاہتے تھے جو حالات کی سرد مہری کا شکار ہو گئے تھے۔ اس تلخ اور افسوسناک حقیقت کو جھٹلانا بڑا مشکل ہے کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ خونی کے بعد ہندوستان بھر کا مسلمان بُری طرح متاثر ہوا۔ حکومت گئی، کاروبار لُٹے، مدارس اور خانقاہیں اُجڑیں اور تن ہمہ داغ داغ شُد والی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اس کے بعد جو دو تحریکیں تعلیم کے نام پر اُٹھیں ان میں سے ایک قاسمی تحریک تھی جسے عُرفِ عام میں دیوبندی تحریک کہا جاتا ہے اور دوسری علیگڑھی تحریک۔ بعض حضرات کا دیوبندی تحریک کو ایک مکتبِ فکر کے طور پر دُنیا کے سامنے پیش کرنا مناسب سی بات ہے۔ اسلاف سے منقول علمی وراثت کی ترویج و اشاعت اور مسلمان قوم کے عہدِ رفتہ کی بجائے دیوبند کا مدرسہ اور دُوسرے مدارس معرضِ وجود میں آئے۔ الازہر، علیگڑھ، ندوہ اور جامعہ ملّیہ جیسی درسگاہوں کے فضلاء کو ازہری، علیگ، ندوی اور جامعی کہنا اگر صحیح اور یقیناً صحیح ہے تو اسی طرح دیوبندی فضلاء کو دیوبندی کہنا بھی صحیح ہے۔ اس سے آگے اس درس گاہ کے حوالہ سے کوئی بات عقل و دانش کے نقطۂ نظر سے صحیح نہیں۔

اور پھر اربابِ علم اس بات سے بھی واقف ہیں کہ دیوبند اور علی گڑھ ہر دو تحریکات کے بانی یعنی مولانا محمّد قاسم نانوتوی اور سر سید احمد خان کا آخری سرچشمۂ فیض ایک ہی تھا۔ یعنی ولی اللّٰہی خاندان کی تعلیمات۔ چنانچہ شیخ محمّد اکرام مرحوم نے اپنی کتاب "موجِ کوثر" میں تفصیل سے اس موضوع پر گفتگو کی ہے لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ جدید علمِ کلام کی تدوین اور انگریزی سے

مصالحت جیسے نقاط کے پیشِ نظر ہر دو تحریکات میں شدید بُعد پیدا ہو گیا۔ سر سید احمد خان مرحوم نے جدید علمِ کلام وضع کر ڈالا اور انگریز سے مصالحت پر پوری قوم کو ابھارنا چاہا۔ جبکہ اربابِ دیوبند اس کے قطعاً روادار نہ تھے۔ وہ علمِ کلام کے جدید اسلوب کے تو حامی تھے لیکن افکارِ ملی میں تغیّر و تبدّل اُن کے نزدیک کسی طرح درست نہ تھا بلکہ وہ اسے الحاد و زندقہ سے تعبیر کرتے جبکہ انگریز سے مصالحت کو وہ اجتماعی خودکشی سے تعبیر کرتے۔ تاہم ان کی خواہش یہ تھی کہ علیگڑھ کی درسگاہ ملّت کے مقاصد کے کام آئے اور اس کے لیے ضروری تھا کہ اس بُعد اور خلیج کو پاٹا جائے۔ حضرت شیخ الہندؒ جیسے مجدّدِ وقت کی نظر اس بات پر برابر تھی اور گو کہ اس ضمن میں پہلے بھی کوششیں ہو چکی تھیں لیکن ان کوششوں کو منظّم شکل دینے والے حضرت شیخ الہندؒ تھے۔

شیخ محمّد اکرام لکھتے ہیں :

"مُلکی معاملات میں دونوں (مولانا نانوتوی اور سر سیّد) کا طریقِ کار مختلف تھا۔ جنگِ آزادی میں سر سیّد اور مولانا محمّد قاسم اور ان دونوں کے ساتھیوں نے حِصّہ لیا تھا لیکن سر سیّد نے ایک فریق کا ساتھ دیا تو دُوسرے نے اُس کے مخالف فریق کا۔ مولانا محمود حسن کو بھی علیگڑھ سے کم اختلافات نہ تھے، انھیں سر سیّد سے پیر بھائی یا اُستاذ بھائی ہونے کا بھی وہ ربط حاصل نہ تھا جو سر سیّد اور بعض بزرگانِ دیوبند کے درمیان تھا لیکن خدا کی قدرت ہے کہ ان کے زمانے میں علیگڑھ اور دیوبند کے درمیان خلیج پُر ہونے کا سامان ہُوا۔"

(موجِ کوثر ص۲۰۱ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء)

حضرت شیخ الہندؒ نے اس سلسلہ میں جو پہلا قدم اُٹھایا وہ ۱۹۰۶ء میں جمعیۃ الانصار کا قیام تھا جس میں علیگڑھ کے وائس چانسلر صاحبزادہ آفتاب احمد برابر شریک ہوتے ۔ پھر ۱۹۱۰ء کے دار العلوم دیوبند کے سالانہ جلسہ دستار بندی میں صاحبزادہ صاحب شریک ہوئے اور اسی موقعہ پر دونوں درسگاہوں کے طلباء کے تبادلہ کا پروگرام طے ہُوا جس کا ثمرِ تلخ حضرت شیخ الہند کی گرفتاری کی شکل میں سامنے آیا کہ انیس احمد نامی طالب علم جو علیگڑھ سے تعلّق رکھتے تھے، غیروں کی سی۔ آئی۔ ڈی کے فرائض انجام دینے میں لگ گئے۔ تاہم جب ۱۹۱۳ء

میں نظارۃ المعارف کی بُنیاد ڈالی گئی تو اس کے سرپرستوں میں علیگڑھ کے سیکرٹری نواب وقار الملک برابر کے شریک تھے اور شیخ الہند اسارتِ مالٹا سے جب واپس ہوئے تو تکلیف کے باوصف جامعہ ملّیہ کے افتتاح کے لیے علیگڑھ گئے اور وہاں ایک تاریخی تقریر فرمائی جس کے یہ جملے ان کے ظرف کی بلندی اور حوصلہ مندی کے شاہدِ عدل ہیں۔ یہ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۲۰ء مسجد علیگڑھ کی تقریر ہے۔ شیخؒ نے فرمایا :

"اے نونہالانِ وطن! جب مَیں نے دیکھا کہ میرے اُس درد کے غم خوار، جس میں میری ہڈیاں پگھلی جارہی تھیں، مدرسوں اور خانقاہوں میں کم، اور اسکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو مَیں نے اور میرے مخلص احباب نے ایک قدم علیگڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے تاریخی مقاموں دیوبند اور علیگڑھ کا رشتہ جوڑا۔"

شیخ الہندؒ کے یہ تمام اقدامات جن میں نظارۃ المعارف بھی شامل تھا، قرآنی رُوح سے مِلّت کے نوجوانوں کو آشنا کرنے اور دونوں طبقوں کا آپس میں رشتہ جوڑنے کی غرض سے تھے۔ قرآن کے معاملہ میں آپؒ کے احساسات کا اندازہ مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے سامنے آنے والی اس وصیّت و نصیحت سے ہوسکتا ہے جو وفات سے چند روز قبل مخصوص حضرات کو کی گئی۔

آپؒ نے فرمایا :

"مَیں نے جیل کی تنہائیوں میں غور کیا کہ پوری دُنیائے اسلام دینی اور دُنیوی حیثیّت سے کیوں تباہ ہورہی ہے؟ تو اُس کے دو سبب معلوم ہُوئے ایک ان کا قرآن چھوڑنا دوسرے آپس میں اختلافات اور خانہ جنگی، اس لیے مَیں وُہیں سے عزم لے کر آیا ہُوں کہ قرآنِ کریم کی تعلیمات اور اُس پر عمل کو عام کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدل کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔"

یہ بات تو اسارتِ مالٹا سے واپسی کی ہے کہ ان جذبات میں یہ شدّت پیدا ہوچکی تھی۔ اس سے قبل بھی آپ ان باتوں سے غافل نہ تھے چنانچہ دیوبند اور علیگڑھ جیسے واقعات کا آپس میں رِشتہ جوڑنا معمولی درجہ کی بات نہ تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان مقامات میں نفرت

کی دیواریں حائل ہو چکی تھیں۔ ان کو پاٹنا اسی مجدّدِ وقت کا کام تھا اور پھر نظارۃ المعارف اور اس کے بعد جامعہ ملیہ کا قیام وہ انقلاب آفریں اقدام ہے کہ شاید آج ہمیں ان کا اندازہ نہ ہو سکے۔

نظارۃ المعارف کے لیے مولانا سندھیؒ کا انتخاب حضرت شیخ الہندؒ کی دُور رس نگاہ نے کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مولانا نومسلم تھے، نومسلم کے جذبات جو ہو سکتے ہیں اُن سے ایک زمانہ آگاہ ہے۔ آپؒ نے قرآن اس طرح پڑھا کہ وہ آپؒ کی رُوح کی گہرائیوں میں اُتر گیا اور پھر مدت العمر یہی آپؒ کا مشغلہ رہا۔ اُدھر آپؒ کو قدرت نے وہ صلاحیتیں بخشی تھیں کہ آپؒ جدید تعلیم یافتہ لوگوں سے اُن کی زبان میں گفتگو کر کے اُنھیں مطمئن کرنا جانتے تھے۔ شیخ محمد اکرام مرحوم جیسا جدید تعلیم یافتہ مصنّف مولانا کو مغربی مادیت اور مشرقی رُوحانیت کا حسین امتزاج قرار دیتا ہے اور مولانا کو شیخ الہندؒ کا "دماغ" سمجھتا ہے۔

اکابرِ دیوبند کے افکار بالخصوص فلسفۂ جہاد کے سلسلہ میں علیگڑھی احباب کو جو شبہات لاحق تھے، شیخ الہندؒ خود اس کا اعتراف فرماتے کہ وہ بے بنیاد نہیں لیکن ایسا بھی نہیں کہ انھیں حل نہ کیا جا سکے اور اُن کے حل کے سلسلہ میں اُن کی نظرِ انتخاب مولانا سندھیؒ پر پڑی۔ مولانا سندھیؒ اس بات کو اپنے اُستاذِ گرامی مولانا محمود حسنؒ کا فیضان سمجھتے اور فرماتے کہ:

> "خدا کے فضل سے ہمیں حضرت شیخ الہندؒ کی صحبت کے فیض سے اس مسئلے میں پُورا اطمینان حاصل ہو گیا تھا چنانچہ علیگڑھ کے طلبا سے اس معاملہ میں اگر ہماری گفتگو ہوتی تو ہم انھیں جہاد کا مقصودِ اصلی اچھی طرح سمجھا سکتے تھے۔" (موجِ کوثر صـ ۲۰۳)

نظارۃ المعارف کی شکل میں یہ اسٹیج فراہم ہوئی اور مولانا کو اس کا موقع مِلا تو مختصر وقت میں ایک ایسی کھیپ تیار ہو گئی جو سرسیّد احمد خان مرحوم کے فلسفۂ تعاون کی بجائے عدمِ تعاون کی عَلَم دار ثابت ہوئی، جس کا نتیجہ جامعہ ملّیہ کی شکل میں سامنے آیا۔ مولانا سندھیؒ کے کابل تشریف لے جانے کے بعد مولانا احمد علیؒ اِس سلسلہ کو احسن طریق سے چلاتے رہے۔ وہ مولانا سندھیؒ کے پُرانے معتمد اور حضرت شیخ الہندؒ کے فیض یافتہ تھے۔ اُن کی گرفتاری کے بعد وہ بزم بظاہر سُونی ہو گئی لیکن یہ دونوں بزرگ جہاں گئے شبلی کے الفاظ میں نظارۃ المعارف

قائم کر کے بیٹھ گئے۔ مولانا سندھیؒ نے کابل، رُوس اور ترکیہ میں جس طرح قرآن کی خدمت کی اس کے لیے مرحوم ظفر حسن ایبک کی آپ بیتی ملاحظہ کی جاسکتی ہے کہ آپؒ ایک دن بھی اس سے غافل نہ ہوئے اور علماء کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم یافتہ حضرات کو برابر قرآن پڑھاتے رہے۔ رُوس جیسے الحاد زدہ ملک میں آپؒ نے ذرّہ برابر خوف محسوس نہیں کیا اور کتاب الٰہی کے معارف پھیلانے میں مشغول رہے اور جب آخر میں مکّہ معظّمہ پہنچے تو اس سرزمینِ وحی پر برابر گیارہ برس کتابِ مقدّس کے انوار پھیلائے۔ مولانا عبداللہ لغاری اور علامہ موسیٰ جاراللہ جیسے حضرات نے اسی دور میں آپؒ سے استفادہ کیا۔ علاّمہ مُوسیٰ اس سے قبل رُوس میں بھی استفادہ کر چکے تھے۔ مولانا سندھیؒ اپنی سرگزشت میں اپنے مکّہ معظّمہ کا محبوب ترین مشغلہ قرآن کی خدمت اور امام ولی اللہ دہلوی کی کتابوں کی تدریس قرار دیتے ہیں۔

آپؒ کے اسی دور کے نوٹس ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم شیخ الجامعہ جامعہ ملیّہ کے توسّط سے محفوظ ہوئے اور پھر پاکستان پہنچے جن کی بنیاد پر ہائی کورٹ لاہور کی انسپکشن ٹیم کے ممبر ڈاکٹر منیر احمد مُغل نے انھیں مرتّب کیا جو عنقریب شائع ہونے والے ہیں ـــــ اور مکّہ معظّمہ سے واپسی کا مختصر وقت دیوبند، دہلی، لاہور، کراچی، سندھ اور دین پور شریف جو گزرا تو اسی کتاب کی خدمت میں۔ دہلی میں آپ کا قیام ان دنوں جامعہ ملّیہ میں ہوتا جہاں کے شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین آپؒ کے عزیز دوست اور بھائی مولانا سیّد حسُین احمد مدنیؒ کے مُرید و تربیّت یافتہ تھے۔ وہ شیخ الہندؒ حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری اور نواب وقار الملک کے سینچے ہوئے پودے کے رکھوالے تھے انھوں نے دہلی کے بہترین دماغ جامعہ میں اکٹھے کئے جنھوں نے مولانا سندھیؒ سے قرآن پڑھا۔ اُن میں سے مولانا سعید احمد اکبر آبادی، پروفیسر مجیب، ڈاکٹر عابد حسین صاحب، خود ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب اور دوسرے حضرات شامل تھے۔ ادھر مولانا احمد علیؒ کو دیکھیں تو اُن سے اُن کے استاذ گرامی مولانا سندھیؒ نے باقاعدہ بیعت لی تھی کہ خدمتِ قرآن نہیں چھوڑنی۔ چنانچہ اُس وقت سے لے کر اپنے یوم وفات ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء تک برابر اس سلسلہ میں مشغول رہے ـــــ دہلی سے گرفتاری کے بعد آپؒ کو راہوں ضلع جالندھر اور شملہ نظر بند رکھا گیا۔ جلیسے کیسے بھی ہُوا وہاں ایک آدھ مسلمان قیدی تلاش کر کے اس عہدِ وفا کو نبھایا اور پھر جب لاہور نظر بند ہُوئے تو یہی بات رہی اور جب تھانہ نولکھا کی نظر بندی سے رہا ہُوئے تو ایک دن ضائع کیے بغیر شیرانوالہ کے علاقہ میں اللہ کا نام لینا شروع

کر دیا۔ اور قرآن کا درس جاری فرما دیا۔ جب آپ لاہور تشریف لائے تو پورے لاہور میں ایک جگہ درسِ قرآن نہ تھا۔ لوگ مثنوی شریف کا درس دیتے تھے۔ اس راہ میں جو مشکلات آئیں وہ آئیں لیکن "عنقا" کا آشیانہ بلند تھا اس لیے کسی چیز کی پروا نہ کی۔ درمیان میں ہجرتِ کابل کا مرحلہ آیا تو درس نہ چھوڑا۔ سفرِ حرمین کی نوبت آئی تو تدریس جاری رہی۔ ملک میں تبلیغی دورے ہوئے تو جہاں پہنچے نماز باجماعت کے اہتمام کے لیے اپنی گھڑی مسجد کی گھڑی سے ملا کر وہاں کی مسجد کے اوقاتِ نماز معلوم کرائے اور درس کا اہتمام فرمایا۔ لاہور میں علماء کے ساتھ ساتھ عوام اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لیے دروس کے سلسلے جاری ہوئے اور پھر بچیوں کا انتظام کیا۔ آپؒ کی پڑھائی ہوئی بچیاں اس وقت اللہ کے فضل سے دنیا کے مختلف حصوں میں تدریسِ قرآن میں مشغول ہیں۔ حال ہی میں ہمارے ایک دوست تبلیغی جماعت کے ساتھ بعض یورپین ممالک میں گئے تو وہاں کے ایک سفارت خانہ کے فرسٹ سیکرٹری کی اہلیہ کا لکھا جنھوں نے حضرت لاہوریؒ کے تعلق سے نہ صرف دعوت کی بلکہ بتایا کہ میں اپنے اُستاذِ گرامی کی نصیحت کو پورا کرنے کے لیے یہاں دیارِ غیر میں مصروفِ تدریسِ قرآن ہوں۔ لاہور میں جن حضرات نے آپؒ سے پڑھا اُن میں جہاں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا قاری محمد طاہر قاسمی، مولانا عبدالحنان ہزارویؒ، مولانا عبداللہ بہلویؒ شجاع آباد، مولانا کفیل احمد بجنوری استاذ مدرسہ عالیہ کلکتہ، مولانا ابوالبیان حمادؒ اور مولانا مفتی بشیر احمد پسروریؒ شامل ہیں وہاں علامہ علاء الدین صدیقی مرحوم، خواجہ عبدالوحید، ایڈیٹر الاسلام (انگلش) ڈاکٹر سید محمد عبداللہؒ، ڈاکٹر محمد فاروق (دیال سنگھ کالج) شیخ محمد عظیم ایڈووکیٹ، پروفیسر سعادت علی خان، ڈاکٹر عبداللطیف ایم۔ بی۔ بی۔ ایس، چوہدری عبدالرحمٰن خانؒ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی مولوی بشیر احمدؒ لدھیانوی بی۔ اے، مولوی محمد مقبول عالمؒ بی۔ اے اور حافظ فضل الٰہی ایم۔ اے جیسے تعلیم یافتہ حضرات بھی شامل تھے۔ آپؒ کے درسِ قرآن کا اتنا شہرہ تھا کہ حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ واں بھچراں، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا مفتی کفایت اللہؒ دہلوی اور مولانا حافظ عبدالرحمٰن محدث امروہی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے اکابرین اور اربابِ علم و فضل کی سفارش لے کر طلبہ آتے اور داخل ہوتے۔ اس کے علاوہ مولانا مدنیؒ تو ہر سال دورۂ حدیث کے طلبہ کو تلقین کرتے کہ تمھارے علوم کی تکمیل مولانا احمد علیؒ کے یہاں ہوگی۔

اس خدمتِ قرآن نے انھیں گوہرِ شب چراغ بنا دیا، اور آج کم از کم پنجاب کے طول و عرض

میں جو قرآنی خدمت نظر آرہی ہے اس کا بالواسطہ یا بلاواسطہ سبب آپؒ ہیں۔ آپؒ کو اللہ تعالےٰ نے ترجمہ وتفسیر لکھنے کی توفیق بخشی تو ہر مکتبِ فکر کے علماء نے اس کی تحسین کی۔

الغرض ۱۹۱۳ء میں دہلی سے جس سلسلۂ خیر کی ابتدا ربشکل نظارۃ المعارف ہوئی تھی، جنگِ عظیم اوّل اور دوسرے حوادث کے سبب وہاں تو وہ سلسلہ بہت کم دیر چلا مگر مولانا سندھیؒ تھے تو اپنی وفات ۱۹۴۴ء تک اور مولانا لاہوریؒ تھے تو اپنی وفات ۱۹۶۲ء تک ایک دن بھی اس بُنیادی کام سے غافل نہ ہوئے اور یہی ایک بندۂ مومن کی شان ہے ــــ اللہ تعالیٰ ان اکابر کو اپنی خصُوصی رحمتوں سے نوازے اور اُن کے چھوڑے ہوئے کام کی تکمیل کی ان کے اخلاف کو توفیق بخشے۔ سعادت مند ہیں وہ لوگ جن کی عمُریں قرآنِ عزیز کی نذر ہو رہی ہیں اسلیے کہ اس سے بڑھ کر نہ کوئی خدمت ہے نہ سعادت ــــ اَللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ مُحَمَّدٍ وَّعلیٰ اٰلِ مُحَمَّد ــ اللّٰھمّ وفّقنا لما تحبّ وترضیٰ۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

⊙

امامِ انقلاب مولانا عُبیداللہ سندھیؒ کا آخری سفرِ دیوبند

(۸ جنوری ۸۳ء کی فکری نشست میں پڑھا گیا)

جلا وطنی کے بعد حضرت سندھیؒ اپنے اسفار میں حضرت امام الہدیٰؒ کو ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے اور دورانِ سفر علمی و سیاسی تربیت کو بطورِ خاص ملحوظ رکھتے۔ اسی دوران تمام کتب دینیہ سبقاً سبقاً پڑھا کر سند بھی عطا کی جس کی بنا پر حضرت اقدسؒ کو امام سندھیؒ کا آخری شاگرد اور مسترشد ہونے کا شرف حاصل ہوا

۲۴ سالہ جلا وطنی کے بعد مولانا سندھیؒ جب وطن واپس تشریف لائے تو سفر و حضر میں مجھے خادمانہ حیثیت سے ساتھ رہنے کا موقعہ ملا۔ ان دنوں حجۃ اللہ البالغہ اور درسِ قرآن ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ یہ اُن کی عمر کا آخری اور میری عمر کا ابتدائی دور تھا پھر بھی حسب استطاعت مَیں نے اس سے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ کم علمی کی وجہ سے جب کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو مَیں سوال کی جرأت کرتا۔ مولانا اِنتہائی شفقت سے دل کھول کر بات سمجھاتے اور پوری طرح مطمئن فرماتے۔ یہ سطور میری اُن سے آخری مُلاقات کی یادداشت ہیں۔ اِس کے بعد مرض الوفات میں مجھے کچھ خدمت کا موقعہ ضرور ملا لیکن کسی علمی گفتگو کی نوبت نہیں آئی۔ مولانا اُن دنوں مختلف امراض کے نرغے میں تھے، اُن پر تکالیف کی یورش تھی لیکن زبان سے کسی تکلیف کا اظہار نہیں فرماتے تھے، اُن کی قوّتِ برداشت پر مُعالج بھی حیران تھے۔ بس ایک ہی لگن تھی جو بھی عیادت کے لیے آتا اُسے قرآن میں غور و تدبّر اور تفکّر و تفحّص کی نصیحت فرماتے۔ اُن دِنوں اُن کا ایک ہی پیغام تھا کہ دُنیا کے تمام روگوں، دُکھوں اور مصائب و مشکلات کا حل صرف قرآن میں موجود ہے۔ قرآن کو پڑھو، سمجھو اور اِس پر عمل کرو اور اپنی زندگی قرآنی تعلیمات کو

عام کرنے میں کھپا دو۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں ‌ ‌ ‌ ‌ اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار

یہ اوائل ۱۹۴۴ء کی بات ہے میں دورۂ حدیث شریف کا سبق پڑھ کر اپنے کمرہ باب الظاہر کی طرف آ رہا تھا۔ ایک طالب علم تیز تیز قدم اُٹھاتا ہُوا قریب آیا کہ "حضرت مدنیؒ یاد فرما رہے ہیں"۔ فوراً حاضر ہُوا۔ جب مہمان خانہ میں اُن کی نگاہ پڑی ہنس کے فرمایا "لیجیے آپ کا وہ چہیتا آگیا"۔ آگے بڑھ کر دیکھتا ہُوں تو مولانا سندھیؒ کو حضرتؒ ناشتہ کرا رہے تھے۔ مجھے فرمایا "یہ دہلی سے لاہور کا قصد فرما چکے تھے۔ مَیں نے دیوبند کی دعوت دی انھوں نے فرمایا کہ اِس شرط پر کہ میاں اصغر حسین صاحب سے ملاقات کرائیں۔ مَیں نے وعدہ کر لیا اب انھیں محلّہ قلعہ پر میاں صاحب کے ہاں لے جائیں"۔ تعمیلِ ارشاد میں چل تو پڑا ادب کی وجہ سے بات کرنے کی ہمّت نہ ہُوئی ورنہ مَیں تو ۱۹۴۱ء سے دیوبند میں مقیم ہُوں اور خوب جانتا ہُوں کہ میاں صاحب عصر کے بعد ہی ملاقات کرتے ہیں اور اس وقت وہاں تعویذ لینے اور مُلاقات کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوتا ہے۔ میاں صاحب اپنے معمول کے خلاف کبھی کسی سے مُلاقات نہیں کرتے ہم دار العلوم روڈ پر چلے جا رہے تھے۔ راستہ میں اونچی منڈیر کا بڑا سا کنواں پڑتا ہے۔ کنویں سے اس طرف ایک صاحب خاصا بڑا رومال چہرہ پر ڈالے اِدھر آتے ہوئے دکھائی دیے لیکن ذہن اِس طرف متوجّہ نہ ہُوا۔ خیال ہُوا کوئی بھی ہو لیکن میاں صاحبؒ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اُس وقت سڑک پر خوب چہل پہل تھی، وقت کوئی دس گیارہ کا ہوگا۔ مَیں اس سوچ میں گم تھا کہ میاں صاحبؒ کے ہاں تو کوئی بڑے سے بڑا آدمی بے وقت دستک نہیں دے سکتا۔ مَیں کس طرح انھیں اِطّلاع کروں گا لیکن خدا کی شان جُوں ہی پلٹ کر دیکھتا ہُوں کہ دونوں بزرگ گرم جوشی سے معانقہ فرما رہے ہیں ——— اللہ اکبر تو یہ گویا میاں صاحبؒ ہی تھے اور فرماتے ہیں کہ "مَیں تو صُبح سے آپ کی باٹ دیکھ رہا تھا (انتظار کر رہا تھا) اب مجبوراً چلا کہ دیکھوں کہاں رہ گئے"۔ اُس وقت مسرّت و انبساط سے دونوں بزرگوں کے چہرے تمتما رہے تھے اور پُرانی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے خراماں خراماں قیام گاہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔

یہ ایک شیخ الحدیث اور مادر زاد ولی اللہ کا کشف تھا اور دیوبند والے تو اُن کے کشف و کرامات دیکھنے کے عادی تھے۔ مکان پہ آکر ایک اور حیران کُن بات دیکھی کہ تین پیالوں میں گننے کے

رس کی نہایت عمدہ کھیر رکھی ہوئی ہے، قریب میں گرم دُودھ پڑا ہے اور ہم تین افراد کے سوا وہاں اور کوئی موجود نہیں۔ میاں صاحبؒ نے اپنے دستِ مبارک سے اُن میں دُودھ ڈالا، ایک ایک پیالہ ہمیں عنایت فرمایا اور ایک پیالہ خود لے لیا۔ ارشاد ہُوا "نوشِ جاں فرمائیں"۔ پھر برسوں کے بچھڑے دوست رازونیاز کی باتوں میں مشغول ہو گئے اور ساتھ ہی لذیذ و شیریں کھیر سے بھی لُطف اندوز ہوتے رہے۔ مجھے تو رہ رہ کر مائدہِ سماوی یاد آتا رہا۔ جیسے ابھی ابھی ہم پر نازل ہُوا ہو۔ اِن دونوں بزرگوں میں قدرِ مشترک حضرت شیخ الہند کی ذاتِ اقدس اور اُن سے عقیدت و محبّت تھی اور زیادہ تر اُن ہی کے کمالات، اُن کی علمی و دینی اور سیاسی خدمات، اُن کے احساسات و رجحانات پر گفتگو جاری رہی۔ بالخصوص قرآنِ حکیم سے اُن کا شغف اور بے پناہ محبّت اور انگریزوں اور اُن کے گماشتوں سے اظہارِ نفرت و بیزاری کا بار بار ذکر آتا رہا۔ ضمناً شاہ اسمٰعیلؒ اور سیّد احمد شہیدؒ اور خاص طور پر جنگِ آزادی میں علماء کا جرأت مندانہ کردار، مولانا محمّد قاسم نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کی حرّیتِ فکر، جہادِ شاملی و تھانہ بھون اور رفض و بدعات کے خلاف اُن کے کارنامے بیان کرتے ہُوئے مولانا سندھیؒ نے فرمایا۔ حضرت شیخ الہندؒ کو مولانا محمّد قاسم سے تواضع اور انکسار کی نسبت تھی اس نسبت کو امام ولی اللہ اپنی کتابوں میں نسبتِ اہلِ بیت کا نام دیتے ہیں اور یہی نسبتِ اہلِ بیت حضرت شیخ الہندؒ سے مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کو حاصل تھی۔ پھر دونوں بزرگوں نے شریف حسین والیِ مکّہ کی تُرکوں سے غدّاری اور حجازِ مقدّس میں حضرت شیخ الہندؒ اور اُن کے رفقاء کی گرفتاری پر رنج و قلق کا اظہار کیا اور اسارتِ مالٹا کے دوران سنگدلانہ اذیّتوں کو جس صبر و تحمّل سے برداشت کیا ہے اس پر اُنھیں زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔ اُدھر مولانا سندھیؒ دُنیا کے مختلف گوشوں بالخصوص دیارِ حرم میں بکھری اپنی خوشبو صورت یادوں کو سمیٹ رہے تھے اور میاں صاحبؒ کے مُنہ سے بے اختیار دُعاؤں کے پھول جھڑ رہے تھے۔ نہ معلوم یہ پاکیزہ محفل کب تک جاری رہتی کہ مجھے کچھ آہٹ محسوس ہوئی۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ حضرت مدنیؒ کا خادم پیغام لایا ہے کہ مولانا سندھیؒ کے لیے پرہیزی کھانا تیار ہو چکا ہے اور حضرت مدنیؒ مہمانوں سمیت انتظار میں ہیں۔ اُٹھتے ہوئے مولانا سندھیؒ نے فرمائش کر دی "میاں صاحبؒ! حج کے موقع پر آپؒ نے حرمِ کعبہ میں جو بات ہمیں سُنائی تھی وہ ایک بار پھر سُنا دیں"۔ ایک لمحہ

تامّل کیے بغیر حضرت میاں صاحبؒ نے فرمایا" مالٹا سے واپسی پر حضرت شیخ الہندؒ کی صحت روز بروز گرتی جارہی تھی۔ اُن کا مرض بواسیر اور وجع المفاصل ہی کچھ کم تکلیف دِہ نہ تھا کہ دیوبند تشریف لاتے ہی جاڑے کے بخار کا حملہ ہو گیا اور اسی حالتِ مرض میں متعدد سفر پیش آگئے اور خاص طور پر علی گڑھ جانا پڑا۔ جب علالت تشویشناک صورت اختیار کر گئی۔ تو علاج کے لیے دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں حکیم عبد الرّزاق اور حکیم اجمل خاں نے ایسی قیمتی اور نایاب ادویہ استعمال کرائیں جو بادشاہوں کو میسّر نہیں لیکن مالٹا میں جن شدائد سے واسطہ پڑا تھا، اُس کا علاج دواؤں سے ممکن نہ تھا۔ بالآخر ڈاکٹر انصاریؒ کے مکان پر حضرتؒ کا وصال ہو گیا۔ اِس سے کچھ ہی دیر پہلے حضرتؒ پر گریہ طاری ہو گیا۔ خدّام نے وجہ دریافت کرنا چاہی کہ علاج معالجہ ہو سکے لیکن حضرتؒ جواب میں کچھ ارشاد نہیں فرماتے۔ بار بار کے استفسار پر فرمایا" میری تمنّا اور زندگی بھر کی یہ دُعا تھی کہ اسلام کے لیے جہاد کرتا ہُوا مارا جاؤں اور میری ہڈی پسلی گھوڑوں کی ٹاپوں میں پِس جائے اور صُبحِ قیامت سُرخرو ہو کے اُٹھوں اور اب جب کہ میرا آخری وقت آپہنچا ہے دُعا کے قبول نہ ہونے کا غم ستا رہا ہے۔ یہ فرما کر کلمۂ طیّبہ پڑھا اور رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اب ہم یتیم ہو چکے تھے۔ ہماری دُنیا اندھیر ہو گئی تھی۔ اِس سے چند روز بعد حضرتؒ کی قیام گاہ پر جو اب سُونی ہو چکی تھی۔ ایک دن علمائے کرام کا بہت بڑا مجمع تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ کی تحریکِ آزادی کا ذکر چھڑ گیا۔ ہر شخص دُکھ اور دل سوزی سے اِس کا ذکر اپنے اپنے انداز میں کر رہا تھا کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ تھانوی نے فرمایا — " ہم نہ کہتے تھے کہ انگریزوں کے خلاف تحریک کامیاب نہ ہو سکے گی"۔ یہ سُن کر مجھے بہت صدمہ ہُوا۔ میں نے کہا "حضرت جی! یہ تو اپنوں کی وجہ سے ہی ناکامی کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ اِس سلسلہ میں عبد الحق اور ملتان کے خان بہادر رب نواز خان کا نام لیا جا سکتا ہے۔ اب آپ اِس پیشین گوئی پر فخر فرما رہے ہیں" یہ سُن کر مولانا سندھیؒ بہت خوش ہُوئے اور فرمایا میاں صاحب آپ نے کلمۂ حق کہہ کر ہمارا دل ٹھنڈا کر دیا ہے۔ خدا آپ کو اور مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کو اپنی بے پایاں رحمتوں سے نوازے۔ یہ بزرگ ایک بار پھر بغل گیر ہُوئے۔ اُس وقت ہر دو کی آنکھوں سے حسرت و یاس ٹپک رہی تھی۔ سلام اور دُعا کے بعد کچھ غمگین سے ایک دُوسرے سے رُخصت ہُوئے۔ میاں صاحبؒ اور حضرت مدنیؒ کے گھر کے درمیان کچھ فاصلہ ہے۔ واپسی میں ذرا تیز قدموں سے چل رہے

تھے کچھ دیر تو مولانا بالکل گم سُم رہے پھر خود ہی مہرِ سکوت توڑی اور فرمایا" انور! تمھارے اور تمھاری عمر کے نوجوانوں کے لیے ہماری یہ نصیحت ہے کہ دورۂ حدیث شریف کے بعد بی اے کے سٹینڈرڈ تک انگریزی زبان میں استعداد جب تک بہم نہ پہنچا لو عملی زندگی میں قدم نہ رکھنا۔" پھر فرمایا" ہمارا تجربہ ہے کہ دار العلوم کا نصاب پڑھنے کے بعد نوجوانوں میں بے پناہ صلاحیتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور کسی یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ فضلاء سے اُن کا ذہنی ارتقاء کسی طرح کم نہیں ہوتا بلکہ ہم تو تجربہ کے بعد اُنھیں فائق سمجھتے ہیں۔ یہ علمی مرتبہ فنون کی کتابیں اور درجۂ تکمیل جس میں حجۃ اللہ البالغہ سمجھ کر پڑھی گئی ہو تب نصیب ہوتا ہے اب صرف انگریزی زبان کا پردہ بیچ میں حائل رہتا ہے اور ڈائرکٹ میتھڈ کے اصول پر عمل کیا جائے تو یہ چند ماہ کی بات ہے۔ اگر ہمارے طلبہ ذرا سی ہمت کر کے اسے بھی چاک کر ڈالیں تو پھر یہ آج بھی ہر میدان میں اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا لوہا منوا سکتے ہیں۔" پھر ذرا بلند آواز میں فرمایا" سنو انور! دار العلوم دیوبند جو حضرت نانوتویؒ اور شیخ الہندؒ کی بے مثال قربانیوں کا ثمرِ شیریں ہے۔ اگر دار العلوم کے طلبہ نے ہماری اس تجویز پر عمل کیا تو ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ مستقبل کے آزاد ہندوستان میں ایک فاضلِ دیوبند صدرِ جمہوریہ اور ایک وزیرِ اعظم کے عہدہ تک ضرور پہنچے گا۔ اور مسلم ممالک بالخصوص عرب ریاستوں میں سفراء تو صرف ہمارے علماء ہی ہونے چاہئیں"۔
اس کے بعد مولانا سندھیؒ ہنس کر فرمانے لگے" خیال ایک بیج ہی تو ہوتا ہے خواہ یہ بیج کسی درخت کا ہو کسی شہر کسی جامعہ یا کسی تحریک کا کیوں نہ ہو پہلے دماغ میں جنم لیتا ہے پھر زمین میں جڑیں پکڑتا اور آسمانی رفعتوں کو چھونے لگتا ہے"۔ اور اب جب کہ آستانۂ مدنی چند قدم رہ گیا تو مولانا سندھیؒ نے فرمایا" اور ہماری دُوسری نصیحت بلکہ وصیّت یہ ہے کہ مولانا حسین احمد مدنیؒ یا اپنے والد (مولانا احمد علیؒ) سے ذکرِ قلبی کرنے کا طریقہ معلوم کر لو پھر تمام عمر تم اور تمھاری عمر کے نوجوان کم از کم ایک گھنٹہ یومیہ ضرور لطیفۂ قلبی کا ذکر کریں۔ اس کی برکت سے انشاءاللہ کسی دجل اور دجّال کا کبھی اثر نہیں ہوگا"۔ جب ہم آستانۂ عالیہ پر پہنچے تو یہاں خُوب گہما گہمی تھی، مہمان خانہ میں دستر خوان چُنا جا رہا تھا اور حضرت مدنیؒ آیا ہی چاہتے تھے کہ مولانا سندھیؒ نے بیان کو مختصر کرتے ہُوئے فرمایا" دیکھو انور! اسمِ ذات اللہ کا خوب دل لگا کر ذکر کرنا جس کثرت سے ذکرِ الٰہی کرو گے خدا نے چاہا اُسی نسبت سے اعتماد علی اللہ پھر اس کے

نتیجہ میں اعتماد علی النفس پیدا ہوگا لیکن طبیعت میں اسی درجہ خود اعتمادی کے باوصف جب بھی کسی کام کی ابتدا کرو تو پہلے اسے عقل و خرد کے ترازو میں تولو، جذبات اور محض ظنّ و تخمین کی بنا پر کوئی فیصلہ ہرگز نہ کرو، جب خوب سوچ سمجھ اور چھان پھٹک کر کوئی فیصلہ کرلو تو پھر اُس وقت تک اُس پر قائم رہو جب تک حقائق اُس کی غلطی ثابت نہ کر دیں اِذا عزمت فتوکّل علی اللہ"۔

اِس کے بعد تناول ماحضر نماز اور عرب فنجانوں میں سبز چائے کا دَور چلا۔ فارغ ہوتے ہی استراحت کے لیے مولانا سندھیؒ باب الظاہر میرے کمرے میں تشریف لے آئے۔ ساتھ ہی طلباء اور کچھ اساتذہ کرام بھی چلے آئے۔ مولانا سندھیؒ نے اپنے ذوق کے مطابق پہلے حجۃ اللہ البالغہ کا درس دیا اور پھر محبّت و شفقت کے نرالے انداز سے سب کو مصافحہ کرکے رخصت کیا۔

ابھی میرے چند دوست باقی تھے کہ مولاناؒ نے فرمایا" انور! تم سے جو بات چل رہی تھی اُسکے چند اختتامی جملے اور سُن لو، خدا معلوم آئندہ کب موقعہ ملے" پھر فرمایا" انسان کی زندگی اسکے مقاصدِ جلیلہ کی زندگی سے ہمیشہ کم ہوتی ہے۔ وہ کتنی ہی طویل عمر کیوں نہ پالے بالآخر اُسے اِس دُنیا سے کُوچ کرنا ہے۔ دُنیا میں ہر چیز کی ایک عُمرِ طبعی ہوتی ہے۔ اِسی طرح بڑے مقاصد کی بھی ایک زندگی ہوتی ہے لیکن یہ ہماری زندگی سے علیحدہ ہوتی ہے جس پر موت طاری نہیں ہوتی مگر ایک مخصُوص زمانے کے بعد اس کی وقعت کم ہوکر بالکل ختم ہوجاتی ہے اور ہوتا یہ ہے کہ عظیم تر مقاصد کے لیے کچھ لوگوں کو قدرت اعلیٰ استعداد اور غیرمعمولی صلاحیّت ودیعت فرما دیتی ہے جو اس مہم کو سر کرنے کے لیے بھرپور کوشش کرتے اور پھر دُوسروں کے لیے جگہ خالی کر دیتے ہیں۔ اِسی کو ہم تقدیر اور مشیّتِ الٰہی قرار دیتے ہیں۔ بے شک انسان اپنی عُمرِ طبعی گزار کر رُخصت ہوجاتا ہے لیکن ہر شخص اپنے عمل کے خیر و شر میں ہمیشہ زندہ رہتا ہے (گویا مادّے کی طرح عمل بھی لازوال ہے کہ شکل بدلتا ہے مگر فنا نہیں ہوتا) ایک طبعی دُنیا میں دُوسرا رُوحانی و اخلاقی زندگی میں۔ اس فرق کے ساتھ کہ خیر و شر کتنے ہی اضافی کیوں نہ قرار دیے جائیں لیکن اپنے خواص و نتائج کے اعتبار سے ایک بہرحال خیر اور دُوسرا بہر طور شر ہے فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ

الحمدللہ أولاً و اٰخراً حمداً کثیراً طیباً

آہ! پروفیسر محمد سرور

شاہ ولی اللہ سوسائٹی کے زیرِ اہتمام ہر انگریزی مہینہ کے دُوسرے ہفتے کو مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ دروازہ لاہور کی لائبریری میں فکری نشست ہوتی تھی جس کے مستقل امیرِ مجلس حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ تھے۔ ہر ماہ کوئی نہ کوئی اہلِ علم و قلم اپنا مقالہ پڑھتا ــــ اکتوبر ۱۹۸۳ء کی مجلس میں خود حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ نے پروفیسر محمد سرور صاحبؒ کے متعلق مقالہ پڑھا جو درجِ ذیل ہے

○

جو بادہ کش تھے پُرانے وہ اُٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام لا ساقی

سرور صاحب مرحوم علم و دانش کے مہرِ تاباں، ولی اللّٰہی علوم و معارف کے غوّاص، عربی اُردو کے فطری ادیب اور وسیع النظر عالم اور محقّق تھے۔ شورش کاشمیری نے ایک بار لکھا تھا کہ پاکستان میں جو دو چار پڑھے لکھے ہیں، سرور صاحب اُن میں سے ایک ہیں۔ وہ دو اور دو چار کی طرح بات کرتے ہیں، انھیں مشکل ترین مضمون کو آسان زبان میں لکھ کر دِل میں اُتارنے کا ڈھنگ خوب آتا ہے۔ اِس سلسلہ میں اُن کے آئیڈیل ادیب ڈاکٹر ذاکر حسین خان تھے جن سے سرور صاحب کو بڑی عقیدت و محبّت تھی۔ مرحوم آغا شورش نے ایک بار مجھ سے کہا تھا ـــ جیل کی تنہائیوں میں سرور صاحب کی کتابوں نے فلسفۂ شاہ ولی اللہؒ اور مولانا سندھیؒ کے افکار و نظریات سے مجھے صحیح معنوں میں متعارف کرایا اور مَیں اس بارے میں ان کا ہمیشہ ممنونِ احسان رہوں گا۔ مرحوم سادگی پسند، منکسر مزاج، کم گو اور کم آمیز بزرگ تھے لیکن شرافت و انسانیّت کے پیکر، بیدار مغز، مطالعہ و مشاہدہ کے دلدادہ اور انتھک کام کرنے والے تعصّب و تنگ نظری انھیں چھُو کر نہیں گئی تھی۔ وہ اخیر تک اپنے آپ کو ایک طالبِ علم ہی تصوّر کرتے تھے۔ جدید اور قدیم عربی اُردو ادب، سیاست و معاشرت اور تاریخ و ثقافت پر بڑی گہری نظر رکھتے

تھے اور حافظہ بھی بلا کا پایا تھا۔ اُن کی کچھ یہی خوبیاں تھیں جن کی بنا پر مشہور ادیب و مؤرخ جناب سیّد ہاشمی فرید آبادی جب ۱۹۳۸ء میں حج کو گئے اور وہاں مولانا سندھیؒ سے حجۃ اللہ البالغہ کے بعض مقامات کی تشریح سُننے کے بعد سرشار و مسرور دِلّی واپس آئے تو جامعہ ملّیہ میں ڈاکٹر ذاکر حسین شیخ الجامعہ کو مولانا سندھیؒ کا ایک پیغام دیا اور ساتھ ہی اپنی طرف سے بھی درخواست کی۔ خدا معلوم مولانا وطن واپس آسکیں گے یا نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ جامعہ کے ایک اُستاذ کو امام ولی اللہؒ کی فلاسفی پڑھنے کے لیے مکّہ مکرمہ مولانا کی خدمت میں بھیج دیا جائے۔ ذاکر صاحب کو یہ تجویز پسند آئی کیونکہ اسیرِ مالٹا حضرت شیخ الہندؒ سے عقیدت و محبّت اور اُن کے مشن سے تعلق کا یہی تقاضا تھا۔ اِس مقصد کے لیے انھوں نے پروفیسر محمّد سرور صاحب کو منتخب کیا۔ جامعہ میں عربی زبان و ادب کے ماہر اور جامعہ ازہر کے فارغ التحصیل یہی ایک استاد تھے۔ چنانچہ ذاکر صاحب نے مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے نام ایک خط بھی لکھ دیا اور فرمایا۔ جلدی روانہ ہو جاؤ، حج کی سعادت سے مشرّف ہو گے اور مولانا کی زیارت اور ان کے افکار سے استفادہ کا موقعہ بھی میسّر آئے گا۔ سرور صاحب کی خوش نصیبی تھی کہ وہ مکّہ معظّمہ میں بھی مولانا سے مستفیض ہوئے اور مراجعت وطن کے بعد یہاں بھی پانچ برس تک مولانا سے شاہ ولی اللہؒ کی کتابیں تحقیق و محنت سے پڑھتے رہے اور ان کے افکار و خیالات کے استفادہ میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ اِس دوران بھی امام ولی اللہ اور مولانا سندھی پر برابر لکھتے رہے۔ بعد میں شاہ صاحبؒ کی بعض کتابوں کے انھوں نے نہایت عمدہ تراجم کیے اور خود سرور صاحب کی تصنیف "ارمغانِ شاہ ولی اللہؒ" اپنے موضوع پر بے نظیر کتاب ہے جسے شاہ ولی اللہؒ کی کتابوں کا خلاصہ اور نچوڑ کہنا چاہیے اور علومِ قرآنی کے طلبہ کے لیے تو وہ ایک نعمت ہے ایسے ہی مولانا سندھیؒ پر "افادات و ملفوظات" اور "مولانا عبید اللہ سندھیؒ" نام کی دو کتابیں لکھ کر تو اُنھوں نے اُمّت پر احسانِ عظیم کیا ہے۔ اِنھی دنوں نوائے وقت کے مشہور کالم نویس میاں محمّد شفیع صاحب نے صحیح لکھا ہے کہ سرور صاحب نے مولاناؒ کے خیالات کو آج کے قومی اور عالمی حالات کے پس منظر میں شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔ اگر یہ کتاب انگریزی میں لکھی جاتی تو آج سارے عالمِ اسلام میں اس کی دُھوم مچ گئی ہوتی۔ ۱۹۴۳ء میں جب یہ کتاب چھپی تو ذاکر صاحب نے اسے پڑھ کر فرمایا۔ سرسیّدؒ کی لائف "حیاتِ جاوید" میں نے کئی بار

پڑھی ہے لیکن یہ کتاب پڑھنے کے بعد اب مجھے وہ ایک مرثیہ محسوس ہوتی ہے۔ اس کتاب میں روشنی، پیغام، اُمید اور زندگی کی اُمنگ دکھائی دیتی ہے۔ اِس کا منظرِ عام پہ آنا تھا کہ پُورے ہندوستان میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ جماعتِ اسلامی نے تو آسمان سر پہ اُٹھا لیا۔ میرے سامنے ملک نصراللہ خاں عزیز نے مولانا سندھیؒ سے پوچھا، اِس کتاب کے بارے میں خود آپ کی کیا رائے ہے؟ مولاناؒ نے فرمایا "پروفیسر صاحب نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ میرے افکار و خیالات سے متصادم کوئی چیز اس میں نہ آنے پائے۔ ظاہر ہے خیالات تو میرے ہی ہیں لیکن زبان و بیان سرور صاحب کا ہے"۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اس دَور میں اس کتاب نے دوست دُشمن پر گہرے اثرات چھوڑے اور طلبا برادری کو تو جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔ اس کے مطالعہ سے طلبہ اپنے دِل میں شوقِ تحقیق و تجسس کے سوتے پھُوٹتے ہوئے محسوس کرتے اور کائنات کے جدید علوم سے دامن بھرنے اور نئے اُفق سر کرنے کی اپنے اندر لگن پاتے۔ اس کے برعکس کچھ لوگ اس کے مندرجات سے پریشان ہو گئے۔ اِس ملی جُلی فضا میں ایک روز دیوبند کی جامع مسجد میں مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی تقریر کرتے ہوئے فرمانے لگے۔ کاش یہ کتاب مَیں نے یا مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے مرتّب کی ہوتی تو گرد و غبار کی یہ آندھی کبھی نہ اُٹھتی۔ پھر افسوس کے لہجے میں فرمایا ہماری سُستی اور اغیار کی چُستی نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے اِس سے ہمیں سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ انھیں دِنوں اگست ۱۹۴۴ء میں عین مولانا سِندھیؒ کی وفات کے مہینہ جب کہ مولانا کے عزیز و اقربا اور شاگردوں کے دل زخمی تھے۔ معارف اعظم گڑھ میں مولانا مسعُود عالم نے اس کتاب پر ایک دِل آزار اور گمراہ کُن تنقید لکھی۔ اس کے جواب میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے جن کا مولانا سندھیؒ کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتا ہے۔ "برہان" دہلی میں ایک "تبصرے پر تبصرہ" کے عنوان سے ایسا دندان شکن جواب دیا جس پر آج تک کسی کو ایک حرف لِکھنے کی جُراَت نہیں ہوئی۔ چنانچہ وہ عِلمی و تحقیقی بلکہ ایک لحاظ سے تاریخی مضامین "مولانا عُبیداللہ سندھیؒ اور اُن کے ناقد" کے عنوان سے کتابی صورت میں اُسی وقت چھپ گئے تھے۔ اب سُنا ہے امریکہ میں ان کا انگریزی ترجمہ بھی چھپ گیا ہے۔

بہرحال مَیں قدرت کی اس بے نیازی پر حیران ہوں کہ عِلم و ادب کی یہ عظیم خدمت اُس نے کس کے سپُرد کی جس کا کوئی علمی پس منظر نہیں۔ سرور صاحب کا تعلق گجرات کے ایک گھرانے اور پسماندہ علاقے سے ہے۔ وہ ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے اور ستمبر ۱۹۸۲ء میں ایک کم ۸۰ سال کی عمر میں عالمِ بقا

کو سدھارے۔ انھوں نے پانچویں جماعت اپنے گاؤں کے سکول میں پاس کی۔ دسویں تک شہر گجرات میں پڑھا۔ مزید تعلیم کے لیے مسلمانوں کے اُس وقت کے سب سے بڑے علمی و تہذیبی مرکز جامعہ ملّیہ اسلامیہ میں داخلہ لیا۔ عربی میں بی اے آنرز کر کے تکمیلِ تعلیم کے لیے عازمِ مصر ہوئے ساڑھے تین برس تک قاہرہ میں زیرِ تعلیم رہے۔ داخلہ تو جامع ازہر میں لیا تھا اور وہیں تعلیم بھی مکمّل کی لیکن جامعہ مصریہ میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین اور الاستاذ احمد امین کے لیکچر باپابندی سے سماعت کرتے رہے۔ صحافتی دُنیا میں ایڈیٹر الاہرام محمّد حسین ہیکل، فرید وجدی اور دوسرے اہلِ قلم کے مضامین دلچسپی سے مطالعہ کرتے رہے۔ وہاں سے واپسی پر مولانا ظفر علی خاں نے آپ کو زمیندار کا ایڈیٹر مقرّر کر دیا جہاں انھوں نے اپنی صلاحیّتوں کا لوہا منوایا لیکن ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے کہ جامعہ ملّیہ دہلی میں بطورِ پروفیسر اُن کا تقرّر ہو گیا۔ وہاں بڑے شوق سے تعلیمی خدمات انجام دے رہے تھے کہ قدرت نے سفرِ حجاز کا بندوبست کر دیا۔ حرمین شریفین سے واپسی پر اُنھیں ولی اللّٰہی علوم کو عام کرنے کی لگن لگ گئی۔ اِس مقصد سے اُنھوں نے مستقل طور پر صحافتی زندگی کو اپنا لیا۔ تقسیم برِّ عظیم کے بعد پہلے امروز کے ایڈیٹر بنے۔ غالباً پالیسی اختلاف کی وجہ سے الگ ہو کر کچھ عرصہ بعد ہفت روزہ آفاق نکالا جو جلد ہی روزنامہ میں تبدیل ہو گیا۔ پروفیسر سرور صاحب نے اِس پرچہ میں سرمایہ دارانہ استحصالی نظام معاشی عدمِ توازن، بالخصوص بندۂ مزدور کے اوقات کی تلخی کو شیرینی میں بدلنے کے لیے قلم کے خوب جوہر دکھائے اور زرعی زمین کی تحدید جسے اب تمام سیاسی جماعتوں اور حکومت نے اپنا لیا ہے یہ دراصل انھیں کے علم و قلم کا مرہُونِ احسان ہے۔ اُنھوں نے آفاق میں اس پر تابڑ توڑ حملے کیے۔ اِس سلسلہ میں ربوہ کے مدار المہام اور امیر جماعت اسلامی کے دلائل کا جس طرح تار و پود بکھیرا وہ اب تاریخ کا حصّہ بن چکا ہے۔ اصل میں اُن کے لکھنے کا مقصد تھا، چونکانا۔ جسے انھوں نے ہر دَور میں ہر قیمت پر ادا کیا۔ انھوں نے بلا شبہ قلم کو نئی رفعتیں بخشیں۔ وہ جتنا سادہ لکھتے ذہن کو اتنا ہی متاثر کرتا۔ یُوں معلوم ہوتا جیسے بھاری بھرکم الفاظ استعمال کرنے کی انھوں نے قسم کھا رکھی ہے۔ سرور صاحب کا تعلّق تو پُرانی نسل سے تھا لیکن لکھتے وہ نئی نسل کے لیے تھے اور زیادہ تر فائدہ بھی اس سے آئندہ نسلیں ہی اُٹھائیں گی۔ میرا گمان ہے مستقبل میں ان کی تحریریں اور مقبول ہوتی چلی جائیں گی کیونکہ یہ کوئی وقتی باتیں یا سطحی نظریات نہیں یہ دراصل مولانا سندھی رح کے

برسوں کے تجربات اور شاہ ولی اللہؒ کی مجتہدانہ تعلیمات پر مبنی ہیں جن کی ضرورت جُوں جُوں زمانہ گزرے گا اور بڑھتی جائے گی۔ اُن کے مضامین سے نفسیاتی حقیقت پسندی جھلکتی ہے جسے فنکارانہ انداز میں برتنا اُنھیں خوب آتا تھا۔ وہ الفاظ کے طوطا مینا بنانے کے خلاف تھے۔ وہ مسائل کو حقیقت کے رُوپ میں دیکھنا چاہتے تھے اور فطری انداز میں اُن کے حل کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ وہ مسائل سے آنکھیں مُوندنے کے حق میں نہ تھے بلکہ مردانہ وار اُن کے مقابلہ کی ترغیب دلاتے۔ اُنھوں نے ایک بھرپُور منفرد اور متنوّع زندگی گزاری۔ اُن کی ذات میں کئی پہلو سمٹ آئے تھے وہ صحافی، محقِّق، انشا پرداز، مترجم، دینیات کے ماہر، تاریخ اور فلسفۂ تاریخ پر عمیق نگاہ رکھنے والے اُستاد تھے۔ اسلام کے عروج و زوال اور اس کے اُتار چڑھاؤ پر غور و فکر کرنے کی صلاحیت اُنھیں اپنے اساتذہ سے وراثت میں ملی تھی۔ وہ دیکھنے میں سادہ پنجابی نظر آتے لیکن دِلّی کی روزمرّہ اُجلی زبان بے تکان لکھتے جو خُود وہاں کے ادیبوں کو نصیب نہیں۔ اُنھوں نے بہت کچھ لکھا اور بہت کچھ لکھنے کی آرزُو دِل میں لے کر چلے گئے۔ ماہنامہ "الرحیم" حیدرآباد، "فکر و نظر" اور "الزکوٰۃ" اسلام آباد خصوصًا آفاق کے پُرانے فائلوں سے اگر اُن کے مضامین یکجا کیے جاسکیں تو یہ ایک بڑی مفید خدمت ہوگی۔ گزشتہ دِنوں پروفیسر سرور صاحب جب آخری مرتبہ شیرانوالہ گیٹ تشریف لائے تو مَیں نے "مولانا سندھیؒ کا آخری سفرِ دیوبند" انھیں اپنا ایک مضمون پڑھ کر سُنایا اور ساتھ ہی پروفیسر محمّد اسلم صاحب کی نئی تالیف "مولانا عُبید اللہ سندھیؒ کے سیاسی مکتوبات" کے چند نُسخے ہدیۃً پیش کیے جنھیں پاکر بہت ممنون ہُوئے۔ میرے مضمون کے ایک جُملہ کہ مُولانا سندھیؒ نے فرمایا "بے شک اِنسان اپنی طبعی عمر گزار کر رخصت ہو جاتا ہے لیکن ہر شخص اپنے عمل کے خیر و شر میں ہمیشہ زندہ رہتا ہے"۔ سُن کر اسے اپنی زبان سے دُہرایا اور وداعی معانقہ و مصافحہ کرتے وقت مجھے یُوں محسوس ہُوا جیسے وہ کہہ رہے ہوں "چراغِ سحر ہُوں بجھا چاہتا ہُوں" اور یہ دیکھ کر افسوس ہُوا کہ حُسن و توانائی کے مظہر پروفیسر محمّد سرور کی جگہ نحیف و نزار سرور صاحب نے لے لی ہے۔ اب اُن کی صحت کو گھن لگ چکا تھا۔ وصال کی خبر سے کوئی دو تین روز پہلے ماہنامہ "الزکوٰۃ" میں ان کا آخری ایڈیٹوریل پڑھ کر دِلی مسرّت ہُوئی کہ اسلام کے عملی نفاذ اور وطنِ عزیز کے بسنے والوں کی ترقّی و خوش حالی سے انھیں کس درجہ لگاؤ ہے جو اُنھیں اِس عمر میں بھی بے چین کیے ہُوئے ہے۔

بظاہر سرور صاحب نے اپنے صاحبزادہ کو ملنے کے لیے دوبئی کا رخت سفر باندھا لیکن انھیں کیا خبر تھی کہ وہ سفرِ آخرت پر روانہ ہو رہے ہیں۔ انھوں نے دوبئی میں ہی داعیٔ اجل کو لبّیک کہا لیکن جس سرزمین میں اس مردِ حق آگاہ نے جنم لیا اور جہاں علم و حکمت کی شمع روشن کی۔ آخر اس دھرتی نے اپنی گود میں کھینچ بُلایا اور آج وہ اسی تاریخی شہر میں ابدی نیند سو رہے ہیں رحمۃ اللہ علیہ واسعًا کثیرًا۔

سرور صاحب جیسے ذہین وفطین، انسان دوست، آفاق گیر اور علم و دانش کے رسیا۔ روز روز نہیں پیدا ہوتے۔ اُن کا اِس بزمِ علم و ادب سے اُٹھ جانا کوئی معمولی بات نہیں اُن کے علم و فکر کے ڈانڈے بلند پایہ مفکّرینِ اسلام سے جا ملتے ہیں اور اس سلسلہ میں دورِ خلافتِ راشدہ بنُو امیّہ بنو عبّاس تاریخ اسلام عہد بہ عہد ترقّی و تنزّل نیز برّ عظیم میں مُسلم دور کی داستان اور مفکّرینِ عالمِ اسلامی کے افکار و نظریات پر انھیں بھرپور گرفت حاصل تھی اور اپنی کتابوں میں اُنھوں نے اس پر بے لاگ تبصرے بھی کیے ہیں جس کے اثرات دُور رَس ہوں گے۔ میرے نزدیک وہ سلسلام کی متاعِ بے بہا تھے۔ طلباءِ علومِ اسلامی اور عام شائقین علم و فن اور خاص طور پر جویانِ حق و صداقت ضرور اِس سے استفادہ کریں گے۔ سرور صاحب ان میں سے تھے جن کے متعلّق کہا جاتا ہے ؎

عمرہا در کعبہ و بُت خانہ می نالد حیات
تا زِ بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

وہ خود تو ہمیشہ خزاں کے ستم سہتے رہے لیکن ہمارے لیے پوری جانفشانی سے بہاریں تلاش کرتے رہے۔ اُن کے اس جہانِ رنگ و بُو کو خیرباد کہہ دینے سے علم و ادب کی مانگ اُجڑ گئی ہے اس کا حُسن لُٹ گیا ہے، خوشبو ماند پڑ گئی ہے۔ ایسے روشن ستارے آسمانِ علم و حکمت پر کبھی کبھی اُبھرتے ہیں اور دُکھ اس بات کا ہے کہ اب وہ ستارہ فلک کے دریچوں سے کبھی نہیں جھانک سکے گا۔

سرور صاحب فطرت کا ایک عطیّہ تھے جن کی دریافت مولانا سندھیؒ ہیں اور مولانا سندھیؒ نے ہمارے لیے شاہ ولی اللہؒ کو دریافت کیا اور شاہ ولی اللہؒ نے خیر القرون سے لے کر اپنے دَور تک اسلام کی فلاسفی کو جس طرح مدوّن کیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے اپنے محسنوں کی کبھی قدر نہیں کی جس کی سزا بھی انھیں ہمیشہ ملی۔ لیکن اب وہ دَور جلد آرہا ہے

کہ امام ولی اللہؒ کے افکار و آرار اور اُن کے ذہنی کمالات کی مہریں مفکرِ اسلام کے نظریات پہ ثبت نظر آئیں گی۔ انشاء اللہ العزیز۔

سرور صاحب کا انتقال جہاں فکرِ ولی اللّٰہی کے قدرشناسوں کے لیے ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے وہاں علم و ادب کے لیے بھی ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ انھوں نے نام و نمود سے بچ کر ساری زندگی ٹھوس علمی و ادبی خدمات انجام دیں اور شاہ ولی اللہؒ کی کتابوں کو اُردو کا جامہ پہناتے وقت انھوں نے جن اعلیٰ صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے اُس کا ایک زمانہ معترف ہے اور ولی اللہ سوسائٹی کے لیے تو اُن کا یہ کارنامہ ہمیشہ باعثِ فخر رہے گا۔ اس لحاظ سے اُن کی موت بلاریب ایک فرد کی نہیں بلکہ ایک ادارہ کی موت ہے۔ ہائے کس مُنہ سے کہوں ؟

○

مہتمم دار العلوم دیوبند کی تشریف آوری

جانشین شیخ التفسیرؒ کی طرف سے سپاسنامہ اور اس کا جواب

دار العلوم دیوبند کے مہتمم حضرت الحاج قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۷۵ء میں پاکستان تشریف لائے۔ اس دورہ میں انھیں کراچی، لاہور اور راولپنڈی جانے کا اتفاق ہوا۔ مختلف مقامات پر مختلف نوعیتوں کی تقاریب میں انھوں نے شمولیت فرمائی اور ہر جگہ حاضرین کو اپنے ارشاداتِ عالیہ سے محظوظ فرمایا

قیامِ لاہور کے دوران ۱۸ نومبر ۱۹۷۵ء کی شام وہ جمعیۃ علماءِ اسلام پنجاب اور انجمن خدام الدین لاہور کے گرامی قدر امیر جانشین شیخ التفسیر مولانا عبید اللہ انورؒ کی دعوتِ عشائیہ میں شیرانوالہ تشریف لائے۔ جامع مسجد شیرانوالہ میں مغرب کی نماز بھی آپؒ نے پڑھائی اور بعد میں ایک منتخب اجتماع میں چند کلماتِ خیر بھی فرمائے۔ اس موقع پر حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ نے جو سپاسنامہ پیش کیا وہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے اور اس سے متّصل حضرت قاری صاحبؒ کے ارشادات بھی درج ہیں

سپاسنامہ

بعالی خدمت والا درجت سیّدی و سیّدِ عالم متعنا اللہ لطول حیاتکم الطیّبہ واکرمکم اللہ کما اکرمتمونا بالذات القدسیّہ!

حکمت و معارفِ اسلامیّہ کے امین! آپ کے قدوم میمنت لزوم سے آج ہمارے قلوب فرحت و انبساط سے مالامال ہیں۔ اگرچہ دلوں کی قربت اور یادوں کی تازگی کبھی ماند نہیں پڑی — اور ہمیشہ ہی سے اس شعر کا مصداق رہی کہ ؎

جمالك في عيني وحبّك في قلبي
وذكرك في فمي فاين تغيب!

تاہم ظاہری بُعد و مسافت کے جو حجاب حائل تھے آج وہ بھی مرتفع ہیں اور ہم اپنی ظاہری آنکھوں کی تشنگی اور پیاس بھی منوّر طیّب چہرہ کی زیارت و دید سے بجھا کر خوش کام اور خوش انجام ہیں ؎

ٹک دیکھ لیا دل شاد کیا   خوش کام ہوئے اور چل نکلے

چمنستانِ اسلام کے سدا بہار پھول! آں محترم کی شخصیت ہر پہلو سے ہم وابستگانِ سلسلۂ طیّبہ کے لیے باعثِ ہزار عزّت و وقار ہے۔ حجّۃ الاسلام حضرت مولانا محمّد قاسم نانوتوی قدّس سرّہٗ العزیز نے نسبی تعلّق علوم و معارفِ اسلامیہ کی آئینہ دار بے مثال شخصیت اور از ہر ہند دارالعلوم دیوبند کا منصبِ اہتمام ہر چیز بلا مبالغہ اس کا مصداق ہے ؎

"کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جا است"

گوہرِ تاباں! اس حقیقت کو آج پوری دُنیا تسلیم کر چکی ہے کہ ایسے ملک میں جہاں ایک ہزار سالہ مُسلم اقتدار دم توڑ چکا تھا اور جہاں غیر ملکی سفّاکوں نے ظلم و استبداد کی نئی سیاہ تاریخ مرتّب کر ڈالی تھی اور جہاں ہزاروں علماءِ حق کو پھانسیوں پر لٹکا دیا گیا تھا۔ آپ ہی کے جدّ امجد قاسم العلوم والخیرات اور ان کے قدسی صفات رفقاء نے ان ظالم حکمرانوں سے اس طرح پنجہ آزمائی کی کہ نصفِ دُنیا سے زائد پر حکمران برطانوی استعمار، بالآخر نہ صرف ہند و پاک سے رخصت ہُوا بلکہ سرزمینِ انبیاء کے ہر خطّہ سے نکل جانے پر مجبور ہو گیا۔ ع

گر نویسم شرحِ آں بے حد شود

فخر الاماثل والاقران! قدرت کی بے پناہ فیّاضی نے جن جن علمی، عملی، رُوحانی و اخلاقی صفات سے آں محترم کو نوازا ہے وہ کروڑوں دلوں کی ٹھنڈک اور تسکین کا مُوجب ہے۔ یہ گھڑی، یہ منظر کس قدر فرحت افزا ہے کہ اس وقت ہمارے پاس ایک ایسی ہستی جلوہ افروز ہے جسکی

قیادت وسیادت عالمِ اسلام کے ہر گوشہ میں [illegible] شان رکھتی ہے جس نے ایک طرف رُوحانیّت کے چمنستانِ اشرفی کو تازگی بخش رکھی ہے تو دوسری طرف حکمت ومعارفِ قاسمیہ کے سبزہ زاروں کو سینچا ہُوا ہے۔ جس کے قلمِ جواہر رقم نے ایک سو سے زائد تصانیف وتالیف سے حقائقِ دین واسرارِ شریعت کو ایسے حکیمانہ اسلوب و دل نشین انداز سے اُجاگر فرمایا ہے، کہ علومِ ولی اللّٰہی اور معارفِ قاسمی کے غوامض و دقائق ہر ادنیٰ واعلیٰ پر واشگاف ہوگئے ہیں ؎

در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام وسندان باختن

مرکزِ رُشد وہدایت کے مہتمم ذی شان!

ہزارہا علماء وفضلاء اور اولیاء اللہ کی خانقاہِ مقدسہ اور جہادِ حُریّت کے مجاہدین کی چھاؤنی دار العلوم دیوبند سے ادنیٰ نسبت بھی باعثِ عزّت و اجلال ہے۔ جس مرکزِ علم وتقویٰ کو اہل اللہ سے لے کر ہر طبقہ وخیال کے لوگوں نے نظم ونثر میں اسکی عظیم دینی وملّی اور وطنی خدمات پر خراجِ عقیدت پیش کیا ہو اس کے اہتمام وانصرام کی ذمّہ داری اپنی رفعتِ شان میں ہمالہ سے بھی بلند وبالا ہے۔ علّامہ رشید رضا مصری نے المنار میں دار العلوم کی زیارت کے بعد کس قدر صحیح لکھا کہ:

"ہندوستان بھر میں میری آنکھوں کو ایسی ٹھنڈک کہیں نصیب نہیں ہُوئی جیسا کہ مدرسہ دیوبند میں حاصل ہُوئی اور نہ ہی اتنی خوشی حاصل ہوئی جتنی وہاں اس کی وجہ صرف وہ غیرت واخلاص ہے جو مَیں نے اس مدرسہ میں دیکھا۔"

اِسی طرح جہادِ حُریّت کے قافلہ سالار مولانا ظفر علی خان مرحوم کی مشہور نظم "دیوبند" میں کتنی صحیح عکّاسی کی گئی ہے ؎

تُو علم بردارِ حق ہے حق نگہباں ہے ترا!
خیلِ باطل سے پہنچ سکتا نہیں تجھ کو گزند
ناز کر اپنے مقدّر پہ کہ تیری خاک کو
کر لیا اُن عالمانِ دینِ قیّم نے پسند

جان کر دیں گے جو ناموسِ پیمبر پہ فدا
حق کے رستہ پہ کٹا دیں گے جو اپنا بند بند
اس میں قاسم ہوں کہ انور شہ کہ محمود الحسن
سب کے دل تھے دردمند اور سب کی فطرت ارجمند
گرمئ ہنگامہ تیری ہے حسین احمد سے آج
جس سے پرچم ہے روایاتِ سلف کا سربلند

بلاشبہ گلشنِ قاسمی و محمودی دُنیائے اسلام کی ایک متاعِ گرانمایہ ہے جو گزشتہ سو سال سے علُوم و فنونِ اسلامی کے مرکز و محور کی حیثیت سے پورے عالمِ اسلام کو سیراب کر رہا ہے اس سلسلہ میں دارالعلوم کی انتظامیہ انتہائی قابلِ قدر خدمات انجام دے رہی ہے۔ ناساعد حالات کے باوجود اس کا ہر اگلا قدم کامیابی کی منازل طے کر رہا ہے اور خاص طور سے جب اس کی ہمہ جہتی عظیم ترقیات سامنے آتی ہیں جو ۱۹۳۰ء سے لے کر اس وقت تک کے عرصہ اہتمام میں مختلف شعبہ جات میں ہوئی ہیں، تو آں محترم کے لیے بے پناہ عقیدت و محبّت کے ساتھ ہر بُنِ مو سے کلماتِ تشکر و امتنان اُمڈنے لگتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ ملّتِ اسلامیہ سے آپ کے احسانات کا حقِ شکر کسی طور بھی ادا نہیں ہو سکتا۔

استاذی المکرّم! شجرۂ طیّبہ دارالعلوم دیوبند کی اپنی ایک شاخ "ادارۂ خدّام الدّین" میں آپ کی تشریف آوری سے ہماری بے حد حوصلہ افزائی ہُوئی ہے۔ حضرتِ والا سے زیادہ اس حقیقت کو کون جان سکتا ہے کہ اس ادارہ کے بانی و موسّس شیخ التفسیر قطب الزّماں حضرت مولانا احمد علیؒ کا دارالعلوم سے کس قدر سچّا اور مخلصانہ والہانہ بلکہ عاشقانہ لگاؤ تھا کہ حضرت اقدسؒ نے اکابر دیوبند کے مشن کو اپنا مشن قرار دے کر اس کی تکمیل کے لیے پوری زندگی وقف کر رکھی تھی۔ علم و عمل، اخلاق و تقویٰ، جرأت و بہادری میں اکابرِ دیوبند کی سچّی تصویر بن کر پنجاب اور سندھ، سرحد و بلوچستان کے لاکھوں فرزندانِ اسلام کے قلوب میں دینِ حق کا چراغ روشن کیا۔ اور شرک و بدعت کی ظلمتوں کو نابُود فرمایا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا السیّد حسین احمد مدنی قدس سرّہ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل علماء کو حضرت لاہوریؒ کے دورۂ تفسیر میں شرکت پہ آمادہ

کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ :

" اللہ کا ایک شیر لاہور کے شیرانوالہ دروازہ میں بیٹھا ہوا اللہ اللہ کی ضربوں سے کائنات کا دل مسخر کر رہا ہے۔ وہ اللہ کا ایک ایسا مقبول بندہ ہے کہ اسکے درسِ قرآن میں شرکت جنت کی ضمانت ہے "

ہمارے محسنِ اعظم! اراکین انجمن خدام الدین اور اس کے ہمدرد و معاونین حضور والا کے قدوم میمنت لزوم پر ہزار ہزار دل سے شکر گزار ہیں اور خداوند قدوس سے عاجزانہ دعا ہے کہ وہ ذاتِ حق تعالیٰ آپ کا سایۂ رحمت اُمتِ مسلمہ پر اور بالخصوص ہم ایسے وابستگان پر تا دیر سلامت باکرامت رکھے۔ " ایں دُعا از من و از جملہ جہاں آمین باد"

راقم آثم احقر عبید اللہ انور

جوابی خطاب

حضرت امیرِ انجمن مولانا عبید اللہ انورؒ کے سپاسنامہ کے بعد حضرت قاری صاحبؒ نے مندرجہ ذیل خطاب فرمایا

" میں تو ان القابات کا اہل نہیں ہوں، یہ آپ حضرات کی محبت، خلوص اور وسعتِ ظرف و علوئے ہمت کی بات ہے کہ اپنے ایک حقیر بھائی کو اس طرح سراہیں۔ میں تو اس کو دستاویز سمجھتا ہوں نجات کی، جب اتنے اہلِ دل اور اہل اللہ اپنے ایک ناکارہ بھائی حقیر کے بارے میں اچھی شہادت دیں گے تو کیا عجب کہ وہ عند اللہ بھی اچھا ہی ہو۔ وہاں بھی قبولیت ہو جائے۔

حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ ایک جنازہ گزرا تو آپؐ نے فرمایا وَجَبَتْ۔ بعد میں پھر ایک اور جنازہ گزرا تو فرمایا۔ وَجَبَتْ (واجب ہو گئی) تو لوگوں نے عرض کیا کہ حضرتؐ! کیا چیز واجب ہو گئی؟ کہ پہلے جنازہ پر بھی آپؐ نے فرمایا۔ واجب ہو گئی۔ دُوسرے پر بھی یہی فرمایا۔ تو ارشاد فرمایا کہ پہلا جنازہ جب گزرا تو لوگ کہہ رہے تھے کہ خدا مغفرت کرے بڑا اچھا آدمی تھا، بہت صالح تھا، نیک تھا۔ میں نے کہا

کہ سرکاری گواہوں نے گواہی دے دی اچھا ہونے کی تو یہ عنداللہ بھی اچھا ہے تو جنّت واجب ہوگئی۔ دوسرا جنازہ گزرا تو لوگ کہتے تھے کہ خس کم جہاں پاک، بہت اچھا ہوا دُنیا پاک ہوگئی، بُرا آدمی تھا تو میں نے کہا جہنّم واجب ہوگئی کہ سرکاری گواہوں نے گواہی دے دی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ کہ تمھیں ہم نے اُمّتِ عادلہ، اُمّتِ متوسّطہ بنایا تاکہ تم دُنیا کی اقوام کے حق میں قیامت کے دن گواہی دو جس کے حق میں جیسی گواہی دو گے ویسا ہی معاملہ اُس کے ساتھ حق تعالیٰ فرمائیں گے تو جب اتنے اہلِ دل ایک ناکارہ کو یہ فرما رہے ہیں کہ وہ اچھّا ہے تو کیا عجب کہ وہ اچھّا ہی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ان مخلص بندوں کی زبان کو، قول کو امیّد ہے کہ رائیگاں نہیں فرمائے گا اور میرے حق میں اس کو صحیح بنا دے گا، واقعہ بنا دے گا تو میرے لیے تو یہ دستاویز ہے نجات کی۔

باقی، حضرات! میری حیثیّت یہ نہیں ہے کہ مجھ سے دارالعلوم ہے بلکہ دارالعلوم سے میں ہُوں، اور میرا تعارف اتنا ہی کافی ہے کہ دارالعلوم کا ایک ادنیٰ سا طالب علم ہُوں۔ وہاں کے عُلماء کی جُوتیاں سیدھی کرنا، اُن کا اتّباع کرنا۔ بس یہی میرا کام ہے۔ اُن کی خدمت کرنا، اِس سے زیادہ میری کوئی حیثیّت نہیں۔

اور مَیں تو ایسے موقعہ پر کہہ دیا کرتا ہُوں اپنے بارے میں، غالب کا شعر، اس نے کہا تھا کہ: ؎

بنا ہے شہ کا مصاحب، پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے؟

تو حقیقت میں اُن بزرگوں کا نام لینا ہی بس ہمارا ذخیرہ ہے، آگے تو ہم نے کچھ نہیں کیا۔ ہمارے حضرت استادِ اکبر حضرت مولانا انور شاہ صاحب قدّس اللہ سرّہ العزیز فرمایا کرتے تھے اور اکثر پیار سے طلبہ کو جاہلین کہہ کر خطاب فرماتے۔ فرماتے کہ جاہلین! ہمیں تو روٹیاں بھی نبی کریم (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے نام سے مِل رہی ہیں۔ جگہ جگہ حضوؐر کا نام لیتے ہیں تو ہمیں روٹی مِل جاتی ہے۔ ہماری تو روٹیاں بھی حضوؐر کے نام کی برکت ہے۔ وہ تو بڑی چیز ہیں میں تو کہتا ہوں کہ حضوؐر کے غلاموں کا نام لینا، یہی ہمارے لیے ذریعہ نجات کا ہے، سعادت کا ہے یہ سارے حضرات جو خدّامِ نبویؐ اور غلامانِ بارگاہِ نبوّت ہیں اور متّبعینِ رسالت ہیں تو ہماری

سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ کم سے کم ایسے لوگوں کی شکلیں تو دیکھ لیں۔ کمایا کچھ نہیں مگر ایسے لوگوں کی زیارت تو ہو گئی۔ اب یہ سب حضرات خواہ مولانا انور شاہ صاحب ہوں، مولانا حسین احمد صاحب ہوں، حضرت مولانا احمد علی صاحب ہوں (رحمہم اللہ رحمۃً واسعۃً)۔ واقعہ یہ ہے کہ ان لوگوں کا نام لے کے ہم اپنا ایمان تازہ کر لیتے ہیں۔ ہمارا کام تو یہی ہے کہ ان کا نام لیں۔ اب آپ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک لفظ بھی میرے اوپر چسپاں نہیں ہوتا، یہ محض آپ کے قلوب کی محبّت کی بات ہے تو میں بھی یہ کہہ سکتا ہوں کہ عام طور پر عادت ہے کہ لوگ شکریہ ادا کیا کرتے ہیں۔ سپاس نامہ کے بعد میں کہتا ہوں میں کیوں شکریہ ادا کروں؟ اس لیے کہ آپ نے میری تعریف کیا کی، آپ نے تو اپنی تعریف کی، اپنے خلوص و حوصلہ کی، عالی ظرفی کی، ذرّہ نوازی کی اور ایک خورد کو بڑا بنانے کی۔ تو آپ نے تو اپنے پاکیزہ جذبات ظاہر کیے ہیں، میں کیوں شکریہ ادا کروں؟ البتّہ اپنے لیے ذریعۂ نجات ضرور سمجھتا ہوں اور خدا کرے کہ یہ جذبات آخری دم تک قائم رہیں۔

(ابتدا میں) جب میں یہاں پاکستان سے گیا۔ تین ماہ بعد جانا ہوا۔ کچھ رکاوٹیں پیش آئیں تو اللہ تعالیٰ نے دُور فرما دیں۔ حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ کو بڑا اہتمام تھا کہ وہ آئے۔ اُن کے کان میں یہ پڑی کہ وہ آنا نہیں چاہتا، حالانکہ یہ واقعہ نہیں تھا۔ اُس دفعہ انھوں نے فرمایا کہ اگر وہ نہ آیا تو میں خود جاؤں گا اور اُسے لے کر آؤں گا اور پھر بھی نہ آیا تو میں ہندوستان چھوڑ کر مدینہ چلا جاؤں گا۔ مجھے کیا ضرورت ہے کہ یہاں پڑا رہوں۔ تو جب میں پہنچا تو عجیب کیفیّت تھی، مولانا مدنیؒ کی، اسٹیشن پر سارا دارالعلوم، شہر کے ہزاروں آدمی، تِل دھرنے کی جگہ نہیں، حضرت مولانا بھی تشریف لائے، خیر وہ مدرسہ کے لیے، جمِ غفیر تھا مدرسہ میں، اگلے دن فرمایا کہ ہم جلسہ کریں گے۔ میں نے کہا کیا ضرورت ہے؟ میں وہاں کیا کہوں گا؟ آپ کی یہ شاگرد نوازی کافی ہے کہ آپ نے تکلیف فرمائی، فرمایا نہیں نہیں جلسہ ہو گا۔ اس جلسہ میں مولانا مدنیؒ نے تقریر فرمائی اور ابتدا تقریر کی اس شعر سے کی کہ ؎

اے تماشہ گاہِ عالم رُوئے تو
تو کجا بہرِ تماشا مے روی

اس پر تمام لوگوں کے آنسو نکلے۔ اور میری بھی کیفیّت عجیب ہو گئی۔ اس کے بعد

میں نے عرض کیا کہ حضرت ان جملوں کو قیامت کے دن بھی یاد رکھیے گا جو آج فرمائے ہیں آپ نے۔ یہی میرے لیے دستاویز ہے وہاں کی نجات کے لیے۔ اور میری یہ کیفیت کہ بولا نہ جائے پوری مجلس پر گریہ طاری ہو گیا۔ عجیب کیفیت تھی۔ تو ان بزرگوں کی ذرّہ نوازی اور اپنی طرف سے ندامت سے مارے رہنا یہی ہمارے لیے دستور ہے۔ دیکھ لیا ان سب کو، اہلیت اپنے اندر انھیں دیکھ کر بھی پیدا نہیں کی۔ بس اسی پہ افسوس آتا ہے کہ بڑوں کو دیکھا مگر کچھ حاصل نہ کر سکے۔ اس لیے نام لے لینا ہی بہت کافی ہے۔ یہ آپ حضرات کی محبّت، ذرّہ نوازی ہے — اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو مزید ترقّیات عطا فرمائے اور اس محبّت کا صِلہ دُنیا اور آخرت میں عطا فرمائے۔ میرے لیے بھی دُعا فرماتے رہا کریں۔"

اس کے بعد دُعا ہوئی اور حضرت امیرِ انجمن کی طرف سے دِیے گئے عشائیہ میں شمولیّت فرمانے کے بعد اپنی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔

اس مجلس میں مہمانِ محترم کے علاوہ مولانا محمّد اجمل خان، حضرت لاہوریؒ کے خادمِ خصوصی حاجی دین محمّد صاحب، جناب نوابزادہ نصراللہ خاں صاحب اور دُوسرے زعماء اور اہلِ دِل نے شرکت فرمائی۔

○

ایک یادگار
خطبۂ استقبالیہ
اگست سنہ ۱۹۸۰ء

جانشین شیخ الاسلام ولسلمین حضرت مولانا سید اسعد مدنی کے لاہور میں ....
ورودِ مسعود کے موقع پر انجمن اسلامیانِ لاہور نے باغِ جناح میں استقبالیہ دیا جسمیں تقریباً ڈیڑھ ہزار اہالیانِ لاہور نے شرکت کی۔ اس موقع پر جانشینِ شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ نے ایک تاریخی خطبہ استقبالیہ ارشاد فرمایا جو درج ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمتِ گرامی حضرت مولانا سید محمد اسعد صاحب مدنی متعنا اللہ تعالیٰ ببقاکم

و دیگر مہمانانِ گرامی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

انجمن اسلامیانِ لاہور کے کارکن آج کے پُرمسرت موقع پر جہاں ربِّ کائنات کے حضور سجدہ ریز ہیں وہاں آپ حضرات بالخصوص مہمانِ ذی وقار کے بھی ممنون ہیں کہ اس خوشی و مسرت کا باعث آنجناب کی تشریف آوری اور ہماری دعوت کو قبول فرمانا ہے۔ جو مہمانِ گرامی آج ہمارے درمیان تشریف فرما ہیں انھیں بلاشبہ اسلامیانِ عالم بالخصوص ہندوستان کے مسلمانوں کی متاعِ عزیز اور اُن کے بیدار مغز، دُور اندیش اور بہادر قائد و رہنما ہونے کا شرف حاصل ہے۔

حضرات! برِّصغیر جو آج ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش جیسے ممالک پر مشتمل ہے شاندار ماضی اور روایات کا حامل تھا اور ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سب سے پہلے برگزیدہ بندے اور نبی سیدنا آدم علیہ السلام کا ہبوط اِسی خطہ میں ہوا اور پھر سلسلہ نبوّت و رسالت کی آخری کڑی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے تو جن علاقوں اور خطوں کو صحابہؓ و تابعین ہی کے دو میں اس سعادت سے اپنا دامنِ مُراد بھرنے کا موقع ملا۔ اُن میں یہ خطہ بھی شامل ہے بمصداق

روایات کے مطابق خلیفۂ ثالث دامادِ پیغمبر سیّدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں یہاں کی سرزمین پرچمِ اسلام تلے آچکی تھی۔ جبکہ دیگر تابعین کے ہمہمیون میں محمّد بن قاسم علیہ الرّحمۃ کی قیادت میں اربابِ عزیمت و عزیمت نے یہاں کے طویل حصّہ پر پرچمِ اسلام لہرا دیا۔ اُس وقت سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے غاصبانہ قبضہ تک یہ خطّہ مُسلم حکمرانوں کے تقریباً زیرِ نگیں رہا جنھوں نے اپنی تمام تر کمزوریوں کے باوجُود وہ کارہائے نمایاں انجام دیے جو تاریخ کا عظیم سرمایہ ہیں۔

اس کے علاوہ حضرات صُوفیاءِ کرام اور علماءِ عظام نے ہر دَور میں یہاں شجرِ اسلام کی آبیاری کا فریضہ سرانجام دیا اور واقعہ یہ ہے کہ آج اس پورے خطّہ میں بتّیس کروڑ کے قریب کلمہ گو مسلمانوں کا وجود ان ہی اہل اللہ اور مصلحینِ امّت کی سرگرمیوں کا مرہُونِ منّت ہے۔

یہ خطّہ جہاں اپنے دامن میں بے پناہ خوبیاں رکھتا ہے وہاں اکثر و بیشتر اس میں مختلف النّوع فتنے بھی جنم لیتے رہے جن میں سے بعض تو ایسے تھے جن کی شدّت سے ملّت کا وجود تک متزلزل ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا لیکن "پاکبازانِ ملّت" کی وہ جماعت جس کی خبر حضور رحمتِ دوعالم ختمی مرتبت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے دی، ہمیشہ آگے بڑھ کر ان فتنوں کا مقابلہ کیا اور ان کی محنت و کوشش کو اللہ تعالیٰ نے شرفِ قبولیّت نصیب فرما کر ملّت کو اُن سے محفوظ رکھا۔

ان پاکبازانِ امّت میں سے پہلی مؤثر ترین شخصیت حضرت الامام الشیخ مجدّد الفِ ثانی قدس سرّہٗ کی ہے جو اس خطّہ میں آنے والے پہلے "مجدّد" ہیں بلکہ الفِ ثانی کے مجدّد، آپؒ کے دور کا وہ فکری فتنہ جسے دینِ الٰہی کا نام دیا جاتا ہے اپنے اثرات کے اعتبار سے اتنا شدید تھا کہ اگر حضرتِ مجدّد قدس سرّہٗ کا سوزِ دروں اور ان کی محنتِ شاقّہ نہ ہوتی تو ملّت خطرناک ترین صورتحال کا شکار ہو جاتی آپؒ نے جہاں سلطنتِ مغلیہ کی پٹڑی سے اُتری ہُوئی گاڑی کو دوبارہ لائن پر لا کھڑا کیا وہاں آپؒ نے اپنے مکتوبات میں "کافرِ افرنگ" کی اصطلاح استعمال کر کے فرنگی سامراجیوں کی مُسلم دشمنی اور ملّت کُش ذہنیت پر متنبّہ کر دیا۔ آپؒ کے بعد عرُوس البلاد دہلی کا وہ خاندان سامنے آیا جس کے سربراہ حکیم الامّت حضرت الامام الشّاہ ولی اللہ دہلوی قدّس سرّہ تھے۔ یہ خاندان جسے ماضی قریب کے نامور ترین مصنّف حضرت مولانا سیّد محمّد میاں دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ "شاہانِ دہلی" کے نام سے یاد کرتے ہیں نے فکری اور عملی محاذ پر ملّت کی وہ خدمت سرانجام دی جو تاریخِ ہند کا روشن ترین باب ہے۔

حضرت حکیم ملّت نے قرآنِ عزیز کے ترجمہ و تفسیر کی مُلکی زبانوں میں داغ بیل ڈالنے کے ساتھ ساتھ

فکری اصلاح کے لیے وہ شاندار لٹریچر مہیا کیا جو آج چار دانگِ عالم کے اہلِ فکر و نظر کے یہاں عظیم سرمایہ تصوّر کیا جاتا ہے۔ آپؒ نے اِس کے ساتھ ہی احمد شاہ ابدالی اور نواب نجیب الدّولہ کو صُورتِ حال کی نزاکت کی طرف توجّہ دِلا کر انھیں ہندوستان میں سر اُٹھانے والی استبدادی قوتوں کا سر کچلنے پر آمادہ کیا۔

اور آپؒ کے بعد آپؒ کے صاحبزادۂ گرامی مرتبت حضرت شاہ عبد العزیز علیہ الرّحمۃ نے ہندوستان کو "دار الحرب" قرار دے کر جہاد جیسے مقدّس اسلامی فریضہ کا احیاء کیا۔ جس کا ایک باب حضرت الامیر السّید احمد شہید بریلوی قدّس سرّہٗ کی قیادت میں بالاکوٹ کے مقام پر اختتام پذیر ہُوا۔ اِن سرفروشانِ اُمّت نے طویل سفر اختیار کر کے پُوری مِلّت میں "رُوحِ جہاد" پیدا کر دی اور ایسی کہ فرزندانِ ملّت ہنسی خوشی سر کٹانے کے لیے سُوئے میدان بڑھنے لگے۔ ان غازیانِ اسلام اور مجاہدینِ حُرّیت کی بے لوث اور مخلصانہ خدمت ایک ایسی شمع روشن کر گئی جس سے ملّت آج تک روشنی حاصل کر رہی ہے۔ یہ چنگاری سانحۂ بالاکوٹ کے چند سال بعد شعلۂ جوّالہ بن کر بھڑکی اور اس کے بھڑکانے کا سہرا میرٹھ چھاؤنی کے اُن فوجیوں کے سر تھا جنھوں نے اپنے دین اور دھرم کے تحفّظ کے لیے انگریزی جبر کو للکارا، اگرچہ اُن کے جسموں کے پرخچے اُڑا دیے گئے لیکن وہ ۱۸۵۷ء کو ایک ایسا سال قرار دے گئے جو آج بھی تاریخِ حُرّیت و استخلاصِ وطن کا روشن عنوان ہے۔ اس مرحلہ پر شاملی و تھانہ بھون کے اُن نفوسِ قدسیہ کو خراجِ عقیدت پیش کرنا بھی ضروری ہے جنھوں نے حاجی امداد اللہ مُہاجر مکّی قدّس سرّہٗ کی قیادت میں نہتّے ہونے کے باوجود انگریز کی توپوں کے نہ صرف مُنہ موڑ دیے بلکہ اُس سے اُس کا اسلحہ بھی چھین لیا۔ اس جنگ کے ہیرو حجّۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ، فقیہِ عصر مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (جو بعد کے تمام مُجاہد علماء کے اُستاذ و شیخِ طریقت ہیں) اور حضرت حافظ ضامن شہیدؒ ہیں۔ لیکن آہ ہماری بدقسمتی کہ ہر مرحلہ پر ایسے افراد کی سیاہ بختی اور بے ضمیری نے حالات کا رُخ پلٹ دیا اور ہماری غلامی کا دَور طویل تر ہوتا چلا گیا۔ لیکن اللہ کی کروڑوں رحمتیں نازل ہوں اُن نفوسِ قدسیہ پر جنھوں نے عظمتِ رفتہ کی واپسی کے لیے ہر نوع کی قربانی دی اور اپنی جدّوجہد کا رُخ موڑ کر اسلامی علوم و فنون اور عقائد و نظریّات کے تحفّظ کے لیے مدارسِ اسلامیہ کا جال بچھا دیا۔ جس کی پہلی کڑی مادرِ علمی دار العلوم دیوبند تھا۔

حضرت قاسم العلوم و الخیرات مولانا محمّد قاسم نانوتوی قدس سرّہٗ جن کے متعلق حضرت پیر مہر علی

شاہ صاحب مرحوم گولڑوی فرماتے تھے کہ وہ " حضرت حق کی صفت علم کے مظہر اتم تھے"۔ نے اپنے رفقا سمیت اس محاذ پر کام شروع کیا۔ اس سے جہاں علوم و تہذیب اسلامی کا مقصد پورا ہوا، وہاں حضرت نانوتویؒ کے شاگرد رشید حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ کے بقول وہ مقصد بھی پورا ہوا جو ان اداروں کی اصل روح تھی۔ یعنی " مجاہد علماء" کی تیاری تاکہ فرنگی سامراج اور اسکے فکری سیلاب کی روک تھام کی جا سکے اور ایسی طویل جنگ لڑی جا سکے جو اس کے اقتدار کے خاتمہ پر منتج ہو۔ یہ مشن و مقصد اُن " مجاہد علماء" کے ہمیشہ پیش نظر رہا اور مجھے یہ کہنے میں قطعاً باک نہیں کہ جس طرح ماضی بعید میں حکیم الاُمت حضرت الامام الشاہ ولی اللہ دہلویؒ کی روح علمی و عملی ہر تحریک میں اصل محرک تھی۔ اسی طرح ماضی قریب کی ہر تحریک میں حکیم دہلویؒ کی روحانی اولاد یعنی اُن مجاہد علماء کا جذبۂ عمل کارفرما تھا۔

اس دعویٰ کی دلیل کے طور پر تحریک ریشمی رومال اور تحریک خلافت جیسی عظیم تحریکیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ اوّل الذکر تحریک جو ہندوستان سے باہر حرمین شریفین، ترکی اور کابل و یاغستان تک پھیلی ہوئی تھی ایک " مُلّائے مکتبی" کی سیاسی بصیرت و دُور اندیشی کی مرہون منت تھی اور امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور مولانا منصور انصاریؒ جیسے لوگ اس کے عالمی نمائندے تھے جبکہ تحریک خلافت اندرون ملک وہ ہمہ گیر تحریک تھی جس کو برادران وطن کا بھی تعاون حاصل تھا لیکن اس میں بھی مرکزی حیثیت حضرت شیخ الہندؒ کی تھی، کیونکہ مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا شوکت علیؒ، حکیم اجمل خانؒ اور ڈاکٹر انصاریؒ جیسے لوگ حضرتؒ سے باقاعدہ متعلق اور انھیں اپنا مقتدا مانتے تھے اور مالٹا سے واپسی پر آپؒ کو شیخ الہندؒ کا خطاب مُسلم و غیر مُسلم برادران وطن نے مل کر دیا۔ شیخ الہندؒ کا جو مقام تھا۔ اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ مولانا محمد علی جوہرؔ نے اپنے آخری سفر یورپ کے لیے جاتے ہوئے مالٹا میں اُتر کر باقاعدہ اُس کمرہ کی زیارت کی جس میں حضرت شیخ الہندؒ کے ایام اسیری گزرے تھے۔ (بحوالہ ڈائری محمد علی مرتبہ مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ)

اس کے ساتھ ہی اس بات کا اظہار کرنا ضروری ہے کہ خانقاہ گنگوہ کی ایک اور شاخ جس کے سرخیل حضرت الشاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ تھے، بھی اس تحریک و پروگرام میں برابر کی شریک تھی بلکہ حضرت شیخ الہندؒ کی گرفتاری کے بعد خود ان کے حکم و ارشاد سے حضرت رائے پوریؒ ہی تحریک کی مرکزی شخصیت تھے اور آپؒ کے بعد آپؒ کے خلیفہ و جانشین حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ

تادمِ واپسیں ہر طرح شریک و معاون رہے بلکہ انھیں بھی اپنے مرشدِ عظیم المرتبت کی طرح مقتدایانہ حیثیت حاصل تھی۔ حضرت شیخ الہندؒ کی زندگی ہی میں تمام اہلِ دانش و بینش اور بالخصوص علماء کی قوت کو مجتمع کرنے کے لیے جمعیۃ علماء ہند کا قیام معرضِ وجود میں آچکا تھا جس میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، مفتیٔ اعظم مولانا مفتی محمد کفایت اللہؒ، مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ، مولانا ابو المحاسن سجادؒ جیسے نابغہ اور عبقری لوگ شامل تھے۔ جبکہ بعد کے ادوار میں مجاہدِ ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ، مولانا عبد الحلیم صدیقیؒ اور مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ جیسے حضرات اس جماعت کے دل و دماغ تصور کیے جاتے ہیں۔ اور آج ہمارے عزیز ترین مہمان صاحبزادہ السید محمد اسعد مدنی اس کے صدر ہیں۔ متع اللہ المسلمین بقاءہ۔

اس مجاہد جماعت کا ایک ایک فرد اپنی جگہ ایک انجمن اور ادارہ کی حیثیت رکھتا ہے لیکن جو مرکزیت اور جامعیت حضرت شیخ الاسلام و المسلمین مولانا السید حسین احمد مدنیؒ کو نصیب ہوئی وہ اُنہی کا حصہ ہے۔

ایک عظیم المرتبت خاندان کا فرزندِ عزیز جسے اللہ ربّ العزت نے ابتداء ہی میں بارگاہِ محمودی و رشیدی میں پہنچا دیا اور پھر جلدی ہی اُسے اپنے پورے خاندان سمیت حرمین کی عطر بیز فضاؤں میں پہنچا دیا۔ بھلا جس شخص کی بھرپور جوانی کا طویل عرصہ مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفاً میں گزرا ہو پھر وہ بھی حدیثِ رسولؐ کی تدریس میں۔ اس کی قسمت و مقدر کا کیا کہنا!

یہی شیخ مدنیؒ تھے جنھوں نے ہندوستان واپس آنے کے بعد اپنے بزرگوں کے قافلہ کی حُدی خوانی کا فریضہ سرانجام دیا اور ایسا کہ انگریزی سطوت کو ہلا دیا۔ کون ہے جو اس حقیقت کا انکار کرے کہ انگریزی فوج میں بھرتی کے خلاف فتویٰ کی پاداش میں ایک طرف امام الہند مولانا ابو الکلام آزادؒ اپنا "قولِ فیصل" کے عنوان سے مثالی بیان عدالت میں پیش کر رہے تھے تو دوسری طرف یہی "مُہاجر مدنی" کراچی کے خالق دینا ہال میں انگریز راج کو للکار رہا تھا، اس بندۂ خدا نے ایسا للکارا کہ مولانا محمد علی جوہر جیسے مردِ جری نے متاثر ہو کر آپ کے پاؤں چوم لیے اور جزاک اللہ و مرحبا کی آواز سے احاطۂ عدالت گونج اُٹھا۔

شیخ الاسلام مدنی قدس سرہٗ کی بے لوث اور مخلصانہ خدمات کے اظہار و بیان کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ یہی خلوص انھیں ایک موقعہ پر مسلم لیگ میں کشاں کشاں لے گیا۔ آپ نے بقول چودھری

خلیق الزّماں اپنی مساعیٔ جلیلہ سے عوام کو مسلم لیگ سے متعارف کرا کر) اس کے بتّیس سالہ تنِ بے جان میں جان ڈال دی۔ (مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول ص ۳۶۰، ۳۶۱ بحوالہ مکتوب چوہدری خلیق الزمان)

حصولِ آزادی کے وقت مسلمانوں کے لیے یقیناً آپؒ کا پسندیدہ فارمولا دوسری قسم کا پاکستان تھا۔ یہ پاکستان نہ تھا لیکن یو۔پی کے الیکشن میں کامیابی کے بعد اربابِ لیگ کے مقاصد سے انحراف نے آپؒ کو دل برداشتہ کر دیا اور آپؒ کی جماعت نے غم و اندوہ کے عالم میں اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ تاہم آپؒ نے اس غم کو زندگی کا ساتھی نہیں بنایا بلکہ نئے حوصلہ و عزم کے ساتھ سفر شروع کر دیا اور اُس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک کہ انگریز یہاں سے چلا نہ گیا۔

لیکن یہ ایک واضح اور ٹھوس حقیقت ہے اور بے لوثی اور پاکیٔ نفس و نیّت کی شہادت ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد آپؒ نے پاکستان میں موجود اپنے بے شمار تلامذہ و خدّام اور عقیدتمندوں کو اِس نئے مُلک کے استحکام کے لیے کام کرنے کی ہر موقعہ پر تلقین کی۔ اس کو مسلمانوں کی مقدّس سرزمین فرمایا۔ (الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر ص ۱۷، کالم ۱، جلد ۴۳)

اور اس کا عملی ثبوت اُن ہزاروں عُلماء و صُلحاء کے کردار و طرزِ عمل سے مل سکتا ہے جو سقوطِ ڈھاکہ سے قبل درّۂ خیبر سے چٹاگانگ کی پہاڑیوں تک اور اب پشاور سے کراچی تک پھیلے ہُوئے ہیں کہ اُن کا جذبۂ حُبّ الوطنی ہر شک و شبہُ سے بالا ہے۔ آپؒ کی ذاتِ اقدس سے متعلق آپؒ کے معاصرین نے جس قسم کی آراء کا اظہار کیا وہ آپؒ کی عظمتِ شان کا واضح ثبوت ہے۔ نامناسب نہ ہوگا کہ اسلامیانِ پاکستان کے عظیم دینی و سیاسی رہنما اور صاحبِ کشف و کرامت بزرگ حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرّہ کی رائے پیش کر دی جائے۔ آپؒ فرماتے تھے کہ "خدا نے مجھے بارہا زیارتِ حرمین کی توفیق بخشی اور دُنیا بھر کے اہلِ دل و صلاح سے ملنے، باطن پر نظر ڈالنے کا موقعہ بخشا لیکن حضرت مدنیؒ میں جو جامعیت تھی اُس کا مقام ہر کسی سے ارفع و اعلیٰ تھا" —— وہ فرماتے تھے کہ "مَیں یہ عقیدت سے نہیں کہہ رہا ہُوں بلکہ علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہُوں"۔

جس مہمانِ عزیز کی خاطر آج ہم یہاں جمع ہوئے ہیں اُسے اُنہی شیخ الاسلام کے فرزند و جانشین ہونے کا شرف حاصل ہے اور یہ بات قطعاً بلا مبالغہ ہے اور مقامِ شکر بھی کہ وہ شجاعت و ہمّت، سخاوت و بسالت میں "الولد سرّ لابیہ" کا حقیقی مصداق ہیں۔ انھوں نے آج کے ہندوستان میں ہمیشہ ہی اور بالخصوص مجاہدِ ملّت مولانا حفظ الرحمٰن اور امام المؤرخین مولانا سیّد محمّد میاں صاحبؒ

کے بعد جس جرأت، بے خوفی اور دلیری سے "مسلم کاز" کے لیے کام کیا وہ اُن ہی کا حصّہ ہے اور ہونا بھی یوں ہی چاہیئے کہ آخر ان کی نسبت برّصغیر کے اُس قافلہ سے ہے جو ہزار مخالفتوں کے باوجود اپنے خلوص سے آج بھی زندہ و تابندہ ہے اور اپنے مخالفین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ سکتا ہے ؎

مرا نقشِ ہستی نہیں مٹنے والا　　بُتوں کے مٹائے یہ مٹتا نہیں ہے
مٹانے میں اس کے وہ مٹ جائینگے خود　　کہ یہ نقشِ سجدہ ہے قشقہ نہیں ہے

اسلافِ کرام کے بعد مہمانِ گرامی مرتبت نے مختلف علاقوں میں رُونما ہونے والے فسادات میں بارہا عین حالتِ جنگ میں جس بے خوفی کا مظاہرہ کیا وہ مولانا ہی کا حصّہ ہے۔ ایک موقعہ پر جہاں مسلمانوں کی لاشوں سے کنویں پاٹ دیے گئے تھے عین اُسی حالت میں تشریف لے گئے۔ اور منع کرنے والوں سے یہ جُملہ فرمایا کہ" اسعد کا سر ان مسلمانوں کے سروں سے زیادہ قیمتی نہیں ہے"۔ اس پورے واقعہ کو برّصغیر کے عظیم عربی شاعر مولانا عبدالمنّان صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل قصیدہ میں نظم فرمایا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مسلمانوں کے حوصلے وہاں بلند ہو چکے ہیں اور وہ کسی کو یہ اجازت نہیں دیتے کہ کوئی انھیں تر نوالہ سمجھے۔ عیسائیت کی یلغار کا فتنہ آج بھی اس دھرتی پر موجود ہے لیکن ان حضرات کی پیہم کوششیں، ہزاروں شبینہ مکاتب جن میں حضرت مولانا سیّد محمّد میاں صاحبؒ کا مرتّبہ نصاب پڑھایا جا رہا ہے۔ اس فتنہ کے دفاع کا موثّر ذریعہ ہیں مسلمانوں کے سیاسی اقتصادی مسائل کا حل اسلام کی روشنی میں کیپٹلزم، کمیونزم اور سوشلزم سے زیادہ نفع مند ثابت کیا۔ اس موضوع پر نشر و اشاعت اور عملاً بلا سُود کو اپریٹو بینک کھولے مسلمانانِ ہند کی فلاح و سلامتی مذہب کے لیے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا جس کا یہ نتیجہ ہے کہ وہاں کے بارہ کروڑ مسلمان، ان کے مدارس اور ان کی مساجد آباد ہیں اور وہاں کے مسلمان ہندو تہذیب و تمدن سے دُور اپنی سابقہ روایات پر بدستور قائم ہیں۔ والحمد للہ

یہ فرض ہمارا تھا کہ ہم مملکتِ پاکستان کی قدر کرتے۔ اسے مضبوط و مستحکم بناتے اور وہاں کے مسلمانوں کی خبر گیری کرتے، مبلّغ بھیجتے، غریب مسلمانوں کی مدد کرتے، تعلیمی اداروں کے مصارف برداشت کرتے اور قائدِ اعظم کی بات پوری کر دکھاتے۔ انھوں نے ۱۸ اگست ۱۹۴۷ء کو پیغام عید

میں فرمایا تھا" ہمارے وہ بھائی جو ہندوستان میں اقلیت میں ہیں ہم نہ اُن کو فراموش کر سکتے ہیں نہ اُن کی طرف سے بے پرواہو سکتے ہیں، ہماری دِلی ہمدردیاں اُن کے ساتھ ہیں اُنکی اعانت اور بہتری کے لیے ہم بڑی سے بڑی کوشش کو بھی زیادہ نہیں سمجھیں گے۔ کیونکہ مجھے اس کا احساس ہے کہ اِس برّصغیر میں مسلم اقلیتی صوبے ہی تھے جنھوں نے ہمارے محبوب نصب العین پاکستان کے لیے سب سے پہلے پیش قدمی کی اور اس کے جھنڈے کو سر بلند کیا۔"

("خطباتِ قائدِ اعظم"۔ رئیس احمد جعفری مقبول اکیڈمی لاہور ص۵۸۲، طبع دوم)

لیکن ہم نے اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر نہیں کی، حتّیٰ کہ نظامِ مصطفیٰ جیسے پاکیزہ نظام سے کنارہ کشی اور تعلیماتِ اسلام جیسی بلند تعلیمات سے رُوگردانی اور غفلتوں کی سزا کے مستحق ہو کر مبتلائے رُسوائی ہوئے۔ اِس کے ساتھ ہی بیرُونی دُنیا میں اسلام کے پیغامِ رحمت کے لیے ان کے طویل اسفار اگلے دَور کے ان مجاہدین وخادمانِ علم و اسلام کی یاد دِلاتے ہیں جن کی زندگیاں گھوڑوں اور اونٹوں کی پیٹھ پر گزر گئیں۔

ہماری خوشیوں کی کوئی اِنتہا نہیں کہ برّصغیر کے مجاہد علماء کا سچا جانشین اور اربابِ عزیمت کے قافلہ کا سالار آج ہمارے اندر موجُود ہے۔ ہم ممنون ہیں رابطۂ عالمِ اسلامی کے جس کی کوشش سے کراچی میں ایشیائی اسلامی کانفرنس منعقد ہُوئی اور اُس کے صدقہ ہمارے عزیز مہمان سمیت دُنیا بھر کے اہلِ علم وصلاح یہاں تشریف لائے اور ہم ممنُون ہیں اپنی حکومت کے جس نے کراچی کے علاوہ دُوسرے مقامات کی اجازت دے کر ہمیں مہمانِ گرامی سے مستفید ہونے کا موقعہ دیا۔ مہمانِ ذی وقار کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتے ہوئے آخر میں عرض کروں گا کہ ؎

بیا ساقی نوائے مرغزار از شاخسار آمد
بہار آمد، نگار آمد، نگار آمد، قرار آمد

والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

○

خطبۂ استقبالیہ کے جواب میں

حضرت مولانا اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے خطبۂ استقبالیہ کے جواب میں ایک پُرمغز تقریر کی جس کے مندرجات درج ذیل ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی..

بزرگو اور بھائیو! میں آپ حضرات کا اس کرم اور عنایت کے لیے جو آپ نے میری ذات کے ساتھ نہیں بلکہ جماعت اور اسلام کی حقیقی رُوح کے ساتھ اپنے ربط کی وجہ سے فرمایا ہے۔ تہ دِل سے شکر گزار ہوں اور آپ کی محبّت اور عنایت کا حقیقی شکریہ یا اُس کا حق ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ جہاں تک میری ذات کا تعلّق ہے یہ سب آپ کا حُسنِ ظن ہے جس کا آپ نے کچھ اظہار فرمایا ہے ورنہ میں تو اس شعر کا مصداق ہُوں ؎

نہ شگوفہ ام نہ برگم نہ ثمر نہ سایہ دارم
ہمہ حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت مارا

میرے محترم بزرگو! حقیقت میں ہندوستان میں اللہ نے ایسے نفوسِ قدسیّہ کو پیدا کیا جنھوں نے اسلام اور مسلمانوں کو ہر دَور میں، ہر امتحان کے وقت سربلند کرنے کے لیے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے اور قربانیاں دیں۔ ہندوستان کے مغلوب ہو جانے کے وقت جبکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی دسائس کامیاب ہُوئیں اور یہ اعلان کر سکی کہ خلقت خدا کی، مُلک بادشاہ کا اور حُکم کمپنی بہادر کا۔ تو سب سے پہلے مجاہدِ اعظم ہیں شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ انھوں نے یہ اعلان کیا کہ مُلک "دار الحرب" ہو گیا۔ غیروں کے قبضہ میں چلا گیا اور مسلمانوں پر جہاد کرنا اور مُلک کو آزاد کرانا ضروری اور فرض ہے اور جیسا کہ آپ ابھی سُن چکے ہیں جنگِ آزادی اس مُلک کی سرزمین پر لڑی گئی۔ سب سے پہلا معرکہ حضرت سیّد احمد شہیدؒ، حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے ہزاروں ساتھیوں نے لڑا اور جامِ شہادت نوش کیا اور دوسرا ۱۸۵۷ء کا جہادِ آزادی ہے جس میں لگ بھگ بیس

لاکھ مسلمانوں نے شرکت کی اور تقریباً دو لاکھ مسلمان شہید کیے گئے۔ دوبارہ قبضہ ہوجانے کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے پورے ملک میں یہ اعلان کر دیا تھا، حکم جاری کر دیا تھا کہ جو کوئی عالم ملے پکڑو اور مار ڈالو، کسی جرم، ثبوت، صفائی کسی چیز کی ضرورت نہیں محض عالم ہونا اور نشانی اُس کی یہ بتائی گئی تھی کہ جس کے چہرے پر داڑھی دیکھو یا لانبا کرتہ دیکھو پھر کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ پکڑو اور مار ڈالو۔ چنانچہ پچاس ہزار علماء کا دو ہفتے میں قتلِ عام ہُوا اور شہید کیے گئے تقریباً ساڑھے ستاون ہزار علماء شہید ہُوئے اور سارے ملک میں گاؤں گاؤں، گلی گلی ڈھونڈ ڈھونڈ کر علماء کا قتلِ عام ہوتا رہا۔ ایسی حالت ملک میں پیدا ہوگئی تھی کہ دیہاتوں میں نمازِ جنازہ پڑھانے والے نہیں ملتے تھے۔ دلّی جیسے شہر میں میراث کا مسئلہ بتانے والے نہیں ملتے تھے۔ اور کوئی دین کی تعلیم بتانے والا مشکل سے کہیں نظر آتا تھا۔ تب یہ اکابرِ امت جنھوں نے ۱۸۵۷ء کے جہاد میں دو بدو جہاد کیا تھا اور جنگ لڑی تھی اور انگریزوں کا قتلِ عام کیا اور اسلحہ چھینا وغیرہ وغیرہ اور اپنا نظام قائم کیا اور قاضی بنائے تھے، مفتی بنائے تھے، عہدے تقسیم کیے تھے اور ذمّہ داریاں سنبھالی تھیں اور اللہ کے فضل سے وہ بچ رہے تھے، جب کہ ہزاروں کا قتلِ عام ہُوا۔ ان کو کیسے بچا لیا گیا اور کیسے اللہ نے ان کی حفاظت فرمائی، یہ عجیب چیز ہے۔

بہرحال ان حضرات نے پھر ہندوستان میں دین کے احیاء اور اسلام کی بقا کے لیے چھاؤنیاں قائم کیں، مدارس قائم کیے۔ آزادی سے پہلے یا غلامی سے پہلے ہندوستان میں نواب اور جاگیر دار ہوتے تھے وہ اپنے علاقوں کو سنبھالتے تھے، مالیہ وصول کرتے تھے، نظام قائم کرتے تھے۔ قاضی و مفتی رکھتے تھے، عدالتی نظام چلاتے تھے اور ان قاضیوں اور مفتیوں کے ساتھ دین کی تعلیم کا بندوبست ہوتا تھا مثلاً طلباء رکھتے تھے۔ جہاں وہ فوج کو رکھتے تھے وہاں طلباء کے بھی تمام اخراجات برداشت کرتے تھے۔ اس طرح سارے ملک میں نظام پھیلا ہُوا تھا اور دین کی تعلیم کا چرچا اور عموم تھا لیکن انگریز نے ۱۸۵۷ء کے بعد ان تمام نوابوں اور جاگیرداروں اور ذمّہ داروں کو سارے ملک میں تہ تیغ کر دیا، ختم کر دیا، کوئی سسٹم باقی نہ رہا اور ہزاروں کی جگہ صرف چند وہ نواب اور رئیس رہ گئے جنھوں نے ہندوستان سے غدّاری کی تھی اور انگریزوں سے وفاداری کی تھی۔ اُن کے پاس کچھ جائدادیں رہ گئیں باقی سب بالکل ختم کر دی گئیں تو ان کا کوئی معمولی سا تعلق اور رشتۂ اسلام سے نہیں تھا۔ صرف یہ کہ وہ اپنے آپ کو کہتے تھے کہ ہم مسلمان یا

فلاں ہیں لیکن اسلامی تہذیب، تمدن، تعلیم، عقیدے سے اُن کا کوئی تعلق نہ تھا۔ ان کا سارا قبلہ و کعبہ اور مرجع انگلستان ہوتا تھا تو پھر ان حضرات علماء کرام نے مدارس قائم کیے اور نیا تجربہ شروع کیا کہ عام غریب مسلمانوں سے پیسہ پیسہ چندہ مانگ کر دین کی تعلیم کا انتظام کیا جائے، علماء تیار کیے جائیں اور دین کی حفاظت کی جائے۔

اِس طرح ان حضرات نے مدارس قائم کیے اور یہ سلسلہ بڑھا اور اللہ نے اس طرح قبول فرمایا کہ صرف ایک سو کچھ سال کی مدت میں آج ہم یہاں کھڑے ہیں۔

تو وہ مدارس، ان کا فیض اور دین کی اقامت اور استقرار کی جتنی تحریکیں اور صورتیں آج عالمِ اسلام میں ممکن ہیں بالواسطہ یا بلاواسطہ نوّے فیصد اِنہی چند مدرسوں کا طفیل ہیں اور صرف ہندوستان پاکستان نہیں آپ یورپ، افریقہ اور دُنیا کے کسی مُلک میں چلے جائیں، آپ کو پتہ چلے گا کہ بالواسطہ اور بلاواسطہ جس جس طرح جس جس جگہ پر دین کا کام ہو رہا ہے اس میں انہی مدارس کے فیض یافتہ کسی نہ کسی صورت میں ملیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس طرح اِن کی مساعی کو، اِن کے خلوص کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرمایا اور عموم عطا فرمایا۔ بہر حال وہ مدارس قائم ہوئے اور ہندوستان کی آزادی کا وہ مسئلہ جو صرف ہندوستان کی آزادی پر مُنتج و مُنتہی نہیں تھا بلکہ اس کا ایک فطری اثر سارے عالمِ اسلام کی آزادی کا ہونا تھا۔

اور پھر حضرت شیخ الہندؒ نے تیسرا جہاد مرتّب کیا اور تیاری کی اور اس کے لیے حضرت مولانا عُبید اللہ سندھی، مولانا انصاری رحمہما اللہ کو ہندوستان سے باہر افغانستان بھیجا۔ کابل میں سب سے پہلی "آزاد ہند حکومت" قائم ہوئی جس نے افغانستان، ترکی، رُوس، جرمنی سے تعلقات قائم کیے اور آزاد قبائل کی بیعت میں یہ طے کیا گیا تھا کہ یہاں فوجی ٹریننگ دی جائے۔ دُنیا بھر سے ہتھیار منگوائے جائیں۔ اندرُونِ مُلک بغاوت ہو اور باہر سے حملہ کر کے مُلک کو آزاد کرایا جائے۔ حضرت شیخ الہندؒ اِسی کی تکمیل کے لیے ہندوستان سے حجاز تشریف لے گئے۔ وہاں حضرتؒ مدینہ منورہ میں تھے انھوں نے مدینہ منوّرہ کے چالیس ہزار باشندوں کے ساتھ باہر نِکل کر ان کا استقبال کیا اور ان کے ذریعے سے ترکی لیڈروں انور پاشا، جمال پاشا وغیرہ اور دوسرے ذِمّہ دار لیڈروں سے بات چیت اور معاملات طے ہوئے۔ حج کے بعد جانا طے تھا۔ اسی دوران وہاں بغاوت ہوئی اور شریف حسین کا اقتدار قائم ہو گیا۔ ترک حکومت ختم ہو گئی۔ خلافت کا وہاں سے گویا زوال ہو گیا۔

اور شریف حسین نے انگریز کے مطالبے پر اِن حضرات کو گرفتار کرکے انگریزوں کے سپرد کر دیا۔ یہ قاہرہ کے قریب "جبیدہ" میں ایک مہینہ تک نظر بند رہے اور فوجی عدالت میں مقدمہ چلتا رہا۔ لیکن کاغذی ثبوت نہ ہونے کی بنا پر آخر کار اِن کو مالٹا میں نظر بند کر دیا۔ جہاں اُس وقت انگریزوں کے مخالف فوجی اور سیاسی سارے عالم کے بڑے بڑے رہنما نظر بند تھے اور وہاں حضرت شیخ الہندؒ کو "ہندی شیخ" انہی کا دیا ہُوا خطاب ہے۔ وہ جمع ہوتے اور کہتے:

"ہندی شیخ! ایک ہندوستان کی وجہ سے کروڑوں مسلمان، پچاسوں مُلک غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں اور سارا عالمِ اسلام جکڑا ہُوا ہے۔ کسی طرح ہندوستان کو آزاد کرو تاکہ کروڑوں اللہ کے بندے آزاد ہوں، مسلمان آزاد ہوں پچاسوں مُلک آزاد ہوں۔"

حضرت شیخ الہندؒ وہ تمام قربانیاں اور تحریکات سب بتاتے۔ غرض یہ ہے کہ ساڑھے چار سال کے بعد حضرت شیخ الہندؒ واپس پہنچے اور بمبئی میں سارے ہندوستان کا قلب وجگر، لیڈر شپ، منتخب سب کے سب استقبال کے لیے جمع تھے۔ پچاسوں ہزار کا مجمع تھا۔ اس کے بعد تنہائی ہُوئی، بیٹھے اور طے پایا کہ کس طریقے سے آج اب ہم کو کام کرنا ہے۔ تو نقشہ بنایا گیا اور آزادی کی تحریک کو انقلابی انداز سے ہٹا کر قانونی اور عدمِ تشدّد کی لائن پر چلانے کا فیصلہ کیا گیا اور جمعیتہ علماء کی تحریک کو ضابطے اور قانون میں لا کر آگے بڑھانے کی صُورت پیدا کی گئی۔

میرے محترم بزرگو! بہر حال ہندوستان کی آزادی کے لیے اس پلیٹ فارم سے بہت خون دیا گیا۔ پچاسوں ہزار لوگوں نے جیلوں کو بھرا، قید وبند کی مصیبتیں اُٹھائیں اور قربانیاں دیں۔ مُلک آزاد ہُوا تو ہندوستان میں جو مسلمان رہ گئے اُن کا مسئلہ بہت ٹیڑھا تھا۔ جمعیتہ علماءِ ہند کے اکابر کی توجہ تمام تر ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی بقاء اور ترقی کی طرف تھی۔ جمعیتہ علماءِ ہند کے اکابر نے سر سے کفن باندھا اور اِس مایوسی کے عالم کو دُور کرنے اور ہٹانے کی کوشش کی۔ مسلمانوں کو خدا پر بھروسے، اعتماد اور استقلال کے ساتھ کام کرنے کی طرف متوجہ کیا اور ہمّت وجُرأت کے ساتھ دین پر قائم رہنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ خدا پر بھروسہ کرو۔ جو حالات ومصائب آئے ہیں انشاءاللہ نہیں رہیں گے۔ وقت آتا ہے اور جاتا ہے، خدا کی زمین سب جگہ ہے۔ خدا کا ملک سب جگہ ہے۔ جو خدا یہاں ہے وہ اور جگہ بھی ہے جو اور جگہ ہے وہ یہاں بھی ہے۔ موت اگر یہاں ہے تو

وہاں بھی ہے اس لیے خدا پر بھروسہ کرو اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے ڈٹ جاؤ اور اس زمین کو جس کا چپہ چپہ خدا کے بندوں کے خون سے سُرخ ہے اور جس کے لیے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ اللہ کے نام سے خالی مت کرو، جم جاؤ اور خدا پر بھروسہ کرتے رہو۔

بہر حال اللہ کے بندے جمے اور حالات کو پُر امن کرنے اور مصائب دُور کرنے کی کوششیں کیں، قربانیاں دیں۔ حالات ذرا درست ہوتے تو دونوں مُلکوں میں پراپرٹی ایکٹ لگا اور ہندوستان کے مُسلمان جائدادوں اور کاروبار کی طرف سے خائف اور پریشان ہو گئے۔ جمعیۃ علماء نے اس مقابلہ میں اپنے آپ کو جھونکا، اپنی تمام شاخوں کو، اپنے ورکروں کو، اپنے دفاتر کو اور قانونی و سیاسی سطح پر اس کے حل کرنے کی کوشش کی اور کروڑوں اربوں روپے کی جائدادیں جو ظلماً چھن رہی تھیں اللہ کے فضل و کرم سے واپس دِلائیں۔

اسی طریقے سے ۴۸ء میں جمعیۃ علماء نے مسلمانوں کو توجہ دلائی کہ مُلک آزاد ہو گیا۔ یہاں کا نظامِ حکومت غیر مذہبی ہے اور ہر مذہب کو آزادی رہے گی تو نظامِ تعلیم بھی ایسا ہی ہو جہاں اس قسم کا سیکولر نظامِ تعلیم نافذ ہو وہاں کوئی مذہبی تعلیم نہ ہوتے ہوئے بھی اکثریت کی چھاپ بچّوں پر ضرور پڑے گی۔ اس لیے اگر آئندہ نسلوں کو دین دار رکھنا اور ضرور قائم رکھنا ہے تو ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم آئندہ نسلوں تک دین پہنچانے کے لیے مذہبی ابتدائی لازمی تعلیم کا انتظام کریں اور جمعیۃ علماء نے اس کے لیے مُلک بھر میں مُہم (CAMPAIGN) چلائی، تحریک چلائی اور کورس بنایا۔ حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اساتذہ کی ٹریننگ کا کورس بنایا۔ پھر اس کے لیے بمبئی میں تمام ہندوستان کے تمام فرقوں پر مشتمل دینی تعلیمی کنونشن بُلایا۔ اسمیں مرکزی اور صوبائی دینی تعلیمی بورڈ بنے اور اس تحریک کو عام کیا گیا۔ آج اللہ کے فضل و کرم سے ہندوستان کی کوئی جماعت ایسی نہیں ہے جو دینی تعلیمی تحریک سے متاثر اور اس کے لیے محرّک نہ ہو۔ تقریباً پچاس ہزار سے زیادہ مکاتب اس تیس سال کے عرصہ میں ہندوستان کے چپّے چپّے میں قائم ہو چکے ہیں اور کم سے کم چالیس پچاس لاکھ بچّے دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ پورے مُلک کے اندر یہ نظام ہے، آسام میں بھی ہے، بنگال میں بھی ہے، بہار میں بھی ہے یو۔پی میں بھی ہے اور اسی طرح گجرات، مہاراشٹر، مدھیہ پردیش اور راجستان میں بھی ہے۔ اور اسی طریقے سے جنوبی ہند کے اسٹیٹس میں بھی ہے اور اس طرح مکاتب بڑھتے چلے جا رہے ہیں، اللہ کا فضل و کرم ہے۔ ایک ایک مکتب ایسا ایسا گاؤں میں ہم کو دیکھنے میں مِلا ہے کہ جس میں گیارہ گیارہ

استاذ سبق پڑھاتے ہیں اور چھ چھ، سات سات سو بچّے پڑھنے کے لیے آتے ہیں۔ معمولی پانچ سو تک، اور چالیس منٹ روزانہ پڑھانے سے پانچ چھ سال کے اندر عقیدے، عمل اور تاریخ کی معمولی ضروری معلومات پر مشتمل اچھا خاصا کورس سے بچّہ فارغ ہو جاتا ہے۔ قرآنِ کریم اور دینی معلومات وغیرہ اُس کو حاصل ہو جاتی ہیں۔ اِس طریقے سے یہ پُورے مُلک میں ایک جال پھیل گیا ہے اور پھیلتا جا رہا ہے اور یہ سسٹم برابر چل رہا ہے۔

اِس طرح اور بھی مسائل ہیں، مَیں تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ ہزاروں مدرسے ایسے ہیں جو اللہ کے فضل و کرم سے اِس تیس سال کے اندر مُلک کے چپّے چپّے میں کُھلے ہیں اور جہاں عُلما تیار ہوتے ہیں اور دین کے بتلانے والے، اس طریقہ سے جہاں جہاں بھی ہم کو یہ معلوم ہُوا کہ لوگوں میں اسلام کی صحیح زندگی نہ پائے جانے کی وجہ سے انھوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ وہ آئے لیکن کچھ ان کو سیکھنے پڑھنے کا موقع نہیں مِلا تھا۔ اُن کے نام وہی، اُن کی زندگی وہی، رسم و رواج وُہی، شادیاں اُنہی خاندانوں میں، غیر مسلموں میں اور اُن سے خطرہ ہے کہ خدانخواستہ وہ مُرتد ہو جائیں۔ جمعیۃ علماء نے وہاں تحریک شروع کی مثلاً گجرات میں "اصلاح المسلمین" کے نام سے انجمن قائم کی ایسی برادریوں میں کام کرنے کے لیے۔ آج تک وہ انجمن صرف گجرات میں ایک سو پچّیس کے قریب مسجدیں دیہاتوں میں بنا چکی ہے، مکاتب بنا چکی ہے۔ کئی ایک ان برادریوں کے بچّوں کو عالم بنا چکی ہے اور دینی تعلیم کا بندوبست کر چکی ہے اور طرح طرح کے کام ہو رہے ہیں۔ اِسی طرح مشرقی پنجاب میں آج اللہ کے فضل و کرم سے دس لاکھ مسلمان ہیں۔ اور اُن کی سینکڑوں مسجدیں کُھل چکی ہیں، کچھ مکاتب بھی قائم ہیں اور اس طریقے سے کام ہو رہا ہے۔ جمعیۃ علماء کا مستقل شعبہ ہے۔ لوگ ہیں جو دیہاتوں میں جاتے، کام کرتے اور اُن میں دینی زندگی لانے کی کوشش کرتے ہیں۔

بہرحال اسی طریقے سے جمعیۃ علماء ہند نے مسلمانوں کی تعمیر اور ترقّی کے لیے تعمیری پروگرام تجویز کیا ہے اور اس میں سب سے زیادہ اہمیّت تعلیم کو ہے۔ تعلیم میں دینی بھی ہے اور دُنیاوی بھی۔ ایسے مکاتب قائم کیے جائیں جہاں ضرورت ہو۔ اس طریقے سے اسکول قائم کیے جائیں، ٹیکنیکل اسکول قائم کیے جائیں۔ ہائی سکول، کالجز اور ہر اونچی ٹیکنیکل تعلیم کے لیے ایسے فنڈ قائم کیے جائیں جہاں سے پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے صلاحیّت رکھنے والے، محنتی سمجھدار، ترقّی کرنے والے

بچوں کو محرومی ہو۔ ایسا نہ ہو وہ آگے نہ بڑھ سکیں۔ اور جب اپیل کی مسلمانوں سے کہ ایسا کرو تو جمعیتہ علمارِ ہند نے اپنے فنڈ سے سب سے پہلے اقدام کیا اور اِس وقت بارہ ہزار روپے کے سالانہ اسکالرشپ ٹیکنیکل اسکول کے لیے جمعیتہ علمارِ ہند نوجوانوں کو دے رہی ہے اور اِس طرح پورے ہندوستان کے مسلمانوں سے اپیل کی ہے کہ وہ ٹیکنیکل ہائی ایجوکیشن کے لیے اپنے دروازے کھولیں، فنڈ قائم کریں اور نوجوانوں کی ہمّت افزائی کریں۔ اِسی طرح وہاں انتظام چلانے کے لیے جو آئی سی۔ ایس وغیرہ کے امتحان ہیں اس کے واسطے طالب علموں کی ٹریننگ کے واسطے دِلّی میں مرکز قائم ہے اور جب پبلک سروس کمیشن میں اعلان ہوتا ہے تو اس سے پہلے چند ہفتے ان کو رکھ کے بڑے بڑے تجربہ کار اُونچے درجہ کے ریٹائرڈ آئی سی۔ ایس وغیرہ لوگوں سے ان کو تربیّت دِلائی جاتی ہے۔ پھر اُن کو امتحانات میں شریک کرایا جاتا ہے تاکہ سارے مُلک کے لاکھوں افراد کے مقابلے میں وہ شریک ہوکر کے بازی لے کر کے کامیاب ہوسکیں اور بحمداللہ اس کا اچھا اثر محسوس ہو رہا ہے، اچھّے نتائج مرتّب ہو رہے ہیں۔ اِس طرح تعلیم کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں ہیں۔ تعلیم کے علاوہ سماجی اصلاح ہے۔ مسلمانوں کے معاشرے اور سماج میں جو کمزوریاں ہیں۔ بُری عادتیں ہیں، رسمیں ہیں، فضول خرچیاں ہیں اور ایسی خرابیاں ہیں۔ اُن کی اصلاح کی کوشش کی جائے۔ محلّہ وار، برادری وار اُن کے اندر ایسے اچھّے ماحول کو پیدا کرنے کی کوشش کی جائے جو صحیح اسلامی ماحول ہو، دینی زندگی ہو اور تمام بُرائیاں اسراف فضول خرچیاں اُن کے اندر سے دُور کی جائیں اور ایسے اعمال جن کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اُن کو دور کیا جائے اسلامی معاشرہ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اِسی سلسلہ میں ہمارے ہاں شرعی پنچایت ہے مسلمانوں کے ازدواجی معاملات ہیں اور دُوسرے جھگڑے ہیں۔ اُن کو مِل بیٹھ کر آپس میں ایسے علماء، قانون دان، بااثر لوگ جمع ہوں اور ایسی پنچایتوں کے ذریعے سے اپنے معاملات طے کریں اور غیر شرعی طور پر پیسے کی بربادی، وقت کی بربادی، دشمنیاں اور مصیبتیں ان کو ہٹانے کی کوشش کی جائے۔ اس طرف نہ جائیں۔ اس طریقے سے تیسری چیز ہے، ہمارے ہاں اقتصادی اصلاح —— اس میں بہت سے کام ہیں۔ اسلامیہ فنڈ کے نام سے ہم اپیل کرتے ہیں کہ بھائی! مسلمانوں سے پیسہ اکٹھا کرو اور اس میں سے بیواؤں کی مدد کرو، یتیموں کی مدد کرو، جن لڑکیوں کی شادی نہیں ہوسکتی پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے، ان کی مدد کرو۔ اسی طریقے سے جو صنعتی لوگ ہیں ان کے واسطے کوآپریٹو

سوسائٹیاں قائم کرو، ہاؤسنگ سوسائٹیاں قائم کرو۔ اس طریقے سے کواپریٹو سوسائٹیاں قائم کرکے ان کو رامیٹریل (RAW MATERIAL) اچھے سے اچھا کہاں سے کس طرح مل سکتا ہے اور اس کے راستے کی دشواریاں جو ہیں اُن کو دُور کرو تاکہ وہ لٹنے نہیں اور ان کو سیدھے سیدھے اچھا مال مل جائے پھر مارکیٹ کہاں ان کے لیے بہتر ہے اور کہاں ان کی مصنوعات کی کھپت ہوسکتی ہے۔ اس کی معلومات کے دو لنک قائم کرو۔ اگر ایکسپورٹ ہوسکتا ہے تو اس کا انتظام کرو اور اس کو بڑھایا جائے اور صنعتکاروں کو جو مسلمان ہیں اُن کی مدد کی جائے۔ اُن کو ترقی کے راستے پر ڈالا جائے۔ اس طریقے سے مسلمانوں کی مدد کے لیے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے رامپور ضلع میں "ٹانڈہ بادلی" والوں کو مشورہ دیا تھا۔ انھوں نے اسلامیہ فنڈ قائم کیا۔ مجھ کو اتّفاق سے وہاں جانا ہوا تو معلوم ہُوا۔ پھر ہم نے اس کو دیوبند میں شروع کیا، تجربہ کیا اور اب سے سولہ سال پہلے نوسو روپے سے وہ شروع ہُوا۔ آج اللہ کے فضل سے پینتالیس لاکھ روپے دیوبند میں مُسلم فنڈ ہے اور تیس لاکھ روپے اس سے مسلمانوں کو غیر سُودی مِلا ہُوا ہے اور اس کو دیکھ کر اس کے کامیاب تجربے سے فائدہ اُٹھا کر بحمداللہ ملک کے اندر تقریباً سَو جگہ اسی طرح کا مُسلم فنڈ قائم ہوچکا ہے اور جس سے لاکھوں مسلمانوں کو بہت مدد اور سہارا مل رہا ہے آگے قدم بڑھانے کا۔ اس کا سب سے بڑا بُنیادی نفع وہ یہ ہے کہ لوگوں کو کچھ نہ کچھ بچانے پر آمادہ کیا جائے۔ جو تم کماتے ہو اس میں سے کچھ بچاؤ اس کو مُسلم فنڈ میں جمع کردو۔ اس میں سے کچھ لوگوں کو سونے چاندی کی ضمانت پر غیر سُودی قرض دے دیا جائے۔ اس سے ان کی ضرورتیں پوری ہوں۔

تو ایک طرف بچاکر اپنی ضرورتوں کے لیے اپنا سرمایہ محفوظ کرکے اپنے کام میں لے آؤ اور دوسری طرف اس سرمائے سے لوگوں کے کاروبار اور ضرورتوں کو غیر سُودی قرض ملنے کی وجہ سے سہولت حاصل ہو۔ تو اللہ کا فضل ہے کہ یہ تجربہ کامیاب ہے اور انشاءاللہ اس مہینے کے اخیر میں دیوبند میں پورے ہندوستان کے مُسلم فنڈز کے نمائندوں کی ایک دو روزہ کانفرنس ہونے والی ہے۔ اُس کے تجربوں سے، مشکلات سے، دشواریوں سے تبادلۂ خیال کرکے راہ نکالنے کے لیے اور اس کو اور ترقّی دینے اور بڑھانے کے لیے اور اس طرح کے بہت سے کام ہیں۔ اقتصادیات میں جن کے مشورے کیے جائیں گے۔ اور چوتھا کام وہ اسلامی ماحول بنانے کے لیے ترجمۂ قرآن کریم اسی طرح احادیث، صحیح تاریخ، فقہی معلومات، نماز، روزہ، حرام، حلال، وضو، طہارت وغیرہ وغیرہ

ان سب کی معلومات کے حلقے ہیں۔ اور صحیح اسلامی تاریخ کیا ہے؟ اس کے لیے اور نبیؐ کریم کی مبارک زندگی کے اخلاقی پہلوؤں کو مسلمانوں اور غیر مسلموں کے سامنے بیان کرنا تاکہ اسلام سے بغض اور عناد جو انگریزوں نے پیدا کیا ہے، غلط فہمیاں پیدا کی ہیں، جھوٹی تاریخ پھیلائی ہے اس سے دھند اور سیاہی دُور ہو اور اس سے فائدہ پہنچے۔ اس لیے یہ اس طریقے سے جمعیۃ علماء ہند اللہ کے فضل و کرم سے اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کے لیے گامزن ہے اور کام کر رہی ہے اور اللہ کا فضل و کرم ہے کہ ہندوستانی مسلمان اپنے دین کے بارے میں اور دینی زندگی کے بارے میں دینی تمدن تہذیب اور معاشرے کے بارے میں ممتاز ہیں اور حساس ہیں اور کسی قیمت پر کوئی چیز اس کے خلاف ہرگز برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اللہ کا فضل ہے یہ چیز جو پیدا ہوتی ہے حقیقت میں دین کی وجہ سے۔ اگر دین کا علم ہی نہ ہو تو دینی احساس، دینی زندگی، دینی معاشرہ وجود میں آ ہی نہیں سکتا۔ تب ہی آ سکتا ہے جب دین کا پتہ ہو، اسلام کا پتہ ہو، شعور ہو، حرام حلال جانتے ہوں۔ اسلامی زندگی کسے کہتے ہیں اس کو خبر ہو۔ اس کے بغیر اسلام کا پایا جانا اور اسلامی زندگی کا، یہ فیشن تو ہو سکتا ہے حقیقت نہیں ہو سکتی۔

تو اس لیے ہم لوگوں کی توجہ مسلمانوں کی دینی تعلیم پر سب سے زیادہ ہے اور اس کے ذریعے سے جب علم آئے گا، دین آئے گا تو نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا تعلق محبّت اور دینی زندگی حضورؐ کا اتباع آئے گا۔ یہ فطری عمل ہے اور اس کے بغیر کوئی مشکل نہیں۔ انہی منطقی دلیلوں کے ساتھ ہم دین کی طرف چل رہے ہیں اور مسلمانوں کو صحیح دینی زندگی کی طرف دعوت دیتے اور لانے کی کوشش کر رہے ہیں اور اللہ کے فضل و کرم سے کامیابی بھی ہو رہی ہے۔

میرے محترم بزرگو! خوشی کی بات ہے کہ آپ کے مُلک کے لوگوں کی توجہ اسلامی نظام کی طرف ہوئی ہے۔ نظامِ مصطفیٰؐ کی طرف بڑی قربانیوں کے بعد اور آپ کے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جناب جنرل ضیاء الحق صاحب اس بات کے لیے کوشاں ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اسلامی نظام لانا چاہتے ہیں۔ خوشی کی بات ہے اللہ تعالیٰ ان کے عزائم اور عمل میں حقیقت اور برکت پیدا کرے اور کامیابی سے نوازے اور آپ کے مُلک کا ماحول حقیقی معنیٰ میں ان کی مساعی کی وجہ سے دینی بن جائے۔

تو میں انہی الفاظ کے ساتھ آپ حضرات کی اس محبّت اور کرم کا، عنایتوں کا تہ دل سے

شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھ جیسے ناکارہ آدمی کا، میرا تو حقیقت میں نہ کوئی مقام سمجھتا ہوں، اور نہ حیثیت، کوئی بات نہیں ہے مَیں تو ایک بہت معمولی آدمی ہوں اور اگر کچھ ہوتا ہے تو صرف اللہ کا کرم ہے ؎

میری طلب بھی اُسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں اُٹھائے جاتے ہیں

تو اس میں میرا کوئی دخل نہیں ہے اور نہ خُوبی ہے اور نہ مَیں کسی ستائش کا مستحق ہُوں بہر حال اللہ تعالیٰ آپ کے حُسنِ ظن کو میرے لیے اور ہندوستانی مسلمانوں کے لیے اور آپ سب کے لیے باعثِ خیر و فلاح بنائے اور دونوں جہانوں کی بھلائی سے نوازے۔

○

حضرت مولانا عُبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۶ جنوری ۱۹۶۸ء کو رات کے
۹ بجے ریڈیو پاکستان لاہور سے مندرجہ ذیل تقریر نشر فرمائی

الحمد للہ وکفٰی وسلام علٰی عبادہ الّذین اصطفٰی: امّا بعد
فقد قال اللہ تعالٰی فی القراٰن المجید والفرقان الحمید
فاعوذ باللہ من الشّیطٰن الرّجیم بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم۔
لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا
عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ التوبۃ ۱۲۸
صدق اللہ العلیّ العظیم

ترجمہ: البتہ تحقیق تمھارے پاس تم ہی میں سے رسول آیا ہے۔ اُسے تمھاری تکلیف گراں معلوم ہوتی ہے۔ تمھاری بھلائی پر وہ حریص ہے۔ مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

بے شک قرآن حکیم ہی خدا تعالٰی کے احکامات اور قوانین کی وہ جامع کتاب ہے جو اسلامی معاشرہ اور نظام کی حقیقی بُنیاد تسلیم کی گئی ہے مگر اس میں کسی کو مجالِ انکار نہیں کہ کتاب اللہ کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے ہمیں اُس ہادیٔ برحق اور مبلّغِ اسلام علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی عملی زندگی کو بھی ہر لحاظ سے سامنے رکھنا چاہیے۔ جنھیں اللہ تعالٰی نے اپنے پیغامِ برحق کے پہنچانے کے لیے مامور فرمایا۔

دینِ اسلام کے وہ بُنیادی اصول جن کا قرآنِ حکیم میں بار بار تذکرہ آیا ہے اور جن پر عمل پیرا ہونے کے لیے اُمّتِ مسلمہ کو بار بار تاکید فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ ان سب کی عملی کیفیت جس پر اسلامی سوسائٹی کا گذشتہ چودہ سو سال سے نظام قائم ہے، وُہی ہے جس کو جنابِ رسولِ مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بحکمِ خدا ارکانِ اسلام کی صورت میں اپنے لیے بطورِ خاص

اور رہتی دُنیا تک نسلِ انسانی کے لیے عموماً متعیّن کیا ہے۔ اسلامیانِ پاکستان کے لیے بطورِ خاص اور نسلِ انسانیّت اور مُسلم اقوام کے لیے حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا اِتباع نہ صرف اصول و قوانین تک ہی محدُود سمجھنا چاہیئے بلکہ یہ زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نہ صرف مُسلمانوں کے لیے ہی آئیڈیل (IDEAL) ہیں بلکہ کُل بنی نوعِ انسان کے لیے ایک مینارِ نُور کی حیثیّت رکھتے ہیں۔ جو بھی فرد، معاشرہ (سوسائٹی) یا قوم آپؐ کی تعلیمات کو اپنا دستورِ حیات متعیّن کرے گی۔ وہ نہ صرف دُنیا میں ترقّی کی انتہائی منازل پر گوئے سبقت لے جائے گی بلکہ تصویر کے دُوسرے رُخ کے طور پر اس کی برزخی زندگی اور ابدی زندگی بھی یقینی طور پر کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار ہو کے رہے گی۔ علیٰ ہذا القیاس۔ حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپؐ کی تربیت یافتہ جماعت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ہم تک نہ صرف یہ کہ آئینی اور قانونی شکل میں بہترین اصُول اور قوانین ہی پہنچائے بلکہ چودہ سو سالہ مسلمانوں کا تابناک دَور ہر اعتبار سے چاہے وہ معاشی ہو یا اقتصادی، اخلاقی ہو یا سیاسی، ہر لحاظ سے دُنیا کی ہر قوم اور ہر خطّے میں اپنی عظمت کا لوہا منوا چکا ہے اور قیامت تک کے لیے دلیل و بُرہان سے اس کی صداقت بدترین مخالفوں پر بھی آشکار ہو چکی ہے۔ جن کا مخالفینِ دینِ فطرت کو اپنی جگہ بخوبی احساس ہے۔

اسلام اور تعلیماتِ اسلامیہ کی عظمت اور اس کی صداقت کی بنا پر اب نوجوان اور جواں ہمّت مُسلمانانِ عالم پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ ان برکاتِ اُمّتِ محمّدیہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام اور صالح قوانین کو نہ صرف اپنی پبلک اور پرائیویٹ زندگی میں اپنائیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر بالخصوص یونائیٹڈ نیشنز اور بین الاقوامی عدالتِ انصاف میں جس حد تک ان کا بس چلے انھیں اپنے ان فرائضِ دوگونہ سے سبکدوش ہونے کے لیے ہر دو محاذوں پر اپنی سی کوشش ضرور بالضرور جاری رکھنی چاہیئے تاکہ حق تعالیٰ شانہٗ کی نصُرت و مدد اُسی طرح اُن کے شاملِ حال ہو جس طرح کبھی قرنِ خیر القرون میں حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہؓ کی پاک سیرت جماعت کے لیے اللہ تعالےٰ کی عنایات ہر آن، ہر حیثیّت سے نچھاور ہو رہی تھیں ؎

یقیں محکم، عمل پیہم، محبّت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں یہ ہیں مَردوں کی شمشیریں

تو اِس مقصد کی تکمیل کے لیے اُسوۂ حسنہ کی ضرورت ہوگی جو کتاب اللہ اور سُنّتِ رسُول اللہ

صلّی اللہ علیہ وسلّم میں محصور ہے۔ لہٰذا قرآنِ کریم نہ صرف نسلِ انسانیت کا جامع نصابِ تعلیم ہے بلکہ تمام بنی نوعِ انسان کے لیے ایک مکمّل دستور العمل بھی ہے ۔ اس کے سوا تمام قوانینِ خود ساختہ ناقابلِ عمل اور مُوجبِ تباہی و ہلاکت ہوں گے۔ اسی لیے ارشادِ ربّانی ہے :

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ. (آل عمران۔ ۸۵)

ترجمہ : اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے تو وہ اُس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

پس حیاتِ انسانی کی فوز و فلاح، دُنیوی اور اُخروی کامیابی و کامرانی کا صحیح اور سیدھا راستہ اور عقل و دانش کا تقاضا یہی ہے کہ اُسوۂ رسولِ مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم سے زندگی کے کسی گوشے میں سرِ مُو انحراف یا تجاوز نہ ہو تاکہ خُسران اور ناکامی سے محفوظ رہیں۔

جیسا کہ ارشاد ہے : وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا. (آل عمران۔ ۱۰۳)

ترجمہ : اور سب مِل کر اللہ کی رسّی مضبوط پکڑو اور پھُوٹ نہ ڈالو۔

پس جادۂ شریعت اور راہِ ہدایت و صداقت کا اِتباع ضروری ہے۔ چنانچہ حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوبِ گرامی میں ارشاد فرماتے ہیں :

"شریعت کے تین اجزاء ہیں (۱) علم (۲) عمل (۳) اخلاص۔ جب تک یہ تینوں اجزاء برابر نہ پائے جائیں تو شریعت کا وجُود نہ ہوگا۔ جب شریعت پر مکمّل طور پر عمل ہوگا تو رضائے خداوندی حاصل ہو جائے گی جو تمام دینی اور دُنیوی سعادتوں کا ماحصل ہے۔

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (التوبۃ۔ ۷۲) ترجمہ : اور اللہ کی رضا سب سے بڑی ہے۔

پس شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام تمام دینی و دُنیوی سعادتوں کے حصول کی ضامن اور متکفّل ہے۔ اور کوئی بھی مقصدِ خیر ایسا نہیں رہا جس کے حصُول کے لیے شریعت کے سوا کسی کی ضرورت پیش آئے۔ طریقت و حقیقت بھی، جو صُوفیائے کرام کے یہاں مابہ الامتیاز ہیں، شریعت کی خادم ہیں۔ جن سے شریعت کے جُزوِ ثالث (اخلاص) کی تکمیل کی جاتی ہے۔" (مکتوب ۳۶ جلد ا صفحہ ۵۰)

کتاب وسُنّت کے اِتّباع اور اقتدا کا اصلی معیار اور سارا دار ومدار اُسوۂ حسنہ نبویہؐ کی پیروی پر موقوف ہے۔ اس لیے کہ وہی قرآن حکیم کی اصل عملی تفسیر اور تشریح و توضیح ہے اور وہی کلامِ ربّانی کا اصل منشا و مُراد ہے اور وہی تخلیقِ کائنات کا خلاصہ اور مقصود ہے۔ حدیثِ قدسی ہے۔ لَوْلَاكَ لَمَاخَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ (الحدیث) ترجمہ: اگر تم نہ ہوتے (اے محمدؐ! فداہ روحی ابی وامیؐ) تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔

اپنے آپ کو اس سانچہ کے موافق بنانا اور ہر کام میں جناب رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پیروی کرنا انسانیت کا اصلی معیار ہے جو دُنیوی زندگی کی کامیابی اور اُخروی زندگی کی درستی کے لیے ناگزیر ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيرًا (الاحزاب-۲۱)

ترجمہ: البتہ تمہارے لیے رسُول اللہؐ میں اچھا نمونہ ہے جو اللہ اور قیامت کی اُمید رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں سرخروئی اور دُنیا میں سربلندی اتباعِ رسُولِ کریم علیہ الصّلوٰۃ والتّسلیم پر موقوف ہے۔ صرف اُسی ایک طریقہ سے انسان منزلِ مقصود پر پہنچ سکتا ہے اور عنایاتِ خداوندی سے سرشار وسرفراز ہو سکتا ہے۔ سو ارشادِ باری ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ط (آلِ عمران-۳۱)

ترجمہ: کہہ دو اگر تم اللہ سے محبّت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو تاکہ تم سے اللہ محبّت کرے اور تمہارے گناہ بخشے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اِتباع اور پیروی بعینہٖ باری تعالیٰ عزّوجلّ کی تابعداری ہے ارشاد ہے، مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ (النساء-۸۰) ترجمہ: جس نے رسُولؐ کا حکم مانا اُس نے اللہ کا حکم مانا۔

اللہ تعالیٰ نے اطاعتِ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ پس ہر وہ اطاعتِ خداوندی کا دعویٰ جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت کے منافی ہو، اطاعتِ خداوندی

نہیں اور کھلی بے دینی ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو باری تعالیٰ کی اطاعت میں فرق کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کو کافر اور منکر ہی قرار دیا گیا ہے۔ سو فرمایا:

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللهِ وَرُسُلِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا۔ (النساء۔ ۱۵۰، ۱۵۱)

ترجمہ: (جو لوگ) چاہتے ہیں کہ اللہ اور اُس کے رسُولوں کے درمیان فرق رکھیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعضوں پر ایمان لاتے ہیں اور بعضوں کے منکر ہیں اور چاہتے ہیں کہ کُفر اور ایمان کے درمیان ایک راہ نکالیں۔ ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی فرمانبرداری اور اس حد تک پیروی کہ خواہشات اور مرغوبات تک رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے تابع ہوں، ایمان کی جڑ اور بُنیاد ہیں۔ بلکہ عین ایمان ہیں۔

ارشادِ گرامی ہے: لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی یَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ (الحدیث)

ترجمہ: کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات تک میرے طریق کے مطابق نہ ہوں۔

چنانچہ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے آخری وصیّت اور آخری تاکید جو صحابہ کرامؓ کو فرمائی وہ یہی تھی کہ کسی حال میں بھی طریقِ نبویؐ کو نہ چھوڑا جائے اور اسوۂ حسنہ نبویؐ کی پوری پیروی کی جائے۔

حضرت عرباض بن ساریہؓ کہتے ہیں کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک ایسا وعظ فرمایا، جس سے قلوب نرما گئے اور آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلّی اللہ علیک وسلّم! یہ تو وداعی اور آخری وعظ معلوم ہوتا ہے۔ ہمیں کوئی وصیّت فرما دیجئے۔ ارشاد فرمایا:

اوصیکم بتقوی الله والسّمع والطاعة وان تامر علیکم عبد وانّه من یعیش منکم فیسرٰی اختلافا کثیرا فعلیکم بسنّتی وسنّة الخلفاء الرّاشدین المهدیّین من بعدی عضوا علیها بالنّواجذ وایّاکم ومحدثات الامور فان کل بدعة ضلالة (الحدیث)

ترجمہ: مَیں تمھیں وصیّت کرتا ہُوں کہ تقویٰ اور پرہیزگاری پر قائم رہنا، امیر کی اطاعت کرنا اگرچہ وہ غلام ہو، جو شخص تم میں سے زندہ رہے گا وہ بہت سے اختلاف دیکھے گا۔ پس تم

میرے بعد میرے اور میرے خلفاء راشدین کے طریقہ کو دانتوں سے مضبوط پکڑے رہنا اور نئی نئی باتوں سے بچنا۔ اس لیے کہ ہر نئی بات گمراہی اور بے راہروی ہو گی۔

پس صراطِ مستقیم، طریقِ فوز و فلاح، راہِ نجات، سیدھا اور صاف راستہ یہی ہے کہ اُسوۂ حسنۂ نبویؐ کو اختیار کرے اور آنکھ بند کر کے بے خوف و خطر ان نقوشِ قدم پر گامزن ہو پھر منزلِ مقصود سامنے ہے، راستہ کھلا ہوا ہے اور بے خوف و خطر ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ (الانعام۔ ۱۵۳)

ترجمہ: اور بے شک یہی میرا سیدھا راستہ ہے سو اسی کا اتّباع کرو اور دُوسرے راستوں پر مت چلو وہ تمھیں اللہ کی راہ سے ہٹا دیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے حبیب حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اُسوۂ حسنہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

(بشکریہ ریڈیو پاکستان)

اُسوۂ حسنہ (۲)

حضرت مولانا عُبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ نے ریڈیو پاکستان لاہور سے جمعہ
۱۹ر اپریل ۱۹۶۸ء بوقت ۹ بجے رات "اُسوۂ حسنہ" کے عنوان سے
مندرجہ ذیل تقریر فرمائی

○

الحمد للہ وکفٰی وسلامٌ علیٰ عبادہ الّذین اصطفٰی ، اما بعد
فاعوذ باللہ من الشّیطٰن الرّجیم. بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم.
لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ
یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا۔ (الاحزاب۔ ۲۱)

ترجمہ : البتہ تمھارے لیے رسُول اللہؐ میں اچھا نمونہ ہے جو اللہ اور قیامت کی اُمید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کا ذِکر کرتا ہے۔

دُنیا میں ہزاروں انبیا علیہم السّلام کائناتِ انسانی کی ہدایت کے لیے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے پہلے مبعوث ہوتے رہے۔ لیکن وہ سب کے سب اپنے قبیلے یا قوم کو ہی پیغامِ ربّانی سے روشناس کراتے رہے۔ ان کی تبلیغ محدُود رقبے اور محدُود اشخاص تک مخصوص رہی۔ رحمتِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے پہلے کوئی نبی ایسا نہیں گزُرا جس نے تمام کائناتِ انسانی سے خطاب کیا ہو۔ لیکن آپؐ کی بعثت تمام دُنیا کے لیے عام ہے، عرب کی اُمّتیں ہوں یا یہود و نصاریٰ، ساری دُنیا کے لیے ہے۔ جس طرح خداوندتعالیٰ شہنشاہِ مطلق ہے اسی طرح آپؐ اسکے رسُول مطلق ہیں۔ اب ہدایت و کامیابی کا نمونہ بجز آپؐ کی ذاتِ بابرکات کے اور کوئی نہیں بلکہ آپؐ کے جامع ترین اُسوہ کی پیروی کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہیں۔

حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت سے پہلے دُنیا اکثر و بیشتر مختلف حصّوں، خطّوں، قبیلوں اور قوموں میں بٹی ہُوئی تھی۔ ہر قبیلہ دوسرے قبیلے سے، ہر قوم دوسری اقوام سے، ہر شہر دُوسرے شہروں سے اور ہر مُلک دوسرے مُلکوں سے بالکل لاتعلّق تھا۔ ذرائع آمد و رفت محدُود تھے سامانِ رسل و رسائل کا فقدان تھا، ریل گاڑیوں اور ہوائی جہازوں سے دُنیا نا آشنا تھی۔ ٹیلی فون اور

ٹیلی گرام، ریڈیو و ٹیلیویژن کا نام و نشان تک نہ تھا۔ دُنیا کی کوئی مشترک زبان نہ تھی۔ قومیں قبیلوں میں اور قبیلے گروہوں میں تقسیم تھے۔ ایک گروہ دوسرے گروہ سے لاتعلق اور ناواقف ہوتا تھا ایک شہر کے رہنے والے دوسرے شہر کے رہنے والوں سے قطعاً بے خبر ہوتے تھے۔ چنانچہ ہر قوم اور ہر شہر کے لیے ایک وقت میں مختلف نبی ان کی رہنمائی کے لیے مبعوث ہوتے رہتے تاکہ مخلوقِ خداوندی ہدایت سے محروم نہ رہے۔

رحمتِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کے بعد چونکہ مادّی دُنیا میں ایجادات و انکشافات کا زمانہ شروع ہونے والا تھا۔ علم و حکمت اور انوار و برکات سے دُنیا مستفیض و مالامال ہونے والی تھی مہینوں کے راستے گھنٹوں اور سالوں کے راستے دِنوں میں طے ہونے والے تھے۔ دُنیا کے ایک سِرے کا پیغام دُوسرے سِرے تک منٹوں اور سیکنڈوں میں پہنچنے والا تھا اور مختلف حصّوں میں واقع دُنیا کو نئی ایجادات کے ذریعے اکائی میں تبدیل کیا جانے والا تھا۔ اس لیے اللہ ربّ العزّت نے رسُول بھی وہ مبعوث فرمایا جو ساری کائنات کے لیے مشعلِ ہدایت ہو اور ہر شخص خواہ وہ کسی حصّے، خطّے یا مُلک کا رہنے والا ہو اپنے اپنے حالات اور استعداد کے مطابق اکتسابِ فیض کر سکے اور ہدایت یاب ہو سکے۔

اس مقصد کے لیے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی کی ذاتِ اقدس منبعِ رُشد و ہدایت ہو سکتی ہے نیز ضرورت بھی ایسے ہی جامع صفات، کامل و اکمل نبی کی تھی تاکہ ہر فرد اس کی زندگی سے رہنمائی حاصل کر سکے تاکہ انسانیت فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی سے مالامال ہو سکے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی مقدّس سیرت سے رہنمائی حاصل کر سکے۔ نیز اچھے اخلاق، پاکیزہ اعمال کا جامع ترین نمونہ ہو اور سیاست، ریاضت، اقتصادیات کا کامل اُستاد ہو۔ تعلیم و تربیّت، علم و حکمت، عبادت اور تزکیہ جیسی تعلیمات کا حامل ہو۔ اس کی مقدّس درس گاہ و تربیّت گاہ کے دروازے ہر شخص پر اور ہر زمانے میں کھُلے رہیں اور اس کا فیضان عام ہو، اس کی تعلیم اس قدر سادہ اور جامع ہو کہ دیہاتی اور شہری، عالِم و جاہل، بادشاہ و گدا، جرنیل و سپاہی، معلّم و متعلّم، درویش و دُنیا دار ایک ہی وقت میں اپنی اپنی استعداد کے مطابق یکساں طور پر اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ مَرد و زن، بوڑھے اور بچے سب کے لیے اُسوۂ کامل کا نمونہ اپنے اندر رکھتا ہو۔

چنانچہ حق تعالیٰ نے حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو رہتی دُنیا تک جہاں تمام کائنات کی ہدایت

کے لیے مبعوث فرمایا وہاں آپؐ کے اُسوۂ حسنہ کو انسانیت کے لیے ایک جامع اور کامل و اکمل نمونہ بھی قرار دیا۔ بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی وہی ذاتِ مبارک و مسعود کر سکتی ہے جس میں مندرجہ ذیل خصوصیات پائی جاتی ہوں۔

(۱) سیرت محفوظ ہو

اس کی زندگی کا ہر ہر گوشہ، ہر حرکت و سکون بے نقاب اور اُجاگر ہو، اس کے نجی مجلسی معاملات سے لے کر نشست و برخواست تک ہر چیز واضح اور محفوظ ہو اور جب جیسی ضرورت ہو اس سے رہنمائی مل سکے۔

اِس حیثیت سے دیکھا جائے تو آپؐ کی زندگی ایک روشن اور کھلی ہوئی کتاب ہے۔ زندگی کا کوئی گوشہ نہیں جس پہ امتدادِ زمانہ کا اثر ہوا ہو، سیرت کا کوئی پہلو چھپا نہیں رہ گیا۔ صحابہ کرامؓ نے تو نبوت کے آفتابِ عالمتاب کی ایک ایک کرن کو تاریخِ عالم پہ اس طرح ثبت فرما دیا ہے کہ انوارِ نبوت کا ایک ایک گوشہ و کونہ احادیث و سند کی کسوٹی پر چھان پھٹک کر پرکھا اور دیکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً آپؐ کن کن کھانوں کو پسند فرماتے اور کس کس قسم کے لباس استعمال فرماتے۔ کن مجالس میں نشست و برخواست پسند فرماتے۔ کس کس مقام پہ کیا کیا ارشاد فرمایا؟ آپؐ کا مبارک اور مسعود سراپا کیا تھا؟ یہ اور اس سے کہیں زیادہ معلومات کتب احادیث و سیرت وغیرہ سے بآسانی معلوم کی جا سکتی ہیں۔ یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ کارخانۂ قدرت میں کوئی فردِ بشر بھی رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل کسی صورت بھی پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اسرائیلی نوشتوں میں لکھا ہے کہ ایک لاکھ تیئیس ہزار نو سو ننانوے انبیاء دُنیا میں تشریف لائے۔ ان کی زندگیوں کو رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل رکھا اور پرکھا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان واضح طور پر نمایاں اور ممتاز نظر آئے گی۔ اکثر انبیاء کرام کے تو اسماءِ مبارکہ بھی صحیح طور پر محفوظ نہیں اور جن کے نام قرآنِ پاک کے صدقے ہمیں میسر آ گئے۔ چونکہ قرآنِ حکیم نسلِ انسانیت کی ہدایت و اخروی نجات کا ضامن ہے۔ اس لیے سابق انبیاء اور ان کی اقوام کی تفصیلات اس کے موضوعات سے خارج ہیں۔ یہ فضیلت ہمارے جان سے پیارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بس کرتی ہے کہ ان کی پاکیزہ زندگی کا ایک ایک لمحہ اور ایک ایک فرسودہ محض کتب تاریخ کی

زینت ہی نہیں بلکہ انسانی دلوں اور دماغوں میں بھی محفوظ ہے۔

(۲) مرجع خلائق ہونا

اس مبارک صفت کے لحاظ سے ہمارے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم یکتائے روزگار ہیں، کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

کائنات حسن جب پھیلی تو لامحدود تھی
اور جب سمٹی تو تیرا نام ہو کر رہ گئی

خالق کردگار نے آپؐ کو اس قدر جامع صفات پیدا فرمایا کہ اولادِ آدمؑ کی جمیع حسنات آپؐ میں سمو دیں، جیسے ؎

حسنِ یوسفؑ، دمِ عیسیٰؑ، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

تو ان ہی ستودہ صفات کے باعث انسانیت مجبور ہو گئی کہ آپؐ ہی سے ہمہ جہت رہنمائی حاصل کرے۔ یہ بھی آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہمہ جہت اور پہلو دار شخصیت ہی کا کرشمہ ہے کہ اُن سے زندگی کے ہر پہلو کے لیے ہر فرد کو ہدایت حاصل ہو سکتی ہے۔ مثلاً ایک یتیم حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بچپنے اور یتیمی کی زندگی سے سبق لے سکتا ہے۔ رضاعی ماں کا حق حلیمہ سعدیہؓ سے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زندگی بھر کے برتاؤ سے واضح ہو جاتا ہے۔ اولاد کی پرورش و تربیت میں رہنمائی حاصل کرنے والا خاتونِ جنّت کے اباؐ کو دیکھے۔ بڑی عمر کی بیوی سے نباہ مانگنے والا حضرۃ خدیجۃ الکبریٰؓ کے خاوندؐ کو دیکھے۔ چھوٹی عمر کی بیوی سے کسی کو واسطہ پڑے تو عائشہ صدیقہؓ کے خاوندؐ کو دیکھے۔ جرنیل دشمن کی بے پناہ فوجوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے سپہ سالارِ مسلمین بدرؐ کو دیکھے اور مفتوح قوم سے سلوک کا سبق لینے والا فاتحِ مکّہؐ کو دیکھے۔ مصائب سے دوچار قیدی شعب ابی طالب کے اسیرؐ کو دیکھے، درسِ مساوات کا متمنّی جنگِ احزاب میں بھوک سے نڈھال پیٹ پر دو پتّھر باندھ کر کام کرنے والے ہمارے آقا و مولیٰؐ (فداہ ابی و امّی) کو دیکھے۔

تو یقیناً ان سب مواقع پر یا جیسا بھی کوئی اور موقع ہو۔ حبیبِ ربّ العالمین، سیّد المرسلین، خاتم النّبیّین، رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی رہنما نظر آئیں گے۔ پس یہی شانِ جامعیّت ہے،

جس کو دیکھ کر اپنے کیا غیر بھی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی کو جامع صفات اور کامل راہنما ماننے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

چونکہ کامل مُصلحِ انسانیّت وہی شخص ہو سکتا ہے جو سب سے زیادہ عمل کرنے والا بھی ہو اسی لیے دُنیا ہمارے آقا و مولیٰؐ کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے جیسا کہ جرنیل خود نہیں لڑتا صرف فوج کو لڑاتا ہے۔ مگر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم بنفسِ نفیس جب غزوہ میں شریک ہوتے اگلی صف میں سب سے آگے رہتے۔ تنگی و عُسرت کے وقت صحابہؓ نے ایک ایک پتّھر پیٹ پر باندھا تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بھی اس قدر تنگی اُٹھائی کہ دو پتّھر تک باندھنے کی نوبت آئی۔ عبادات فرائض کے علاوہ بھی کثرت سے بجا لاتے۔ جیسے رمضان کے علاوہ شعبان کے روزے۔ ساری ساری رات نوافل میں قیام کرنا۔ نمازوں میں تہجّد، اشراق، اوّابین وغیرہ کا اضافہ کر لینا وغیرہ وغیرہ۔

سو ایسی بے شمار مثالیں ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضور پُر نور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جو کرنے کا حکم دیا اُس سے کہیں زیادہ کر کے بھی دکھایا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مبارک و مسعود زندگی بنی نوع انسان کے لیے کامل، اکمل اور افضل ترین اُسوۂ حسنہ ہے۔

لہٰذا ہمیں اُس خالقِ انس و جان کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنا چاہیئے کہ جس نے ہمیں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اُمّت میں پیدا فرمایا ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

پس ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے آقا و مولیٰ ہادی و مُرشدؐ کی مکمّل تابعداری کرتے ہوئے اپنے آپ کو اور اپنے معاشرے کو دُکھی دُنیا کے لیے معاصی سے نجات کا نمونہ بنا کر پیش کریں اور اقوامِ عالم کو تبلیغ و حُسنِ اخلاق کے طفیل خدا کے دروازہ پر لا کھڑا کریں۔ کتاب و سُنّت کی روشنی میں اپنی زندگی و عقبیٰ کو کامیاب بنا کر اور سُرخرو ہو کر اللہ و نبیؐ کے حضور پیش ہوں۔ آمین یا الٰہ العالمین

(بشکریہ ریڈیو پاکستان لاہور)

اکلِ حلال کی اہمیّت

جانشینِ شیخ التفسیر حضرت مولانا عُبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲ دسمبر ۱۹۶۷ء سحری کے پروگرام میں ریڈیو پاکستان لاہور سے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الّذین اصطفیٰ : امّابعد فقد قال اللہ تعالیٰ فی القران المجید والفرقان الحمید اعوذ باللہ من الشّیطٰن الرّجیم بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (البقرہ ۱۸۸)

ترجمہ : اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔

انسان کی شرافت ونجابت کا دار و مدار اس کے اخلاق وعادات پر ہے۔ اخلاقِ عالیہ کی بدولت انسان دوسروں کی نگاہوں کا تارا بنتا ہے اور بد خلقی سے ذلیل وخوار ہوتا ہے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصدِ جلیل بھی مخلوق کے اخلاق کی درستی اور عادات واطوار کی تکمیل سیّد الانبیاء والمرسلین، خاتم النّبیّین، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم کے ذریعہ انجام دی گئی اور اخلاقِ حسنہ کو درجۂ کمال تک پہنچایا گیا۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ہے : اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ (مَیں اسی لیے مبعوث کیا گیا اور بھیجا گیا ہُوں کہ مَیں لوگوں کے اخلاق کو سنواروں) اسی لیے آپؐ مجسّمۂ اخلاق تھے اور آپؐ نے سیرت و کردار کا وہ بلند معیار دُنیا کے سامنے پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے کلامِ پاک میں آپؐ کی تعریف وتوصیف ان الفاظ میں ارشاد فرمائی ہے۔ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم۔۴) (بے شک آپؐ عظیم الشان اخلاق کے مالک ہیں) قرآنِ حکیم نہ صرف حُسنِ اخلاق ،

صفائی معاملات اور خالق و مخلوق دونوں کے حقوق کو بہ حسن و خوبی انجام دینے کی شدّومد سے تعلیم دیتا ہے بلکہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شخصیّت میں پیکرِ علم و عمل کا ایک کامل و اکمل اُسوہ اور نمونہ پیش کرتا ہے۔ ایک صحابی کے دریافت کرنے پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کَانَ خُلُقُہٗ قُرْاٰن (حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اخلاق قرآن کی تفسیر تھے) معلوم ہُوا کہ اخلاق کی درستگی اصل شرافت، نجابتِ انسانی اور ایمان کی نشانی ہے اور جس شخص کے اخلاق و عادات درست نہیں اُسے صحیح معنوں میں ایمان و اسلام کے دعوے کا حق نہیں۔ ارشادِ نبویؐ ہے اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا (ترمذی) (تم میں سے کامل ایمان والا وہ شخص ہے جو پاکیزہ اخلاق کا مالک ہے)

اخلاقِ رذیلہ سے نجات اور اخلاقِ حسنہ میں کمال نہیں میسّر آسکتا جب تک کہ انسان کا خورد و نوش اور حصولِ رزق شریعتِ الٰہیہ اور احکامِ قرآنیہ کے مطابق نہ ہو بلکہ دُنیا کا نظامِ امن و امان اور عدل و انصاف اسی پر قائم ہے۔ سرِعنوان تلاوت کردہ آیت میں اَکْلِ المالِ بالباطل یعنی ناجائز ذرائع سے ہتھیائی ہُوئی دولت سے منع کیا گیا ہے تو ناحق مال کھانے کی کئی صُورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً چوری، چکاری، ڈکیتی، لوٹ مار، قمار بازی، عصمت فروشی، گانے بجانے کی اُجرت، شراب کی قیمت، رشوت لینا دینا، جھُوٹی گواہی دینا، امانت میں خیانت کرنا، علیٰ ہٰذا القیاس۔ مذکورہ ناجائز ذرائع سے اگر حصُولِ دولت روا رکھا جائے تو دُنیا کا نظامِ امن و امان اور عدل و انصاف درہم برہم ہو کے رہ جائے اور عدل و انصاف کا فطری جذبہ اُمیدِ موہوم بن جائے۔ اسی لیے شریعت نے تمام اخلاق اور عبادات کے حُسن و خوبی کا دار و مدار رزقِ حلال کے اکتساب پر رکھا ہے۔ چنانچہ اولیائے کرام و صوفیائے عظام جو کچھ بھی مجاہدے اور ریاضتیں کرتے کراتے ہیں ان سب کا مقصد و منشا بھی یہی ہے کہ انسان کو ہر قسم کے عیوب اور رذائلِ اخلاق کی گندگیوں سے پاک و صاف کر کے خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ کیا جائے تاکہ نورِ معرفت سے سرشار ہو کر وہ بارگاہِ خداوندی کی حضُوری اور حاضری کے لائق ہو سکے اور اس کا صحیح اور احسن طریق یہ ہے کہ انسان اکلِ حلال اور صدقِ مقال کی پابندی کرے۔

معاش کا حاصل کرنا اور اپنی روزی آپ پیدا کرنا اپنی اور اپنے متعلّقین کی ضروریاتِ زندگی کو پُورا کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اسی لیے شریعتِ محمّدیہ میں رزقِ حلال و کسبِ معاش

کو حد درجہ اہمیت دی گئی ہے اور بے کاری کو جُرم قرار دیا گیا ہے اور معاش کے حلال اور جائز طریقوں کو عبادت قرار دیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا وجہ سوال کرنے کو بُرا منایا ہے اور ارشاد فرمایا اَلسُّؤَالُ ذِلٌّ (دستِ سوال دراز کرنا نہایت ذلیل حرکت ہے) آپ کا ارشاد ہے جو شخص حلال روزی کی جُستجو کرے تاکہ سوال کرنے سے محفوظ رہے اور اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریاتِ زندگی مہیا کرے، وہ شخص جب بارگاہِ خداوندِ عزّوجلّ میں پیش ہوگا تو اُس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا دمکتا ہوگا۔

اس ضمن میں حضرتِ انس رضی اللہ عنہ نے ایک عبرت انگیز واقعہ بیان کیا ہے۔ اُن کا فرمانا ہے کہ ایک مرتبہ ایک انصاری صحابی بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور اپنی بےبسی، تنگدستی اور غربت کا اظہار کیا تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بھائی تمھارے گھر میں کچھ بھی نہیں؟ اُس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! بس ایک ٹاٹ کا فرش ہے۔ شب باشی کے لیے آدھے کو بچھاتے اور آدھے کو اُوپر اوڑھتے ہیں اور صرف ایک پانی پینے کا پیالہ ہے۔ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دونوں میرے پاس لے آؤ۔ حضورؐ نے ان دونوں چیزوں کو دو درہم میں نیلام فرما دیا اور اس انصاری کو ارشاد فرمایا کہ ایک درہم کا کھانا دانہ لے لو اور دوسرے درہم کا کلہاڑا خرید کر میرے پاس لے آؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مُبارک سے اس میں لکڑی لگائی اور فرمایا جنگل سے لکڑیاں کاٹ لایا کرو اور پندرہ روز تک مجھے اپنی شکل نہ دکھانا۔ انصاری نے ایسا ہی کیا۔ جب پندرہ روز بعد دربارِ نبویؐ میں حاضر ہوا تو اس کے پاس دس درہم تھے جس سے کچھ کا کپڑا اور کچھ کا کھانا خرید لیا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ محنت و مشقت کے ساتھ روزی کمانا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ حشر کے روز ذلتِ سوال کی وجہ سے تیرے چہرے پر بدنما داغ ہو۔ (ابو داؤد)

نیز ارشادِ نبویؐ ہے کہ جنگل سے لکڑیوں کا گٹھا اُٹھا کر لانا اور اس پر گزر اوقات کرنا کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ (صحیحین) نیز ارشاد ہے کہ جو شخص شام کو تھک کر چُور ہو جائے، اُس کی مغفرت ہو چکی۔ (طبرانی) اسی لیے رزقِ حلال کی طلب کو جہاد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے۔ طَلَبُ الْحَلَالِ جِهَادٌ وَاِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُحْتَرِفَ (طلبِ رزقِ حلال جہاد ہے اور حق تعالیٰ کام کرنے والے بندہ کو پسند فرماتے ہیں) اپنے ہاتھ سے

کام کرنے والے شخص کو شریعتِ اسلامیہ نے نہایت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے. اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہ (اپنے ہاتھ سے کام کرنے والا اللہ کا دوست ہے) ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے. اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ دَرَجَۃً لَا یَنَالُھَا اِلَّا اَرْبَابُ الْھُمُوْمِ فِی طَلَبِ الْمَعِیْشَۃِ۔ (جنّت میں ایک مخصوص درجہ ہے جس تک رسائی اُنہی لوگوں کی ہو گی جو معاش کی جُستجو میں حیران اور پریشان رہتے ہیں.

بزرگانِ دین نے بیان کیا ہے کہ بہت سے ایسے گناہ ہیں جن کا کفّارہ صرف فکرِ معاش ہی سے ہو سکتا ہے. نیز ارشادِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم ہے کہ عبادت کے دس حصّے ہیں جن میں سے نَو کی ادائیگی صرف طلبِ رزقِ حلال سے ہوتی ہے.

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

(بشکریہ ریڈیو پاکستان)

⊙

شرم وحیاء

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ نے ریڈیو پاکستان لاہور کے پروگرام "جمہور دی آواز" میں پنجابی زبان میں مورخہ ۲۹ مارچ ۱۹۶۸ء شام پونے چھ بجے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی — اس کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے۔

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ، اما بعد
فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسانی اخلاق وعادات میں شرم وحیا بھی انسانیت کا عظیم ترین وصف ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے اور حیا فطرتِ انسانی کا خاصہ ہے۔ اسی لیے نہ صرف دینِ اسلام بلکہ دیگر مذاہب کے بانیان اور جس قدر مُصلح اور ریفارمر گزرے ہیں انھوں نے قدرِ مشترک کے طور پر نہ صرف یہ کہ خود اخلاقِ فاضلہ کو اپنی زندگی کا معمول بنایا بلکہ ساری زندگی انہی اخلاقِ فاضلہ اور عاداتِ پسندیدہ ہی کی دعوت دیتے رہے۔ شریعتِ اسلامی میں تو حیا کو ایمان کا اصلی جوہر قرار دیا گیا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری شخص کے پاس سے گزرے۔ وہ اُس کو زیادہ شرم کرنے پر سمجھا رہا تھا (کہ زیادہ شرم نہ کرنی چاہیئے) آپؐ نے فرمایا رہنے دو (اور اسے غلط نصیحت نہ کرو) کیونکہ شرم کرنا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ (متفق علیہ)

حیاء کی دو قسمیں ہیں۔ ایک خلقی، دوم کسبی۔ پہلی قسم پیدائشی اخلاق میں شمار ہے۔ اس میں انسان کے کسب واکتساب کو کچھ دخل نہیں ہوتا لیکن شرم وحیا چونکہ ایسی صفت کا نام ہے — جو بلند اخلاق کی متحرک ہوتی ہے اور رذیل اخلاق سے روکتی ہے۔ اس لحاظ سے اس فطری صفت کو بھی ایمان کا ایک جُز شمار کر لیا گیا ہے۔

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ شرم کا نتیجہ

بهتر ہی بہتر نکلتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے شرم و حیا تو سب ہی بہتر ہوتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

یہ صفت خلقۃً بھلی باتوں ہی کی متحرّک ہوتی ہے۔ دُوسری قسم وہ ہے جو بڑے ریاضات اور مجاہدات کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت، اُس کی عظمت و جلال، اُس کے بندوں سے قرب اور اُن کے احوال پر پُورے علم کے استحضار کا ثمرہ ہوتی ہے۔ یہ ایمان بلکہ مرتبہ احسان کا بھی اعلیٰ درجہ ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہؓ سے فرمایا، اللہ تعالیٰ سے ایسے شرماؤ جیسا اُس سے شرمانا چاہیئے، ہم نے عرض کیا یا رسُول اللہ! صلّی اللہ علیک وسلّم، خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم اُس سے شرماتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا یہ اصل شرمانا نہیں ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے دراصل شرماتا ہے اُسے چاہیئے کہ اپنے دماغ کو، اپنے گوش و چشم کو، اپنی زبان و دہن کو اور اپنے شکم و فرج کو تمام ناجائز باتوں سے محفوظ رکھے، موت اور اُس کے بعد اپنے جسم کی خستگی کو پیشِ نظر رکھے۔ جو آخرت کا اِرادہ کرلے اُسے لازم ہے کہ دُنیا کی زینت چھوڑ بیٹھے۔ جس نے یہ سب مراحل طے کرلیے اُسے سمجھو کہ اُس نے اللہ تعالیٰ سے شرمانے کا حق ادا کر دیا۔ (مسندِ احمد)

اِسلام میں احسان کا مرتبہ سب سے اہم مقصد ہے اور یہی ہر عبادت کی رُوح ہے۔ تمام عبادات اسی کیفیت کے پیدا کرنے کے لیے ہیں۔ اگر عبادت سے یہ تصور پیدا نہیں ہوتا تو سمجھ لو کہ اُس کی ادائیگی میں ضرور کوئی قصور رہ گیا ہے۔ اس حدیث کا مقصد بھی نسبتِ احسان کی تربیّت ہے۔ صحابہؓ نے آپؐ کے سوال کا جواب حیا کے عام مفہوم کے مطابق دے دیا تھا لیکن آپؐ نے سمجھایا کہ میرا مقصد یہاں احسان کا وہ مرتبہ نہیں جس پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کے انحراف سے شرم آنے لگتی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر وہ دائمی استحضار اور پُختہ تصوّر مُراد ہے جس کے بعد انسان کے جسم کا ایک ایک حصّہ اس کی فرمانبرداری کے لیے مضطرب اور اس کی معصیت سے لرزاں و ترساں نظر آنے لگتا ہے۔ قلب و دماغ میں شریعت کے خلاف سوچنے کی ہمّت نہیں رہتی، کانوں میں ناجائز امور کے سُننے، آنکھوں میں غیر محرموں کی طرف نظر کرنے اور زبان میں شریعت کے خلاف جُنبش کرنے کی طاقت نہیں رہتی۔ آخرت کا مقصد نظروں کے سامنے اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ دُنیا کی تمام عارضی زینت ایک لہو و لعب نظر آنے لگتی ہے۔ موت اور ما بعد الموت کے مناظر اس طرح پیشِ نظر

رہنے لگتے ہیں کہ متاعِ دُنیا سے کوئی لگاؤ نہیں رہتا جب نسبتِ احسان کے اثرات کا دائرہ اتنا قوی اور وسیع ہو جائے تو اب سمجھو کہ جتنا تم کو اس سے شرمانا چاہیئے تھا اب تم اتنا شرمانے لگے ہو۔

یہاں ایک عجیب و غریب واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ ایک مسافر نے اثنا سفر کئی روز کی بھوک پیاس سے بیتاب ہو کر قریب کی ندی سے بہتا ہوا سیب اُٹھا کر کھا لیا۔ کھانے کے بعد قدم آگے بڑھنے سے خود بخود رُک گئے اور وہیں سرِ راہ کھڑے ہو کر سوچنے لگا کہ خدا معلوم کس کا سیب تھا، کہاں سے بہتا ہُوا آیا تھا، مَیں نے بغیر اجازت کھا لیا، اب کس سے معاف کراؤں، کہاں جاؤں؟ اسی خیال میں متفکّر و پریشان چند منٹ سوچتا رہا، پھر کسی ارادے سے چل پڑا اور ہر راہگیر سے دریافت کرتا چلا جا رہا تھا کہ اس ندی میں ایک سیب بہہ رہا تھا، وہ کہاں سے آیا؟ کسی نے بتایا کہ فلاں دیہات میں ایک باغ ہے وہیں سے آیا ہوگا۔ وہ باغ ایک بیوہ کا ہے۔ سیب کی مالکہ کا پتہ چل جانے سے بہت خوش ہُوا کہ آخرت کی گرفت سے بچ سکوں گا۔

جب ضعیفہ کے مکان پر پہنچا اور اپنا حال بتا کر معافی مانگی تو ضعیفہ پر سکتہ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ چند منٹ کھڑی سوچتی رہی اس کے بعد کہا کہ مَیں ضرور معاف کر دوں گی مگر ایک شرط کے ساتھ۔ مسافر نے دریافت کیا کہ وہ شرط کیا ہے؟ ضعیفہ نے کہا کہ میری ایک یتیم بچّی ہے اُس کے ساتھ عقد کر لو تو مَیں سیب معاف کر دوں گی۔

اس انوکھی شرط کے لیے یہ مسافر تیار نہ تھا، اس لیے چند منٹ غور کرنے کے بعد اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ اس کے بعد ضعیفہ نے کہا کہ پہلے میری بچّی کی حالت سُن لو، اس کے بعد فیصلہ کرو۔ مسافر ہمہ تن گوش اس لڑکی کا حال سُننے لگا۔

ضعیفہ نے کہا میری لڑکی اندھی ہے، بہری ہے، گونگی ہے، لُولی ہے، لنگڑی ہے، خوب سوچ سمجھ لو اور پھر جواب دو کہ ایسی لڑکی تم کو پسند ہے؟

یہ سُن کر مسافر کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور پسینہ آگیا۔ عجیب کشمکش میں مُبتلا ہو گیا۔ کچھ دیر عالمِ اضطراب میں غرق رہنے کے بعد آخری فیصلہ کر لیا کہ آخرت کے عذاب سے دُنیا کا عذاب آسان اور بہتر ہے۔ یہ سوچ کر اپنی رضامندی ظاہر کر دی۔

ضعیفہ کی خوشی کا ٹھکانا نہ تھا، خدا کا شکر ادا کیا کہ جیسے لڑکے کی مجھے تلاش تھی جس کے لیے عرصہ سے مجھے فکر تھی، خدا ہی کے بھروسے پر تھی، اس نے اپنی قدرت سے سبب کے بہانے سے

اس کو یہاں پہنچا دیا۔

عقد کے بعد جب اُس بزرگ مسافر نے اپنی بیوی کو دیکھا تو حیرت و استعجاب کی انتہا نہ رہی کہ جیسے ماں کی زبانی سُنا تھا، اس کے بالکل برعکس پایا۔ حُسنِ صورت سے حُسنِ سیرت بھی ظاہر تھا، عِفّت، عصمت، حیا، نیکی، شرافت دُلہن کے حُسنِ ظاہری کو بھی دوبالا کر رہی تھی۔ بیوی کو دیکھ کر ضعیفہ سے اس عجیب تعریف کی وجہ دریافت کی۔ تب اُس نے کہا:

"بیٹا! جو کچھ میں نے کہا سچ کہا۔ تم کو سُن کر تعجب ہو گا، وہ یہ کہ میری بچّی نے کبھی کوئی ایسا کام نہیں دیکھا جس سے آنکھ گنہگار ہوتی، اس لیے بُرے کاموں سے آنکھ اندھی ہے۔ کانوں سے کبھی کوئی ایسی بات نہیں سُنی جس سے کان گنہگار ہوتے، اس لیے بُری باتوں سے کان بہرے ہیں۔ زبان سے کبھی کوئی ایسا لفظ نہیں بولی جس سے زبان گنہگار ہوتی، اس لیے بُری باتوں سے زبان گونگی ہے۔ ہاتھوں سے کبھی کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے ہاتھ گنہگار ہوتے، اس لیے بُرے کاموں سے ہاتھ لُولے ہیں۔ پیروں سے کبھی ایسے قدم نہیں چلی جس سے پیر گنہگار ہوتے اس لیے بُرے کاموں سے لنگڑی ہے۔"

اتنا کہہ کر ضعیفہ خاموش ہو گئی۔ تب اس بزرگ مسافر نے سجدۂ شکر ادا کیا کہ جیسی بیوی کی تلاش تھی، اُس سے بہتر خدا نے بخش دی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے:

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ (النور-۲۶)

ترجمہ: ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے ہیں اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے ہیں اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ہیں۔

ماں کو خدا تعالیٰ کے فرمان پر پورا یقین اور بھروسہ تھا کہ جیسی میری لڑکی ہے ویسا اس کے لیے شوہر عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا، وہ میری محنت بھی ضائع نہ کرے گا۔

اب آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ میاں بیوی کون تھے؟ امامِ زمانہ حضرت ابُوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے والدین تھے جن کے علم سے ساری دُنیا سیراب ہو رہی ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ سیراب ہوتی رہے گی۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا حیا و شرم ایمان

سے پیدا ہوتی ہے اور ایمان کا نتیجہ جنّت ہے اور بے حیائی و فحش کلامی درشتی فطرت سے ناشی ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ دوزخ ہے۔ (احمد، ترمذی)

حق تعالیٰ نے خواہشاتِ نفسانی کے روکنے کے لیے شرم وحیا کی نعمت سے کسی کو محروم نہیں رکھا تاکہ وہ اس کو بروئے کار لاکر دوسروں کی نظروں میں ذلیل ہونے سے بچے، نیک بختی اور پاک دامنی کی حفاظت کرے اس لیے تکمیلِ ایمان کے لیے اس رُوحانی قوّت سے فائدہ اُٹھانا بھی ہر مسلمان کے لیے بہت ضروری ہے۔

گو ہماری کوئی حالت اس علیم و بصیر سے چھُپی ہوتی نہیں ہے مگر ادب کا تقاضا یہ ہے کہ سب سے پہلے انسان اپنے مالک و مربّی سے شرم کرے، اُس کی نعمتوں کی ناشکری نہ کرے ــــ اُس کی آیات کا مذاق نہ اُڑائے۔ جس طرح بعض گناہ لوگوں سے چھُپا کر کرتا ہے اِسی طرح اُس حاضر و غائب سے بھی ہر ظاہری یا باطنی گناہ چھُپائے کیونکہ وہ تمھیں قریب سے ہی دیکھ رہا ہوتا ہے اُس کی حاضری کے استحضار کے ساتھ اُس کی پیشی کا بھی خوف رکھے کہ ایک دن اس کے رُو برُو پیش ہونا ہے اور اُس وقت سب نافرمانیاں سامنے لائی جائیں گی تو کیا حشر ہوگا۔

اپنے شفیق و مہربان رسُول (صلّی اللہ علیہ وسلّم) سے بھی شرم کرے جن کے رُو برُو ہر جمعرات کو اُمّت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ جب اُن کی نظر ہماری بد اعمالیوں پر پڑتی ہوگی تو انھیں کتنا صدمہ ہوتا ہوگا۔ پھر جس وقت وہ قیامت کے دن شفاعت کے لیے تشریف لائیں گے تو انھیں کیا مُنہ دکھلائیں گے اور خود اس پیکرِ حیا کو ایسے حالات میں ہماری شفاعت کرنے میں حق تعالےٰ سے کتنی شرم آئے گی۔ اس لیے جس طرح اُن پر درُود و سلام بھیجنے میں سبقت کرنا ضروری ہے اسی طرح اُن سے شرم وحیا بھی ضروری ہے۔ نبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے شرم یہ ہے کہ ان کے ارشادات کو اپنے اعمال کے اندر جاری و ساری کر کے اُن کی محبّت کا ثبوت دے، اُن کی سنّت قائم رکھے اور اپنی بدکرداریوں سے اُن کے خلقِ عظیم کی بے ادبی کا سبب نہ بنے۔ اپنے محافظوں یعنی فرشتوں سے بھی شرم کرے جو ہر وقت انسان کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے رہتے ہیں۔ اس لیے حالتِ غسل میں بالکل ننگا نہ ہو جائے اور رفعِ حاجت کے وقت کسی سے بات نہ کرے۔ بُرائیوں اور گناہوں سے اجتناب کر کے اپنے اشرف المخلوقات ہونے کا ثبوت دے اور ان کی نظروں میں اپنی فضیلت بڑھائے۔ اپنے قرابت داروں سے بھی شرم کرے۔ اُن کے سامنے کوئی ایسی بات یا فعل نہ کرے

جس سے ان کو صدمہ پہنچنے کا احتمال ہو یا اُن کو ناگوار گزرنے کا امکان ہو۔ اپنے ہم جلسوں سے بھی شرم کرے اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جو اُن کے نزدیک ناپسندیدہ ہو۔

اسلام نے ہر اس بُرائی کے انسداد کا اہتمام کیا ہے جس کے ذریعے کسی نہ کسی فتنہ کے پھیلنے کا امکان ہو۔ نظرِ بد بھی بدکاری و بے حیائی کی چابی ہے جس سے زنا کا دروازہ کھلتا ہے اسی لیے حق تعالیٰ نے سب سے پہلے ایسی نظروں کی حفاظت کا سامان فرمایا ہے کہ انسان شدید ضرورت کے بغیر اِدھر اُدھر نہ دیکھے، نظریں نیچی رکھے تاکہ دانستہ یا نادانستہ کسی پر کوئی غلط انداز نظر پڑ کر اُس کے خرمنِ سکون کو نہ جلا دے اور اگر ایک دفعہ کوئی ایسی نظر کسی عورت پر پڑ جائے تو دوسری نظر سے اُسے ہرگز نہ دیکھے کہ مرتکبِ گناہ ہوگا۔ اسی طرح عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ مَردوں پر نظر نہ ڈالیں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے عورت کو نابیناؤں سے بھی پردہ کرنے کی تعلیم فرمائی ہے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم جس طرح تدریجاً ۲۳ سال کی مُدّت میں مکمّل طور پر نازل ہُوا اور جُوں جُوں احکام نازل ہوتے گئے مسلمان اُن پر عمل پیرا ہوتے گئے۔ سورۂ نُور میں پردے کے احکام نازل ہُوئے تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُمّہات المؤمنین اور تمام مسلمان خواتین کو غیر محرموں سے پردہ کا حکم دے دیا۔ ایک دفعہ ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ ابنِ مکتوم آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اندرونِ خانہ تشریف لے آئے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے گھر والوں کو اُن سے پردہ کرنے کا حکم دیا۔ اُن میں سے بعض نے کہا "یا رسُول اللہ! اس نابینا سے ہم پردہ کس لیے کریں اسے تو کچھ نظر ہی نہیں آتا۔" اس کے جواب میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "بے شک اسے تو نظر نہیں آتا لیکن تمھیں تو نظر آتا ہے۔" سو اسلامی پردہ یک طرفہ نہیں دو طرفہ ہونا چاہیے۔ اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام نے ایک فتنہ کو روکنے کا کتنا مہتم بالشّان اہتمام فرمایا ہے۔ مَرد کو لازم ہے کہ اپنے ستر کا پردہ کرے یعنی زیرِ ناف سے گھٹنوں تک کے حصّہ کو پردہ میں رکھے اور ایسا کوئی لباس نہ پہنے جس سے یہ حصّہ نظر آئے۔ اسی طرح عورت پر لازم ہے کہ وہ بھی اپنے سَتر کو چُھپا کر رکھے یعنی ناف سے زانو تک کا حصّہ دوسری عورت کو بھی نہ دِکھائے اور غیر محرم سے اپنا سارا بدن چُھپائے۔ اپنے حُسن و جمال کی نمائش کے لیے گھر سے باہر نہ نکلے بلکہ اپنے آپ کو فتنہ پردازوں سے بچانے کے لیے گھر کی چار دیواری میں محفوظ رکھے۔ اگر باہر کے کسی آدمی سے بامرِ مجبوری کوئی بات کرنی پڑے تو اُس وقت بھی احتیاط سے کام لے اور نزاکت سے نہ بولے تاکہ اس کا نرم اور

دلکش لب ولہجہ کسی بد باطن کو اُس کی طرف متوجّہ نہ کر دے اس لیے ایسے وقت کسی قدر خشونت اور رُوکھا پن دکھائے۔

قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ (النور ۳۰)

ترجمہ: ایمان والوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہ نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کو بھی محفوظ رکھیں۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ (النور ۳۱)

ترجمہ: اور ایمان والیوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں۔

قرآنِ حکیم میں یہ بھی ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ (النور ۱۹)

ترجمہ: بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمانداروں میں بدکاری کا چرچا ہو اُن کے لیے دُنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

ایک مشہور فلسفی فیثا غورث کا قول ہے کہ صنفِ نازک کی عزّت اور عصمت کا حقیقی محافظ اور سچّا پاسبان اگر کوئی مذہب ہے تو اسلام اور صرف اسلام ہے۔ ہمارے پاک اور سچّے مذہب نے اگر ایک طرف عورتوں کو شرم و حیا کی شدّت کے ساتھ ہدایت کی ہے تو دوسری طرف مردوں کو بھی اُن کی انتہائی عزّت و تکریم کا حکم دیا ہے کہ وہ اجنبی عورتوں کی طرف نگاہ اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ چنانچہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص کسی اجنبی عورت کی طرف بہ نظرِ شہوت دیکھے گا، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کی آنکھوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالے گا۔

رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے معراج کی رات دیکھا کہ آگ کا ایک تنُور ہے۔ اُس میں ننگے مرد اور ننگی عورتیں جل رہی ہیں۔ اس تنُور میں اُبال آتا ہے تو وہ اُوپر آجاتے ہیں۔ جب تنُور کے مُنہ کے قریب آتے ہیں تو پھر اُبال نیچے چلا جاتا ہے۔ آپؐ نے پُوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ فرشتے نے عرض کیا یہ زناکار ہیں۔

حضرت ابُوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پاک اور پردہ نشین

دوشیزہ سے بھی زیادہ باحیا اور شرمیلے تھے۔ سو جب ہم کسی چیز کے متعلق خیال کرتے کہ آپؐ اسکو ناگوار محسوس کر رہے ہیں تو اس کے آثار آپؐ کے چہرۂ مبارک پر پہچان لیتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابنِ مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا پہلی نبوّتوں کی جو صحیح اور غیر منسوخ باتیں لوگوں تک پہنچی ہیں اُن میں ایک متّفق علیہ بات یہ ہے کہ جب شرم و غیرت باقی نہ رہے تو پھر جو تمہارا جی چاہے کرتے رہو۔ (بخاری)

بے حیا باش و ہرچہ خواہی کُن

ایک خاتون جس کا نام امِّ خلّاد تھا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں اپنے بیٹے کا، جو قتل ہو چکا تھا، انجام دریافت کرنے آئیں اور وہ نقاب پہنے ہُوئے تھیں۔ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ایک صحابی نے اُن کی اس استقامت پر تعجّب کرتے ہُوئے کہا نقاب پہن کے آپ بیٹے کا حال دریافت کرنے آئی ہیں؟ (یعنی یہ موقعہ تو گریبان چاک کرنے اور پیٹنے کا ہے) انھوں نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میرا بیٹا مرا ہے، میری حیا نہیں مری ہے۔ اس کے بعد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کو تسلّی دی کہ تمہارے بیٹے کو دو شہیدوں کا اجر ملے گا۔ انھوں نے پُوچھا ایسا کیوں ہوگا؟ یارسُول اللہ! آپؐ نے فرمایا اس لیے کہ اس کو اہلِ کتاب نے قتل کیا ہے۔ (ابو داوٗد)

حضرت زید بن طلحہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہر دین کا ایک نہ ایک اخلاق ممتاز ہوتا ہے۔ ہمارے دین کا ممتاز اخلاق شرم کرنا ہے۔ (مالک)

حضرت ابنِ عمرؓ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ حیا اور ایمان دونوں ایک دُوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں۔ جب ان میں ایک اُٹھا لیا جاتا ہے تو دُوسرا بھی اُٹھا لیا جاتا ہے اور ابنِ عباسؓ کی روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ جب ان میں سے ایک چھین لیا جاتا ہے تو دُوسرا بھی اُس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو جاتا ہے۔ (شعب الایمان)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا فحش اور بے حیائی جس چیز میں بھی پیدا ہو جائے اُسے عیب دار اور بدنُما کر دیتی ہے اور شرم و حیا جس چیز میں پیدا ہو جائے اُسے خوشنما بنا دیتی ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابنِ عمرؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرما لیتا ہے تو پہلے اس سے حیا و شرم چھین لیتا ہے۔ جب اس میں شرم و غیرت نہیں رہتی تو وہ لوگوں کی نظروں

میں حقیر اور مبغوض بن جاتا ہے۔ جب اس کی حالت اس نوبت کو پہنچ جاتی ہے تو پھر اُس سے امانت کی صفت بھی چھین لی جاتی ہے۔ جب اس میں امانت داری نہیں رہتی تو وہ خیانت در خیانت میں مبتلا ہونے لگتا ہے۔ اس کے بعد اُس سے صفتِ رحمت اُٹھالی جاتی ہے۔ پھر تو وہ پھٹکارا ہوا مارا مارا پھرنے لگتا ہے۔ جب تم اس کو اس طرح مارا مارا پھرتا دیکھو تو وہ وقت قریب آجاتا ہے کہ اب اس سے رشتۂ اسلام ہی چھین لیا جائے۔ (ابن ماجہ)

دُعا: اللہ تعالیٰ ہم سب کو شرم و حیا نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

(بشکریہ ریڈیو پاکستان لاہور)

○

انفاق فی سبیل اللہ

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ نے مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۶۸ء بروز جمعہ ریڈیو پاکستان لاہور کے پروگرام "جمہور دی آواز" میں "انفاق فی سبیل اللہ" کے عنوان پر پنجابی زبان میں تقریر فرمائی، اُس کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے

○

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:

انفاق فی سبیل اللہ کے لفظی معنیٰ ہیں خدا کی راہ میں مال خرچ کرنا۔ اللہ ربّ العزت کے کلامِ مقدس اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی احادیث میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب اور اس کے فضائل اس کثرت سے آتے ہیں کہ ان کی حد نہیں۔ ان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پیسہ پاس رکھنے کی چیز ہے ہی نہیں۔ یہ پیدا ہی اس لیے ہُوا کہ اس کو اللہ کے راستے میں خرچ کیا جائے۔ چنانچہ ارشادِ ربّانی ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَ لَا خُلَّةٌ وَّ لَا شَفَاعَةٌ. (پ۳ س البقرہ آیت نمبر ۲۵۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! خرچ کرو اُس میں سے جو ہم نے تم کو روزی دی پہلے اُس دن کے آنے سے کہ جس میں نہ خرید و فروخت ہے اور نہ آشنائی اور نہ سفارش۔ یعنی عمل کا وقت ابھی ہے آخرت میں تو نہ عمل بکتے ہیں نہ کوئی آشنائی سے دیتا ہے نہ کوئی سفارش سے چھڑا سکتا ہے جب تک پکڑنے والا نہ چھوڑے۔

مُسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ زر و دولت کو مقصودِ حیات نہ بنائے بلکہ حقیقی مقصدِ حیات یعنی سربلندیٔ دین اور رضائے الٰہی کا معین بنائے اُس کی رضا و منشا کے مطابق اُسے خرچ کرے ورنہ اسے اپنے لیے وبالِ جان سمجھے۔ اپنے نفس کی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ

یتیموں، بیواؤں، محتاجوں، مسکینوں کی مدد کرے۔ جو کچھ بھی اللہ نے دے رکھا ہے اُس میں سے بہترین چیز اس کے نام پر اس کے مستحق بندوں میں بطورِ خیرات وصدقات تقسیم کرے جس کا اللہ ربّ العزت سات سو گنا تک اجر وثواب عطا فرمائیں گے۔ اگر بوجہ مُفلسی یا تنگدستی کچھ بھی نہ دے سکے تو جس چیز کی طاقت ہو وہ تو اللہ کی راہ میں خرچ کرے جیسے بقول امام غزالیؒ بیمار کی خبر لینا، جنازہ کے ساتھ جانا، حاجت کے وقت محتاج کی مدد کرنا یعنی کسی مزدور کا بوجھ اٹھا لینا سہارا لگا دینا، سعی وسفارش سے کسی کا کام نکلوا دینا، نیک بات کہنا، ہمت بندھانا، تسلّی اور ڈھارس دینا وغیرہ۔

حضرت ابُو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں اے بیٹے آدمؑ کے تُو نیک کام میں خرچ کر، مَیں تجھ پر خرچ کروں گا۔ (بخاری ومُسلم)

حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اپنی حیات میں ایک درہم خیرات کرنا مرنے کے وقت سو درہم خیرات کرنے سے بہتر ہے۔ (ابو داوٗد)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا سات چیزیں ہیں جن کا ثواب انسان کے مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے:

(۱) جس نے علمِ دین سکھلایا (۲) نہر کھُدوائی (۳) کنواں کھُدوایا (۴) کوئی درخت لگوایا (۵) کوئی مسجد بنوائی (۶) کوئی قرآن چھوڑ گیا (۷) کوئی اولاد چھوڑی جو اُس کے لیے مرنے کے بعد بخشش کی دُعا کرے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کس کو اس کے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ پسند ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسُول اللہؐ! ہم میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں مگر اس کا اپنا مال اس کو زیادہ پسند ہے۔ آپؐ نے فرمایا تو اس کا مال وہ ہے جو اس نے آگے بھیج دیا اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جو اس نے پیچھے چھوڑ دیا۔ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ صبح کو جب بندے اُٹھتے ہیں تو دو فرشتے آسمان سے اُترتے ہیں۔ ایک کہتا ہے اے اللہ! خرچ کرنے والے سخی کو بدل عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے اے اللہ! کنجوس روکنے والے کو جلد

نقصان دے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی ایسی زمین کے اندر جا رہا تھا جس میں پانی کا نام و نشان ہی نہیں تھا کہ اس نے بادل میں سے ایک آواز سُنی کہ فلاں شخص کے باغ کو سیراب کر۔ پھر وہ بادل ایک جانب کو بڑھا اور ایک پتھریلی زمین پر پانی برسایا۔ وہ پانی چھوٹی چھوٹی نالیوں میں سے ایک بڑے نلے میں پڑا اور اس پانی نے تمام باغ کو گھیر لیا۔ وہ آدمی پانی کے پیچھے چلا۔ ایک آدمی اپنے باغ میں کھڑا تھا اور پانی کو اپنے بیلچے سے پھیلا رہا تھا۔ اس شخص نے اس سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے بندے تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا نام فلاں ہے۔ وہی نام بتایا جو اُس نے بادل کے اندر سے سُنا تھا۔ باغ والے نے کہا اے اللہ کے بندے! میرا نام کیوں پُوچھتا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ جس بادل کا یہ پانی ہے میں نے اس میں سے آواز سُنی تھی اور وہ آواز یہ تھی کہ فلاں کے باغ کو سیراب کر۔ بتا تُو اپنے باغ میں ایسا کون سا عمل کرتا ہے جو اللہ ربّ العالمین کو اس قدر پسند ہے؟ اس شخص نے جواب دیا میرے باغ میں سے جو پیداوار نکلتی ہے اس کے تین حصّے کرتا ہُوں۔ ایک حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہُوں، ایک حصّہ اپنے بال بچوں میں خرچ کرتا ہُوں اور ایک حصّہ پھر اسی باغ میں لگا دیتا ہُوں۔

جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے پہلُوتہی کرتے ہیں اُن کے متعلق ارشادِ ربّانی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۔ (پ۱۰ س التوبہ آیت ۳۴، ۳۵)

ترجمہ: اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر رکھتے ہیں اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ پس اُنھیں درد دینے والے عذاب کی خوشخبری دے۔ جس دن اس سونے اور چاندی کو آگ میں گرم کیا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغ دیے جائینگے اور اُن سے کہا جائے گا یہ وہ چیز ہے جسے تم نے اپنی جانوں کے لیے جمع کیا تھا۔ پس جس کو تم جمع کیا کرتے تھے اُس کا مزا چکھو۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تمہارا خزانہ (جسکی

زکوٰۃ نہ ادا کی گئی ہو) قیامت کے دن ایک گنجا سانپ ہو گا۔ خزانے کا مالک اُس سے بھاگے گا اور وہ اُسے پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے دوڑے گا یہاں تک کہ وہ مالک اپنی انگلیاں اس کے مُنہ میں (چبانے کے لیے) دے گا۔

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ صدقہ بُرائی کے ستّر دروازے بند کرتا ہے، عُمر کو بڑھاتا ہے، بُری موت کو دُور کرتا ہے اور تکبّر اور فخر کو ہٹاتا ہے۔ حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ مجھ سے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ خوب خرچ کیا کر اور گِن گِن کر مت رکھ، کہ اللہ جلّ شانہ تجھے بھی گِن کر عطا کرے گا اور جمع کر کے مت رکھ کہ اللہ جلّ شانہ تجھ سے بھی جمع کر کے رکھنے لگے گا۔ عطا کر جتنا تجھ سے ہو سکے۔ نیز حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے کہ اگر کوئی بلا یا مُصیبت آنے والی ہوتی ہے تو وہ صدقہ کی وجہ سے پیچھے رہ جاتی ہے۔ صدقہ قبر کی گرمی کو زائل کرتا ہے اور آدمی قیامت کے دن اپنے صدقہ کے سائے میں ہو گا۔

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ بندہ کہتا ہے میرا مال، میرا مال۔ اس کے سوا دُوسری بات نہیں ہے کہ اس کا مال وہ ہے جو کھا کر ختم کر دیا یا پہن کر پُرانا کر دیا یا اللہ کے راستے میں خرچ کر کے اپنے لیے ذخیرہ بنا لیا اور اس کے علاوہ جو رہ گیا وہ جانے والی چیز ہے جس کو وہ لوگوں کے لیے چھوڑ کر چلا جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا۔ اتّفاقاً اُس زمانے میں میرے پاس کچھ مال موجود تھا۔ مَیں نے سوچا آج اِتّفاق سے میرے پاس مال موجود ہے اگر مَیں ابوبکرؓ سے کبھی بھی بڑھ سکتا ہُوں تو آج بڑھ جاؤں۔ یہ سوچ کر مَیں خوشی خوشی گھر گیا اور جو کچھ بھی گھر میں رکھا تھا اُس میں سے آدھا لے آیا۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پُوچھا گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ مَیں نے عرض کیا کہ چھوڑ آیا۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ آخر کیا چھوڑا؟ مَیں نے عرض کیا آدھا چھوڑ آیا۔ اتنے میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کچھ گھر میں تھا سب لے آئے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، ابوبکر! گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ انھوں نے عرض کیا ان کے لیے اللہ اور اسکے رسُولؐ کی محبّت چھوڑ آیا یعنی اللہ اور اس کے رسُولِ پاکؐ کے نام کی برکت اور ان کی رضا اور خوشنودی کو چھوڑ آیا ہُوں۔

دُعا: اللہ تعالیٰ ہم سب کو دل کھول کر انفاق فی سبیل اللہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(بشکریہ ریڈیو پاکستان لاہور)

تقویٰ

حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل تقریر ۹ دسمبر ۱۹۶۸ء
بوقت سحری ریڈیو پاکستان لاہور کے خاص پروگرام میں نشر کرنے کے لیے
لکھی تھی لیکن بوجہ بروقت علالت آپ یہ تقریر ریڈیو سے تو نشر نہ فرما سکے
تاہم اسے نشریات ہی میں شمار کیا جاتا ہے

○

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الّذین اصطفیٰ امّا بعد۔
فاعوذ باللہ من الشّیطٰن الرّجیم۔ بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم۔
یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ
عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔

ترجمہ: اسے ایمان والو! روزے تم پر فرض کیے گئے ہیں جس طرح ان لوگوں پر فرض گئے تھے جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔

صیام جمع ہے صوم کی۔ صوم یا روزہ اصطلاحِ شریعت میں طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک اپنے آپ کو کھانے پینے اور عملِ زوجیّت سے روکے رکھنے کا نام ہے۔ احادیثِ مقدسہ میں سخت تاکید آئی ہے کہ انسان روزے کی حالت میں غیبت، فحش اور بد کلامی وغیرہ تمام گناہوں سے بچے۔ روزے سے محض فاقہ مقصود نہیں کیونکہ فاقہ کرنا اور اپنے جسم کو تکلیف اور مشقت میں ڈالنا کوئی نیکی اور بھلائی یا پاکی نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود نفسِ انسانی کی اصلاح و تہذیب ہے روزہ رکھنے سے انسان میں پرہیزگاری، نیکی اور تقویٰ کی صلاحیّت پیدا ہوتی ہے، اور نفسانی خواہشوں کو قابو میں رکھنے کا ڈھنگ آجاتا ہے۔ روزہ تعمیلِ ارشادِ خداوندی میں تزکیۂ نفس اور تربیّتِ جسم دونوں کا ایک بہترین دستور العمل ہے۔ اشخاص کے انفرادی اور اُمّت کے اجتماعی ہر دو نقطۂ نظر سے لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ کے ارشاد سے اسلامی روزے کی اصل غرض و غایت

کی صراحت ہو جاتی ہے۔

تقویٰ کے معنی ہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کی ناپسندیدہ چیزوں سے بچنا اور لغوی معنیٰ ہیں الوقی والوقایہ نگہداشتن۔ عام طور پر متقی اور پرہیزگار اسے کہا جاتا ہے جس کے زندگی گزارنے کے کچھ اصول ہوں، جو بُری باتوں سے بچتا ہو۔ اسلامی عبادات، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کا اوّلین مقصد تزکیۂ نفس اور تربیتِ اخلاق اور تقویٰ ہے۔ نفس کی پاکیزگی کے لیے یہ ضروری ہے کہ کوئی ایسا دستور العمل مرتّب کیا جائے جس سے اسلامی معاشرہ قائم کرنے میں آسانی ہو اور ہر فرد کو اپنے نقائص دُور کرنے، اعلیٰ اخلاق اور محاسن پیدا کرنے میں مدد ملے۔ چنانچہ رمضان کا پُورا مہینہ دن کو روزہ اور رات کو نمازِ تراویح کے اندر محض رضائے الٰہی کے پیشِ نظر قرآن کریم کی تلاوت سُننے اور اس کے معنی و مطالب میں غور و فکر کرنے سے نہ صرف یہ کہ رضائے الٰہی اور رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے بلکہ اس تربیّت سے انسان میں اوامر پر عمل آسان اور نواہی سے بچنے کی بھرپُور صلاحیّت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں انسان کے لیے ہر قسم کی رُوحانی بدبختیوں اور مادّی جرائم دونوں کی اصلاح کا واحد ذریعہ بن جاتا ہے کیونکہ کوئی شخص اُس وقت تک متّقی نہیں بن سکتا جب تک کہ اپنی خواہشات پر قابو نہ پالے۔ حرکاتِ ذمیمہ اور سفلی جذبات کے تلاطم سے سفینۂ حیات کو بچا کر نہ لے جائے۔

روزہ کا انفرادی اثر بلاشبہ روزہ دار پر پڑتا ہے۔ وہ تمام افعالِ قبیحہ اور اخلاقِ رذیلہ سے خود کو محفوظ رکھتا ہے۔ مختصراً یہ کہ اسلام نے انسان پر جن جن مفاسد و مضرّات سے بچنے کے لیے دیگر عبادات کے ساتھ ساتھ روزے سال میں کامل ایک ماہ محض اس واسطے لازمی کیے کہ انسان اپنی اُن خواہشات کا محض غلام بن کے نہ رہ جائے۔ باوجود اس کے غذا حیاتِ مُستعار کی بقا اور تحفّظ کے لیے لازمی اور لابُدی ہے۔ ایسے ہی استراحت و آرام جو مسلسل محنت اور مشقّت کے بعد فطرتِ انسانی کے لیے ضروری ہے بلکہ جنسی خواہشات کی جائز تکمیل تقاضائے فطرت ہے لیکن ان سب چیزوں کے لیے کچھ حدُود و قیود اور شرعی پابندیاں اُسی خالقِ کائنات نے ہمارے لیے تجویز فرمائی ہیں لیکن اِن سے انتفاع کے لیے کچھ اوقات مخصُوص کر دیے۔ اگر انسان اُنھیں پیشِ نظر نہ رکھے تو انسان اور دیگر حیوانات میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا بلکہ اپنی خواہشات کا جانوروں کی طرح غلام محض بن کے رہ جاتا کیونکہ جانوروں کے لیے یہ ضوابط نہیں ہیں بلکہ جب کوئی کھانے پینے

کی چیز نظر پڑی تو بے روک ٹوک کھا پی لیا۔ ایسے ہی اُن کی دیگر خواہشات کی تکمیل کے لیے کسی ضابطے وغیرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بر خلاف اس کے اِنسان کو ان سب معاملات میں اسی طرح محتاج و ضرورت مند ہوتے ہوئے بھی بعض قاعدوں ضابطوں پر عمل کرنے کے لیے مکلّف اور پابند کیا گیا ہے۔ اگر اس منشائے فطرت اور ضابطہ شریعت میں ذرا بھی ڈھیل دے دی جائے تو انسان اور دیگر حیوانات میں فرق باقی نہیں رہتا چنانچہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے پابندیٔ شریعت کا حکم عطا فرمایا اور دیگر حیوانات کو اس سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ حاصل یہ نکلا کہ خورد و نوش، آرام و راحت اور زناشوئی کی جائز خواہشات پر ماہِ مُبارک میں اوقاتِ مخصوص میں بندش وغیرہ اسی لیے ضروری قرار دی گئی۔ اِن چیزوں کی مشق اور تربیت سال میں تیس دن اس لیے کرائی گئی کہ انسان نہ صرف بقیّہ گیارہ ماہ اس پر کاربند رہے بلکہ مدّت العمر اسی کے مطابق حیاتِ مُستعار کے آخری لمحہ تک اس کا پابند رہ کر اپنی جان جانِ آفرین کو سپُرد کر کے فلاحِ دارین کے مقصودِ اصلی کو کامیابی سے حاصل کرلے۔ روزہ سے مقصودِ اصلی تقویٰ اور پرہیز گاری کی نیک عادت ڈالنا ہے اور افرادِ اُمّت کو مُتّقی بنانا ہے۔ تقویٰ نفس کی ایک مستقل کیفیّت کا نام ہے۔ جس طرح مُضرِ غذاؤں اور مُضرِ عادتوں سے پرہیز رکھنے سے جسمانی صحّت درست ہو جاتی ہے اور مادّی لذّتوں سے لُطف اور انبساط کی صلاحیّت زیادہ پیدا ہو جاتی ہے، بھُوک کھُل کر لگنے لگتی ہے اور غذا صحیح طور پر ہضم ہونے اور جُزوِ بدن بننے لگتی ہے جس سے خُون صحیح اور صالح پیدا ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح اس عالَم میں تقویٰ اختیار کر لینے سے یعنی جو عادتیں صحّتِ رُوحانی اور حیاتِ اخلاقی کے حق میں مُضر ہیں اُن سے بچے رہنے سے عالمِ آخرت کی لذّتوں اور نعمتوں سے لُطف اندوز ہونے کی صلاحیّت اور استعداد انسان میں بدرجۂ اَتم پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اسلامی روزہ کی فضلیّت دیگر تمام ادھورے فاقوں، بھُوک ہڑتالوں، برتوں اور برائے نام روزوں وغیرہ سے ممتاز نظر آتی ہے ــــــ تعلیماتِ اسلام کی رُو سے اس جہان اور اس کی ہر چیز کو حق تعالیٰ نے انسان کی ضرورت اور خدمت کے لیے پیدا فرمایا ہے اور انسان کو اس کائنات کا مقصودِ اصلی قرار دیا ہے اور اس کی تخلیق اور غرض وغایت بیان کرتے ہوئے فرمایا وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ "مَیں نے نہیں پیدا کیا انسانوں اور جنّوں کو مگر اس لیے کہ وہ میری ہی عبادت کریں۔" اور انبیاء علیہم السّلام بھی دُنیا میں اسی لیے تشریف لائے کہ انسانوں

کو اُن کا مقصدِ تخلیق سمجھائیں اور عبادتِ الٰہی سے روشناس کرائیں۔ اسلام کی نگاہ میں انسان کا خالق و رازق اور اس کا حاکمِ حقیقی صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ اس لیے دینِ اسلام کا یہ تقاضا ہے کہ ہر شخص اپنے آپ کو خدا کا بندہ مانتے ہوئے اپنی ساری زندگی کے تمام گوشوں میں اللہ جلّ شانہ کے احکام و ہدایات کو پیشِ نظر رکھے اور اپنی ساری زندگی اُسی کی رضاجوئی، تابعداری اور عبادت میں بسر کردے۔ لہٰذا نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ عبادات فرض کی گئیں۔ چنانچہ روزہ ایک فطری اور طبعی عبادت ہے کہ جس کی بار بار مشق سے انسانی ذہن اور اخلاق کی تشکیل اور تکمیل ہوتی ہے — بدیں وجہ رمضان المبارک گویا مشق اور تربیّت کا مہینہ ٹھہرا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی رُوحانی اور جسمانی اصلاح کرے تاکہ مُتّقی اور پرہیزگار بن جائے۔ مطلب یہ کہ مُسلمان اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر اپنی پسندیدہ اور محبُوب چیزوں سے کچھ وقت کے لیے کنارہ کشی اختیار کرکے اپنے آپ کو اس چیز کا پابند بنالے تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انسان خدا کی نافرمانی، حرام اور ممنوع چیزوں سے بچ سکے۔

تقویٰ کا پھل یہ ہے کہ انسان میں اپنی عقل، سمجھ، اعضاء و جوارح اور دولت وغیرہ کے غلط استعمال کی طاقت باقی نہیں رہتی بلکہ ان کے جائز استعمال کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے — تقویٰ کی غرض و غایت اور مفہوم جاننے کے لیے حضرت عمرؓ نے حضرت اُبیّ بن کعبؓ صحابی سے مطلب پُوچھا تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ اگر تمھارا گُزر کسی ایسے جنگل سے ہو جہاں خار دار جھاڑیوں سے لباس اور جسم کو گزند پہنچنے کا خطرہ ہو تو ایسے میں تم کیا کروگے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ جسم اور لباس کو سمیٹ کر اس طرح گزرنے کی کوشش کروں گا کہ کسی سے اُلجھنے ہی نہ پائیں۔ انھوں نے فرمایا بس یہی تقویٰ ہے " اللہ بس باقی ہوس " کہ دُنیا سے اس طرح بچ بچا کر سدھار جاؤ کہ منکرات و معاصی سے دامن داغدار نہ ہونے پائے۔

دُعا: اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم شریعتِ اسلامیہ کے احکام و فرامین پر عمل پیرا رہیں، تقویٰ کی نُورانی چادر کو اوڑھنا، بچھونا بنائیں اور فلاحِ دارین حاصل کرکے دُنیا سے سدھاریں آمین یا الٰہ العالمین۔

○

اسلام نے کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملک قرار دی ہے

معاشرے کے گرے پڑے اور مظلوم افراد کا حق ادا نہ کرنے والا جہنّم رسید کیا جائے گا

داعی فکر ولی اللّٰہی حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ کا

انقلاب انگیز خطاب

۵ رجولائی ۱۹۷۲ء کو شام ساڑھے چار بجے ریڈیو پاکستان لاہور کا نشریہ

اسلام ایک دین ہے یعنی انسان کی انفرادی و معاشرتی زندگی گزارنے کا طریقہ۔ اس کے بنیادی عملی اصول دو ہیں (۱) عبادتِ الٰہی اور (۲) انفاق فی سبیل اللہ۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی دو مدّات ہیں (۱) مساکین کی امداد اور دین کی نشرو اشاعت اور اس کے قیام و بقا اور استحکام کے لیے سعی و جہد۔ چنانچہ قرآن حکیم کی تمام سورتوں میں خواہ وہ مدنی ہوں یا مکّی، انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ کی راہ میں ان دو مدّات پر خرچ کرنے کا ذکر آیا ہے۔ یہ اسلام کے اقتصادی نظام کے بنیادی اصول ہیں اور خرچ ان چیزوں کو کیا جاسکتا ہے جو ہماری مِلک ہوں اس لیے یہاں ملکیّت کا سوال پیدا ہو جاتا ہے۔ اسلام میں ملکیت کا بنیادی اصول تو یہ ہے کہ انسان انفرادی یا اجتماعی طور پر حقیقت میں کسی چیز کا مالک ہی نہیں ہے۔ چنانچہ اسلام کے عظیم مفکّر حکیم الامّۃ امام ولی اللہ دہلویؒ (۱۷۰۳ھ تا ۱۷۶۲ھ) اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "حجۃ اللہ البالغہ" (دوسری جلد صـ۱۰۳ طبع مصر) میں فرماتے ہیں اَنَّ الْکُلَّ مَالُ اللّٰہِ لَیْسَ فِیْہِ حَقٌّ لِاَحَدٍ فِی الْحَقِیْقَۃِ یعنی زمین و آسمان اور اس کے درمیان جو کچھ بھی ہے اصل میں حق تعالیٰ کی ملکیّت ہے جس میں کسی کا حقیقت میں کوئی حق نہیں ہے کیونکہ انسان اُن کا خالق نہیں ہے۔ اس لیے اصل ملکیّت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ گو اُس نے انسان کو ایک عرصے تک کے لیے اس سے انتفاع یعنی فائدہ اُٹھانے اور نفع حاصل کرنے کا حق عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ لیکن زمین کے متعلّق خاص طور پر فرما دیا کہ

والارض وضعها للانام (الرحمٰن ۱۰) اللہ تعالیٰ نے یہ زمین سب انسانوں کی نفع رسانی کے لیے بنا رکھی ہے۔ غرض اسلام میں ہر شے کا مالک اصلی اللہ تعالیٰ ہے لیکن انسان کو اس سے فائدہ اُٹھانے کا حق دیا گیا ہے، وہ امین و متصرّف ہے مالک و مختار نہیں ہے اس لیے وہ مالک کی مرضی اور حکم ہی سے استعمال میں لائے گا۔ اسلام کا تصورِ ملکیت اس شعر سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے جو ہمارے دَر و دیوار پر نقش ہے ؎

در حقیقت مالکِ ہر شے خدا ست ... ایں امانت چند روزہ نزد ماست

زمین پر انسان کی ملکیّت نہ ہونے ہی کی وجہ سے اس پر زکوٰۃ نہیں لگائی گئی بلکہ زکوٰۃ اس پیداوار پر لگائی گئی ہے جو انسان اس سے حاصل کرتا ہے چاہے وہ زمین زرعی و سُکنی ہو یا کانی اور معدنی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اس عمومی حقِ انتفاع کے متعلق بھی خاص طور پر اعلان کر دیا ہے۔ وَفِیٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (الذّاریات ۱۹) یعنی مانگنے والے اور محروم القسمت دونوں کا حق ہے۔ اس لیے اگر مالدار لوگ غربا۔ و مساکین کی غور و پرداخت پر روپیہ پلیسہ خرچ کرتے ہیں تو وہ اُن پر کوئی احسان نہیں کرتے بلکہ مالکِ حقیقی نے ان کے مال و ملکیّت میں اُن کا حق شامل کر دیا ہے۔

اب یہ سمجھنا آسان ہے کہ اہلِ حوائج اور مساکین کا حق ہے کہ بیت المال ان کی تمام ضرورتیں پوری کرے جو لوگ اس سے گریز کرتے ہیں قرآنِ حکیم انھیں سخت تنبیہ کرتا ہے اسی قسم کی تنبیہات مکّی زندگی میں ہی شروع ہو گئی تھیں۔ چنانچہ ابتدائی مکّی سُورت ''الھُمَزۃ'' میں آتا ہے کہ مال جمع کرنے والا سمجھتا ہے کہ وہ مال اس کی تمام ضرورتیں پوری کرے گا یا ہمیشہ اس کا ساتھ دیگا لیکن اس کا یہ خیال قطعاً غلط ہے۔ اگر وہ معاشرے کے گرے پڑے لوگوں کا حق ادا نہیں کرتا تو وہ جہنّم میں ڈالا جائے گا۔

اسلام کے بُنیادی عملی اصُولوں میں سے عبادتِ الٰہی یا نماز اہم ترین فرض ہے لیکن ابتدائی مکّی سُورت ''الماعُون'' میں اُن نمازیوں کو جو معاشرے کے کمزور انسانوں کی دستگیری نہیں کرتے نہایت شدید الفاظ میں تھدید کی گئی ہے چنانچہ قرآنِ عزیز کہتا ہے کہ جو لوگ یتامیٰ اور مساکین کو دھتکارتے ہیں وہ دین کے منکر ہیں۔ اگلی آیت میں ایسے نام نہاد نمازیوں پر جو غریب مسکین، پڑوسی ہمسایوں کو عام روزمرّہ کے استعمال کی چیز دے ڈالنا تو کہاں انھیں اس قسم کی چھوٹی موٹی چیزیں

استعمال کے لیے اُدھار بھی نہیں دیتے۔ کہا گیا ہے کہ یہ لوگ حقیقتاً نماز یا صلوٰۃ کے اصل مقصد سے بے خبر ہیں، نماز کیا ہے؟ اللہ رب العزت کے ساتھ تعلق خاطر پیدا کرنا۔ اس کے حصول کے لیے اس کی مخلوق کی خدمت کرنا لازم ہے کیونکہ یہ مخلوق در اصل خدا کا کنبہ ہے۔ الخلق عیال اللہ۔

ان تصریحات کے بعد یہ سمجھنا چنداں مشکل نہیں کہ اسلام میں کھیتی باڑی، زراعت و کاشتکاری کی زمین کی پوزیشن کیا ہے۔ وہ بقول امام ولی اللہؒ بِمَنْزِلَۃِ مَسْجِدٍ اَوْ رِبَاطٍ جُعِلَ وَقْفًا عَلَی اَبْنَاءِ السَّبِیْلِ وَھُمْ شُرَکَاءُ فِیْہِ یعنی مسجد یا سرائے کی مانند ہے جو ہر شخص کے لیے وقف ہیں اور جن میں سب انسان برابر شریک ہیں۔ اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہؒ نے زمین کی ملکیت کی تعریف یہ کی ہے مَعْنَی الْمِلْكِ فِی حَقِّ الْاٰدَمِیِّ کَوْنُہٗ اَحَقُّ بِالْاِنْتِفَاعِ مِنْ غَیْرِہٖ (حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص ۱۰۲) یعنی انسان کو زمین سے صرف حقِ انتفاع حاصل ہے۔ جب انسان کو حقِ ملکیت حاصل ہی نہیں تو سٹیٹ کاشتکاروں اور مزارعوں کو حقِ ملکیت کہاں سے دے سکتی ہے کہ وہ اپنی مرضی سے جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ سٹیٹ صرف زمین کی امین ہے اور حقِ امانت ہی دے سکتی ہے۔ اس لحاظ سے قرآن حکیم کا اقتصادی اور معاشرتی نظام سوشلزم اور کمیونزم سے بہت آگے ہے۔ نقاشِ پاکستان حضرت علامہ اقبالؒ شاہ ولی اللہؒ کے اس فکر کی تائید میں فرماتے ہیں ؎

رزق خود را از زمیں بردن رواست — ایں متاع بندہ و ملکِ خداست

بندۂ مومن امیں، حق مالک است — غیرِ حق ہر شے کہ بینی ہالک است

امام ولی اللہ دہلویؒ کانوں وغیرہ سے استفادے کو تعاونی نظام یعنی کوآپریٹو سسٹم پر استعمال کرنے کے حق میں ہیں اور فرماتے ہیں کہ جو معاہدے یک طرفہ ہوں یا جن میں کمزور پارٹی کی رضامندی مجبوری پر مبنی ہو اور ان میں تعاون نہ پایا جائے وہ اِنَّمَا ھُوَ بَاطِلٌ وَسُحْتٌ بِاَصْلِ الْحِکْمَۃِ الْمَدَنِیَّۃِ (حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص ۱۰۳) یعنی اس قسم کے جبری معاہدے شہریت کے اصولوں کے خلاف ہیں، اس لیے باطل ہیں۔ یہاں سے مِل مالکوں، کارخانہ داروں، محنت کشوں اور مزدوروں کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ انڈسٹری کو صحیح عادلانہ اسلامی اصولوں پر چلانے کے لیے تعاونی نظام سے کام لینا چاہیے۔

اقتصادی نظام کے سلسلے میں مکی سورت المزمل میں تنظیم معاشرہ کے یہ اصول بتائے گئے ہیں وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا۔ یعنی (۱) نماز پڑھنا

(۲) زکوٰۃ ادا کرنا اور (۳) اللہ تعالیٰ کو یعنی اس کے قائم مقام خلیفہ یا سٹیٹ کو بلا سُود قرض دینا۔ یہ تینوں اصُول کسی معاشرے کو اقتصادی لحاظ سے ترقّی کی راہ پر ڈالنے کے لیے ناگزیر ہیں۔ قرآن حکیم معاشرے کے لوازمات پُورے کرنے کے لیے اسے قرض دینا بھی زکوٰۃ کے بعد ضروری قرار دیتا ہے ان تعمیری کاموں سے کما کر حکومت مناسب سمجھے تو قرضہ دینے والوں کو کچھ نفع دے سکتی ہے۔

دولت و سرمایہ کے متعلق قرآنِ کریم نے یہ اصول بالکل صاف الفاظ میں بیان فرما دیا ہے، کَیۡ لَا یَکُوۡنَ دُوۡلَۃًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡکُمۡ (الحشر) تمھارا مال تمھارے اغنیاء کے طبقے ہی میں نہ گھُومتا رہے۔ گویا دولت کی تقسیم یا ایسا انتظام کرنا لازمی ہے کہ وہ مساکین کے طبقے ہی میں رہنے کی بجائے سارے معاشرے میں چکّر لگائے۔ اس کے لیے وہ تمام اقتصادی اور معاشرتی اصُول استعمال کرنے ضروری ہیں جو ہمارے قومی تقاضوں کے مطابق ہوں مثلاً زراعت اور صنعت کو وسیع بُنیادوں پر کوآپریٹو سسٹم کے مطابق چلایا جائے تاکہ معاشرے کے زیادہ سے زیادہ افراد اس میں حصّہ لے سکیں اور دولت چند ہاتھوں ہی میں نہ چلی جائے۔

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ ہمیں اپنا پیشہ وارانہ نظام بھی صحیح کرنا چاہیے امام ولی اللہؒ معاشرے کی ترقّی کے لیے یہ ضروری قرار دیتے ہیں کہ معاشرے میں پیشوں پر بھی کنٹرول کیا جائے۔ ہر ایک پیشے میں اتنے ہی کاریگر ہوں جتنے معاشرے کے لیے ضروری ہوں اور ایک دوسرے کے لیے تنگی کا باعث بھی نہ بنیں۔ نیز اخلاقِ عامہ کو برباد کرنے والے پیشے ممنوع ہونے چاہئیں۔ اس غرض کے لیے ہمیں اپنا نظامِ تعلیم اور نظامِ سیاسیات بھی بدلنا ہوگا تاکہ علم و ہُنر اور فنّی تعلیم زیادہ سے زیادہ عام ہو سکے اور اس لیے بھی کہ سیاسی نظام چند ہاتھوں میں رہنے کی جگہ شوراوی بنایا جا سکے۔ اس موقعہ پر اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دینا مناسب ہوگا کہ "شوریٰ" قرآنی لفظ ہے اور جمہور اور جمہُوریّت کا تصور قرآنِ حکیم میں نہیں دیا گیا۔ اس لیے سخت ضروری ہے کہ اقتصادی و اجتماعی نظام کی سیاسی بُنیاد شوراویت پر قائم کی جائے۔ شوراویت کی کامیابی کے لیے تعلیم عام کرنے کی اشد ضرورت ہے اور ایک صالح مُسلم معاشرے کی تعلیمی اساس قرآنِ عظیم اور قرنِ اوّل کی تاریخ کے سوا دوسری نہیں ہو سکتی تاکہ کُل افرادِ ملّت قرآنی انقلابی حکمت کو سمجھ کر اقتصادی نظام چلا سکیں۔ اس صُورت میں مالداروں کو معلوم ہو جائے گا کہ اُن سے قرآنی نظام کیا مطالبہ کرتا ہے اور محنت کشوں کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ خالقِ ارض و سما نے اُنھیں ذہنی، دماغی کاوش اور محنت کے لیے کیسے عُمدہ

اعضا و قویٰ کتنا حوصلہ و کس بل اور ولولہ ودیعت کیا ہے۔ نیز یہ کہ اُنھیں سوسائٹی کی اقتصادی اور معاشرتی خدمت کے لیے کس طرح استعمال کرنا چاہیئے۔ اور ان کا معاشرے کی دولت پر کتنا حق ہے اور وہ حق کس طرح حاصل کرنا چاہیئے۔

غرض اسلام کی کتابِ حکمت یعنی قرآن کریم میں سے اقتصادی اصولوں کے متعلق یہ چند کلمات اختصار کے ساتھ بیان کر دیے گئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس سلسلے میں ماہرینِ اقتصادیات و سیاسیات قرآنی حکمت کا نہایت گہرا مطالعہ کریں اور اقتصادیات کو زندگی کا الگ تھلگ شعبہ قرار دے کر نہ بیٹھ جائیں بلکہ انسان کو ایک مکمّل وجُود اور انسانی معاشرے کو اس وجُود کا پھیلاؤ سمجھ کر قرآنِ عزیز کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ اس کتابِ ہدایت نے انسانی سوسائٹی کو اس عظمت و اوجِ کمال کے آسمانِ ہفتم تک پہنچانے کے لیے کس قدر انسانیّت گیر، اٹل، ازلی و ابدی اصول و ضوابط مرحمت فرمائے ہیں۔

⊙

خطبۂ صدارت

جلسہ یادگار امیرِ شریعت حضرت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

منعقدہ ۳۰ اگست ۱۹۶۲ء

مطبوعہ ۷ ستمبر ۱۹۶۲ء ہفت روزہ "خدّام الدین"

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عُبید اللہ انور رحؒ چونکہ مجلس ذکر کے باعث وقتِ مقررہ پر اجلاس میں شریک نہ ہو سکے اور جلسہ کی آخری تقریر جو ضیغم اسلام حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے ارشاد فرمائی ۱/۲ ۲ بجے شب تک جاری رہی اس لیے آپ نے یہ خطبہ زیادہ وقت ہو جانے کے باعث نہ پڑھا اور دوسرے دن خطبہ جُمعہ کی جگہ من و عن پڑھ کر سُنا دیا

الحمد للّٰہ وکفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی امّا بعدہٗ

بزرگانِ محترم! آج عہدِ حاضر کے اُس مردِ جلیل کی یاد میں ہم اکٹھے ہُوئے ہیں۔ اس مردِ پاکباز کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے جمع ہُوئے ہیں جس کی درویشی و فقیری بوئے اسد اللّٰہی سے معطّر تھی۔ خُوئے سلمانی رضؓ و بوذریؓ جس پر ناز کرتی تھی۔ غیرتِ شبّیری جس میں کُوٹ کُوٹ کر بھری ہُوئی تھی اور خاتم المرسلین علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا عشق جس کا اوڑھنا بچھونا تھا۔

باور کیجئے جہاں تک سیّدی و مولای حضرت امیرِ شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یاد کا تعلق ہے میرا وجدان یہ کہتا ہے کہ جب تک عشقِ رسُولؐ کی رُوح موجود ہے، کتاب و سُنّت کی عزّت پر کٹ مرنے والے حیات ہیں، صحابہؓ کی عظمت کا نقش باقی ہے اور مسلمانوں کی رگوں میں اسلامی غیرت و حمیّت کا خون دوڑ رہا ہے بُخاریؒ کبھی نہیں مر سکتا۔ وہ زندہ رہے گا، زندۂ جاوید رہے گا۔ وہ اگرچہ نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے اس کی صورت اگرچہ آنکھوں کے سامنے نہیں، لیکن

اس کے زمزمے آج بھی کانوں میں گونج گونج کر محبّتِ رسُولؐ اور عشقِ خداوندی کے سرمدی کیف سے قلب و رُوح کو تڑپانے میں مصروف ہیں۔ یہ احرار پارک کی فضا اور دہلی دروازہ کے در و دیوار آج بھی اس کی داستانِ عشقِ رسُولؐ کے ورَق اُلٹ رہے ہیں۔ یہ کوتوالی کے سامنے شہیدانِ ختمِ نبوّت کے خُون میں نہائے ہوئے ذرّات آج بھی بخاری کی یاد میں تڑپ رہے ہیں، وہ منتظر ہیں کہ بخاریؒ کے نام لیوا خدا کا نام لے کر اُٹھیں اور محمد مصطفےٰؐ کے عشقِ سرمدی کا پھریرا فضائے آسمانی میں لہرا دیں۔ سامنے وطن بلڈنگ اور احاطہ عبدالرحیم کے در و دیوار چشمِ تصوّر کو ۱۹۲۷ء کے ہنگامہ خیز دور کی طرف متوجّہ کر رہے ہیں اور ماضی کی یادیں بادلوں کی طرح اُمڈ اُمڈ کر دل و دماغ پر چھا رہی ہیں۔ لاہور ہائیکورٹ کے جسٹس دلیپ سنگھ نے مہاشہ "راج پال" ناشر "رنگیلا رسُول" کو قانون کے اصطلاحی سقم پر رہا کر دیا ہے مُسلمانوں میں ہیجان برپا ہے۔ ناموسِ رسالتؐ کے پروانے ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہے ہیں۔ مسٹر اوگلوی نے دفعہ ۱۴۴ لگا کر مسلمانوں کی عزّت کا امتحان لینا چاہا ہے، مدینے والے کی ختم المرسلینی کا پاسبان اپنے نانا کی عزّت پر کٹ مرنے کا تہیّہ کر کے میدانِ عمل میں آچکا ہے۔ بخاریؒ کا عشق شباب پر ہے اور وہ شہادت کے راستہ میں سر ہتھیلی پر رکھ کر باطل کو للکار رہا ہے۔ مولانا احمد سعید اور مفتیٔ اعظم حضرت مولانا محمّد کفایت اللہ سٹیج پر موجُود ہیں۔ احاطے کے دروازے پر پولیس کے مسلّح دستے پہرہ دے رہے ہیں لیکن جذبۂ شوقِ شہادت سے سرشار دینِ خداوندی کی تلوار بھی حرکت میں ہے۔ وہ دیکھیے اسلام کی زبان بول رہی ہے۔

"آج آپ لوگ جناب فخرِ رُسُل محمّد عربی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عزّت و ناموس کو برقرار رکھنے کے لیے جمع ہُوئے ہیں۔ آج جنسِ انساں کو عزّت بخشنے والے کی عزّت خطرے میں ہے۔ آج اُس جلیل القدر ہستی کا ناموس خطرہ میں ہے جس کی دی ہُوئی عزّت پر تمام موجودات کو ناز ہے۔ آج مفتی کفایت اللہؒ اور مولانا احمد سعید دہلویؒ کے دروازے پر امّ المومنین حضرت عائشہ صدّیقہؓ اور امّ المومنین حضرت خدیجہؓ آئیں اور فرمایا:

"ہم تمھاری مائیں ہیں کیا تمھیں معلوم نہیں؟ کہ کفّار نے ہمیں گالیاں دی ہیں"۔

ارے دیکھو! امّ المومنین دروازے پر تو نہیں کھڑی ہیں؟ تمھاری محبت کا تو یہ عالم ہے کہ عام حالتوں میں کٹ مرتے ہو لیکن کیا تمھیں معلوم نہیں کہ آج گنبدِ خضریٰ میں رسول اللہؐ تڑپ رہے ہیں۔ خدیجہؓ و عائشہؓ پریشان ہیں۔ بتاؤ تمھارے دلوں میں اُمّہات المومنین کے لیے کوئی جگہ

ہے؟ اُمّہات المومنین تم سے اپنے حق کا مطالبہ کر رہی ہیں، عائشہؓ پکارتی ہیں، وُہی عائشہؓ جنھیں میرے میاں "رسُول اللہؐ" پیار سے حمیرا کہہ کر پکارتے تھے، جنھوں نے رسُول اللہؐ کو رحلت کے وقت مسواک چبا کر دی تھی ان کے ناموس پر قربان ہو جاؤ، سچے بیٹے ماں پر کٹ مرا کرتے ہیں"۔

آخر اس مجمع سے "علم الدین" اُٹھا اور جس ناموس کی حفاظت سے قانون قاصر تھا اس کی حفاظت علم الدین کے خنجر نے راج پال کی جان لے کر کی۔ اگرچہ اُسے اپنی جان کی بازی بھی ہارنا پڑی مگر یہ بات دُنیا پر واضح ہو گئی کہ مسلمان رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ناموس کی حفاظت قانون سے ہی نہیں بلکہ خون سے بھی کرتا ہے۔

ختمِ نبوّت کی راہ میں جب قادیانی فرقے نے رخنے پیدا کرنے شروع کیے اور ایک گمراہ تحریک نے سر اُٹھایا تو اُس وقت حق پرستوں کی جو صفیں اس کے مقابلے پر سینہ سپر ہُوئیں، "شاہ جی" قائد کی حیثیت سے ان میں پیش پیش تھے اور آخر تک پیش پیش رہے، ہر قدم پر مشکلات آڑے آئیں، مصائب سے سامنا ہُوا، آفات کی گھٹائیں اُٹھیں، فرنگی اقتدار نے قدم قدم پر روڑے اٹکائے، قید و بند سے گزر کر دار و رسن تک بات جا پہنچی مگر عشقِ رسُولؐ کا دامن ہاتھ سے نہ چھُوٹا اور شیرِ نیستاں ایک طرف انگریزی سامراج پر بھرپُور وار کرتا رہا تو دوسری طرف انگریز کی ذُرّیت جو قادیانیت کے نام سے نشو و نما پا رہی تھی اس کا تیا پانچہ کرنے میں مصروف رہا۔ چنانچہ شاہ جیؒ نے فرمایا تھا۔

"ختمِ نبوّت کی حفاظت میرا جُزوِ ایمان ہے جو شخص بھی اس ردا کو چوری کرے گا جی نہیں۔ چوری کا حوصلہ کرے گا میں اُس کے گریبان کی دھجّیاں پھاڑ دُوں گا، اور جو اس مقدّس امانت کی طرف اُنگلی اُٹھائے گا میں اُس کا ہاتھ قطع کر دُونگا مَیں رسُول اللہؐ کے سوا کسی کا نہیں نہ اپنا نہ پرایا۔ مَیں اُنہی کا ہُوں وہی میرے ہیں، جن کے حُسن و جمال کو خُود ربِّ کعبہ نے قسمیں کھا کھا کر آراستہ کیا ہو۔ مَیں اُن کے حُسن و جمال پر نہ مر مِٹوں تو لعنت ہے مجھ پر اور لعنت ہے اُن پر جو اُنکا نام تو لیتے ہیں لیکن سارقوں کی خیرہ چشمی کا تماشا دیکھتے ہیں"۔

آپؒ فرمایا کرتے تھے:

"مجھے ایک چیز سے محبت ہے اور وہ ہے قرآن۔ مجھے ایک چیز سے نفرت ہے اور وہ ہے انگریز۔"

"اللہؒ کی کتاب کی بلاغت کے صدقے جائیے، خود بولتی ہے میں محمدؐ پر اُتاری گئی ہوں۔ بابو لوگو! اس کی قسمیں نہ کھایا کرو، اس کو پڑھا کرو۔ سیّد احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی طرح نہ سہی، اقبال کی طرح ہی پڑھ لیا کرو۔ دیکھا اُس نے قرآن میں ڈوب کر پڑھا تو مغرب کی دانش پر ہلّہ بول دیا پھر اُس نے قرآن کے سوا کچھ دیکھا ہی نہیں وہ تمھارے بُت کدوں میں اذان کی صدا ہے۔"

خود شاہ جیؒ قرآن پڑھتے تو نہ صرف یہ کہ وہ خود لطف اندوز ہوتے بلکہ سُننے والوں پر بھی سحر ہو جاتا۔ یُوں محسوس ہونے لگتا کہ قرآن کا نزول ہو رہا ہے اور جذب و کیف میں انسان ہی نہیں فضا بھی جھُوم رہی ہے۔ اثر کا یہ عالم تھا کہ مسلمان تو مُسلمان غیر مسلم ہندو اور سِکھ بھی شاہ جیؒ کا قرآن سُننے کے لیے آتے۔ اکثر ہندوؤں کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ "شاہ جی تو رشیوں کی زبان بولتے ہیں۔" سرسٹیفورڈ کریپس (SIR STEFORD CRAUS) کی آمد پر نیشنلسٹ مسلمانوں کا جو جلسہ دہلی میں ہُوا تھا اِس میں حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا حفظ الرحمٰنؒ اور دیگر اکابرینِ ملّت بھی شریک تھے۔ مَیں نے خود اپنے کانوں سے سُنا، پنڈت جواہر لال نہرو نے یہ کہا تھا "اوقاتِ کار سے فرصت کہاں تھی۔ مَیں محض تھوڑا سا وقت نکال کر شاہ جی کا قرآن سُننے آگیا ہوں۔"

انگریز سے نفرت کا یہ عالم تھا کہ برملا فرماتے:

"مَیں ان سوٴروں کا ریوڑ چرانے کو بھی تیار ہوں جو برٹش امپریلزم کی کھیتی کو ویران کرنا چاہیں، مَیں کچھ نہیں چاہتا، مَیں ایک فقیر ہُوں، مَیں اپنے نانا کی سُنّت پر کٹ مرنا چاہتا ہُوں، اور اگر کچھ چاہتا ہُوں تو اس مُلک سے انگریز کا انخلا۔" دو ہی خواہشیں ہیں، میری زندگی میں یہ مُلک آزاد ہو جائے یا پھر مَیں تختہٴ دار پر لٹکا دیا جاؤں۔ مَیں ان علماءِ حق کا پرچم لیے پھرتا ہُوں جو ۱۸۵۷ء میں فرنگیوں کی تیغِ بے نیام کا شکار ہوتے تھے۔ ربّ ذوالجلال کی قسم مجھے اس کی کچھ پروا نہیں کہ لوگ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ لوگوں نے

پہلے ہی کب کسی سرفروش کے بارے میں راست بازی سے سوچا ہے؟ — وہ شروع سے تماشائی ہیں اور تماشا دیکھنے کے عادی ہیں۔ مَیں اس سرزمین میں مجدّد الف ثانیؒ کا سپاہی ہُوں۔ شاہ ولی اللہؒ اور خاندان ولی اللہیؒ کا خادم ہُوں۔ سیّد احمد شہیدؒ کی غیرت کا نام لیوا اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی جرأت کا پانی دیوا ہُوں، مَیں ان پانچ مقدمہ ہائے سازش کے پابہ زنجیر علماء اُمّت کے لشکر کا ایک خدمت گزار ہُوں جنھیں حق کی پاداش میں عمر قید اور موت کی سزائیں دی گئیں۔ ہاں ہاں مَیں اُنہی کی نشانی ہُوں، اُنہی کی بازگشت ہُوں، میری رگوں میں خون نہیں آگ دوڑتی ہے، مَیں علی الاعلان کہتا ہُوں کہ مَیں قاسم نانوتویؒ کا عَلَم لے کے نکلا ہُوں۔ مَیں نے شیخ الہندؒ کے نقشِ قدم پر چلنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ مَیں زندگی بھر اسی راہ پر چلتا رہا ہوں اور اسی راہ پر چلتا رہوں گا، میرا اس کے سوا کوئی موقف نہیں، میرا ایک ہی نصب العین ہے۔ برطانوی سامراج کو کفنانا یا دفنانا۔"

بحمد اللہ خدا نے شاہ جیؒ کی یہ آرزو پوری کی اور وہ انگریزی سامراج کو اپنا پشتارہ اُٹھا کر جاتے ہُوئے دیکھ کر گئے اور انھوں نے مرزائیت کو بھی دم توڑتے ہُوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

برادرانِ محترم! شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اُن مردانِ حق کے گروہ میں سے ایک ایسے فرد تھے جن کا مقام بارگاہِ خداوندی میں بہت بلند تھا اور زمرۂ اولیاء میں وہ مقامِ محبوبیت پر فائز تھے۔ اس صدی کے محدّثِ اعظم حضرت علّامہ سیّد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے آپکو "امیر شریعت" کا خطاب دیا اور خود آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نوّر اللہ مرقدہٗ آپ سے بے حد محبّت رکھتے تھے۔ حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب درخواستی مدظلہ کو دربارِ رسالتؐ سے آپ کا ہاتھ بٹانے کی ہدایت ہُوئی۔ حضرت مولانا گلشیر رحمۃ اللہ علیہ اسی پاداش میں شہید ہُوئے۔ خود ہمارے حضرت شیخ التفسیر سیّدی و مولای حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ تو آپ پر جی جان سے فدا تھے۔ گھنٹوں آپ کا ذکرِ خیر کرتے اور یُوں محسوس ہوتا کوئی عاشقِ صادق اپنے محبوب کی اداؤں کا ذکر چھیڑ کر کیف و سرور کی وسعتوں میں کھو گیا ہے۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے۔ "لوگ شاہ جیؒ کو ایک بہت بڑا خطیب، ایک سیاستدان، ایک محبِّ وطن اور جُرأت و بے باکی کا ستون ضرور تسلیم کرتے ہیں لیکن شاہ جیؒ کے رُوحانی مرتبے سے قطعی طور پر

ناواقف ہیں ورنہ اُن کے پاؤں دھو دھو کر پیتے"۔

حضرتؒ اکثر فرماتے: "شاہ جیؒ ولیٔ کامل اور اسلام کی شمشیرِ برہنہ ہیں لیکن انھوں نے اپنے اُوپر "مزاح" کی چادر اوڑھ لی ہے۔ اس لیے ظاہر بیں لوگ ان کا رُوحانی مقام متعیّن نہیں کر سکتے۔ آج سے گیارہ سال قبل اسی پارک میں احرار کانفرنس منعقدہ ۲۵، ۲۶ مئی ۱۹۵۱ء کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خطبۂ صدارت ارشاد فرماتے ہُوئے، مجلسِ احرار کی خدمات کو سراہتے ہُوئے اور ان کا اعتراف کرتے ہُوئے شاہ جیؒ کو ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا تھا۔

"رضا کارانِ احرار کی مخلص، خدا پرست اور اسلام کی جاں نثار جماعت کو اللہ نے راہنما بھی بے نظیر عطا فرمائے ہیں جو اپنی حق گوئی، حق پرستی، حق کی حمایت کے لیے باطل کے مقابلہ میں سر دھڑ کی بازی لگانے میں شہرۂ آفاق ہیں، حق کی حمایت میں اگر باطل پرستوں نے ہتھکڑیاں پہنائیں اور جیل کی اندھیری کوٹھڑیوں میں بند کیا تو اِن تمام مصائب کو ان مجاہدین نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

مَیں نے شیر دل مُجاہدِ اعظم امیرِ شریعت حافظ سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ صاحب کے ساتھ جیل میں رہ کر دیکھا ہے۔ اتنا ہنستے ہیں اور رفقائے جیل کو اتنا ہنساتے ہیں کہ ان کے سب غم غلط ہو جاتے ہیں۔ مَیں رضا کارانِ احرار کو مُبارکباد دیتا ہُوں کہ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں حضرت شاہ صاحب کے رفقائے کار بنایا اور ایک بہت بڑے جیّد عالم و سحر بیان اور اعلیٰ درجے کے مدبّر حضرت مولانا محمّد علی صاحبؒ جالندھری اور شیخ حسام الدین جیسے جلیل القدر قائد اور مقتدائے قوم عطا فرمائے ہیں اور جمعیۃ احرار شکر کرے کہ حق گوئی، حق پرستی اور جُرأت و بے باکی میں مجاہدِ اعظم، امیرِ شریعت حضرت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کا شبیہہ اور مجسّم نمونہ مولانا قاضی احسان احمد صاحب کو بنا کر شامل کر دیا ہے تاکہ جب حضرت شاہ صاحب میدانِ کارزار سے دُور ہوں تو قاضی صاحب موصوف کو باطل کے مقابلہ میں عَلمِ حق دیا جائے۔ جمعیۃ احرار بڑی ہی خوش نصیب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ایک اعلیٰ درجے کا مدبّر، میدانِ سیاست کا شاہسوار، شطرنجِ سیاست کا بہترین کھلاڑی، باطل پرستوں کی مکّاریوں اور فریب کاریوں سے پُورا آگاہ، ماسٹر تاج الدین انصاری صاحب جیسا راہنما عطا فرمایا ہے۔ جمعیۃ احرار اسلام کی دُور رس نگاہ نے انھی خُوبیوں کے باعث ماسٹر صاحب کو عہدہ جلیلہ عطا فرمایا ہے۔

معزز حضرات! جمعیۃ احرار کے راہنماؤں اور رضا کاروں کے لیے جو کچھ میں نے عرض کیا ہے۔ اس میں تصنع اور بناوٹ ہرگز نہیں ہے بلکہ میرے دل کے جذبات کا ایک مدھم سا خاکہ ہے جو صفحۂ قرطاس پر لا کر آپ کے گوش گزار کیا ہے۔"

ایک دفعہ حضرت لاہوریؒ نے خطبہ جمعہ میں فرمایا: "حکومت کہتی ہے عطاء اللہ شاہ فساد پھیلاتا ہے۔ ان اللہ کے بندوں کو معلوم نہیں اگر عطاء اللہ شاہ فساد پر آمادہ ہو جائے تو مرزائیت کا قلعہ قائم نہیں رہ سکتا۔ میں کہتا ہوں اگر بخاری شام کو حکم دے دیں تو صبح ہونے سے پہلے پہلے ربوہ کی اینٹ سے اینٹ بج جائے۔"

پھر فرمایا: حکومت کی گولیوں اور بندوقوں میں وہ طاقت نہیں جو علماء کی زبان میں ہے ہمارے ایک عطاء اللہ شاہ بخاری بحمد اللہ سب پر بھاری ہیں اور جب تک وہ زندہ ہیں اسلام کو کوئی خطرہ نہیں اور ایک مرتبہ تو حضرتؒ نے آپ کے متعلق یہاں تک ارشاد فرمایا تھا:

"محشر کا دن ہوگا۔ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوں گے، صحابہؓ بھی ساتھ ہونگے بخاری آئے گا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معانقہ فرمائیں گے اور کہیں گے "بخاری! تیری ساری زندگی عقیدۂ ختمِ نبوت کی حفاظت میں گزری اور کتاب و سنت کی نشر و اشاعت میں صرف ہوئی آج میدانِ محشر میں تیرا شفیع میں ہوں، تیرے لیے کوئی باز پرس نہیں۔ جا اپنے ساتھیوں سمیت جنت میں داخل ہو جا۔ تیرے اور تیری جماعت کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھلے ہیں، جس طرف سے چاہو کھلے بندوں جنت میں داخل ہو سکتے ہو۔"

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ وہ اس مقام پر تھے کہ کہا جاسکتا ہے کہ ؎ قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید۔

شاہ جیؒ کا اپنا یہ حال تھا کہ حضرتؒ کو گھنٹوں ہنساتے رہتے۔ طرح طرح کی باتوں سے حضرتؒ کا دل بہلاتے اور اکثر ایسا ہوتا کہ فرطِ عقیدت سے کبھی حضرتؒ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے اور کبھی حضرتؒ کی ڈاڑھی مبارک چومنے لگتے۔

شاہ جیؒ واقعی ایک عہد، ایک انجمن اور ایک تاریخ تھے۔ گفتگو طرازی میں اُن کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ علم و حکمت کے موتی بکھیرتے تو شہپرِ جبرائیل کے کان کترتے، قرآن کے معانی بیان فرماتے تو مضامین کے انبار لگا دیتے۔ چنانچہ اسی سے متاثر ہو کر حکیم الامت مولانا اشرف علی

تھانویؒ نے فرمایا تھا" شاہ جی کی باتیں عطائے الٰہی ہوتی ہیں"۔

محترم حضرات! بے شک اسلام اقوامِ غیر کی تقلید میں کسی کا دن منانے کی کوئی تلقین اپنے ماننے والوں کو نہیں کرتا لیکن انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین کی یاد تازہ رکھنے کا ہمہ وقتی پروگرام اس کے پاس ضرور موجود ہے اور جس کا اعلان نماز کی ہر رکعت میں صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کی رُوح پرور دُعا سے ایک مسلمان ہر روز کرتا ہے۔ خداوندِ قدّوس کا راہِ ہدایت کو نعام یافتہ لوگوں کی تابعداری کے ساتھ مخصوص کر دینا اس بات کا بیّن اور واضح ثبوت ہے کہ وہ انبیاء اور صُلحاء کے کارناموں کو زندہ و تابندہ رکھنے کا سبق اُمّتِ مُسلمہ کو دینا چاہتا ہے اور اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ مُسلمان نہ صرف بزرگانِ ملّت کے تذکرے سے حرارتِ قلب و رُوح کا سامان مہیّا کرے بلکہ ان کے نقشِ قدم پر چلنے کا عزم بالجزم بھی اپنے اندر پیدا کرے۔ اصل میں اسلاف کی یاد منانے کا واحد اور بہترین طریقہ اسلام کے نزدیک ان کی راہ پر چلنا اور ان کے طریق کو زندہ رکھنا ہے، اس اعتبار سے وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ شاہ جی کے نظریات و افکار اور خیالات کی نشر و اشاعت کی جائے تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے وہ مشعلِ راہ بنیں اور نشانِ منزل کا کام دیں اور خود مرحُوم کے لیے اجر و ثواب کا مُوجب ہوں۔ مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا۔

یاد رکھیے جو قومیں بزرگوں کے طریق کو چھوڑ دیتی ہیں، بندگانِ الٰہی کے راستے سے مُنہ موڑ لیتی ہیں، اسلاف کے نقوشِ قدم سے بے نیاز ہو جاتی ہیں اور بزرگوں کے کارہائے نمایاں کو دِل و دماغ سے محو کر دیتی ہیں وہ کبھی دیر تک زندہ نہیں رہتیں اور صفحۂ ہستی سے یُوں مِٹ جایا کرتی ہیں کہ جیسے ان کا نشان ہی نہ تھا۔ آخر میں احرار دوستوں سے میری گزارش ہے کہ وہ جماعت کو زندہ رکھیں، اس کا ایک ماضی ہے اور اس کی ایک تاریخ ہے اور اسکے کارنامے ہیں۔ جماعت کا مرنا ایک تاریخ کا مرنا ہے اور ایک عہد کی موت ہے اور بزرگوں کے کارناموں کو موت کے سپُرد کر دینے کے مترادف ہے۔ مَیں نے کہیں دیکھا ہے کہ شاہ جیؒ نے فرمایا تھا:

" خواہ ساری دُنیا مجھے چھوڑ جائے مَیں مجلسِ احرار کا علَم بلند رکھوں گا حتّٰی کہ جب مَیں مر جاؤں تو میری قبر پر بھی سُرخ پھریرا لہراتا رہے گا"۔

اللہ تعالیٰ شاہ صاحبؒ کے مقامات بلند سے بلند تر فرمائے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور شاہ صاحبؒ کی نسبی اولاد بھائی عطاء المنعم بخاری، عطاء المحسن اور دیگر صاحبزادگان کو ان کا صحیح جانشین بنائے۔ (آمین)

○

ہدایت دی راہ

حضرت مولانا عُبیداللہ انور رحمۃ اللہ علیہ علوم و معارف کا ایک بیش بہا خزینہ تھے. آپؒ نے ریڈیو پاکستان لاہور سے مختلف مواقع پر اردو اور پنجابی میں تقاریر فرمائیں۔ یہ نشریات ریڈیو پاکستان لاہور کے شکریہ کے ساتھ شاملِ کتاب کی جا رہی ہیں

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اِن تقاریر کو پڑھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جہاں آپ اردو کے ایک منجھے ہوئے انشاء پرداز اور خطیبِ بے مثال تھے وہاں پنجابی زبان کے موزوں الفاظ ڈھونڈ کر لانے اور مضامین میں پرونے پر بھی اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو قدرت عطا فرمائی تھی (مؤلف)

○

کفر تے نفاق دا انجام

حضرت مولانا عبیداللہ انور رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی تقریر ریڈیو پاکستان لاہور کے پنجابی زبان کے پروگرام "جمہور دی آواز" میں ۲۸ جولائی ۱۹۶۷ء بروز جمعہ نشر ہوئی

○

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْد:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.
اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ. خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ ؕ وَعَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ ز وَّلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ○ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ج وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ○ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ لا فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضًا ج وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ لا بِمَا کَانُوْا یَکْذِبُوْنَ ○ (البقرۃ ۶ تا ۱۰)

ایہناں آیتاں دا ترجمہ ایہہ وے اللہ تعالیٰ فرماندے نیں اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بشک جنہاں لوکاں نے انکار کیتا اے سَوَآءٌ برابر اے ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔ توں اونہاں نوں ڈرایا نہ ڈرا اوہ ایمان نہیں لیان گے۔

اگے فرمایا خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ پاک پروردگار نے اونہاں لوکاں دے دِلاں تے کناں تے مہر لگا دِتّی اے۔

فیر حکم ہویا وَعَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ تے اوہناں دی اکھاں دے اُتّے پردہ اے وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ تے اوہناں دے واسطے وڈّا عذاب اے۔

فیر ارشاد ہوندا اے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ تے کجھ ایہو جے لوک وی نیں جیہڑے کہندے نیں کہ اسی اللہ تے قیامت دے دن تے ایمان لیائے آں حالانکہ اوہ اپنے آپ نوں ہی دھوکہ دیندے نیں، تے اوہ ایماندار نہیں ہین۔

یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اللہ ربّ العزّت تے ایمانداراں نوں دھوکہ دیندے نیں حالانکہ اوہ اپنے آپ نوں ای اپنے دھوکہ دیندے نیں۔ وَمَا یَشْعُرُوْنَ تے نہیں سمجھدے۔

فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ اوہناں دے دلاں وچ بیماری اے فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضًا فیر اللہ نے اوہناں دی بیماری وَدھا دِتّی وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ تے اوہناں دے واسطے دردناک عذاب اے بِمَا کَانُوْا یَکْذِبُوْنَ ایس لئی کہ اوہ جھوٹ بولدے سن۔

قرآنِ حکیم دیاں اِک سو چودہ سُورتاں، تریاں سپاریاں وچ دُنیا تے آخرت دی کامیابیاں تے ہر قسم دی پیش آن والیاں ضرورتاں، مُصیبتاں تے پریشانیاں دا جامع تے مکمّل دستورِ حیات اے چنانچہ قرآن شریف دی ہر سُورت دا اپنا اِک موضوع اے جس تے تفصیل نال گفتگو کیتی گئی اے مثلاً قرآن دی سب توں وڈّی سُورت ایہوای سُورتِ بقرہ اے جدھے وچ اوس وقت دی سب توں وڈّی قوم بنی اسرائیل دا تے اوہناں دی کمزوریاں تے سرکشیاں دا تفصیل نال ذکر کیتا گیا اے نال نال بعض ہور گمراہ قوماں تے گروہاں دا وی کسے نہ کسے رنگ وچ ذکر آگیا اے۔ ایسے طراں دُوسری سُورت وچ جانی پہچانی قوم دا براہِ راست ذکر اے تے نال ای بنی اسرائیل نوں وی اوہدے وچ پیشِ نظر رکھیا گیا اے۔ سو قرآنِ حکیم دے موٹے موٹے مضامین پنج حصیاں وچ تقسیم کیتے جا سکدے نیں۔

پہلے حصّے وچ اوہ حکم بیان کیتے گئے نیں جنھّاں دا کرنا ہر انسان تے فرض اے۔ تے اوہناں گلّاں توں روکیا گیا اے جنھّاں توں ہر نیکوکار نوں رُکنا چاہی دا اے۔ اوہدے وِچ عبادات تے معاملات تے گھریلو ذمّہ داریاں دا بیان اے۔ نال نال مُلکی تے انتظامی معاملات

نوں وی کھول کھول کے بیان کیتا گیا اے۔

دُوسرے حصّے وچ یہود و نصاریٰ تے مشرکین تے منافقین ایہناں چوّاں گروہاں دے متعلّق گل کتھ کیتی گئی اے۔ ایہدی تشریح علمِ کلام دے ماہراں نیں اپنیاں تصنیفاں وچ مفصّل طور تے بیان کیتی اے۔

تیسرے حصّے وچ اللہ تعالیٰ نے اونھاں نعمتاں تے نشانیاں دا ذکر کیتا اے جنھاں دی ایس زمین تے وسّن والے انساناں نوں ضرورت سی تے ایسے باب وِچ اللہ تعالیٰ دی صفات کاملہ دا ذِکر وی شامل کیتا گیا اے۔

چوتھے حصّے وچ اللہ تعالیٰ دے بیان کیتے ہوئے حالات و واقعات دا علم اے۔ ایہدے وچ اونھاں تمام واقعات دا بیان شامل اے جیہڑا وفادار تے نیکو کار بندیاں دا انعام تے خُدا دے نافرمان بندیاں دی سزا دا ذِکر اے۔

پنجویں حصّے وچ موت تے اوہدے بعد آن والے حالات و واقعات دا بیان شامل اے مثلاً قبر، حشر نشر، حساب کتاب، میزان، جنّت دوزخ وغیرہ۔

ایہناں تلاوت کیتیاں گئیاں آئیتاں دے وچ اونھاں لوکاں دا ذِکر اے جنھّاں نے اپنی شامتِ عمل تے مسلسل خدا دی نافرمانی نال اپنے نورِ بصیرت دا چراغ گُل کر لیا اے! اونھاں بدبختاں وِچ ابُوجہل، ابُولہب، ولید بن مغیرہ تے شیبہ جیسے منافقاں دا ذِکر اے۔

فرمایا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ وَّلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔ اے حبیبِ پاکؐ! تسُی ایہناں بدبختاں نوں ڈراو یا نویں نہ ڈراؤ ایہناں چکنیاں گھڑیاں تے ہُن کوئی گل اثر نہیں کر سکدی۔ کیونکہ ہر انسان دے علم دے ایہو ای تِنّے رستے سن کہ اوہ کنّاں نال سُندا اے، اکھّاں نال ویکھدا اے تے دل نال سمجھدا اے۔ تے فیر جدوں اپنے گناہاں دی پاداش وِچ دل تے کنّاں تے مُہر لگ گئی تے اکھّاں تے پردہ پے گیا۔ تے گویا نہ ایہہ ہدایت نوں سمجھ سکدے نیں نہ حق نوں ویکھ سکدے نیں تے نہ ہی سچّی گل نوں سُن سکدے نیں۔ کیونکہ ایہناں نیں تکبّر تے مسلسل خدا دی نافرمانی دی وجہ نال اپنے دل تے نامۂ اعمال نوں سیاہ کر چھڈیا تے اللہ دے کلام توں متاثر نہیں ہوندے۔ حالانکہ آقائے

نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم کولوں ابوہریرۃؓ روایت فرماندے نیں کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُّوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ۔ ہر بچّہ جدوں پیدا ہوندا اے اپنی اصل فطرت تے پیدا ہوندا اے تے فیر باہر دی ہواواں اوہدے اندر دی روشنی نوں بُجھا دیندیاں نے۔ اگر یہودیّت دے اثرات غالب آ گئے تے چراغ فطرت نوں گُل کر دین گے۔ اگر نصرانیّت یا مجوسیّت دا طوفان آگیا تے یقیناً فطرت دی کشتی ڈگمگان لگ پئے گی۔

فطرتِ انسانی دے بارے وِچ ہمیشہ توں اختلاف پایا جاندا اے۔ کُجھ لوگ انسانی فطرت دے وِچ بدی ہی بدی نوں محسوس کردے نیں۔ اونہاں دے نزدیک بعض اوقات عارضی طور تے کوئی بیرونی چیز اونہاں دی بدی نوں ماند کر دیندی اے تے کجھ دیر واسطے اوس دے وِچ نیکی جلوہ گر ہو جاندی اے۔

بعض لوکاں دا ایہہ خیال رہیاہ اے کہ فطرتِ انسانی بالکل سادہ واقع ہوئی اے۔ اوہدی اصل دے وِچ نہ تے نیکی اے نہ محض بدی اے۔ بیرونی اثرات جس طراں دے اوہنوں میسّر آن گے اوہ اونہاں وچ ای ڈھل جائے گی۔

لیکن قرآن حکیم نے ایہناں سب توں اپنی راہ الگ کڈھی اے۔ اوہ کہندا اے۔۔۔۔۔۔ کہ انسان سرتاپا نیک فطرت تے جنم لیندا اے۔ اوہدے وچ اوس ویلے خیر دے سوا کُجھ نہیں ہوندا فیر جیوں جیوں بُرائی دے وچ پیندا اے اوہ بُرا بندا جاندا اے۔ لہٰذا نیکی اوس دا فطری عمل اے تے بدی غیر فطری، اوپری تے سراسر بناوٹ اے۔ اگر اوہ نیکی تے قائم ایں تے ایہہ اوہدی فطرت اصلی اے تے اگر اوہ بدہوگیا اے تے ایہہ بناوٹ اے۔ قرآن ایسے نوں فطرتِ صالحہ، دینِ الٰہی دینِ قیّم، دینِ حنفی، صراطِ مستقیم، فطرت اللہ، صبغۃ اللہ تے اسلام کہندا اے۔

چنانچہ ابُوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے کہ جدوں انسان کوئی گناہ کردا اے تے اوہدے دل دے اُتّے اِک کالا نقطہ لگ جاندا اے۔ اگر اوس نے توبہ کیتی تے گناہاں توں باز آ گیا تے اوہ نقطہ دُھل جائے گا اور اگر اوس گناہ دے وچ ہور وَدھ گیا تے اوہ گناہ دی کالک وی وَدھ جائے گی تا آنکہ سارے دل اُتّے کالک ای کالک چھا جائے گی جدھی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک وچ اِک جگہ ایس طراں دِتّی اے۔ کَلَّا بَلْ سکتہ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ (مطففین ۱۴، پ ۳۰) ہرگز نہیں بلکہ اونہاں دے بُرے کمّاں دی وجہ نال اونہاں دے

دلاں تے زنگ چھا گیا اے۔ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ (مطففین ۱۵ پ ۳۰) ہرگز نہیں بیشک اوہ لوگ اپنے رب توں اوس دن روک دِتے جان گے۔ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ (مطففین ۱۶ پ ۳۰) فیر بے شک اوہ دوزخ دے وِچ ڈگن والے نیں۔ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ (مطففین ۱۷ پ ۳۰) فیر کیہا جائے گا کہ ایہو ای اے اوہ جنھوں تسی جھٹلاندے ساؤ۔

ایس دے بعد فرمایا و من النّاس من یّقول اٰمنّا باللہ و بالیوم الاٰخر وما ھم بمومنین۔ تے کجھ ایسے وی لوگ نیں جیہڑے کہندے نیں کہ اسی اللہ تے قیامت دے دہاڑے تے ایمان رکھدے آں حالانکہ اوہ ایماندار نہیں ہین۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ۔ اللہ تے ایمانداراں نوں دھوکہ دیندے نیں حالانکہ اوہ اپنے نوں ای دھوکہ دیندے نیں مگر ایس گل نوں اوہ سمجھدے نہیں۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اونہاں دے دلاں وِچ روگ اے۔ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا تے فیر اللہ نے اونہاں دے روگ نوں ہور وَدھا دِتا۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ تے اونہاں دے واسطے دردناک عذاب اے۔ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ کیونکہ اوہ جھوٹ بولدے سان۔

دُنیا وِچ جدوں وی کوئی پیغام ربّانی تے پیغام بر اوندا اے۔ انسان تناں قسماں وِچ ونڈے جاندے نیں۔ پہلا گروہ تے اوہ وے جیہڑا اوس نبی دی تعلیم نوں دل وجان نال تسلیم کردا اے۔ ایس گروہ نوں اسلام دی اصطلاح وِچ مومن قانت کیہا جاندا اے۔

دُوسرا گروہ اوہ وے جیہڑا اوس تعلیم نوں مّمن توں صاف صاف انکار کر دیندا اے۔ اینھوں اصطلاحاً کافر کیہا جاندا اے۔ تیسرا طبقہ جیہڑا ایہناں دوہاں دے درمیان پیدا ہو جاندا اے۔ اوہ پست ہمّت دنی فطرت طبقہ دوکشتی دا سوار اپنی خود غرضی دی خاطر دوہاں گروہاں نوں جاکے اونہاں دی حمایت دا یقین دلاندا اے۔ درحقیقت اوہ کسے وی گروہ نال صدقِ دل نال شریک نہیں ہوندا۔ اوہدا مقصد ہر دو گروہاں کولوں اپنی مطلب براری ہوندا اے۔ اپنے خیال وِچ اوہ دوہاں نوں دھوکہ دے رہیا اے تے درحقیقت اوہ اللہ تے اوس دے پیغمبر نوں کدی وی دھوکہ نہیں دے سکدا۔ بلکہ آپ ای اوہ دھوکہ کھا رہیا اے تے حقیقت وِچ

اوہ اپنی ایس پستی نوں سمجھ وی نہیں سکدا۔ ایس گروہ نوں قرآن دی اصطلاح وِچ منافق کیہا جاندا اے۔ کیونکہ حدیث شریف وِچ آیا اے کہ منافق دیاں علامتاں ایہہ نیں :

۱۔ جدوں گل کرے تے جھوٹ بولے۔

۲۔ جدوں وعدہ کرے تے اوہدے خلاف کرے۔

۳۔ اوہدے کول اگر کوئی امانت رکھی جائے تے اوہدے وِچ بے ایمانی کرے۔

۴۔ تے جھگڑے دے ویلے گالی گلوچ تے اُتر آوے۔

سو قرآن حکیم نے مومن تے کافر دے ذکر وِچ صرف چند لفظ استعمال کیتے نیں۔ لیکن ایس قماش دے لوکاں نوں بے نقاب کرن واسطے اکثر جگہ تے کِسے قدر تفصیل توں کم لیّا وے کیونکہ عہدِ سعادت نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم وِچ تے اللہ تعالیٰ نبی پاک دے واسطے نال ایہناں لوکاں نوں ظاہر فرما دیندے سان لیکن ہُن چونکہ دروازۂ نبوّت بند ہو چکا اے۔ ایس واسطے ایہناں دے چہرے مہرے تے اعمال و افعال ظاہر کرن واسطے ایس گل دی ضرورت سی کہ ایہناں دا تفصیل نال جائزہ لیّا گیا۔ تاکہ سادہ لوح مسلمان ایہناں دی غلط بیانی کولوں دھوکہ نہ کھان۔

اللہ تعالیٰ سانوں انبیاء، صدّیقین، شہداء تے صالحین دے نقشِ قدم تے چلّن دی توفیق عطا فرمان تے شرک، کُفر، زندقہ تے الحاد توں اللہ تعالیٰ سانوں محفوظ رکھّن نیز نفاق عملی تے نفاقِ اعتقادی توں اللہ تعالیٰ سانوں محفوظ رکھّن۔ آمین یا اِلٰہ العالمین۔

(بشکریہ ریڈیو پاکستان لاہور)

○

بنی اسرائیل دیاں زیادتیاں

۲۲ ستمبر ۱۹۶۷ء جمعۃ المبارک

الحمد للہ وکفٰی وسلام علیٰ عبادہ الّذین اصطفٰی امّا بعد:
فاعوذ باللہ من الشّیطٰن الرّجیم. بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم.
یٰبَنِیٓ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَاَوۡفُوۡا بِعَہۡدِیۡٓ اُوۡفِ بِعَہۡدِکُمۡ ۚ وَاِیَّایَ فَارۡہَبُوۡنِ. وَاٰمِنُوۡا بِمَآ اَنۡزَلۡتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمۡ وَلَا تَکُوۡنُوۡٓا اَوَّلَ کَافِرٍۭ بِہٖ ۪ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰیٰتِیۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ۫ وَّاِیَّایَ فَاتَّقُوۡنِ. وَلَا تَلۡبِسُوا الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَتَکۡتُمُوا الۡحَقَّ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ. (البقرۃ ۴۰ تا ۴۲)
ایہناں آیتاں دا ترجمہ اے:
یٰبَنِیٓ اِسۡرَآءِیۡلَ اے قومِ اسرائیل۔ اُذۡکُرُوۡا یاد کرو۔ نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡٓ میرے اوہ انعام۔ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ جیہڑے میں تہاڈے تے کیتے۔ وَاَوۡفُوۡا بِعَہۡدِیۡٓ اتے تسی میرا وعدہ پورا کرو۔ اُوۡفِ بِعَہۡدِکُمۡ تے میں تہاڈا وعدہ پورا کراں گا۔ وَاِیَّایَ فَارۡہَبُوۡنِ تے تسی میرے کولوں ہی ڈرو۔ وَاٰمِنُوۡا بِمَآ اَنۡزَلۡتُ تے اوس کتاب تے ایمان لیاؤ جیہڑی میں تہاڈے تے نازل کیتی۔ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمۡ تے سچا دسدی اے اوس کتاب نوں جیہڑی تہاڈے کول اے۔ وَلَا تَکُوۡنُوۡٓا اَوَّلَ کَافِرٍۭ بِہٖ تے تسی ہی سب توں پہلے اوہدے منکر نہ بنو۔ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰیٰتِیۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا تے میریاں آیتاں نوں تھوڑے مُل تے نہ ویچو۔ وَاِیَّایَ فَاتَّقُوۡنِ تے خاص میرے کولوں ای ڈرو۔ وَلَا تَلۡبِسُوا الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ نے سچ وچ جھوٹ نوں نہ ملاؤ۔ وَتَکۡتُمُوا الۡحَقَّ تے

جان بُجھ کے حق نُوں نہ چھُپاؤ۔ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ تے حالانکہ تُہانُوں ایس گل دا چنگی طرح پتہ اے۔

ہُن ایہناں آیتاں دی تفسیر کیتی جاندی اے:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماندے نیں یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَاَوۡفُوۡا بِعَہۡدِیۡۤ اُوۡفِ بِعَہۡدِکُمۡ وَاِیَّایَ فَارۡہَبُوۡنِ۔

بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السّلام دی اولاد نُوں کہندے نیں۔ کیوں جے اونہاں دا دُوسراں ناں اسرائیل اے جدھا معنیٰ "عبداللہ" اے۔

حضرت یعقوب علیہ السّلام حضرت اسحٰق علیہ السّلام دے فرزند نیں تے حضرت اسحٰق علیہ السّلام حضرت ابراھیم علیٰ نبینا و علیہ السّلام تے حضرت سارہ دے فرزند سَن۔ تے اونہاں دے وَڈّے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل علیہ الصّلوٰۃ والتّسلیم حضرت ہاجرہ مِصری وچّوں سَن۔ آپؑ توں جیہڑی اگلی نسل چلّی اونہوں بنی اسرائیل کیہا جاندا اے تے اگے چل کے اونہاں دے وِچّوں ای اِک شاخ قریش دے ناں نال مشہور ہُوئی تے ساڈے نبیؐ پاک آقائے نامدار، احمدِ مجتبیٰ محمّد مُصطفےٰ جنابِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم وی قریش دے چشم و چراغ سَن۔

بنی اسرائیل دا عروج صدیاں تک دنیا وِچ قائم رہیا تے اپنے زمانے وِچ توحیدِ ربِّ تعالےٰ دے ایہہ واحد علمبردار رہے تے اِک بڑی تعداد وِچ نبی تے رسُول ایہناں دے وِچ ہُندے رہے تے بڑے بڑے عابد تے زاہد ایہناں وِچ پیدا ہوئے۔ اوس زمانے وِچ وڈّے وڈّے بادشاہ تے فوجی جرنیل ایہناں وِچ پیدا ہوئے۔ جس ویلے قرآن حکیم نازل ہونا شروع ہویا اوس توں بڑا چر پہلاں ایہناں دی چوہدراہٹ تے سرداری دُنیا توں ختم ہو چکی سی تے ایہہ اپنے وطن شام توں نکل کے تے عراق، مصر وغیرہ مختلف علاقیاں وِچ پھیل چکے سَن تے ایہناں دے بعض قبیلے حجاز دی وادی تے خاص طور تے یثرب یعنی مدینہ پاک تے اودھے نیڑے تریڑے آباد ہو گئے۔

بنی اسرائیل ایہناں دا قومی ناں اے، تے مذہبی اعتبار نال ایہہ لوگ یہودی کہلاندے نیں۔ آسمانی کتاب توراۃ حضرت موسیٰ علیہ السّلام دے واسطے نال یہودیاں نُوں دِتّی گئی جدھے تے قرآن نے الزام لگایا اے یُحَرِّفُوۡنَ الۡکَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِہٖ (المائدۃ ۱۳) یعنی ایہناں نیں اپنی کتاب نُوں مسخ کر دِتّا۔

اللہ دی کلام نوں کھرچ کھرچ کے کڈھ چھڈیا تے اپنے وَلوں اوہدے وچ گھٹا وَدھا کے دُنیا نوں ایہہ کہنا شروع کر دِتّا کہ ھٰٓؤُلَاۗءِ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ کہ اے سب خدا دی طرفوں اے۔
توراۃ وِچ حضرت موسٰی تے انجیل وِچ حضرت عیسٰی علیہما السّلام نے خوشخبری دِتّی کہ نبیؑ آخر الزّماں علیہ الصلوٰۃ والسّلام وادیٔ یثرب دے وچ مبعوث ہون گے۔ چنانچہ ایسے وجہ نال دُور دُراڈیاں جگہاں توں چل کے یہودی یثرب تے اوہدے آسے پاسے آباد ہو گئے۔ کدی کدھار ایہو جہیاں خرابیاں پان دی کوشش کیتی کہ ایتھوں دے لوکاں دا مال ناحق کھا جاندے تے کہندے کہ ایہہ مُشرک نیں تے ایس واسطے اینہاں دا مال لُٹ کھانا سانوں جائز اے تے جدکدی اونہاں نال اینہاں دی لڑائی بھڑائی ہو جاندی تے ایہہ اپنیاں دُعاواں وچ التجا کر دے کہ اے پروردگار تیرا اوہ سچّا تے آخری نبی جدھے انتظار وِچ اَسی ایتھے آ کے بیٹھے ہوئے آں اوہدے واسطے نال سانوں دُشمناں تے فتح عطا فرما[له] تے اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ پاکؐ دے صدقے اینہاں نوں فتح عطا فرما دیندے لیکن ایس قوم دی بدبختی کہ اینہاں نے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم دی تشریف آوری دے وقت سارے یہودیاں نے خدا دے سچّے تے سُچّے نبی تے ایمان نہ لیاندا۔ اُلٹا اونہاں دی دعوت وِچ کیڑے کڈھنے شروع کر دِتّے، تے اپنے واہی تباہی اعتراضاں نال اونہاں نُوں دُکھ دین لگ پئے تے بعضے ٹانویں ٹانویں یہودیاں نے آپؐ تے ایمان لے آندا جس طرح عبداللہ بن سلام تے بعض دُوسرے۔ تے قرآن وِچ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے کہ بے ایمان یہودیاں نے ایہہ سازش سوچی کہ سویرے ایمان لے آؤ تے شام نوں فیر یہودی بن جاؤ۔ اینہاں دا مطلب ایہہ سی کہ جیہڑے نیک نیّت یہودی مسلمان ہو چکے نیں اُونہاں نوں فیر یہودی بنا لِتّا جائے حالانکہ ایہہ ایتھے آئے سن نبیؑ آخر الزّماں دی اتّباع تے پیروی دے واسطے۔ اینہاں دے نبیاں نے ہر دَور وِچ اینہاں توں حضورؐ دی نصرت تے مدد دا وعدہ لیا سی۔ تے فیر اینہاں نے وَڈی بے شرمی نال آپؐ دے اظہارِ نبوت دے بعد مَنّن توں اُکّا ای انکار کر دِتّا۔ ایسے واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَا تَکُوْنُوْٓا اَوَّلَ کَافِرٍۢ بِہٖ۔ تُسی ہی سب توں پہلے اوہدے مُنکر نہ بنو۔

له تے اک واری خیبر دے یہودیاں دی بنو غطفان نال جنگ ہو گئی تے اُنھاں نے دُعا کیتی۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْأَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ وَعَدْتَنَا اَنْ تُخْرِجَہٗ۔

اگر ایہہ اپنے نبیاں نال کیتے گئے وعدیاں دے مطابق اللہ دے سچّے تے آخری نبی تے اوہدی کتاب تے ایمان لے آوندے تے ایہناں دی ویکھا ویکھی مشرکینِ حجاز جنھاں تے ایہناں دا اثر کجھ عرصے توں قائم ہو چکیا سی تے عیسائی تے دُوسریاں قوماں وی آسانی نال حضورؐ تے ایمان لے آوندیاں لیکن بدقسمتی نال سب توں پہلے اوہناں نے ای اللہ دی کتاب تے نبی آخر الزماںؐ نوں جھٹلایا حالانکہ قرآن نے کیہا اے یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ (البقرۃ ۱۴۶) یعنی اوہ اوہناں نوں ایسراں پچھاندے نیں جسراں اپنیاں پُتراں نوں

امام ولی اللہؒ نے اپنی کتاب "الفوز الکبیر فی اصُول التفسیر" وچ ایس گل نوں کھول کے بیان کیتا اے کہ قرآنی آیتاں خاص طور تے جنھاں پنجاں حصیاں وچ ونڈیاں جا سکدیاں نیں، اوہناں وچوں اِک وڈّا حِصّہ یہودیاں، نصرانیاں، مُشرکاں تے منافقاں چار گمراہ فرقیاں نال مناظرہ وی اے۔ چنانچہ سُورۃ بقرۃ دا اصل موضوع یہودیاں نوں قرآن تے اسلام دی دعوت دینا اے تے ایس بارے وچ جیہڑے اوہناں دے اسلام تے پیغمبرِ اسلام تے شکوے شکایتاں تے اعتراض نیں اوہناں دا پوری تفصیل نال کدھرے تحقیقی، کدھرے تاریخی تے کدھرے الزامی جواب دے کے اوہناں دا مُنہ بند کیتا اے۔

یہودیاں نے خلافِ توقع جدوں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم تے ایمان لیان توں اجتماعی طور تے انکار کر دِتّا تے مجبوراً حضور اکرمؐ نوں کفار دی طرح ایہناں نال وی معاہدہ کرن دی ضرورت محسوس ہوئی تے آپؐ نے انہاں نال اِک معاہدہ کیتا لیکن اوہ یہودی ای کیہہ جیہڑا اپنے معاہدے تے قائم رہے چنانچہ ایہناں نے اندرو اندری مُشرکاں، عیسائیاں تے منافقاں نال سازشاں شروع کر دِتّیاں جدھے نتیجے وِچ معاہدہ اپنے آپ ہی ختم ہو گیا چنانچہ کجھ یہودی تے لڑ بِھڑ کے ختم ہو گئے تے جیہڑے باقی سَن حضور اکرمؐ نوں تشویش ہوئی کہ آئندہ وی ایہہ گندے انڈے مسلماناں نوں چین نہیں لین دین گے چنانچہ حضور اکرمؐ نے مجبور ہو کے حکم دِتّا کہ اَخْرِجُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰی مِنْ جَزِیْرَۃِ الْعَرَبِ ۔ یہودی تے نصرانی سازشی چوہیاں کولوں عرب دُنیا نوں پاک کر دیو۔ چنانچہ جس دن توں حضور اکرمؐ نے ایس خِطّہ زمین نوں پاک کیتا اے اوہ دن توں لے کے ہُن تک جتھے وی یورپ، ایشیا یا افریقہ وِچ ایہہ گئے نیں اقوامِ عالم نے ایہناں کولوں پناہ منگی اے کیونکہ ایہہ اپنی کمینگی تے قدم قدم تے عہد شکنیاں تے بُزدلیاں دے جس قدر

مظاہرے کر چکے نیں اوہدی تفصیل نال ہر مُلک دیاں تاریخاں بھریاں پیّاں نے۔ تہانوں یاد ہووے گا کہ نازی جرمنی نے ایہناں کولوں تنگ آ کے ایہناں دا حشر جو کیتا اے دُنیا دی تاریخ وِچ اوہدی مثال نہیں مِلدی۔ بہر حال ایہہ تے کل دی گل اے۔ آیخ مَین اک نازی جرمن نوں پچھلی جنگ دے بعد اسرائیلی جاسوس اغوا کر کے اپنے مُلک اسرائیل وِچ لے آئے تے سٹھ لکھ یہودیاں دے قاتل دی حیثیّت نال اوس تے اپنی کھُلی عدالت وِچ مقدّمہ چلا کے اوہنوں پھانسی دی سزا دِتّی۔

تسُی ایس اک واقعہ توں ای قرآن حکیم تے جناب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم دی صداقت دا اندازہ لگاؤ آخر اینے عرصے دے بعد جرمناں تے یورپی مُلکاں نے اپنے مُلک دے یہودیاں کولوں نجات حاصل کرن واسطے بین الاقوامی ضابطیاں تے دستوراں نوں چھڈ چھڈا کے اسلام تے عرب دُشمنی دی بِنا تے اپنی طاقت دے گھمنڈ وِچ نہتیاں عرباں نوں فلسطین وچوں کڈھ کے ایہناں نوں طاقت دے بل بوتے تے اسرائیلی حکومت بنا دِتّی مگر عرباں نوں ایہناں غاصب یہودیاں دا اوتھے رہنا اِک پل واسطے وِی گوارا نہیں۔ اگر عرباں دا وَس چلّے تے اِک جھٹ پٹّے وِچ ایہناں دے ناپاک وجود توں نجات حاصل کر لین تے بحیرہ قلزم وِچ ایہناں دا بیڑا ڈوب دین۔

اسرائیلی ریاست دے بنن نال بعض لوگ خیال کر دے نیں کہ ایہہ گویا صداقتِ قرآنی دے خلاف اے حالانکہ قرآن نے صرف اینا ں ہی کیہا اے ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوٓا (آل عمران ۱۱۲) یعنی جتھے ویکھو ذِلّت اوہناں دے سِر تے سوار اے۔ بہر حال قرآن نے کدھرے وِی نہیں کیہا کہ ایہناں نوں حکومت نہیں دِتّی جائے گی تے ہر حکومت اللہ دی رحمت یا انعام قرار نہیں دِتّی جا سکدی حالانکہ کافراں، مُشرکاں تے دہریاں نوں ہمیشہ ہی حکومتاں حاصل رہیاں نیں، اَج وِی ہین۔ ہاں البتّہ نبوّت اللہ تعالیٰ دا بہت بڑا انعام اے جیہڑا اوہناں نوں وِی کدی حاصل سی مگر ایہناں دیاں کمزوریاں تے بدعملیاں تے نبیاں نوں قتل کرن دی سزا وِچ تے اسلام دی مخالفت دی بِنا تے اللہ نے ایہناں کولوں نبوّت واپس لے کے بنی اسمٰعیل نوں عطا فرما دِتّی۔

قرآن حکیم ایہناں دی خرابیاں ذکر کرن توں پہلے اللہ تعالیٰ دی اوہناں نعمتاں دا ذکر کرنا چاہندا اے جنہاں دے ذریعے نال اوہناں نوں جھنجھوڑیا جا سکدا اے۔ اک شریف آدمی دی تنبیہ دے واسطے اینا ں کہہ دینا ای کافی ہوندا اے کہ توں شریف پیو دا پُتّر ایں۔ چنانچہ ایس آیت دے وِچ اوہناں نوں دَسّیا گیا اے کہ تہاڈے وڈ وڈیرے اوہ لوک سن جنہاں تے ہر قسم دیاں نعمتاں

نازل ہویاں اَتے اونھاں نوُں اللہ نے نبوّت نال سرفراز کیتا تے حکومت عطا کیتی تے ایہو
ای سب توں وَڈّا اللہ دا اِنعام اے کہ کسے اُمّت نوُں ایسے اعلیٰ عقائد تے اخلاق دی تعلیم
دِتّی جائے کہ اوہدا لازمی نتیجہ سربلندی تے حکومت ہووے۔ چنانچہ اِک دُوسرے موقعے تے وی
قرآن شریف وِچ اللہ تعالیٰ نے ذِکر فرمایا اے۔ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا
نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ (المائدۃ ۲۱) جدوں مُوسٰی علیہ السّلام نے اپنی قوم نوُں کہیا اے بھا!
اللہ نے تہاڈے تے جیہڑے احسانات کیتے نیں اونہاں نوُں یاد کرو تے اوس نے تہاڈے وِچ
پیغمبر بنائے تے تُہانوُں بادشاہت دِتّی تے تُہانوُں اوہ اوہ نعمتاں دِتّیاں جیہڑیاں دُنیا جہان
دے وِچ کسے دوسرے نوُں نہیں دِتّیاں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے یہودیاں نوُں رُوحانی تے جسمانی دونویں
بادشاہتاں عطا کیتیاں۔ فیر ایہو جئے لوکاں لئی ایہہ مناسب نہیں کہ اوہ اللہ دی غلامی نوُں چھڈ
کے انساناں نوُں اپنا رب بنا لین۔

ایس بیان دے بعد اُونھاں کولوں مطالبہ کیتا جاندا اے کہ اوس وعدے دی پابندی
کرن جیہڑا اونھاں نے اللہ تعالیٰ نال کیتا ہویا اے۔ ایس دا نتیجہ ایہہ نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ وی
اپنے وعدے نوُں پورا کرے گا جیہڑا اوس نے اُونھاں نال کیتا ہویا اے۔ مطلب ایس آیت شریفہ
دا ایہہ وے کہ اونھاں دوہاں وعدیاں دا ذکر کیتا جائے۔ اِک وعدہ بنی اسرائیل دا اللہ تعالےٰ
دے نال تے دُوسرا اللہ تعالیٰ دا بنی اسرائیل نال اے۔

اگّے فرمایا وَ اٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَ لَا تَكُوْنُوْۤا اَوَّلَ
كَافِرٍۭ بِهٖ ایس آیت وِچ بِمَاۤ اَنْزَلْتُ دا اشارہ اے قرآن شریف دی طرف، تے
لِمَا مَعَكُمْ دا اشارہ اے توراۃ دی طرف۔ توراۃ وِچ موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا سی
کہ میرے بعد مثیلِ موسیٰؑ آئے گا۔ حضرت عیسیٰؑ کولوں پُچھیا گیا تُسی مثیلِ موسیٰؑ او؟ اونھاں نے
انکار کیتا تے فرمایا کہ اوہ میرے بعد آوے گا۔ تے حضورِ اکرمؐ نے اپنی بعثت دے ابتداء وِچ
ای فرما دِتّا کہ مَیں مثیلِ مُوسیٰؑ واں۔ چنانچہ قرآن شریف وِچ ارشاد اے۔ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ
رَسُوْلًا ۙ۬ شَاهِدًا عَلَیْكُمْ كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (المزمّل ۱۵) جس طرح
اَساں فرعون دی طرف موسیٰؑ پیغمبر بنا کے گھلیا سی۔ تہاڈی طرف اوسے طرح محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم
نوُں رسول بنا کے بھیجیا اے، جیہڑے تہاڈے مقابلے تے گواہی دین گے۔

ایس لئی ہُن اسرائیلیاں کولوں مطالبہ کیتا گیا کہ اوہ قرآن تے پیغمبرِ اسلام تے ایمان لے آن کیونکہ ایہناں نوں مَن لین نال اوہناں دیاں اپنیاں کتاباں تے صداقت دی مہر لگ جائے گی تے ساری دُنیا نوں یقین ہو جائے گا کہ پہلیاں آسمانی کتاباں دیاں پیش گوئیاں سچیاں ثابت ہو گئیاں نیں۔ اوہدا اثر اِک ایہہ وی ہووے گا کہ اِک دُنیا ایہناں نوں پیغمبراں دی نسل توں جاندی اے تے خاص طور تے عرب مُشرکاں تے ایہناں دا کِسے حد تک اثر ہو چکیا اے تے ایہناں دے ایمان لیان نال اُوہناں نوں ایمان لیانا وی آسان ہو جائے گا۔ ایہناں دوہاں دے ایمان لیان نال باقیاں تے وی اثر پوے گا اَتے اُوہناں نوں وی ایمان لیان وِچ آسانی ہو جائے گی۔ مگر بڑے افسوس نال ایہہ کہنا پیندا اے کہ ایہناں نے قرآن دی دعوت تے پیغمبر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تے ایمان لیان دا انکار کر کے نہ صِرف ایہہ کہ دُوسریاں نوں مشکل وِچ پا دِتّا اے بلکہ ایہناں نے اپنی تاریخی کتاباں تے اُوہناں دی پیش گوئیاں نوں وی جُھٹلا دِتّا اے تے اپنا گناہ ای ایہناں دے سِر تے نہیں بلکہ اُوہناں دا گناہ وی ایہناں دے سِر تے ای اے۔

اِس دے بعد فرمایا وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا وَّاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ۔ حق نوں کِسے دُنیا دی غرض دی وجہ نال چھڈ دینا آخرت دی ہمیشہ رہن والی دولت نوں دُنیا دی تھوڑی قیمت تے ویچ دین دے برابر اے۔ ایہہ مطلب نہیں کہ آخرت نوں تھوڑے مُل تے نہ ویچو بلکہ زیادہ مُل تے ویچو۔ دُنیا دی وَڈّی توں وَڈّی دولت وِی آخرت دے مقابلے وِچ بے حقیقت، تے تھوڑی اے۔ آخر وِچ فرمایا وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ "تلبیس" دے معنے نیں کِسے چیز نوں ڈھک لینا یا چُھپا لینا تے اوہدا مطلب ایہہ لِتّا جاندا اے کہ گل ادھوری کہی جائے تاں جے مطلب کُجھ دا کُجھ ہو جائے تے ایہہ اُدھوری گل دا مغالطہ کِسے ویلے جھُوٹ کولوں وی زیادہ بدتر ثابت ہوندا اے۔ اللہ دے حُکماں نوں بَدل دین دیاں صُورتاں دو ہی ہو سکدیاں نیں۔ پہلی ایہہ کہ اندرونی تحریف تے تلبیس یعنی کہ لفظاں نوں بدلیا جائے تاں جے مفہوم بدل جائے۔ دُوسرے ایہہ کہ سِرے توں حق نوں ہی چُھپا لِتّا جائے۔ یہودیاں نے اپنی آسمانی کتاباں وِچ ایہہ دونویں قسم دیاں خرابیاں کیتیاں نیں کہ توراۃ وِچوں کُجھ تے گلاں کڈھ ہی چھڈیاں تے جیہڑیاں باقی رہ گئیاں اوہناں دے مطلب بَدل چھڈے۔

وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ تے ایہہ بدلنا سدلنا اتے حق نوں چھپانا اینہاں دی فطرت اے تے ایہہ گل کسے بھلیوے وچ نہیں کیتی گئی بلکہ جان بجھ کے اونہاں نے ایہہ عمل اختیار کیتا اے۔

(بشکریہ ریڈیو پاکستان)

○

"افراط تے تفریط"

۲۰ اکتوبر ۱۹۶۷ء جمعۃ المبارک

الحمد للہ وکفٰی وسلام علیٰ عبادہ الّذین اصطفٰی امّا بعد:
فاعوذ باللہ من الشّیطٰن الرّجیم بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم
وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ۔ وَاِذْ فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰکُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۔ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓی اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِہٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۔ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۔ (صدق اللہ العلی العظیم)

(البقرۃ ۴۹ تا ۵۲)

اینہاں آیتاں دا ترجمہ ایہہ وے:

وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ (اتے اوہ ویلا یاد کرو) جدوں اساں تہانوں فرعون کولوں چھٹکارا دِتّا۔ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ۔ اوہ تہانوں ڈاہڈا دُکھ دیندے سَن۔ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ تہاڈے پُتراں نوں ذبح کر دے سَن۔ وَیَسْتَحْیُوْنَ

نِسَآءَکُمْ تے تہاڈیاں دھیاں نوں زندہ رکھدے سن۔ وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ تے ایہدے وِچ تہاڈے پروردگار دی طرفوں وڈی آزمائش سی۔ وَاِذْ فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَ تے جدوں اساں تہاڈے واسطے سمندر نوں پاڑ دِتا۔ فَاَنْجَیْنٰکُمْ تے تہانوں بچا لیا۔ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ اتے فرعون تے اوہدے لشکر نوں تہاڈیاں اکھاں دے سامنے غرق کیتا۔ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰی تے جدوں اساں مُوسیٰ علیہ السّلام نال وعدہ کیتا۔ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً چالی راتاں دا۔ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ فیر تُساں وچھے نوں (معبود) بنا لیا۔ مِنْۢ بَعْدِہٖ اوس دے پچھے۔ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ تے تسی بڑے ظالم ساؤ۔ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْکُمْ۔ فیر اساں تہانوں معاف کر دِتا مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ بعد ایس دے۔ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ تاں جے تسی شکر گزار بن جاؤ۔

ہُن تسی خاص خاص لفظاں دی تشریح سُن لو۔

اِذْ۔ عربی گرامر دی رُو نال اِذْ ظرفِ زمان اے تے کسے گزرے ہوئے واقعے دی یاد دلان دے واسطے آوندا اے۔ جس طرح اِذَا کسے آون والے واقعے دے استعمال ہوندا اے۔ تے بعضیاں عالماں نے اِذْ کولوں پہلے اُذْکُرُوْا بیان کیتا اے۔ ہُن ایہدا مطلب ایہہ ہویا کہ تسی یاد کرو اوس ویلے نوں، تاریخ عالم دے اوس زمانے نوں۔

اٰلِ فِرْعَوْنَ۔ عربی زبان وِچ اٰل اور اَھْل دونویں قریب قریب اِکّو ای معنے وِچ استعمال ہوندے نیں مطلب اوہدا اے اہل و عیال، پیروکار، اِک مذہب تے اِک نسب والے کُنبے تے گھر والے۔

فِرْعَوْنَ۔ فرعون کِسے بادشاہ دا ذاتی ناں نہیں بلکہ اے اگلیاں وقتاں وِچ مصر دے بادشاہاں دا عام لقب ہوندا سی جس طراں ایہہ کل تک جرمنی دے بادشاہاں نوں قیصر تے رُوس دے بادشاہاں نوں زار تے تُرکاں دے حاکم نوں سُلطان کہندے سن۔

ہُن تسی ایہناں آیتاں دی تفسیر سُنو :

حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا علیہ الصّلوٰۃ والسّلام دے زمانے توں پہلے دور نوں صابئیت دا دور قرار دِتا جاندا اے۔ حضرت ابراہیمؑ دعوتِ توحید دے علمبردار بن کے دُنیا وِچ مبعوث ہوئے تے اُونہاں دے بعد نبوّت اونہاں دے خاندان وِچ خاص کر دِتی گئی۔ چنانچہ بقول

امام ولی اللہ دہلویؒ حنیفی ادیان تن نیں :

(۱) یہودیت (۲) عیسائیت (۳) اسلام

ایہناں تِناں مذہباں دے پیروکار حضرت ابراہیم جیسے مُوحدِ اعظم تے اولوالعزم پیغمبر نوں نہ صرف اپنا جدِ اعلیٰ ہی من دے نیں بلکہ اپنے دین تے مذہب دا بانی مبانی وی اُونہاں نوں ہی تسلیم کر دے نیں۔

حضرت ابراہیمؑ دے بعد حضرت یعقوبؑ تک اُونہاں دی اولاد کنعان دے وِچ آباد رہی فیر بھراواں دے حسد تے بُغض دی وجہ نال حضرت یُوسفؑ غلام بن کے وکدے وکاندے مصر آ نکلے۔ تے ایتھے اللہ نے اونہاں نوں بادشاہت دا عروج بخشیا۔ جدوں اوس علاقے وِچ اِک وڈا قحط پیا تے حضرت یعقوبؑ تے اونہاں دی اولاد وی مصر وِچ آگئی تے کئی سو برساں دے وِچ اوہ لکھاں دی تعداد وِچ ہو گئی۔

شروع شروع وِچ تے اونہاں دی خوب آؤ بھگت ہُوئی پر چوکھا چر گزرن نال مصر دیاں حاکماں تے ایہناں وِچ ٹھن گئی۔ جدھے نتیجے وِچ مصر دے فرعون نوں ایہہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ چونکہ ایہہ اک بڑی تعداد وِچ ہو گئے نیں، تے کل نوں ایہہ نہ ہووے کہ ایہو ای مصر دے سیاہ وسفید دے مالک بن بیٹھن۔ چنانچہ ایس خیال نال فرعون نے ایہناں لوکاں نوں تکلیفاں دینیاں شروع کر دِتّیاں۔ فرعون تے اوہدی قوم نے اسرائیلیاں کولوں بیگار لینی شروع کیتی۔ زور زبردستی کھیتاں وِچ کم کراندے تے اونہاں دا حق نہ ادا کردے۔ اپنیاں تعمیرات وِچ ایہناں کولوں مختلف قسم دیاں خدمتاں لیندے تے ایہناں نوں ایہناں دی مزدوری ادا کرن توں سخت جی چراندے ایتھوں تک کہ نجومیاں نے پیشین گوئیاں شروع کر دِتّیاں کہ ایس حکومت دا تختہ کسے اسرائیلی دے ہتھوں اُلٹے گا تے ایہو گل فرعون نے اپنی خواب وِچ ویکھی۔ چنانچہ ایہدے توڑ وِچ فرعون نے اپنی قوم نوں تاکید کر دِتّی کہ جس اسرائیلی دے گھر بیٹا پیدا ہووے اوہنوں مروا دیو یا دریا بُرد کرا دیو تے اونہاں دیاں لڑکیاں نوں بے شک زندہ چھڈ دیو تاں جے خدمت دی عُمر نوں پہنچ کے اوہ ایہناں دے گھراں دے کم کاج تے دیکھ بھال کرن۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے کہ اوہ وقت وی یاد کرو جدوں اساں تُہاڈے تے بڑے بڑے انعامات تے احسانات کیتے۔ تہاڈے وِچ بڑے بڑے نبی بھیجے۔ وڈّے وڈّے

بادشاہ پیدا کیتے تے ایس دے علاوہ وی ہزاراں احسانات کیتے جنہاں وچوں اِک وڈا احسان ایہہ وی سی کہ فرعون تے اوہدے لاؤ لشکر توں تنگ آ کے یہودیاں دے بعض خانداناں نے چوری چھپی اپنے آبائی وطن توں کوچ کرنا شروع کیتا تے سب توں وڈا جتھہ حضرت موسیٰؑ دی سرکردگی وچ ایس سرزمین توں نجات پان واسطے نکل کھلوتا۔ تے اوہنے شام تے فلسطین دی طرف جان دا ارادہ کیتا تے چوری چھپے راتو رات ایہہ اپنے مقصد نوں حاصل کرن واسطے نکل پئے۔

اوہ زمانہ سڑکاں تے اوہناں دیاں میلاں تے لیمپ لالٹیناں دا نئیں سی تے رات دے انھیرے وچ ایہہ وچارے رستہ بھُل گئے۔ بجائے ایس دے کہ ایہہ شمال دی طرف کجھ اگے ودھ کے مشرق دی طرف نوں مُڑدے ایہہ پہلے ای ایدھر نوں گھُم گئے۔ اینے وچ فرعون نوں اوہدی سی، آئی، ڈی نے خبر پہنچا دتی اوہ اپنے لشکر دی کمان کردا ہویا بڑی تیزی نال ایہناں دی طرف چل پیا۔

ہُن ایہو جیئی اوکڑ وچ ایہہ پھس گئے کہ مشرق دی طرف تے سمندر سی تے سجے کھبے پہاڑیاں سن۔ تے ایہناں دے پچھوں مصری لاؤ لشکر بڑی تیزی نال ودھیا چلیا آرہیا سی۔ قرآن حکیم نے اپنیاں ایہناں آیتاں وچ اوہناں تاریخی حقیقتاں دا ذکر کیتا اے تے توراۃ وچ وی ایس واقعے دا ذکر قریب قریب ایسے طراں موجود اے۔ تے جدید ترین تحقیقات دے مطابق اثریات تے کھنڈرات دیاں ماہراں نے ایہنوں پندرھویں صدی قبل مسیح دا زمانہ قرار دِتا اے تے بعض تحقیق کرن والیاں نے سن متعیّن کرن دی وی کوشش کیتی اے چنانچہ ایہناں دے خیال دے مطابق ایہہ ۱۴۴۷ ق م دا واقعہ اے۔

ہُن تسی ایہناں آیتاں دی طرف خاص طور تے دھیان دیو۔ وَإِذْ نَجَّيْنَٰكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوٓءَ ٱلْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَآءَكُمْ ۚ وَفِى ذَٰلِكُم بَلَآءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ۔

یعنی اساں تُہانوں ظالم فرعون تے اوہدے لاؤ لشکر توں نجات دِتی جیہڑے تہانوں بڑیاں تکلیفاں دیندے سن۔ تہاڈیاں پُتراں نوں ذبح کر دیندے سن تہاڈیاں انجانیاں تے چھوریاں نوں زندہ چھڈ دیندے سن تے ایہدے وچ پروردگار دی طرفوں وڈی آزمائش سی۔ اگے فرمایا وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ ٱلْبَحْرَ فَأَنجَيْنَٰكُمْ وَأَغْرَقْنَآ آلَ

فِرعَونَ وَ اَنتُم تَنظُرُونَ تے جدوں اساں تہاڈے لئی دریا نوں چیر دتّا، فیر تہانوں تے ڈُبّن تو بچا لیا، تے فرعون تے اوہدے لاؤ لشکر نوں تہاڈیاں ویکھدیاں اکھّاں ڈوب دِتّا۔

خلاصہ ایہہ وے کہ بحیرۂ قلزم دے شمالی کنارے تے بنی اسرائیل کھلوتے سَن اگّے سمندر سی تے پچھّے فرعون دا لشکر۔ تے ایس اوکھے ویلے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام نوں حکم دِتّا کہ اوہ اپنے سوٹے نوں سمندر تے مارن۔ موسیٰؑ دا سوٹے نوں مارنا سی تے اللہ دی قدرت نال اوہ پانی خشک ہوگیا۔ بنی اسرائیل بڑے اطمینان نال پار ہوگئے۔ اونہاں دی ویکھا ویکھی فرعون وی اپنے کل لشکر سمیت سمندر وِچ وَڑ گیا۔ جدوں وِچ منجدھار دے پہنچیا تے آسے پاسے پانی فیر ٹھاٹھاں مارن لگ پیا تے اللہ تعالیٰ نے اوس دَور دے بدترین ٹولے نوں غرق کر دِتا۔ اتے اللہ دی قدرت دا ایہہ مشاہدہ بنی اسرائیل نے بڑی خوشی نال ویکھیا یعنی اوہ بدفطرت قوم جنھاں نے انساناں نوں تاریخ دی بدترین غلامی وِچ مبتلا کیتا اج اپنی بےبسی تے بےکسی نال وِچ دریا دے چیکاں مار رہی سی مگر جگدے وَسدے جہان وچّوں کوئی وی اونہاں دی مدد نوں نہ پہنچ سکیا۔

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ (الدّخان ۲۹)

پس نہ رویا آسمان تے نہ روئی زمین اُونہاں دے اُتّے۔

فیر فرمایا وَإِذْ وَاعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِن بَعْدِهِ وَأَنتُمْ ظَالِمُونَ ۔ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنكُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

جدوں بنی اسرائیل فرعونیاں کولوں نجات پا کے اگّے ودھے تے ہُن اوہ اِک آزاد قوم سَن جنھاں دے واسطے قانون تے دستورالعمل دی ضرورت سی ورنہ ضابطہ نہ ہون دی وجہ نال اندیشہ سی کہ اونہاں دے خیالات دے وِچ انتشار نہ پھیل جائے ایس لئی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام نوں حکم دِتّا کہ کوہِ طور تے آ کے چالیاں راتاں دا اعتکاف کرو۔ اللہ تعالےٰ دا قانون وی ایہو ای اے کہ چالیاں دناں دے ذکر فکر دے بعد رُوحانی کمالات دا دروازہ کھُل جاندا اے۔ اللہ والے ایسے واسطے چِلّہ کشی کردے نیں۔ تاں جے بندہ انسانی نجاستاں توں پاک ہو کے اللہ تعالیٰ دیاں عنایتاں تے رحمتاں دا مرکز بن سکے۔ ایس میدان دے ہر راہی دے واسطے ضروری اے کہ دُنیا تے دُنیا دیاں لوکاں کولوں کامل تنہائی اختیار کرے جس طرح کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم وی کئی کئی رات دن غارِ حرا دے وِچ اعتکاف فرماندے سَن۔

حضرت مُوسیٰؑ تے کوہِ طُور اُتّے اللہ دی یاد وِچ مصروف سَن تے اونھاں دی عدم موجُودگی وِچ بنی اسرائیل نے سونے چاندی دا وَچھا پُوجنا شروع کر دِتّا۔ اودھیاں کئی وجہاں ہوسکدیاں نیں۔

پہلی ایہہ کہ ایہہ لوگ قریب قریب چار سو سال تک مصر وِچ رہے تے مصری گاں دی پُوجا کردے سَن تے بنی اسرائیل وی اونھاں دی ویکھا ویکھی گاں دی پُوجا وِچ مُبتلا ہو گئے۔ ایہہ اونھاں دی صحبت تے ہم نشینی دا اثر سی۔

دُوجی ایہہ کہ بنی اسرائیل عرصے توں مصریاں دی غلامی وِچ زندگی بسر کر دے سَن تے فرعون نے تمام وَڈّے وَڈّے عہدے اپنی قوم واسطے خاص کرلے سَن تے تمام رذیل تے ذلیل پیشے بنی اسرائیل دے واسطے مخصوص کر چھڈّے سَن۔ جدھے نال ایہناں دی آمدنی دے ذرائع بند ہو گئے تے جو کُجھ تھوڑا بہت ایہناں نوں مِلدا سی اوہ ایہناں دی ضرورت واسطے کافی نہیں سی ہوندا۔ تے ایسے واسطے ایہناں نوں دولت نال محبّت ہو گئی تے ایہہ ہر غلام تے محکوم قوم دا خاصا اے کہ اوہنوں دولت نال محبّت ہو جائے۔ شاعرِ مشرق علّامہ اقبال نے کنی پتے دی گل کہی اے ؎

جو تھا ناخُوب بتدریج وُہی خوب ہُوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

بنی اسرائیل ہُن آزاد ہو چکے سَن۔ ہُن اونھاں تے کسے غیر دی حکومت نہیں سی لیکن غلامی دے اثرات ہُن تک اونھاں دے دِل تے طاری سَن جس ویلے ایہناں نے سونے تے چاندی دا وَچھا ویکھیا اوسے ویلے سجدے وِچ ڈِگ پئے۔ جدوں کوئی قوم ترقّی دیاں منزلاں طے کرن لگدی اے تے قانون نہ ہون دی شکل وِچ اونھاں کولوں دو قسم دیاں غلطیاں ہو جاندیاں نیں :

(۱) افراط (۲) تفریط

افراط دا مطلب ایہہ وے کہ رُوحانیّت دے وِچ جائز حدّاں توں نکل جانا۔ جیویں نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ نوں اللہ دا بیٹا بنایا۔

تفریط دا مطلب ایہہ وے کہ مادیّت وِچ بہت دُور نکل جانا۔ مثلاً یہُودیاں نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام دی جو تاریخ مرتّب کیتی اے اوہ ایس دی بہترین مثال اے۔

ایہوای اوہ اصولی غلطیاں نیں جنھاں توں خدا تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک دی اک سو چودہ سُورتاں وِچّوں سب توں پہلی سُورۃ دے اخیر وِچ مسلماناں نوں پناہ منگن دا حکم دِتّا اے غَیرِ

الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۔

یہودی تفریط دی وجہ نال ہلاک ہوئے کیونکہ اونھاں نے سرے توں ہی حضرت مسیح علیہ السّلام نوں منّن توں انکار کر دِتّا تے عیسائی افراط دے وِچ مبتلا نیں کہ اِک بشر حضرت مسیح علیہ السّلام نوں اپنا خدا بنا دِتّا۔ (نعوذ باللہ)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

○

"نبیاں دا آؤنا ربّ دی رحمت اے"

۲۴ نومبر ۱۹۶۷ء

الحمد للہ وکفٰی وسلام علیٰ عبادہ الّذین اصطفٰی اما بعد:
فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم
اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِـِٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ وَّاذْکُرُوْا مَا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِکَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ لَکُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ (البقرۃ ۶۲ تا ۶۴)

اینھاں آیتاں دا ترجمہ ایہہ وے:
اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بے شک جیہڑے لوگ ایمان لیا چکے نیں۔ وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِـِٕیْنَ اتے جیہڑے یہودی تے نصرانی تے صابی ہو چکے نیں۔ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ تے جیہڑے اللہ تے آخرت تے ایمان لیائے۔ وَعَمِلَ صَالِحًا

اَتے نیک عمل کیتے۔ فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ سو اونہاں سبھناں لئی اونہاں دے پروردگار کول اونہاں دا اجر اے۔ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ نہ اونہاں نوں کوئی اندیشہ اے تے نہ کوئی رنج وغم اے۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ تے جدوں اساں تہاڈے کولوں وعدہ لِتّا۔ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ تے اساں تہاڈے اُتّے طور پہاڑ نوں بلند کیتا۔ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ مضبوطی نال پکڑو ایس (کتاب) نوں جیہڑی اساں تہانوں دِتّی اے۔ وَاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ اَتے جو کجھ اوہدے وِچ اے۔ اوہنوں یاد رکھو۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تاں جے تسی پرہیزگار بن جاؤ۔ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فیر تسی اوہدے بعد اوس قول قرار توں پھر گئے۔ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ کے اگر تہاڈے اُتے اللہ دا فضل تے اوہدی رحمت نہ ہوندی۔ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ تے تسی ضرور تباہ ہو جاندے۔

ہُن تسی چونویاں لفظاں دی تشریح سُن لو۔

اٰمَنُوْا : تسی ایمان لیاؤ۔ ایہہ ایمان توں فعل ماضی دا صیغہ جمع مذکر غائب اے۔ ایہدا واحد اٰمَنَ اے۔ یعنی اوہ ایمان لیایا۔ ایمان لیان نال انسان اللہ دی پناہ وِچ آ جاندا اے۔ اوہ امن تے امان والا، بےخوف تے مطمئن ہون والا اے۔ ایمانیات دے دائرے دے اندر جنّیاں چیزاں آوندیاں نیں اونہاں ساریاں نوں تصریحاتِ نبوی دے مطابق تے اونہاں دے ماتحت ہونا ضروری اے۔ کسے ہور راہ توں آیا ہویا علم ایس دائرے وِچ نامقبول اے۔ ایمان دی کیفیّتِ نفسی شک، ریب، تردّد، تذبذب دی بالکل ضد اے۔ اوسدے برخلاف ایمان نال دماغ نوں سکون، دِل نوں اطمینان اتے رُوح نوں تسلّی تے تشفّی نصیب ہوندی اے۔ ایمان دے بغیر دل وِچ بیکلی تے بےچینی رہندی اے۔ لیکن ایمان والے نوں سخت مصیبت دے ویلے وِی ڈھارس رہندی اے کہ اوہ وڈّا سہارا تے بڑا مضبوط آسرا رکھدا اے۔

هَادُوْا : جیہڑا یہودی بن گیا۔ یہودیّت اِک نسلی مذہب اے، تبلیغی مذہب نہیں۔ کسے غیر اسرائیلی نوں باضابطہ یہودی بنان دا طریقہ اونہاں کول اَج تک وی نہیں ہیگا۔ ایس دے باوجود بعض عرب قبیلے یہودی بن گئے سَن۔ جیہڑے نہ تے پیدائشی یہودی سَن تے نہ نسل اسرائیل نال اونہاں دا کوئی تعلق سی۔ بلکہ اِک مُدت تک بنی اسرائیل دے ڑوس تے ہمسائیگی دے وِچ

رہن تے اونھاں نال ہر قسم دے میل جول دی وجہ نال اوہ قبیلے دی اپنے آپ نوں یہودی کہلان لگ پئے. یہودی خود چونکہ اپنے مذہب دی اصلیت توں بالکل ناواقف نے بے نیاز ہو چکے سَن ایس واسطے اوہ خود ساختہ تے نویں یہودی مذہب توں بالکل ہی ناواقف تے نابلد سَن. لہذا اِسرائیلی یہودیت دے دعویدار اپنی کتاب توراۃ تے اپنے پیغمبر دے نال محبت دے دعوے تے ضرور کر دے سَن لیکن علماً، عملاً، قولاً، فعلاً اوہ سابق یہودیاں نال دُور دا تعلق وی نہیں رکھدے سَن.

اَلنَّصٰرٰی : نصاریٰ جمع اے نصرانی دی. مُلک شام جِنھوں ہُن سیریا تے فلسطین کہیا جاندا اے اوہدے وِچ اک قصبہ ناصرہ اے. نصاریٰ دی نسبت ایسے قصبہ ناصرہ دی طرف اے حضرت مسیح علیہ السّلام ایسے قصبے ناصرہ دے وِچ پیدا ہوئے. حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل دی طرف اونھاں دے آخری نبی دے طور تے مبعوث ہوئے لیکن بد قسمتی نال یہودیاں نے اونھاں نوں نبی مَنّن توں اُکا اِی انکار کر دِتّا تے اونھاں دی شان دِچ نازیبا کلمے استعمال کرن لگ پئے. ایس اثناء وِچ اپنے قصبے ناصرہ وِچ حضرت مسیحؑ نے کجھ دھوبیاں کپڑے دھوندیاں ویکھیا، تے اونھاں نوں پچھیا تُسی کیہہ کر دے پئے او؟ اونھاں نے کہیا اسی لوکاں دے کپڑے دھو کے اپنا پیٹ پالنے آں. حضرت مسیحؑ نے اونھاں نوں فرمایا کہ مَیں تُہانوں لوکاں دے دل دھونے تے مانجھنے نہ سکھا دیاں؟ اونھاں نے خوشی نال ایس گل نوں من لیا. چنانچہ حضرت مسیحؑ نے اونھاں دی تعلیم و تربیت مکمّل کر کے اپنے فرضِ منصبی دی تکمیل دے واسطے اونھاں بارہ دے بارہ دھوبیاں نوں بنی اسرائیل دی ہدایت دے واسطے روانہ فرمان دے وقت اونھاں نوں ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل دی گم کردہ راہ بھیڑاں نوں راہِ راست سُجھانا تے رُومیاں، کنعانیاں، یونانیاں نوں کُجھ نہ کہنا لیکن ہویا اوہو ای جو کُجھ عرصہ پہلے حضرت مسیحؑ نال بیتی سی یعنی ایس دعوت دا فیر دوبارہ شِدّت نال انکار کر دِتّا تے حضرت مسیحؑ نوں (معاذاللہ) شعبدہ باز، جادوگر، مجنون وغیرہ وغیرہ کہنا شروع کر دِتّا. نتیجۃً جدوں اسرائیلیاں نے پیغامِ نبوّت نوں نظر انداز کر دِتّا. تے اونھاں مسیحؑ دیاں حواریاں تے مبلّغاں نے جیہڑا نیک نفس آدمی مِلیا اوھنوں ہدایت دا پیغام دینا شروع کر دِتّا تے ایسراں اِک نواں مسیحی مذہب بن گیا.

اَلصّٰبِئِیْنَ : صابئین جمع اے صابی دی. صابی دے لفظی معنی نیں اپنے دین نوں

چھڈ کے دُوسرے دے دین دی طرف مائل ہو جانا۔ اکثر علماء نے ایہناں نوں اہلِ کتاب دی طراں قبلے دا قائل تے موحد تسلیم کیتا اے۔ ایہہ لوگ اپنے آپ نوں نصاریٰ یحییٰ کہلاندے نیں لیکن امام ولی اللہ دہلویؒ دا فرمان ایہہ وے کہ حضرت ابراہیمؑ توں پہلے مظاہر پرستی دے دور نوں صابئیت دا دور قرار دِتا جاندا اے تے ابراہیم حنیف توں لے کے دورِ حنیفیت شروع ہوندا اے۔

اَلطُّوْرَ: طُور ہر دشت و جبل نوں کیہا جاندا اے تے جزیرہ نما سینا دے مخصوص تے معین پہاڑ دا ناں وی اے۔ جدید جغرافیہ نولیاں دی تحقیق ایہہ وے کہ طور دا اطلاق جزیرہ نما سینا دے بہت سارے پہاڑاں تے ہوندا اے لیکن حضرت مُوسیٰؑ تے بنی اسرائیل دے سلسلے وچ جبلِ طُور توں مراد صرف جبلِ سینا ای لتی جاندی اے مگر خود جبلِ سینا دی اِکو چوٹی نہیں کئی چوٹیاں نیں، اوہناں وِچوں ای کِسے اک چوٹی نوں طُور کیہا جاندا اے۔

ہُن ایہناں آیتاں دی تفسیر کیتی جاندی اے۔

ارشاد فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

مذہب اسلام دین تے دنیاوی کامیابی تے سُرخروئی دا آخری ذریعہ اے تے قرآنِ حکیم آخری قانون دے طور تے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دے زندہ معجزے دی حیثیت نال اَج وی جُوں دا توں محفوظ و موجود اے تے اپنیاں تے پرایاں کولوں اپنی عظمت دا لوہا منوا رہیا اے۔ اسلام نام اے عقائد و اعمال دا۔ عقائد وِچ ایمانیات نوں اولیت حاصل اے یعنی قرآن نے جس طراں کئی جگہ تے تشریح کیتی اے کہ اللہ دی وحدانیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دی رسالت تے قیامت، اللہ دے کُل پیغمبراں تے نبیاں، کُل فرشتیاں تے کُل آسمانی کتاباں تے ایمان لیانا اِک مسلمان واسطے ضروری اے۔ اگر ایہناں وِچوں کسے اِک تے وی اوہدا ایمان ڈانواں ڈول ہو جائے تے اوہ مومن تے مسلمان کدی نہیں رہ سکدا۔ ایس دے برخلاف یہُود و نصاریٰ تے دُوسریاں مذہباں دے پیروکار اپنے پیغمبر نوں (جو وی اوہنوں مَنّن) تے باقی سارے نبیاں، اوہناں دیاں کتاباں تے دوسری ایمانیات دا اگر انکار کر دین تے اوہ اپنے خیال وِچ اپنے آپ نوں حق تے سمجھدے نیں تے اپنے آپ نوں نجات دا حق دار قرار دیندے نیں۔

اِنسانی زندگی دے دو پہلو نیں۔ اِک عقائد دا تے دُوجا اعمال دا۔ یعنی پہلے دل وِچ آرزُواں، اُمیداں، احساسات، خیالات وغیرہ پیدا ہوندے نیں۔ اوس دے بعد انسان ارادیاں تے خیالات دی عملی تشکیل شروع کردا اے۔ جس طراں اسی پہلاں خدا دی توحید دا اقرار کرنے آں تے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نوں اللہ دا محبُوب تے اپنا پیشوا، ہادی تے مقتدا مّننے آں، فیر اللہ نوں عبادت یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ نال راضی کرن دی کوشش کرنے آں۔ ایہدے نتیجے وِچ دُنیا وِچ وی اللہ تعالیٰ اپنے وعدے دے مطابق کامیابی تے ترقّی نصیب فرماندے نیں تے جد ارشاد باری تعالیٰ دے مطابق دُنیا دے وِچ حَسَنَۃً فِی الدُّنیَا دا اصُول وِی سچّا ثابت ہو گیا اے تے فیر ضرور حَسَنَۃً فِی الْاٰخِرَۃِ دا اصُول وِی سچّا ثابت ہو کے رہے گا۔ ایہو ای اسلام دی وڈّی خُوبی تے اوہدی اصل تعلیم اے۔

جناب رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم دے مُبارک زمانے وِچ اکثر مذہباں وِچ ایہو جے لوگ موجُود سَن جیہڑے اپنے پہلے دین تے قائم سن مگر کسے وجہ نال اسلام قبول نہ کرسکے، ہُن اونہاں دے بارے وِچ سوال پیدا ہوندا اے کہ آیا اوہ قیامت وِچ پکڑے جان گے یا نہیں؟

مفسّر ابن جریر نے مُجاہد دی روایت نال نقل کیتا اے کہ حضرت سلمان فارسی نے حضور اکرم (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کولوں دریافت کیتا کہ اونہاں نصاریٰ دا کیہہ حال ہووے گا جنھاں نوں مَیں نہایت زاہدانہ تے عابدانہ زندگی بسر کردیاں ویکھیا اے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جواب وِچ فرمایا کہ اونہاں دی موت کُفر تے واقع ہوئی اے۔ حضرت سلمان دا بیان اے کہ ایہہ گل سُندیاں ای میرے تے دُنیا اندھیر ہو گئی۔ مَیں حضور (صلّی اللہ علیہ وسلّم) دے اگّے اونھاں دی نیک نامی تے اونہاں دے ورع تے تقویٰ دا ذکر کیتا تے اوسے ویلے ایہہ آیت نازل ہوئی اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ج وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔ تے حضورِ اکرم (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے مُسلماناں نوں بُلا کے فرمایا کہ تہاڈے دوستاں دے حق وِچ ایہہ آیت نازل ہوئی اے۔ فیر آپؐ نے فرمایا، جیہڑا شخص دینِ عیسٰیؑ تے مر گیا تے میری اطّلاع اونھوں نہیں مِلی اوہ حالتِ اسلام تے مریا اے تے جنھوں میری اطّلاع مِل گئی تے اوہ فیر وی ایمان نہ لیایا اوہ ہلاک ہو گیا۔

حضرت سلمان فارسی دا واقعہ بڑا عجیب اے۔ ایہناں دا اصل وطن اصفہان سی ایہناں دے ماں باپ آتش پرست سَن۔ آتش کدے دی حفاظت ایہناں دے ذِمّے دے رکھی سی۔ اِک واری ایہناں نوں گھروں باہر نکلن دا موقع مِل گیا۔ اِک تھاں عیسائیاں دا گرجا سی۔ اوتھے عیسائی اپنی نماز پڑھ رہے سَن۔ حضرت سلمان نوں خیال آیا کہ عبادت دا ایہہ طریقہ سلّڑے مذہب کولوں چنگا اے۔ اوہناں نوں عیسائیاں کولوں معلوم ہویا کہ مُلک شام وِچ عیسائیاں دا وڈّا پیشوا رہندا اے۔

ایہناں دے باپ نوں جدوں پتہ لگّا کہ ساڈا مُنڈا عیسائی مذہب نوں چنگا سمجھن لگ پیا اے تے اوس نے حضرت سلمان دے پَیراں وِچ بیڑیاں پا دِتّیاں۔ ایہہ کِسے نہ کِسے طراں قید وِچّوں نکل کے مُلک شام جا پہنچے۔ تے وڈّے پادری نوں مِل کے عیسائی ہو گئے۔ گرجے دا اوہ پادری کوئی چنگا آدمی نہیں سی۔ جدوں اوہ مر گیا تے اوہدے پِچھّوں اِک ہور پادری بنیا۔ اوہ واقعی اللہ دا نیک بندہ سی۔ جدوں اوہدی موت دا ویلا قریب آیا تے حضرت سلمان نے اوہدے کولوں پُچھیا ہُن میرے لئی کیہہ حکم اے؟ پادری آکھن لگّا سچّے عیسائی تے سارے مر کھپ گئے نیں ہاں موصل وِچ اک اللہ دا سچّا بندہ موجود اے۔

حضرت سلمان موصل پہنچے تے اوس پادری نوں مِلے۔ اوہ وی واقعی بزرگ آدمی سی۔ کُجھ عرصے توں بعد اوہدا وی آخری ویلا آ گیا تے اوس نے حضرت سلمان نوں آکھیا تُسی ہُن نصیبن نامی قصبے وِچ چلے جایاجے اوتھے اِک اللہ دا بندہ مِلے گا۔

حضرت سلمان نصیبن پہنچے اوہ پادری وی بڑا عابد زاہد سی۔ اوہدا آخری وقت آیا تے اوس نے وی حضرت سلمان نوں وصیّت کیتی کہ ہُن تُسی عموریہ بستی وِچ ٹُر جایاجے۔ قدرت خدا دی اوہ عموریہ والا پادری وی مرن دے قریب ہو گیا۔ حضرت سلمان نے اوہدے کولوں پُچھیا ہُن میں کیس جگہ جاواں؟ اوس پادری نے آکھیا "بیٹیا! ہُن ایہو جیا کوئی وی نہیں جدھے وَل جان دا مشورہ مَیں تینوں دیاں، ہاں اوہ نبی ہُن چھیتی ای ظاہر ہون والا اے جو عرب دے ریگستان وِچّوں ابراہیم علیہ السّلام دے دین نوں فیر زندہ کرے گا تے کھجوراں والے شہر وِچ ہجرت کرے گا۔ اوہدیاں خاص نشانیاں ایہہ نیں کہ اوہ صدقے نوں اپنے لئی حرام جانے گا پر ہدیہ قبول کر لئے گا تے اوہدے دوہاں موہڈیاں دے وِچکار نبوّت دی مہر ہووے گی۔

حضرت سلمان اِک قافلے دے نال عرب چل پئے۔ قافلے والیاں ایہناں نال دھوکا کیتا تے مدینہ شریف دے قریب پہنچ کے اِک یہودی دے ہتھ ایہناں نوں غلام بنا کے وِیچ چھڈیا۔ حضرت سلمان نے اوتھے کھجوراں دے رُکھ ڈِٹھے تے دل وِچ خوش ہون لگ پئے کہ ہُن اوہ نبی جلدی مینوں مِل پئے گا۔

غرض ایہہ حق دے متلاشی حضرت سلمان اُڈیکدے رہے۔ جدوں پتہ لگا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلّم) مکیوں ہجرت کر کے مدینے آ گئے نیں تے ایہہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلّم) دی خدمت وِچ حاضر ہوئے۔ آزمان واسطے کجھ صدقہ پیش کیتا، حضور (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے صدقہ قبول نہ فرمایا فیر حضرت سلمان نے کجھ ہدیہ پیش کیتا تے حضور (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے قبول فرما لیا۔ اِک دن کسے دے جنازے نال حضور (صلی اللہ علیہ وسلّم) قبرستان گئے تے حضرت سلمان حضور (صلی اللہ علیہ وسلّم) دی پُشت مبارک وَل بڑے غور نال ویکھدے سَن۔ حضور پُر نور (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے اپنی کنڈ توں چادر چُک دِتی تے مُہرِ نبوّت صاف نظر آ گئی۔ حضرت سلمان نے مُہرِ نبوّت ویکھدے ای فوراً کلمہ پڑھ لیا تے مُسلمان ہو گئے۔ فیر اپنی دُکھ بھری کہانی حضور (صلی اللہ علیہ وسلّم) نوں سُنائی۔ حضرت سلمان دا یہودی مالک اوہناں دی جند نہیں چھڈ داسی۔ حضورؐ نے فرمایا اوس کولوں پُچھ کِس شرط تے آزاد کریں گا۔ اوس ظالم نے آکھیا مینوں چالی۴۰ اوقیہ سونا لیا کے دے، نال تِن سو کھجور دے درخت لگا، جدوں اوہ درخت پھل لے آن گے تے تینوں آزاد کر دیاں گا۔ قدرت رب دی حضور (صلی اللہ علیہ وسلّم) نوں اوسے ویلے کدھروں سونے دی اِک ڈلی ہدیے دے طور تے آئی حضور (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے اوہو ڈلی حضرت سلمان وَل سُٹ دِتی کہ جا جا کے یہودی نوں دے دے۔ فیر حضور (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے فرمایا، کھجور دیاں تِن سو قلماں بناؤ۔ چنانچہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے اوہ قلماں اپنے مبارک ہتھاں نال جا گڈیاں۔ کھجور دے متعلق ایہہ مشہور اے کہ دادا بیجے تے پوترا کھائے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلّم دا معجزہ دُنیا نے ویکھیا اللہ دی قدرت نال اوہ درخت اوسے سال پھل پئے تے حضرت سلمان یہودی دی غُلامی توں آزاد ہو گئے۔

ایس شانِ نزول نے دَسیا اے کہ ایس آیت دا تعلق اوہناں لوکاں نال اے جیہڑے آپؐ دے مبارک زمانے وِچ موجود سَن تے حق و صداقت نوں ہتھوں نہیں چھڈیا سی۔ قرآن حکیم

دیاں دُوجیاں آیتاں وی ایسے مطلب دی تائید کردیاں نیں۔

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۔ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۔ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۔ (المائدۃ ۔ ۸۲ تا ۸۴)

ترجمہ : اَتے مسلماناں لئی تبلیغ و دعوت دے اعتبار نال سب لوکاں وِچّوں تسی قریب تر اوہنوں پاؤ گے جیہڑے اپنے آپ نوں نصارٰی کہندے نیں۔ ایہہ ایس واسطے کہ اونہاں وِچ عُلماء تے مشائخ نیں تے نیز ایہہ کہ ایہہ لوک تکبّر نہیں کردے، تے جدوں قرآن سُندے نیں جیہڑا حضور اکرم (صلّی اللہ علیہ وسلّم) تے نازل ہویا، تے تسی ویکھو گے کہ اونہاں دِیاں اکھّاں وِچّوں آنسو جاری ہو جاندے نیں۔ ایہہ ایس واسطے کہ اونہاں نے حق نوں پچھان لیا اے تے کہندے نیں اے ساڈے پروردگار! اسی ایس تے ایمان لے آئے آں تے توں تصدیق کرن والیاں لوکاں دے نال سانوں وی لِکھ لے تے سانوں کیہہ ہو گیا اے کہ اسی اللہ تعالٰے تے جیہڑی گل حق اے اوس تے ایمان کیوں نہ لیائیے؟ تے توقع رکھدے نیں کہ ساڈا پروردگار سانوں نیک بندیاں نال بہشت وِچ داخل کرے گا۔

آخری دو آیتاں وِچ فرمایا :

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔

حضرت مُوسٰیؑ دی معرفت اللہ تعالٰی نے بنی اسرائیل کولوں عہد لیا کہ اوہ توراۃ دے پابند رہن گے۔ اوہ پہاڑ دے دامن وِچ کھلوتے سن تے اپنے سامنے پہاڑ نوں ویکھدے پئے سن کہ اوہ اونہاں تے ڈِگن والا اے تے اوہدے ڈِگن نال ایہہ فنا ہو جان گے تے اونہاں دا

بی ماریا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اونھاں نوں ایہہ دسنا چاہندے سن کہ جیہڑا قانون تہانوں دتا گیا اے اوہو ای تہاڈے لئی زندگی بخش اے۔ اگر تسی اونھوں چھڈ دیوگے تے مٹ جاؤ گے۔ ایس حقیقت نوں ایس مثال نے ہور زیادہ واضح کر دتا کہ ایہہ پہاڑ تہاڈے سامنے بلند دکھائی دیندا پیا اے۔ جدوں تک ایہہ اپنی جگہ کھلوتا ہویا اے تسی زندہ او تے جس ویلے ایہہ ڈگا، اوسے ویلے تسی پس جاؤ گے۔ پس ایسے طراں یقین کرو کہ توراۃ دی پابندی تہاڈی زندگی لئے تے اوس توراۃ نوں چھڈ کے تسی ذلیل ہو جاؤ گے۔

باوجود ایڈا پکا عہد کرن دے ایہناں لوکاں نے نفرت دا اظہار کیتا تے آکھیا سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا (البقرۃ۔۹۳) اِک جگہ ایہناں دا ایہہ قول وی نقل کیتا گیا اے وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌ ؕ (البقرۃ۔ ۸۸) تے کہندے نیں ساڈے دل غلافاں وچ نیں۔ اسی ایس نبی دی تعلیم نوں قبول نہیں کردے۔ ایس گناہ تے نفرت دا نتیجہ تے ایہو سی کہ تہانوں اوسے ویلے فنا کر دتا جاندا لیکن چونکہ اوس ویلے کوئی دوجی قوم تبلیغ تے دعوت دا فرض ادا کرن اتے دنیا وچ عدل قائم کرن واسطے تیار نہیں سی، ایس واسطے اساں تہاڈے تے اپنا فضل کیتا، تہاڈے اندر برابر نبی بھیجدے رہے جیہڑے تہاڈیاں غلط کاریاں دی اصلاح کردے تے فیر تہانوں سدھی راہ تے لے آوندے۔ نبیاں دے بھیجن نوں ایس آیت وچ فضل تے رحمت نال تعبیر کیتا گیا اے تے ایس وچ کوئی شک نہیں جس قوم وچ نبی بھیجیا جاندا اے اوس قوم تے اللہ تعالیٰ دا سب توں وڈا انعام ایہو ای ہوندا اے۔ وَاٰخِرُ دَعۡوَانَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ۔

(بشکریہ ریڈیو پاکستان)

"امانت داری تے وعدہ وفائی"

۱۵ دسمبر ۱۹۶۷ء بروز جمعۃ المبارک

الحمد للہ وکفٰی وسلام علٰی عبادہ الّذین اصطفٰی اما بعد فقد قال اللہ تعالٰی فی القراٰن المجید والفرقان الحمیّد.
فاعوذ باللہ من الشّیطٰن الرّجیم. بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم
ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ. اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ. صدق اللہ العظیم (البقرۃ ۷۴-۷۵)

ایہناں آیتاں دا ترجمہ ایہہ وے :

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ ، فیر تہاڈے دل سخت ہو گئے۔ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ بعد ایس دے فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ پتھر دی طراں۔ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً یا اوس توں وی زیادہ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ تے پتھراں وچوں بعضے لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ایسے وی نیں کہ اوہناں توں نہراں وگ پیندیاں نیں۔ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ تے اوہناں وچوں پانی وگدا اے۔ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ تے اوہناں وچوں کجھ اوہ وی نیں جیہڑے ڈگ پیندے نیں۔ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ اللہ دے ڈر توں۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ تے اللہ تہاڈیاں عملاں توں بے خبر نہیں۔ اَفَتَطْمَعُوْنَ کیا تُہانوں ایس دی اُمید اے ؟ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ کہ اوہ تہاڈے کہن تے ایمان لے اون گے۔ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ

حالانکہ اونھاں وِچوں اِک ٹولہ ایساوی گزریا اے۔ یَسْمَعُوْنَ کَلَامَ اللّٰہِ جیہڑا اللہ دا کلام سُنداسی۔ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَہٗ فیراونھوں بدل چھڈداسی۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْہُ اوہدے سمجھن دے بعد۔ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ جان بُجھ کے۔

ہُن تسی بعضیاں خاص لفظاں دی تشریح سُن لو۔

قَسَتْ : ایس طراں دے پتھر دل کہ ایمان لئی نرم نہیں ہوسکدے۔

قُلُوْبُکُمْ : قلوب جمع اے قَلْبٌ دِی جدے معنے نیں پلٹنا، اُلٹنا، موڑنا، پھیر دینا۔ قلب نوں قلب ایسے واسطے کیہا جاندا اے کہ اوہدے وِچ ساری زندگی حرکت تے اُلٹ پُلٹ جاری رہندی اے۔ علّامہ راغب اصفہانیؒ نے لکھیا اے کہ قلب دیاں خصوصیّتاں ایہہ نیں، عِلم، فہم، عقل، جان، شجاعت وغیرہ وغیرہ۔ کُمْ ضمیر جمع مذکر مخاطب اے۔ ترجمہ ہو گیا، تہاڈے دل۔

قَسْوَۃً : قَسْوَۃً تے قَسَاوَۃً ایہہ دونویں مصدر نیں۔ ایسے توں قَسَتْ واحد مؤنّث غائب اے۔ معنے سنگ دِل۔ قسوت سختی نوں کہندے نیں جس طراں پتّھر سخت ہوندا اے ایسے طراں کیہا جاندا اے۔ قساوتِ قلبی کہ جدھے وِچ نرمی ناں نوں باقی نہ ہووے، تے اوہدے وِچ خوف تے عبرت حاصل کرن دی گنجائش باقی نہ رہ گئی ہووے۔

یَتَفَجَّرُ : تَفَجَّرُ معنے نیں کُھل جانا، پھٹ جانا، اللہ دی قدرت نال اکثر پہاڑاں دے سخت ترین پتّھراں وِچوں پانی دے چشمے تے آبشاراں بہہ نکلدیاں نیں تے اگّے جا کے کئی چشمے رل کے اوہ نہراں تے دریاواں دی شکل اختیار کر لیندے نیں۔

یَشَّقَّقُ : تَشَقَّقُ چاک ہونا، ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا۔

خَشْیَۃِ : کسے دی وڈیائی تے اوہدی بزرگی دا خیال کر کے اوہدے کولوں ڈرنا تے اپنے دل وِچ خوف محسوس کرنا۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ : طمع توں وے۔ معنے نیں کسے چیز دی چاہ کرنا، طلب تے خواہش کرنا۔

یُحَرِّفُوْنَ : تحریف۔ معنے بدل دینا۔ ایہہ سی بعضیاں لفظاں دی تشریح، ہُن تسی ایہناں آیتاں دی تفسیر سُنو۔

ایس توں پہلیاں آیتاں وِچ اللہ تعالیٰ نے یہودیاں دیاں بعض کمزوریاں دا ذکر فرمایاسی۔

جنھاں وِچ بعض کمزوریاں علمی نیں تے بعض عملی۔ مثلاً حیلہ سازی، باریک بینی، قانونِ خداوندی تون بے اعتنائی تے بے نیازی، تعلیمِ انبیاء دی مخالفت تے قتلِ انبیاء جہے شدید ترین الزامات قرآن نے اونھاں تے لگائے نیں۔

ہُن اللہ تعالیٰ فرماندے نیں۔ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِىَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۔

ایس قسم دے واقعات تہاڈے سامنے ہوندے رہے۔ جے کر تسی دل دیاں اکھاں کھول کے اینھاں واقعات توں سبق حاصل کرن دی کوشش کر دے تے ہدایت تے سعادت تہاڈے ہتھوں کسے طراں وی نہ جاندی مگر تہاڈے دلاں تے کجھ وی اثر نہ ہویا بلکہ تسی پتھراں دی سختی نوں وی مات کر گئے حالانکہ پتھراں دیاں وی مختلف قسماں تہاڈے سامنے نیں تے اونھاں دے نتیجے تہاڈے کولوں وکھرے نیں۔ ایس آیت وچ دراصل اللہ تعالیٰ نے پتھراں دی مثال دے کے اِک بہت وڈی حقیقت دی طرف ساڈی رہنمائی کیتی اے تے اوہ ایہہ وے کہ اقوام عالم دی ترقی تے کامیابی دے واسطے تِن قسم دیاں سیانیاں دی لوڑ ہوندی اے۔

نمبر اِک : اوہ علم والے تے سمجھ بُوجھ والے جنھاں دے دلاں وچ اللہ دیاں رحمتاں تے عنایتاں دے دریا موجاں ماردے ہون۔ اوہ اپنے علم و حکمت دے موتیاں نال لکھاں کروڑاں انساناں نوں فائدہ پہنچان تے چویں پاسیں اونھاں دے فضل و کمال دیاں نہراں جاری ہون۔ ہر طرفوں علم و دانش دے پیاسے اوتھے آکے اپنی پیاس بجھان۔ ایہہ ہزاراں لوکاں دی دِلاں دی تازگی تے حیاتی دا باعث ہون تے اینھاں وڈ وڈیریاں دے فیضان تے اونھاں دی صحبت دی برکت توں کوئی وڈا چھوٹا محروم نہ رہوے۔

نمبر دو، ایسے قابل تے لائق لوک ہون جہیڑے اوس اُچے مقام دے مالک تے نہیں، لیکن دُوجے درجے دے، اپنے آس پاس دیاں آبادیاں نوں خوب فائدہ پہنچان تے اونھاں دیاں کمزوریاں تے خامیاں دُور کر کے اونھاں نوں مردِ کامل بنان۔

تے تیسرے نمبر تے اوہ علم تے عمل دے منارے نیں جنھاں دا اپنے مالک تے خالق

رب رحیم نال دِل پُورے طور لگّا ہویا اے۔ جدوں وی اوہناں نوں کوئی حقّی یا سچّی گل پہنچائی جاندی اے اوہناں دیاں گردناں فورًا اوہدے اگےّ جھُک جاندیاں نیں تے اوہ اپنے مولا کریم دے اگےّ جھُکن تے سجدہ بندگی بجا لیاں دے سوا کجھ جاندے ای نہیں۔

جدوں تک کسے قوم تے مِلّت وِچ ایہہ بیان کیتے گئے تِنّے قِسم دے خوش بخت تے خوش قسمت لوک موجود ہون گے اوہ قوم تے مِلّت زندگی دی دَوڑ وِچ اگےّ توں اگےّ وَدھدی چلی جائے گی تے اوہناں تِناں دا کسے قوم وِچ نہ رہنا اوس قوم دی تباہی تے بربادی دا باعث بن جائے گا۔

ہُن قومِ اسرائیل نوں ایہہ سرزنش کیتی جاندی اے کہ پچھلیاں تِن پہاڑ توں وڈّیاں غلطیاں کرن توں بعد تہاڈے دِل پتّھر توں وِی زیادہ سخت ہو گئے نیں اتے تہاڈیاں پہلیاں کامیابیاں تے کامرانیاں ماند ہو کے رہ گیّاں نیں۔ ایس توں وَڈّی کیہہ تہاڈی بدبختی تے بدقسمتی ہووے گی کہ تسُی نہ تے اپنے سچّے ہمدرد تے غمخوار نبیاں تے اللہ دیاں ولیاں دی کجھ سُندے او، تے نہ ای اپنے تے کُل جہان دے پروردگار دیاں ہدایتاں ای تہاڈے اُتّے کجھ اثر انداز ہوندیاں نیں۔

اگےّ فرمایا۔ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ وَقَدْ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ۔

پہلی آیت وِچ ایہہ بیان ہو چکیا اے کہ قومِ اسرائیل مسلماناں تے حکومت کرن دے قابل نہیں، ایہناں دے اُتّے ہمیشہ دے واسطے اللہ دی مار تے پھٹکار اے۔ ایہہ کدی وی اپنیاں موجودہ بدعملیاں تے خدا دیاں نافرمانیاں نوں چھڈّے بغیر خدا دی رحمت دے دُنیا تے آخرت وِچ حقدار نہیں ہو سکدے تے نہ ہی ایہہ کدی وِی مِلّتِ اسلامیہ دے ہم رُتبہ ہو سکن گے۔

اِک عالم دی شان تے ایہہ ہونی چاہی دی اے کہ جیہڑی صحیح گل اوہنوں پہنچے اوہ اوہنوں بغیر کسی حیل وحجّت دے قبول کر لے۔ مگر یہودیاں دے عالماں نے باوجود ساریاں گلّاں، تے اپنیاں نبیاں دیاں پیشین گوئیاں جاندے ہوئے وی خدا دے آخری نبی تے اوہدی بعثت دا خدا تے خلقِ خدا دے اگےّ اوہدے انتظار تے اوہدے اقرار تے دشمن نال جنگ دے موقعے تے اوسے نبی دی دُہائی دے کے خدا دے کولوں فتح وی حاصل کر لین دے باوجود ظہورِ مصطفویؐ دے وقت بجائے سب توں پہلے اوس نبی دا کلمہ پڑھن دے ایہناں ای بدقسمتاں انکار کر کے

ساری دُنیا نوں انکار کرن دا پُٹھا رستہ دکھا کے وڈّا گناہ کمایا۔

قرآنِ حکیم نے یہودیاں دے بارے وِچ تحریف دا لفظ استعمال کیتا اے۔ ایہہ لفظ تے معنی دوہاں لئی ایتھے استعمال ہویا اے۔ تے اپنی کتاب توراۃ وِچ لفظاں تے اونہاں دیاں معنیاں دِیاں جیہڑیاں تبدیلیاں ایہناں نے کیتیاں نیں اونہاں توں ساری دُنیا واقف اے۔

دوسری جگہ اہلِ کتاب دی ایس خرابی نوں ایہناں لفظاں وِچ بیان کیتا گیا اے :

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ
وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ (المائدہ۔۱۳)

ترجمہ : لفظاں نوں اونہاں دی جگہ توں بدلدے نیں تے اونہاں نوں جیہڑی نصیحت کیتی گئی سی، اوہدا اِک وڈّا حِصّہ بُھلا بیٹھے نیں تے اونہاں وچّوں کجھ نوں چھڈ کے باقی سب دی چوری دی خبر تہانوں دِتّی گئی اے۔

مطلب ایہہ وے کہ اللہ دے غضب تے اوہدی لعنت دا اثر ایہہ ہویا کہ اپنی کتاب دا اِک وڈّا حِصّہ تے اپنی مرضی نال چھڈ بیٹھے تے باقی جس تے تھوڑا بہت عمل دا ارادہ وی سی اپنی عیّاری تے مکّاری دے ہتھوں اونہاں دیاں غلط سلط تاویلاں کرن لگ پیئے تے ایس طراں اوہ ساری کتاب غنت ربُود ہو کے رہ گئی۔

فیر ایسے خائن تے بد دیانت اہلِ کتاب ملّتِ اسلامیہ وِچ داخل ہو کے کیہہ کرن گے؟ بلکہ خطرہ اے کہ اپنیاں ایہناں ناپاک سازشاں دا مسلماناں نوں وِی عادی نہ بنا دین۔ ایسے واسطے ارشادِ ربّانی اے :

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (البقرہ۔۱۲۰)

ترجمہ : اوہ کدی دی (یہودی تے نصرانی) راضی نہیں ہون گے جدوں تک اوہ اپنے خود ساختہ دین تے مذہب دا تہانوں تابعدار نہ بنا لین۔ تے حدیث پاک وِچ ارشادِ نبویؐ اے۔

لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ۔

ترجمہ : اوہ شخص ایمان توں کورا اے جیہڑا امانت دار نہیں تے بدعہد آدمی دے دین دا کوئی اعتبار نہیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

(بشکریہ ریڈیو پاکستان)

دُنیا دی ہوس

۲۹ر دسمبر ۱۹۶۷ء

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الّذین اصطفیٰ امّا بعد:
فقد قال اللہ تعالیٰ فی القراٰن المجید والفرقان الحمید.
فاعوذ باللہ من الشّیطٰن الرّجیم. بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم.
وَمِنۡهُمۡ اُمِّيُّوۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ الۡكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِىَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَظُنُّوۡنَ. فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ يَكۡتُبُوۡنَ الۡكِتٰبَ بِاَيۡدِيۡهِمۡ ثُمَّ يَقُوۡلُوۡنَ هٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ لِيَشۡتَرُوۡا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ فَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا كَتَبَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ وَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا يَكۡسِبُوۡنَ. صدق اللّٰہُ العظیم (سورہ بقرہ آیت ۷۸-۷۹)

اینہاں آیتاں دا ترجمہ ایہہ وے:

وَمِنۡهُمۡ اُمِّيُّوۡنَ تے اونہاں وِچّوں کجھ اَن پڑھ وی نیں. لَا يَعۡلَمُوۡنَ الۡكِتٰبَ جیہڑے کتاب نوں نہیں جاندے. اِلَّاۤ اَمَانِىَّ سوائے اٹکل پچّو گلّاں دے. وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَظُنُّوۡنَ ہور تے کجھ نہیں، اوہ صرف خیالی گھوڑے دوڑاندے نیں. فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ پس ہلاکت اے اونہاں لوکاں لئی. يَكۡتُبُوۡنَ الۡكِتٰبَ بِاَيۡدِيۡهِمۡ جیہڑے لکھدے نیں کتاب نوں اپنیاں ہتھّاں نال. ثُمَّ يَقُوۡلُوۡنَ هٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ فیر کہندے نے ایہہ اللہ دی طرفوں اے. لِيَشۡتَرُوۡا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيۡلًا تاں جے اوہدے بدلے کجھ دولت کما لین. فَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا كَتَبَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ سو بربادی اے اونہاں دے واسطے ایس وجہ نال جو لکھیا اونہاں دے ہتھّاں نیں. وَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا يَكۡسِبُوۡنَ تے وڈّا افسوس اے اونہاں تے ایس لئی جو اونہاں نے کمائی کیتی۔

ہُن تُسی بعضیاں خاص خاص لفظاں دی تشریح سُن لو:

اُمِّیُّوْنَ : جمع اے اُمّیؔ دی۔ تے اوہدے معنے نیں اَن پڑھ۔ جیہڑا نہ لِکھ سکے تے نہ پڑھ سکے۔ اُمّی صفت خاص اے عرب دے وِچ رہن والیاں دی۔ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم دا ارشاد اے۔ نَحْنُ اُمَّۃٌ اُمِّیَّۃٌ لَا نَکْتُبُ وَلَا نَحْسِبُ. (اسی اَن پڑھ آں، نہ لِکھنا جانندے آں تے نہ حساب کرنا) ایس اعتبار نال اُمّی نوں عامی دی طراں سمجھنا چاہی دا اے۔ کیوں جے عامی اوہ ہوندا اے جیہڑا عامّۃ النّاس وِچّوں ہووے۔

اَمَانِیَّ : جھُوٹیاں آرزواں، خیالی اندازے۔ جمع ہے اُمْنِیَۃٌ دی۔ جدھے معنے نیں اٹکل پچّو آرزواں۔

یَظُنُّوْنَ : ظن توں اے بمعنے گمان کرنا، قیاس کرنا۔

فَوَیْلٌ : وَیْل دا لفظ قرآن شریف دے وِچ تِنّاں معنیاں واسطے استعمال ہوندا اے (ا) اگر گناہاں دی حالت ابتدائی اے تے وَیْل دے معنے افسوس ہون گے۔ اِک شریف انسان واسطے اینا ای کافی اے (ب) درمیانی حالت وِچ اوہدا مفہوم تباہی تے بربادی ہووے گا (ج) تے آخری حالت وِچ اوس توں دوزخ مُراد لِتّی جائے گی۔

اَلْکِتٰبَ : لِکھّی ہوئی تحریر، آسمانی صحیفے، توراۃ، زبُور، انجیل، قرآن مجید۔

لِیَشْتَرُوْا : اِشْتِرَاءٌ توں اے جدھے معنے ویچنا تے خریدنا دونویں آوندے نیں۔ ایہہ سی بعضیاں خاص خاص لفظاں دی تشریح۔ ہُن ایہناں آیتاں دی تفسیر کیتی جاندی اے۔ ارشاد ہوندا اے :

وَمِنْهُمْ اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْکِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِیَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ. ایہناں آیتاں وِچ یہودی عالماں دیاں بعض کمزوریاں ذکر کیتیاں گیاں نیں۔ مسلماناں نوں ایہہ خیال ہو سکدا سی کہ اگر علمائے یہود ساڈا ساتھ نہ دین گے تے شاید عام لوک اونہاں لوکاں دا ساتھ دین گے۔ ایہناں آیتاں وِچ ایہناں جاہلاں دے خیالات دا تذکرہ اے۔ یعنی یہودی توراۃ تے پڑھدے نیں مگر مفہوم و مطلب نال اونہاں نوں کوئی غرض نہیں، صرف الفاظ تے قناعت کر دے نیں تے طوطے دی طراں رٹ لیندے نیں۔ باوجود ایس دے یقین رکھدے نیں کہ اوہ جنّت وِچ داخل ہون گے۔ کلامِ باری دا مفہوم تے اوہدے معنے سمجھے تے عمل کیتے بغیر نجات کس طراں ہو سکدی اے؟ گویا لِکھنا تے پڑھنا جاندے نہیں،

مگر خواہشاں بڑیاں وڈیاں رکھدے نیں۔ اونھاں نے اپنے علماء کولوں جو کجھ سُنیا اے اوہنوں ای مایۂ ناز تے سرمایۂ آخرت خیال کر دے نیں۔ اونھاں دیاں اٹکل پچّو خواہشاں ملاحظہ ہون

۱۔ جنّت وِچ یہودیاں تے نصرانیاں دے سوا دُوجا کوئی نہیں جا سکدا۔ لَنۡ يَّدۡخُلَ الۡجَنَّةَ اِلَّا مَنۡ كَانَ هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى (البقرہ۔ ۱۱۱) ترجمہ: یہودیاں تے نصرانیاں دے سوا ہرگز کسے نوں جنّت وِچ داخل نہیں ہون دِتا جائے گا۔

۲۔ اگر بفرضِ محال یہودی جہنّم وِچ گئے وی تے اوہ صرف گنتی دے چند روز تک ہووے گا۔ وَقَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدَةً (البقرہ۔ ۸۰) ترجمہ: تے کہندے نیں کہ ہرگز جہنّم دی اگ نہیں چھُوئے گی سانوں مگر گنتی دے چند روز۔

ایس طراں دے نامناسب اور ناپاک خیالات ہی نیں جیہڑے اونھاں نوں خوش رکھدے نیں حالانکہ جنّت وِچ جان دا سِدّھا تے پدھرا رستہ ایہہ وے کہ صرف اِک اکلّے تے اِکو مالک دی غلامی کیتی جائے اور اوہدے حضور وِچ قلبِ سلیم لے کے حاضر ہویا جائے۔ اِلَّا مَنۡ اَتَى اللّٰهَ بِقَلۡبٍ سَلِيۡمٍ۔ (الشعراء۔ ۸۹)

نیز فرمایا۔ بَلٰی مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ فَلَهٗۤ اَجۡرُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ۔ (البقرہ۔ ۱۱۲) ترجمہ: ہاں جس نے جھکا دِتّا اپنا سر اللہ دے سامنے تے اوہ نیکو کار وی اے، سو اوہدے واسطے ہیگا اے اوہدا اجر اوہدے ربّ دے کول۔ نہ تے اوہنوں کوئی خوف ہووے گا تے نہ اوہ غمگین ہون گے۔

ایہہ دونویں مرضاں مسلماناں وِچ وی موجود نیں۔ عام دستور اے کہ سویرے دی نماز توں بعد مفہوم تے مطلب سمجھے بغیر تھوڑا بہت قرآن شریف پڑھ لین گے اور اوس تے اپنے رب توں ثواب دا حق خیال کرن لگ پین گے۔ حالانکہ حقیقت ایہہ وے کہ جدوں تک انسان خالی الذہن ہو کے اوس تے غور و فکر نہ کر لے تے اوس دے مطابق اپنی عملی زندگی نوں نہ ڈھال لے اودوں تئیں اوہ اجر و ثواب دا مستحق نہیں بن سکدا۔

ایتھے ایہہ گل ذہن نشین کر لینی چاہی دی اے کہ قرآنِ حکیم دی تلاوت کرن دا ثواب اپنی جگہ تے مُسلّم اے۔ لیکن ایس دا کیہہ علاج اے کہ مثلاً اِک حافظِ قرآن ہے تے اوہ وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ تے بعض دُوسریاں سُورتاں بطورِ تبرّک تلاوت کر کے کاروبارِ زندگی وِچ مشغول

ہو جاندا اے۔ مثلاً اوہ پرچون دی دکان کردا اے تے گاہکاں نوں ڈنڈی مار کے سودا تول کے دیندا اے یا اوہ بزازی دی دکان کردا اے تے کپڑا گھٹ ناپ کے دیندا اے۔ علیٰ ہٰذا القیاس تے ایس تلاوت دا جتنا اوہنوں ثواب ملیا سی اوس کولوں کئی گنا زیادہ عذاب کما لیندا اے۔ لہٰذا ثابت ہویا کہ الفاظ تے معانی دوہاں تے غور و فکر تے عمل ہی صحیح معنیاں وِچ دُنیا تے آخرت دی سُرخروئی دا حقیقی ذریعہ تے وسیلہ اے۔

اگے فرمایا: فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ.

اوس زمانے وِچ دستور ایہہ سی کہ کتابِ الٰہی دی آیت دے نال نال اہلِ علم اپنے تفسیری نوٹ تے حاشیے وی لکھ لیندے سَن۔ آیت تے جُملیاں وِچ کسے قسم دا فرق تے امتیاز نہیں رکھدے سَن۔ تے ایسے واسطے دُوسرا شخص اوہناں دوہاں وِچ فرق نہیں کر سکدا سی ایس لئی جد کدی عوام اوہناں کولوں مسئلے پچھدے سَن کہ ایہو خدا دا حکم اے۔ حالانکہ اوہ اینہاں دیاں اپنیاں خواہشات تے ابلیسی الہامات دا مجموعہ ہوندا سی۔ تے ایہہ شیطانی کم صرف ایس لئی کردے سَن کہ قوم دیاں سرداراں دے دِلاں وِچ اینہاں دی قدر و منزلت ہو جائے تاں جے دولت دا ہتھیانا آسان ہو جائے۔

اگر دُنیا دے کُل خزانے اِک شخص دے قبضے وِچ آجان تے تاں وی اوہدیاں خواہشات پُوریاں نہیں ہو سکدیاں کیونکہ آرزواں دا سلسلہ دراز توں دراز تر ہوندا جائے گا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

(بشکریہ ریڈیو پاکستان)

○

یہود دی معاہدہ شکنی

۱۹ ر جنوری ۱۹۶۸ء

الحمد للہ وکفٰی وسلام علیٰ عبادہ الّذین اصطفٰی امّا بعد فقد قال اللہ تعالیٰ فی القراٰن المجید و الفرقان الحمید.
فاعوذ باللہ من الشّیطٰن الرّجیم. بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم.
وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ. ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِیْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِیَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَیْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ یَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰی تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰٓی اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ. اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ. صدق اللہ العظیم
(سورۃ بقرہ آیت ۸۴ تا ۸۶)

ایہناں آیتاں دا ترجمہ ایہہ وے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ تے اوہ ویلا وی یاد کر جدوں اساں پکّا اقرار لیا تہاڈے کولوں۔ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ تسی آپس وچ خون خرابہ نہ کروگے۔ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ تے تسی اپنے بھائی بنداں نوں دیس توں پردیس نہ کڈھوگے ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ فیر تساں قول اقرار کیتا۔ تے تسی آپ ای اوہدے

گواہ او۔ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فیر تسی اوہو ای او جیہڑے اپنے بھائی بنداں نوں قتل کر دے او۔ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تے اپنے ای اِک گروہ نوں اونہاں دے وطن توں بے وطن کر دیندے او۔ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ تے اونہاں دے مقابلے وِچ گناہ تے ظلم نال اونہاں دشمناں دی مدد وی کر دے او۔ وَ اِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ تے جیکر اوہ بندی واں ہو کے اوندے نیں تے تسی چٹّی بھر کے اونہاں نوں چھڑا لیندے او۔ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ حالانکہ اونہاں دا دیس نکالا ای تہاڈے تے حرام سی۔ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ تے کیہ تسی اللہ دے کلام دے کجھ حصے تے ایمان رکھدے او تے باقی دا انکار کر دے او؟ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ سو جیہڑا تہاڈے وِچوں ایس طراں کرے اوہدی ایہو ای سزا اے۔ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ کہ اوہ دُنیا وِچ رُسوا کیتا جائے تے آخرت وِچ وی خوار ہووے۔ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ تے دہاڑے قیامت دے سخت عذاب وِچ مبتلا ہون گے۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ تے تسی جو کجھ وی کر دے او اوس توں بے خبر نہیں۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ایہہ اوہ لوک نیں جنہاں نے آخرت دے بدلے وِچ دُنیا دی زندگی نوں خرید لیا اے۔ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ فیر نہ اونہاں دے عذاب وِچ کمی ہووے گی تے نہ کوئی اونہاں دی مدد نوں پہنچے گا۔

ہُن تسی مشکل لفظاں دی تشریح سُنو:

مِيْثَاقَ: عہد و پیمان۔ وَثِيْقٌ (مضبوط) وَثَاق جمع وَثِيْقَةٌ دی اے۔ عہد نامہ اوہ دستاویز جدھے کم وِچ طاقت تے مضبوطی پیدا ہووے۔

دِيَار: دِيَار جمع اے دَارٌ دی، جدھے معنے نیں گھر تے ایہدی جمع وی آوندی اے۔

تَظٰهَرُوْنَ: تَظَاهُرٌ، اکٹھا کرنا۔

اِثْمٌ: گناہ

عُدْوَان: مصدر اے كُفْرَان دے وزن تے۔ تے معنے اوہدے نیں ظلم تے زیادتی دے۔

اُسٰرٰی : جمع اَسِیر دی اے، بمعنے قیدی تے بندی وان۔
تُفٰدُوْنَ : مُفادَاۃ توں اے، معنے نیں فدیہ دینا۔
مُحَرَّمٌ : حرام کیتا گیا۔
خِزْیٌ : رُسوائی۔
یُرَدُّوْنَ : رَدَّ مثل مَدَّ لوٹانا پھیرنا۔
ہُن تُسی تفسیر سُنو :

پچھلی آیت وِچ بنی اسرائیل کولوں ایہناں گلّاں دا عہد لِتّا گیاسی :

۱۔ اللہ دے سوا کِسے دُوجے دی غلامی نہ کرو۔ اپنی زندگی دیاں ضرورتاں وِچ اوہدے کولوں ای مدد منگو، تے سب توں باغی بن کے اوسے اِک اکلّے مولا دی تابعداری دا جُوا اپنی گردن وِچ پالو۔ تاں جے سب دے سامنے سربلند ہو جاوٗ۔

۲۔ چونکہ ماں باپ ای ایس دُنیا وِچ اللہ دی ربُوبیّت دا مظہر ہوندے نیں۔ یعنی پالنہار تے اللہ دی ذات اے پر اللہ تعالیٰ ماں باپ دے ذریعے نال ای انسان نوں پرورش فرماندے تے پروان چڑھاندے نیں۔ ایس لئی اوہناں نال احسان تے بھلیائی کرن دا حکم دِتّا گیا۔

۳۔ عزیزاں تے رشتے داراں نال اخلاق تے مروّت نال پیش آوٗ۔

۴۔ یتیماں تے مسکیناں دی مدد کرو۔

۵۔ لوکاں نوں ہمیشہ چنگی گل آکھو اَتے نماز تے زکوٰۃ دی پابندی کرو۔

پر ایہہ لوک ایہناں عہداں تے پُورے نہ اُترے۔

ایس توں علاوہ ایہناں کولوں تِن ہور گلّاں دا وِی اقرار لِتّا گیاسی :

۱۔ خانہ جنگی کر کے آپس وِچ خون خرابہ نہ کریا جے۔ کیوں جے ایس نال تہاڈی اجتماعی زندگی نوُں نقصان پہنچے گا، تے قومی زندگی فنا ہو جائے گی۔

۲۔ اپنیاں بھائی بنداں نوں دیس نکالا نہ دیا جے، کیوں جے ایدھر تے تہاڈی جماعت دن بدن گھٹدی جائے گی تے اودھر اوہ دیس نکلے دیاں مصیبتاں تے تکلیفاں توں تنگ آکے تہاڈے دشمناں نال سازباز کرن گے۔

۳۔ اپنی قوم وِچّوں کسے نوُں بندی وان ہوندا دیکھو تے چٹّی بھر کے اوہنوں چھُڑا لیا جے۔

اینھاں لوکاں نے پہلے دو حکماں دی تے پروا نہ کیتی پر تیسرے حکم لئی بڑا اُچیچ کیتا۔
واقعہ ایہہ وے کہ مدینہ شریف وِچ اوس تے خزرج دیاں دو قوماں وسدیاں سَن جیہڑیاں ہمیشہ آپس وِچ لڑدیاں رہندیاں سَن۔ شہر دے باہر یہودیاں دے وی دو قبیلے سَن ــــ بنو نضیر تے بنو قریظہ۔ اینھاں وِچّوں اوس تے بنو قریظہ آپس وِچ اِک دُوجے دے اتحادی سَن۔ ایسے طراں خزرج تے بنو نضیر دا آپس وِچ معاہدہ سی۔ جدکدی وی اوس تے خزرج وِچ جنگ ہوندی اینھاں قبیلیاں نوں وی دوستی تے جنگی معاہدے دی وجہ نال اینھاں دی مدد کرنی پیندی سی۔ فیر جنگ دے نتیجے وِچ جتھے اوس تے خزرج بے گھر تے برباد ہوندے اوتھے بنو نضیر تے بنو قریظہ وی ایس مصیبت توں نہ بچ سکدے۔ تے ایہہ بالکل صاف گل اے کہ بنو نضیر دے دیس نکالے وِچ بنو قریظہ دا دخل ہوندا سی تے بنو قریظہ دی جلاوطنی وِچ بنو نضیر حصہ دار ہوندے سَن۔ ہاں اینی گل ضرور سی کہ جدوں اِک جماعت وِچّوں کوئی بندی وان ہو کے آوندا سی تے ہر جماعت اپنیاں دوستاں نوں مال نال راضی کر کے قیدی نوں چھڑا دیندی سی۔ جے کر کوئی اینھاں دی ایس حرکت تے اعتراض کر دا سی تے کہندے سَن کہ قیدی دا چھڑانا ساڈا مذہبی فریضہ اے۔ تے جدوں لوک ایہہ کہندے کہ قتل تے دیس نکالے وِچ تُساں کیوں دشمن دی مدد کیتی؟ تے اونھاں دا جواب ایہہ ہوندا سی کہ دوستاں دا ساتھ نہ دینا عار تے شرم دی گل اے۔

ایس بے ہُودہ حرکت تے اینھاں نوں آکھیا گیا کہ بیماری وی پیدا کر دے رہو تے علاج وی جاری رکھو، ایہہ کتھوں دی عقلمندی اے؟ ایس طراں کدی وی بیماری ختم نہیں ہوندی ایس لئی ایہے لوکاں دی سزا ایس توں سوا ہور کیہہ ہو سکدی اے کہ اوہ ہمیشہ لئی دُنیا وِچ ذلیل کر دِتے جان تے کدی اونھاں نوں عزت نصیب نہ ہووے۔

بھانویں یہودیاں نے اسلام تے مسلماناں دی مخالفت نوں اپنا شعار بنا لیا سی تے اوہ کسے دی موقعے تے اپنی اسلام دشمنی توں باز نہیں رہندے سَن فیر وی ہُن تیکر کُھل کے ٹکر نہیں ہوئی سی۔ اِک اتفاقی واقعہ نے ایہدی راہ کھول دِتی۔ اصل واقعہ ایہہ وے کہ اِک یہودی نے اِک انصاری عورت دی بے حُرمتی کیتی تے اک انصاری نے اوس یہودی نوں مار سٹیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نوں جاں خبر پہنچی تے آپؐ اوتھے تشریف لے گئے تے اونھاں نوں آکھیا کہ خدا توں ڈرو، ایسا نہ ہووے کہ بدر والیاں دی طراں تہاڈے تے وی خدا دا عذاب نازل ہو جاوے۔

بھانویں مدینے دیاں یہودیاں نال حضور اکرم (صلّی اللہ علیہ وسلّم) دا مُعاہدہ ہو چکیا سی۔ فیر وی اونھاں بدبختاں نے جواب دِتّا اسی قریش نہیں ہیگے، ساڈے نال معاملہ پیے گا تے اسی دس دیاں گے لڑائی کنّوں کہندے نیں۔ سو ایہہ وعدہ خلافی اِک قسم دا اعلانِ جنگ سی، ایس لئی جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اونھاں دیاں آئے دِن دیاں شرارتاں دے ختم کرن دا فیصلہ کر لیا تے یہودی قلعہ بند ہو گئے۔ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے محاصرہ کر لِتّا۔ پندرہ دِناں دے محاصرے توں بعد یہودی فیصلہ کرن تے راضی ہو گئے تے آپ نے عبداللہ ابن اُبیّ دی تجویز تے ست سو (۷۰۰) یہودیاں نوں دیس نکالا دِتّا تے ایہہ لوک مُلک شام وِچ جا کے آباد ہو گئے۔

چونکہ بنو قریظہ مسلماناں نوں ستان وِچ مشغول سَن۔ ایس وجہ نال غزوہ خندق توں واپسی تے اوسے دن ظہر دی نماز ویلے مُسلماناں نوں بنو قریظہ نال جہاد دا حکم دے دِتّا جدھے نتیجے وِچ بنو قریظہ قلعہ بند ہو گئے۔ چنانچہ ۲۵ دن محاصرہ جاری رہیا۔ ۲۵ دناں بعد اونھاں نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کولوں مشورے واسطے اِک آدمی منگیا تے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سعد بن معاذؓ نوں مقرّر فرما دِتّا ــــــــــ چونکہ سعد بن معاذؓ غزوہ خندق وِچ زخمی ہو چکے سَن ایس واسطے اونھاں نوں حمار تے سوار کر کے اوتھے پہنچایا گیا تے اونھاں نے فیصلہ کیتا کہ بنو قریظہ دے کُل آدمی قتل کر دِتے جان تے عورتاں تے بچّے لونڈی غلام بنا لِتّے جان تے مال اسباب مسلماناں وِچ تقسیم کر دِتّا جائے۔ ایہہ سخت سزا ایس واسطے دِتّی گئی کہ اونھاں نے عہد شکنی کر کے مسلماناں نوں تباہ کرن دی ہولناک سازش کیتی۔

سچ اے اَجہے لوکاں دی سزا وِچ نہ تے کسے قسم دی کمی ہو سکدی اے تے نہ کوئی اونھاں دی طرف داری کر سکدا اے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن

(بشکریہ ریڈیو پاکستان)

حلال کمائی

جانشینِ شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۳ ، فروری ۱۹۶۸ء کے روز پونے چھ بجے شام ریڈیو پاکستان لاہور کے پنجابی زبان کے پروگرام "جمہور دی آواز" میں مندرجہ ذیل تقریر فرمائی

○

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امّا بعد فقد قال اللہ تعالیٰ فی القراٰن المجید والفرقان الحمید۔ فاعوذ باللہ من الشّیطٰن الرّجیم بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔ وَکُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِہٖ مُؤْمِنُوْنَ۔ (المائدۃ - ۸۷، ۸۸)

ترجمہ : اے مسلمانو ! اوہناں پاک تے سُتھریاں چیزاں نوں حرام نہ کرو، جیہڑیاں اوس پاک پروردگار نے تہاڈے تے حلال کیتیاں نیں۔ تے حدتوں نہ وَدھو کیوں جے اللہ تعالیٰ حد توں وَدھن والیاں نوں پسند نہیں کردا۔ اَتے اللہ دے رزق وچوں ستھریاں چیزاں کھاؤ تے اللہ کولوں ڈرو جس تے تہاڈا ایمان اے۔

اللہ تعالیٰ نے انساناں دی رہنمائی دے واسطے ہر دَور وچ ہر قوم دے واسطے اپنے سفیر تے نمائندے بھیجے۔ جنھاں نوں نبی تے پیغمبر کہیا جاندا اے۔ اللہ تعالیٰ نے اوہناں دے ذریعے نال زندگی گذارن دے ہر موقع محل تے احکام دِتّے۔ اوہناں سارے احکامات تے ہدایات دا نچوڑ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآنِ حکیم دے وِچ محفوظ کر دِتّا تے عملی دُنیا وچ اوہدی تشکیل دے واسطے اللہ تعالیٰ نے جناب رسولِ مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم نوں مبعوث فرمایا چنانچہ

ارشاد اے۔ هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (التوبہ۔۳۳)

ترجمہ: حق تعالیٰ (عزّ اسمہٗ وجلّ مجدہٗ) نے اپنے پیارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نوں ہدایت تے سچّا دین دے کے بھیجیا۔ تاں اوس دین نوں ساریاں دیناں تے غالب کرے بھانویں اوہنوں مُشرک چنگا نہ سمجھن۔ سو اللہ دے پاک تے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زبردست مُشکلاں تے مخالفتاں دے باوجود اللہ دی مدد تے اپنی کوششاں نال دس سالہ مدنی دور وچ بقول امام ولی اللہ دہلویؒ خلافتِ باطنہ قائم کیتی۔ مطلب ایہہ کہ جیہڑے وی تھوڑے بہتے مسلمان ہو گئے سن ایہناں اسلام دے دشمناں تے حضور دیاں مخالفاں نے کوئی ظلم تے زیادتی نہیں چھڈی جیہڑی مسلماناں تے نہیں کیتی گئی فیر وی کوئی کمزور توں کمزور مسلمان وی ایس دین نوں ترک کرن تے تیار نہ ہویا۔ بھانویں جان دینی پئی تے دے دِتّی مگر دین نوں کسے طراں نہ ترک کیتا۔ جویں مؤذنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نوں سڑدی بلدی ریت تے لِٹا کے اگ ورگے تپے ہوئے بھاری پتّھر اوہناں دے سینے تے رکھ کے اوہناں نوں اسلام توں باز رہن واسطے مجبور کردے تے فیر وی عاشقِ رسولؐ دے مُنہ توں کلمہ شرک دے تے کُفر دی بجائے اَحد اَحد دی صدا بلند ہوندی اے۔ ایسے طراں دوسرے اسلام لیان والیاں تے طراں طراں دے ظلم توڑے گئے۔ فیر وی اوہناں دے دِلاں وچ اسلام دی جیہڑی محبت تے عظمت رچ بس گئی سی اوہ گھٹن دی بجائے دنوں دن وَدھدی چلی گئی۔ ایس طراں دس سال گذر گئے فیر اللہ تعالیٰ نے مسلماناں نوں مدینے پاک ہجرت کرن دا حکم دِتّا۔ اوتھے جا کے مسلماناں نے گج وج کے اسلام دی ساری تعلیمات تے عمل شروع کر دِتّا۔ ایس طراں اسلام دی خلافتِ ظاہرہ قائم ہو گئی۔ کیہا تے ایہہ جاندا اے کہ اسلام تے مُسلماناں دے نال جیہڑا ظلم وستم جاری سی اوہ ہجرت دے نال ای ختم ہو گیا لیکن حقیقت وچ معاملہ اُلٹا اے کہ مکّے وچ تے صرف بُت پرست ای مخالفت کر دے سن تے مقدّس ہجرت دے بعد ایہناں دیاں دشمنیاں ہزار گُنا وَدھ گیّاں تے یثرب دے یہودیاں تے مدینے دے منافقاں نے خفیہ سازباز کر کے اسلام تے مُسلماناں تے حملے شروع کر دِتّے جدھا مسلماناں نے کمال جُرأت تے ہمّت نال مقابلہ کیتا۔ جدھے نتیجے وچ اسلام نوں دِن دُگنی رات چوگنی ترقّی تے شوکت نصیب ہوئی تے اِک اِک کر کے دشمنانِ دین تے مخالفینِ پیمبر ذلیل وخوار ہوئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تے دُوجے سارے نبیاں دی بعثت دا مقصد وحید ایہو ای آ کہ اللہ دی مخلوقات اپنے مالک تے خالق دے سوا کسے ہور دی عبادت نہ کرن تے اپنے پروردگار نوں عبادت نال راضی کرن۔ سو حضور دی چالی ۴۰ سالہ زندگی دے بعد جس مقصد لئی اونہاں نوں نبوت عطا کیتی گئی سی آپ نے تیرہ سالہ مکی تے دس سالہ مدنی دور وچ اوہنوں تکمیل تک پہنچا دِتا۔ بُت پرستی ختم ہوئی۔ تے اوہدے نال ای دوسریاں بُرائیاں وی بڑی تیزی نال رخصت ہو گیاں۔ اوہ لوگ جیہڑے پہلاں مار دھاڑ تے قتل و غارت گری دے وچ مُبتلا سن اسلامی تعلیمات دے نال اوہ دُنیا دے واسطے معلم اخلاق تے امن و امان دے پیامبر بن گئے۔ جیتھے ایہہ لوگ جُوئے، سٹے، شراب، زنا، ناپ تول دی کمی بیشی وغیرہ مختلف بُرائیاں وچ مُبتلا سن اسلامی تعلیمات دی برکت نال اِک اِک کرکے ہر بُرائی اونہاں وچوں رخصت ہو گئی۔

رزق کمان لئی اسلام نے کُجھ حدود تے پابندیاں عائد کیتیاں نیں۔ رزق کمان نوں ضروری ای نہیں بلکہ فضل ترین عمل قرار دِتا اے۔ خود قرآن حکیم وچ رزق تے مال کمان نوں اللہ دے فضل نال تعبیر کیتا گیا اے۔ ارشاد ہوندا اے:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (الجمعۃ-۱۰)

ترجمہ: فیر جدوں نماز (جمعہ) توں فارغ ہو جاؤ تے زمین دے وچ چل پھر کے اللہ دا رزق تلاش کرو تاں جے تُسی فلاح پاؤ۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ دی روایت دے مطابق اِک حدیث دے وچ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے کہ رزق کمانا ہر مسلمان تے فرض اے۔ اِک دوسری حدیث وچ آوندا اے کہ فرض نمازاں دے بعد روزی کمان دی فضیلت سب توں زیادہ اے۔ اِک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِک صحابی نال مصافحہ کیتا تے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نوں اوہدے ہتھ میلے نظر آئے۔ جدوں آپ نوں پتہ لگا کہ محنت مزدوری نال اوہدے ہتھ میلے ہوئے نیں تے فرمایا اللہ تعالیٰ نوں ایہہ ہتھیلیاں پسند نیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دا ارشاد اے کہ جیہڑا شخص شام نوں کم کار توں تھک کے چُور ہو جائے اوہدی مغفرت ہو چکی۔ ایسے واسطے حلال کمائی نوں جہاد نال تعبیر کیتا گیا اے۔ فرمایا: طَلَبُ الْحَلَالِ جِهَادٌ وَإِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ

اَلْمُحْتَرِفْ۔ (حلال کمائی جہاد اے تے اللہ تعالیٰ کم کرن والے بندے نوں پسند کردے نیں)
ایہہ وی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم دا ای فرمان اے کہ عبادت دے دس حصّے نیں جنہاں وچوں نوں ۹
دی ادائیگی صرف حلال کمائی نال ہوندی اے۔

اینہاں ساریاں حدیثاں توں ایہہ گل پوری طراں کھُل جاندی اے کہ اسلام رزق کمان توں
نہ صرف ایہہ کہ روکدا نہیں بلکہ نہایت پُرزور انداز وِچ اوس دی تاکید کردا اے۔ ایسے واسطے
تقریباً اکثر نبیاں نے روزی کمان دے واسطے مختلف پیشے اختیار کیتے۔ تاریخی روایتاں توں پتہ
چلدا اے کہ حضرت نوُح علیہ السّلام ترکھانہ کم کردے سَن، حضرت داؤد علیہ السلام زِرہ بناندے سَن۔
حضرت ادریس علیہ السّلام دَرزی دا کم کردے سَن۔ خود ساڈے آقا و مُولا سیّد الانبیا صلّی اللہ علیہ
وسلّم نبوّت مِلن توں پہلے بھیڈاں تے بکریاں چراندے ہوندے سَن اور نبوّت توں پہلے آپؐ نے
تجارت دا شغل وِی فرمایا سی۔ ایہو حال صحابۂ کرامؓ تے صُلحائے اُمّت دا سی کہ اپنی حلال روزی
حاصل کرن دے واسطے کجھ نہ کجھ محنت مزدوری کردے سَن۔

اوّل خلیفہ راشد سیّدنا ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھیری لگا کے کپڑا ویچدے سَن چنانچہ
انتخابِ خلافت دے دُوسرے دِن وی کپڑے مونڈھے تے پاکے اپنے معمول دے مطابق کپڑا
فروخت کرن واسطے ٹُر پئے، راہ وِچ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اچانک مِل پئے تے اوہناں پُچھیا
یا امیر المومنین! کدّھر چل پئے او؟ فرمایا حلال رِزق دی تلاش کرن جا رہیا واں۔

دُوجے علماءِ اُمّت دی طراں امام ابُوحنیفہ وی کپڑے دے بہت بڑے بیوپاری سَن۔ اینہاں
لوکاں نے روزی وِی کمائی تے دین دا عملی مظاہرہ وی کیتا۔ چنانچہ ایہہ واقعہ مشہور اے کہ حضرت امام
ابُوحنیفہؒ دے کارندے جیہڑے کپڑے دی فروختگی تے مامور سَن اوہناں نوں امام صاحبؒ دا ایہہ
حکم سی کہ کپڑے دے عیب نوں گاہک تے پہلاں ظاہر کر دِتّا جائے۔ اک دفعہ دا ذکر اے کہ اک
تھان وِچ کجھ نُکس سن۔ حضرت امامؒ دے حکم دے مطابق فروخت دے وقت ویچن والے نوں اوہ
نقص ظاہر کرنا یاد نہ رہیا۔ سو حضرت امامؒ نوں جدوں ایس صورتِ حال دا پتہ چلیا تے آپؒ نے اوس
تھان دی کُل آمدنی صدقہ کر دِتّی۔ کیوں جے حلال کمائی وِچ کجھ تھوڑی جنّی مشتبہ مال دی ملاوٹ ہو
گئی سی تے آپ اپنی پاک کمائی دے وِچ اوس رقم نوں شامل کرن واسطے راضی نہیں سَن۔

ایہہ تے بڑے اُچّے مذاق دے واقعات نیں۔ اسلامی تعلیمات دا اثر ہر طبقے تے ہر گروہ

نے جس طراں قبول کیتا اے اوسدا اِک ہور نمونہ پیشِ خدمت اے۔

ہندوستان دے مُغل حکمراناں وِچوں سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ دا کِنّوں علم نہیں؟ جیہڑے کابل توں لے کے برماتک اپنے دَور دے حاکم سن۔ دوسری طرف اوہناں دے تقوے دا ایہہ عالم سی کہ اپنی گذر اوقات اللہ تعالیٰ دے کلام پاک دی کتابت کر کے تے اپنے دستِ مبارک نال ٹوپیاں بنا کے کردے سن۔

ایہہ پاکباز لوک ایہناں کمّاں کاراں نوں مجبوراً نہیں بلکہ اسلام دے احکام دی تعمیل تے عبادت سمجھ کے انجام دیندے سن۔ ساڈے دَور وِچ کمّاں کاراں تے پیشیاں نوں جس بُری نگاہ نال ویکھیا جاندا اے اوہ سراسر غیر اسلامی فعل اے۔ اسلام دی نظر وِچ اوہ کاشتکار تے کسان جیہڑا اپنا خون پسینہ اِک کر کے حلال کمائی کردا اے اوہ اوس کروڑ پتی کولوں کئی درجے بہتر اے جیہڑا ناجائز طریقیاں نال مال حاصل کردا اے۔ رشوت، سمگلنگ، قماربازی، سٹّہ، شراب نوشی وغیرہ ایہہ اوہ اخلاقی تے سماجی بُرائیاں نیں جیہڑیاں انسانیت نوں گھُن دی طراں کھا رہیاں نیں تے ایہناں نوں اسلام نے بجا طور تے ناجائز تے حرام ٹھہرایا اے۔

صدیاں توں ایہہ بُرائیاں دُنیا دے ہر اوس خطّے وِچ جاری وساری نیں جتھے انساناں دا کوئی چھوٹا یا وڈّا گروہ آباد اے تے تقریباً ہر مقام تے ایہناں لعنتاں توں چھٹکارا حاصل کرن واسطے ہر قوم دے نیک نفس تے پاک باطن انساناں نے اپنے جئی کوشش کیتی لیکن ایہہ حقیقت اپنی جگہ روزِ روشن دی طراں عیاں اے کہ سوائے عرب دے اوس اُمّی (فداہُ روحی وابی واُمّی) دے دوسری کوئی وڈّی توں وڈّی شخصیت یا حکومت کجھ دیر واسطے وی مکمل طور تے ایہناں لعنتاں توں اپنی قوم نوں نجات نہ دلا سکی تے ایس حقیقت توں دُنیا دا کوئی باخبر انسان انکار نہیں کر سکدا کہ ایہناں بُرائیاں توں انسان نوں نجات دِلا کے سرورِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جیہا پائدار تے کامیاب روحانی انقلاب برپا کیتا اے جِدھا اعتراف اپنیاں تے پرایاں دے علاوہ خود خالقِ کائنات عزّ اسمہٗ وجلّ مجدہٗ نے وی کیتا اے۔ سو پورے وثوق تے یقین نال تے چودہ سو سالہ تجربے دی روشنی وِچ ایہہ حقیقت اے کہ انسان ایہناں لعنتاں توں نجات حاصل کرن دی کوشش کرے تے اَج وی کامیابی یقیناً حاصل کیتی جا سکدی اے۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

(بشکریہ ریڈیو پاکستان لاہور)

○

اس حصے میں حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی تقاریر اور خطبات میں سے اہم اقتباسات پیشِ نظر کیے جا رہے ہیں۔ چونکہ حضرت ابّا جانؒ کا اصل مقصد اصلاحِ احوال اور تعمیرِ کردار و اخلاق ہوتا تھا لہٰذا اس انتخاب میں بھی وہی مطمحِ نظر سامنے رکھا گیا ہے

فقیر محمدّ اکمل عفی عنہ

○

دُنیا کی بے ثباتی

وقت تیزی سے گزر رہا ہے، حال ماضی بن چکا ہے اور مستقبل حال بن جانے کے لیے آگے دوڑ رہا ہے۔ گردوپیش پر نظر ڈالیں تو واقعات کے نقشے کچھ اس طرح تبدیل ہوتے نظر آئیں گے کہ بے ثباتیٔ دُنیا کی تصویر آنکھوں کے سامنے گھوم جائے گی۔ حالات کی اِس برق رفتاری اور تغیّر وتبدّل میں ایک لمحۂ حیات بھی غفلت میں ضائع کرنا عقل مندی کے قطعی خلاف ہے۔ ثبات صرف ذاتِ خداوندی کو ہے، اُس کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ موت کا نقشہ ہر گھڑی آنکھوں کے سامنے ہونا چاہیئے۔ موت کا کوئی علم نہیں کہ کس وقت سر پر آ کھڑی ہو اور زندگی کا رِشتہ ہم سے قطع کر دے۔ کوئی نہیں جانتا اُسے کس وقت آنا ہے اور کِس مقام پر انسان کو اُس کی آغوش میں چلے جانا ہے۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۱۰/ مئی ۱۹۶۲ء)

نوٹ: حضرت شیخ التفسیرؒ کے وصال کے بعد حضرت مولانا عُبیداللہ انورؒ کی یہ سب سے پہلی مجلس ذکر میں فی البدیہہ تقریر ہے ——— (مؤلف)

اِنسان کا خدا تعالیٰ سے بغاوت کا سب سے بڑا سبب

آسودہ حالی، رزق کی فراوانی اسبابِ معیشت کی بہتات ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ جس قدر انسان کو رِزق زیادہ عطا فرمائے اُسی قدر اُس کا زیادہ ممنونِ احسان ہو اور اُس کا زیادہ شکر بجا لائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دروازہ پر بُلائے تو سب کام کاج چھوڑ کر دوڑتا ہُوا آئے اور اس بُلاوے کو اپنے لیے صد شرف اور اعزاز خیال کر کے آئے کہ مجھے

دربارِ شہنشاہی سے بُلاوا آیا ہے۔ جس طرح اپنے نوکروں کو انسان نے سکھایا ہُوا ہے کہ جب تمھیں بُلایا جائے تو آواز سُنتے ہی "جی حضور" کہو تاکہ آقا کو معلوم ہو کہ نوکر نے آواز سُن لی ہے اور اُس کے بعد سب کام چھوڑ کر دوڑتے ہُوئے آؤ، حاضر ہو کر حکم سُنو اور اُس کے بعد اُس کی تعمیل کرو۔ چاہیئے تو یہی تھا کہ یہی کرے مگر انسان اِس روش سے اُلٹ چاہتا ہے۔ (حوالہ: خطبہ جمعہ ۱۸ مئی ۱۹۶۲ء)

نوٹ: حضرت شیخ التفسیرؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا عُبید اللہ انورؒ کا یہ سب سے پہلا خطبۂ جُمعہ تھا جو آپؒ نے جامع مسجد شیرانوالہ لاہور میں ارشاد فرمایا۔ (مؤلف)

سحری کے وقت جاگنے کی تاکید

ہمارے دادا پیر شیخ المشائخ خلیفہ غلام محمّد صاحب دین پوری نوّر اللہ مرقدہٗ نے دروازہ کے آگے یہ شعر لکھوا رکھا تھا ؎

ہر کہ وقتِ صُبحدم در یادِ حق بیدار نیست
او محبّت را چہ داند لائقِ دیدار نیست

(حوالہ: مجلس ذکر ۲۴ مئی ۱۹۶۲ء)

مادّی دُنیا کا کلوروفارم

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان اِس عالمِ ناسُوت میں چونکہ لذّاتِ دُنیوی سے گھرا ہُوا ہے اور مادّی دُنیا کا کلوروفارم اِسے بے حس کیے ہُوئے ہے، اِسے آخرت کی لذّت اور رُوحانی کیف و سرور کا احساس نہیں ہوتا۔
(حوالہ: مجلس ذکر ۲۴ مئی ۱۹۶۲ء)

دیدارِ الٰہی

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دادا پیر سیّد العارفین حضرت حافظ محمّد صدّیق صاحب قدّس اللہ اسرارہٗ، جن کا مزارِ مُبارک بھرچونڈی شریف میں ہے، ایک مرتبہ کچھ ارشادات فرما رہے تھے کہ کسی شخص نے سوال کیا "حضرت! یادِ الٰہی سے لقائے الٰہی ہو سکتا ہے"؟ آپؒ نے فرمایا "ہاں، ہو سکتا ہے"۔ اُس شخص نے پھر عرض کیا "حضرت! آپ ذکرِ الٰہی کراتے ہیں، اشغال کی پابندی کی تاکید فرماتے ہیں، مُجاہدات و ریاضت کی تلقین بھی کرتے ہیں لیکن خدا کی زیارت تو نہیں کراتے"۔ آپؒ نے برجستہ فرمایا "بھائی! اِسی کے لیے تو ہم آپ کو تیار کر رہے ہیں۔ ہر کوئی اللہ کا مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ یہ نعمت صرف اُن لوگوں کے حصّہ میں آتی ہے جو اس کے اہل ہوتے ہیں"۔ ؏ ہر مدّعی کے واسطے دار و رسن کہاں (حوالہ: مجلس ذکر ۲۴ مئی ۱۹۶۲ء)

حضرت لاہوریؒ کی باطنی بینائی کا ایک واقعہ

کوئی دو سال کا واقعہ ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص بیعت کی غرض سے حاضر ہُوا۔ آپؒ نے اُس کے قلب پر توجّہ کی تو اُسے اپنی طرف مائل نہ پایا۔ چنانچہ آپؒ نے اُسے ٹالنا چاہا اور بیعت نہ کیا۔ وہ شخص بضد تھا کہ اُسے بیعت کر لیا جائے اور اسی مقصد کے لیے تین دن وہ یہاں رُکا رہا۔ آخر جب اُس کا اِصرار حد سے بڑھ گیا تو تیسرے دِن حضرت رحمۃ اللہ علیہ اُسے علیحدہ ایک طرف لے گئے اور پُوچھا "بھائی! جی تو آپ کا بیعت کرنے کو چاہتا نہیں، اِس سے اِبا (انکار) کرتا نظر آتا ہے، لیکن زبان سے بار بار اِصرار کیے جا رہے ہیں، ضِد کر رہے ہیں، آخر اِس کی وجہ کیا ہے"؟ —— اور اِس پر اُسے خدا کی قسم دی کہ وہ سچ سچ اور صاف صاف تمام قصّہ بیان کرے —— وہ شخص سخت نادم ہُوا۔ اس نے عرض کیا "حضرت! آپ کا ارشاد بجا ہے۔ اصل میں مجھے اپنی ہمشیرہ سے لڑکی کا رِشتہ اپنے لڑکے کے لیے مطلوب ہے۔ ہمشیرہ کی شرط یہ ہے کہ مَیں آپ سے بیعت کر لُوں تو وہ میری بات ماننے پر رضامند ہو گی وگرنہ نہیں۔ مَیں محض رشتہ کے لیے بیعت کرنا چاہتا ہوں"۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سُننے کے بعد اُسے بیعت کرنے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا "اگر مَیں اندھا ہوتا تو ضرور تجھے بیعت کر لیتا اور تُو اپنی ہمشیرہ کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو جاتا لیکن الحمد للہ مجھے اللہ تعالیٰ نے باطن کی آنکھیں عطا کر رکھی ہیں اور مَیں اس طرح فریب میں نہیں آ سکتا"۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۴ر مئی ۱۹۶۲ء)

حضرت میاں اصغر حسینؒ کا کشفِ قلوب

میرا اپنا ذاتی واقعہ ہے، مَیں دیوبند میں پڑھا کرتا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان تھا کہ تعلیم سے فراغت کے بعد ہمہ وقت حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ یا حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر رہا کروں اور اُن کے فیضِ صحبت سے استفادہ کروں۔ چنانچہ مَیں خلوصِ نیّت کے ساتھ اِن ہر دو بزرگوں کی خدمت میں اکثر حاضر رہتا۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر تقریباً ہر وقت کشفی کیفیت طاری رہتی۔ ایک مرتبہ میرے ایک سندھی دوست نے تعویذ کے لیے بے پناہ اِصرار کیا۔ مَیں اُسے ساتھ لے کر حضرت میاں صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ آپؒ نے دیکھتے ہی فرمایا "اچھا! میاں صاحبزادے تو آج آپ تعویذ لینے آئے ہیں"۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۴ر مئی ۱۹۶۲ء)

حضرت لاہوریؒ اور حضرت میاں اصغر حسین صاحبؒ کا تعلقِ خاطر

حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے اور آپ نے بھی اُن سے یہ واقعہ سُنا ہو گا کہ وہ ایک مرتبہ دیوبند گئے تو تین دن تک حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں قیام پذیر رہے۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے "میں تینوں دن اپنے آپ کو مقیّد محسوس کرتا رہا اور ۲۴ گھنٹوں میں ایک لمحہ بھی غافل نہ ہُوا کہ میری غفلت میاں صاحبؒ پر بار نہ ہو اور ایک اللہ والے کے ادب و احترام میں فرق آجائے۔ ایسا کرنا محض اللہ کی رضا پر مبنی تھا۔" چنانچہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اِس قدر مسرور ہُوئے کہ آپؒ نے فرمایا "حضرت! آپ ایسے مہمانوں سے جو محض اللہ کی رضا کی خاطر میرے پاس قیام فرمائیں میرا جی بہت راضی ہوتا ہے۔ آپ ایسے مہمان روز روز کب میسّر آتے ہیں"؟ [۱]

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۴ مئی ۱۹۶۲ء)

مختلف پیشے

آپ کو معلوم ہے کہ ہر پیشہ ور اپنے پیشے کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ کپڑا سینے والے کو درزی کہتے ہیں، جُوتا سینے والے کو موچی کہتے ہیں، لکڑی کا کام کرنے والے کو بڑھئی کہا جاتا ہے، کپڑا بُننے والے کو جولاہا کہا جاتا ہے حالانکہ شکل و شباہت کے لحاظ سے سبھی ایک جیسے انسان ہیں۔ اِسی طرح اندرُونی صفات کے اختلاف کے لحاظ سے ہر انسان اپنی اپنی مختلف صِفتوں کے لحاظ سے اُسی نام کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ اِسی نقطۂ نگاہ سے اللہ جلّ شانہٗ نے کسی کو کُتّے کے ساتھ تشبیہ دی ہے، کسی کو گدھے کے ساتھ، وغیرہ وغیرہ۔

(حوالہ: خطبہ جمعہ ۲۵ مئی ۱۹۶۲ء)

خطبہ جمعہ کا مقصد

مسلمانوں کو جُمعہ کے دن اس لیے دربارِ الٰہی میں جمع کیا جاتا ہے تاکہ خطیبِ جمعہ کتاب و سُنّت کی روشنی میں مسلمانوں پر تنقیدی نگاہ ڈالے اور جو چیز قابلِ اصلاح ہو کتاب و سُنّت ہی سے اس کی اصلاح کا طریقہ بتلائے تاکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول

---

[۱] یہ قصہ حضرت میاں اصغر حسین صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ (مادر زاد ولی) کی آخر عمر کا ہے اور در اصل حضرت میاں صاحبؒ نے حضرتِ اقدس امام لاہوریؒ کو خود بلایا تھا اور فرمایا کہ "مجھے اللہ جلّ شانہٗ نے بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور کچھ خصوصی ہیں جن کے لیے میری نظر میں ہندوستان بھر میں آپ سے زیادہ کوئی مستحق نہیں"۔ ہمارے حضرت اقدس امام الہدیٰؒ نے فرمایا کہ "ان بیشمار باطنی نعمتوں کے علاوہ ظاہری فیوض مثلاً تعویذات وغیرہ تھے وُہی ہیں جو اب اللہ تعالیٰ میرے ذریعے خلقِ خدا تک پہنچاتے ہیں"۔

صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مرضی کے مطابق خدا کے بندے زندگی بسر کر کے دُنیا سے جائیں اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی برکت سے قبر کے عذاب، پچاس ہزار سالہ قیامت کے دن کے عذاب اور دوزخ کے عذاب سے بچ کر مہمان خانۂ الٰہی یعنی بہشت میں پہنچ جائیں۔

(حوالہ: خطبہ جمعہ یکم جون ۱۹۶۲ء)

مغفرت کا سرٹیفیکیٹ

ہم بھی سلسلۂ قادریہ کے اہل اللہ کے بتائے ہُوئے طریق کے مطابق ہر جمعرات کو ذکرِ جہر میں ایک ہزار مرتبہ پہلے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ ہی کا ذکر کرتے ہیں۔ ہمارے اکابر کے ہاں تو مجلسِ ذکر ہر روز ہی منعقد ہوتی تھی مگر حضرتِ اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے مصروفیات کی بنا پر صرف جمعرات ہی کا دن مقرّر کر رکھا تھا۔ ویسے متعلّقین کو دوسرے اذکار کے علاوہ اپنی اپنی جگہ ہر روز اس ذکر کی اجازت بھی دیتے تھے۔ اللہ عزّوجلّ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ دُور دراز سے سفر کر کے سینکڑوں اشخاص اس مجلسِ ذکر میں شریک ہوتے ہیں اور مغفرت کا سرٹیفیکیٹ حاصل کرتے ہیں۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۴ر جون ۱۹۶۲ء)

لکھا ہُوا اور چلتا پھرتا قرآن؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پُوچھا کہ قرآنِ مجید کہاں ہے؟ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر لکھا ہُوا قرآنِ مجید دیکھنا چاہتے ہو تو یہ سامنے ہے اور اگر چلتا پھرتا قرآن دیکھنا مقصُود ہو تو ہمیں دیکھ لو۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۱ر جون ۱۹۶۲ء)

حضرت میاں اصغر حسینؒ کی انسان دوستی

حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدّثِ دیوبند مادر زاد ولی اور سیّد زادے تھے اور تمام ہندوستان کے ہندو، مسلمانوں کی زبان پر اُن کا چرچا تھا۔ وہ جس راستہ سے گزرتے، بلا امتیازِ مذہب و ملّت سب لوگ انھیں اباجی سلام، اباجی السلام علیکم کہتے اور ادب سے جُھک جاتے اور یہ اثر تھا اُن کے حُسنِ اخلاق کا کہ وہ ہر ایک سے محبّت و شفقت کا سلوک کرتے۔ چونکہ اُن کا شہرہ بزرگی کے اعتبار سے دُور و نزدیک پھیلا ہُوا تھا، کئی لوگ مختلف مذاہب کے اُن کی زیارت کو آتے اور اُن سے دُعا کی درخواست کرتے تھے۔

آپؒ کی رواداری کا ایک واقعہ سُن لیجئے۔ آپؒ نے مجھے ایک مرتبہ اپنا مہمان خانہ دکھلایا۔ مہمان خانہ کا نام تھا "دارُالفقراء والمساکین والمہاجرین"۔ اُس میں ایک کمرہ عبادت کے لیے مخصوص تھا جس کا نام "عبادت خانہ" رکھا ہُوا تھا۔ آپؒ نے مجھ سے فرمایا "میاں صاحبزادے! دیکھتے ہو؟

ہم نے اِس کمرہ کا نام "مسجد" نہیں رکھا بلکہ "عبادت خانہ" رکھا ہے۔ اِس لیے کہ اگر کوئی غیر قوم کا آدمی اپنی عبادت کرنا چاہے تو اُس پر بار نہ گزرے اور اسے تکلیف نہ ہو۔" اللہ اللہ اخلاق و مروّت کا یہ عالم تھا۔ اسی لیے غیر مذاہب والے بھی اِس خُلق سے متاثر ہوتے اور صداقتِ اسلام کے قائل ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے تھے۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۲۱ر جون ۱۹۶۲ء)

عجز و انکساری

برادرانِ عزیز! اگرچہ مَیں اپنے آپ کو اِس کا اہل نہیں پاتا کہ حضرتِ اعلیٰ کی طرح رُوحانی بیماریوں کے سلسلے میں معروضات پیش کروں اور میری دِلی خواہش بھی یہی تھی کہ برادر بزرگوار حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب مدظلہ (اب رحمۃ اللہ علیہ) اِس مسند کی زینت بنتے لیکن خداوندِ قدوس کو کچھ ایسا ہی منظور تھا کہ مجھ ایسے گنہگار کے کاندھوں پر یہ بارِ گراں ڈالا۔ اس لیے حضرتؒ کے ارشاد کی تعمیل اور فرض کی انجام دہی کے طور پر کچھ گزارشات مَیں بھی پیش کر دیا کرتا ہوں۔ دُعا فرمایئے اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی نعمت سے نوازیں اور استقامت کی دولت سے سرفراز فرمائیں۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۱۹ر جولائی ۱۹۶۲ء)

حضرتؒ کی نفس کُشی کا ایک واقعہ

حضرتِ اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے، آپؒ گھر میں دیر سے تشریف لائے۔ رات زیادہ ہو چکی تھی۔ والدہ صاحبہ مکرّمہؒ کی طبیعت ناساز تھی۔ آپؒ نیند میں تھیں۔ حضرتؒ نے یہ گوارا نہ کیا کہ محترمہ والدہ صاحبہؒ کو تکلیف دیتے۔ ہماری ہمشیرہ (اللہ اُسے جنّت میں مقاماتِ بلند عطا فرمائے[1]) اُس نے اُٹھ کر حضرتؒ کو کھانا دیا۔ اِتّفاق سے اُسے پتہ نہ تھا کہ تازہ روٹی کہاں رکھی ہے وہ غلطی سے کئی دنوں کی باسی روٹی اُٹھا لائیں اور سالن برتن میں ڈال کر حضرتؒ کے سامنے رکھ دیا۔ حضرتؒ نے جو دیکھا تو روٹی بہت سخت تھی اور اس پر مستزاد یہ کہ روٹی پر پھپوندی جمی ہوئی تھی۔ ہماری ہمشیرہ بچاری کے علم ہی میں نہ تھا اور نہ اُس نے یہ دیکھا کہ روٹی باسی ہے۔ لیکن حضرتؒ کا کمال یہ تھا کہ انھیں بتانا بھی مناسب نہ سمجھا۔ دِل سے فیصلہ کر لیا اللہ جو روز اچھی اور تازہ روٹی دیتا ہے اگر آج اُس نے یہ باسی روٹی سامنے رکھوا دی ہے تو اُس کی نعمت سے انکار کیوں کیا جائے؟ فرمایا کرتے تھے کہ کھانے میں کراہت محسوس ہوتی تھی، جی متلاتا تھا، قے آیا چاہتی تھی مگر نفس کو سزا دی اور چار و ناچار ساری روٹی کھالی۔ اور یہ تمام واقعات بیان فرما کر اسے اپنے دونوں مربیوں[2] کی صحبت کا نتیجہ قرار دیا

---

[1] محترمہ مکرّمہ منوّرہ رقیّہ بی بیؒ [2] سلطان العارفین حضرت خلیفہ صاحب دین پوریؒ اور سیّد العارفین حضرت امروٹیؒ

کرتے تھے کہ اُنھوں نے انانیّت اور نفس کو بَسل کر رکھ دیا تھا۔ (حوالہ مجلس ذکر ۲ر اگست ۱۹۶۲ء)

اہلِ سُنّت والجماعت کے معنیٰ

ہم اہلِ سُنّت والجماعت کہلاتے ہیں۔ اصل میں اہلسنّت والجماعت مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ ہی کا ترجمہ ہے۔ اہلِ سُنّت کے معنی ہیں، حضورؐ کی تابعداری کرنے والا اور جماعت سے مُراد حضوؐر کے صحابہ ہیں۔ تو اہلِ سُنّت والجماعت سے مراد وہ لوگ ہوئے جو حضوؐر اور حضوؐر کے صحابہؓ کے طریق پر چلنے والے اور اُن کی اتّباع کرنے والے ہیں ۔ لیکن کیا محض زبانی دعاوی سے ہم اہلِ سُنّت والجماعت کہلانے کے مستحق ہو سکتے ہیں؟ کیا ہمیں حق پہنچتا ہے کہ ہم شب و روز تو حضوؐر کی سُنّت اور آپ کے صحابہؓ کی طرزِ زندگی کے خلاف بسر کریں اور خود کو اہلسنّت والجماعت کا نام دیں؟ (حوالہ مجلس ذکر ۹ر اگست ۱۹۶۲ء)

تصوّف کیا ہے؟

تصوّف وہی قابلِ قبول ہے جو شریعت کے مطابق ہو۔ تصوّف کی تعلیم شریعت کے خلاف ہو ہی نہیں سکتی۔ حضرت علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تصوّف تو شریعت کا منتہائے مقصود ہے اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اِحْسَانْ (جسے آجکل کی اصطلاح میں تصوّف کہا جاتا ہے) کی تعریف اس طرح بیان فرمائی ہے اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ (ترجمہ) احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تُو اُس کو دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تُو اُس کو نہیں دیکھ رہا تو بے شک وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ (حوالہ مجلس ذکر ۹ر اگست ۱۹۶۲ء)

حضرت مدنیؒ کی فراست کا ایک سچّا واقعہ

ایک دفعہ حضرت مدنیؒ کے ساتھ ایک آدمی گاڑی میں سفر کر رہا تھا۔ ڈبّہ میں ایک آدمی نے آکر ایک صندوق رکھا اور حضرت مدنیؒ کے ساتھ والے آدمی کو کہا کہ اِس صندوق کا خیال رکھنا میں ابھی آتا ہوں۔ حضرت مدنیؒ نے فوراً فرمایا کہ "ہم اس کا دھیان نہیں رکھیں گے"۔ وہ آدمی صندوق کو وہاں چھوڑ کر فوراً بھاگ گیا۔ اُس کے چلے جانے کے کچھ بعد اس کمرے میں پولیس آکر کہنے لگی کہ "یہ صندوق کس کا ہے"؟ تو حضرت مدنیؒ نے فرمایا "پتہ نہیں کس کا ہے"۔ تو پولیس نے بیان کیا، کہ "اِس صندوق میں ایک لاش ہے"۔ یہ ہے مومن کی دُور اندیشی۔ اگر وہ آدمی صندوق کا ذمّہ لے لیتا تو پولیس اُسے گرفتار کر لیتی اور پوچھتی کہ بتاؤ وہ آدمی کہاں ہے؟ (حوالہ خطبہ جمعہ ۱۷ر اگست ۱۹۶۲ء)

ذکرِ خفی کا فائدہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تلقین کردہ اذکار قلبی، سِرّی، رُوحی، نفسی، خفی، اَخفیٰ وغیرہ جو آپ کرتے ہیں اِن کا درجہ بارگاہِ الٰہی میں بہت بلند ہے۔
یاد رہے جیسا گمان کوئی اپنے مولا کریم سے رکھتا ہے ویسا ہی اپنے آپ کو اُس کے نزدیک پاتا ہے ظاہر ہے ہم تمام اذکار رضائے الٰہی کی خاطر کرتے ہیں اور ایسا کرنے سے رضائے الٰہی کا تمغہ ہمیں بارگاہِ خداوندی سے ضرور ملتا ہے۔ ہمارے خاندانِ قادریہ کا طریق ہے کہ ذکرِ قلبی پوشیدہ طور سے کیا جائے اور چنانچہ یہ طریق ریا سے قطعی پاک اور اخلاص پر مبنی ہے اور سب سے بڑا فائدہ اِس کا یہ حاصل ہوتا ہے کہ اللہ بھی ہمیں یاد کرتا ہے اور اُس کی معیّت ہمیں نصیب ہوتی ہے۔
(حوالہ: مجلس ذکر ۱۶ر اگست ۱۹۶۲ء)

صحابہ کرامؓ نیکیوں کے ٹھیکیدار تھے

میرے اُستاذِ مکرّم مولانا ضیاء الحق صاحب، جن سے مَیں نے علم حدیث پڑھا ہے، وہ دورانِ درس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق اکثر فرمایا کرتے تھے کہ یہ حضرات نیکیوں کے ٹھیکیدار تھے۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۱۶ر اگست ۱۹۶۲ء)

حضرت لاہوریؒ کا تقویٰ

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ عمرہ کے لیے تشریف لے گئے۔ مَیں بھی ہمراہ تھا۔ وہاں جا کر آپؒ نے اپنی گھڑی برادرِ بزرگوار حضرت مولانا حبیب اللہ صاحبؒ کو دے دی۔ واپسی پر جب ہم کراچی پہنچے تو حضرتؒ نے مجھے حکم دیا کہ بازار سے اُن کے لیے کوئی گھڑی خرید لاؤں۔ مَیں نے سوچا ہم گھڑیوں کے گھر سے آرہے ہیں، دام بھی وہاں سستے تھے اور شرعاً بھی اِس میں کوئی قباحت نہ تھی کیونکہ گھڑی خریدنا ضرورت کے تحت تھا نہ کہ کاروبار کے لیے، مَیں اسی سوچ میں تھا کہ حضرت علیہ الرحمۃ نے فرمایا "ٹھیک ہے گھڑی خریدنے کا شرعی جواز موجود تھا لیکن مَیں اس ادنیٰ سی رعایت سے فائدہ اٹھانا بھی تقوے کے خلاف سمجھتا ہوں اور میرا یہ اقدام اس غلط روش کی عملی تردید ہے جس نے کاروبار کی شکل اختیار کر لی ہے۔"
(حوالہ: مجلس ذکر ۲۳ر اگست ۱۹۶۲ء)

حضرت سندھیؒ کی رحم دلی

اخلاق اور غریبوں سے ہمدردی کا اِس قدر فقدان ہو گیا ہے کہ ایک شخص فرسٹ کلاس یا سیکنڈ کلاس کے ڈبّے میں سینکڑوں روپے سیٹ ریزرو کرانے کے لیے بلا کسی لیس و پیش کے دے دیتا ہے لیکن جب قُلی کو چار آنے دینا پڑتے ہیں تو چیخ اٹھتا ہے۔

دو دو آنے پر جھگڑا کرتا ہے۔ یہ بھی خیال نہیں کرتا کہ کم از کم بے چارے کی محنت ہی پوری ادا کر دوں، ایسے واقعات میں نے اکثر اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ میں امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں ریل کا سفر کر رہا تھا۔ اتفاق سے ایک سٹیشن پر دیکھا کہ ایک قلی اور ایک نہایت ہی اپ ٹو ڈیٹ ہندو میں جھگڑا ہو رہا ہے۔ ہندو کہتا ہے کہ "میں تو صرف دو آنے دوں گا"۔ قلی کہتا ہے "جناب! یہ دو آنے کا کام ہے؟ اتنا سامان اور پھر اس قدر فاصلے پر لانا اور گاڑی پر چڑھانا، یہ تو صریحاً ظلم ہے"۔ جھگڑا چل رہا تھا۔ لوگ جمع ہو کر تماشا دیکھنے میں مصروف تھے۔ حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے پوچھا "کیا معاملہ ہے"؟ میں نے حقیقتِ حال بتائی۔ چُپکے سے اُٹھ کر گئے اور قلی کو علیحدہ لے جا کر پانچ روپے کا نوٹ ہاتھ میں دے دیا اور کہا "بھائی! جانے دو، اب جھگڑا رہنے دو"۔ حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ یہ گوارا نہ فرما سکے کہ قلی کو نقصان پہنچے اور اپنے پلے سے پانچ روپے کی رقم نکال کر دے دی جو شاید اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔

(حوالہ: مجلس ذکر ۳۰ر اگست ۱۹۶۲ء)

گھمنڈ اور غرور نہ کیجئے

عبادت کرنے کے بعد گھمنڈ اور غرور کبھی نہیں کرنا چاہیئے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ درخت کو جب پھل لگتا ہے تو اس کی ٹہنیاں جھک جاتی ہیں۔ اسی طرح نیکی کے اثر سے انسان میں عاجزی وانکساری پیدا ہونی چاہیئے۔[1] (حوالہ: مجلس ذکر، ستمبر ۱۹۶۲ء)

دولتِ ایمان کی حفاظت کی تاکید

ایمان بڑی دولت ہے، اس کی حفاظت بیحد ضروری ہے۔ جس طرح انسان منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے اپنے سامان، مال و دولت کی حفاظت کرتا ہے کہ کہیں چوری نہ ہو جائے، گم نہ ہو جائے، اسی طرح جب تک موت نہیں آجاتی ایمان خطرہ میں ہے کہ کہیں شیطان اس دولت کو لوٹ نہ لے۔ کئی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو ساری ساری عمر عبادت کرتے رہتے ہیں لیکن آخر میں اپنی کسی بداعمالی کی وجہ سے ایمان کی دولت سے ہاتھ دھو ڈالتے ہیں اور بے ایمان ہو کر مرتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔ (حوالہ: مجلس ذکر، ستمبر ۱۹۶۲ء)

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے گورنر کے گھر کا کھانا نہ کھایا

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرتبہ گورنر مغربی پاکستان

---

[1] حضرت اقدس امام الہدیٰؒ کی زندگی عجز و انکسار کا نمونہ تھی۔

امیر محمد خان کے لڑکے کی شادی پر بُلایا گیا۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ "مجھے اتنی سخت پریشانی کبھی نہیں ہوئی جتنی اب ہوئی ہے کیونکہ گورنر کچھ کھلائے گا اور دے گا، مَیں نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ لُوں گا لیکن خدا کی قدرت کہ جب نکاح کے بعد سب کھانے کے کمرے میں چلے گئے تو (حضرتؒ فرماتے تھے کہ) مَیں کمرے میں اکیلا رہ گیا اور دوسرے دروازے سے نکل کر کار میں بیٹھ کر گھر آگیا۔ نہ اُنھیں اِصرار کرنا پڑا اور نہ مجھے انکار" —— اور حضرتؒ اِس واقعہ کو بیان فرما کر بہت خوش ہوئے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اُن کا کھانا کھانے سے محفوظ رکھا۔

(حوالہ: مجلس ذکر، ستمبر ۱۹۶۲ء)

زاہد کی تعریف

کسی شخص نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو زاہد کہہ کر پکارا۔ انھوں نے فرمایا کہ زاہد تو عمر بن عبدالعزیز تھے کہ خلیفۂ وقت ہونے کی وجہ سے دُنیا گو آپؒ کے قدموں میں تھی لیکن آپؒ نے اُس سے کوئی حِصّہ نہ لیا۔ (حوالہ: مجلس ذکر، ستمبر ۱۹۶۲ء)

خوفِ خدا آج مفقود ہے

آج دُنیا معاش کے لیے تگ و دَو کرتی ہے۔ آج انسان موت کا دروازہ بند کرنے کی پُوری پُوری کوشش کر رہا ہے۔ ہسپتال، دوائیاں، ٹیکے، گولیاں وغیرہ تیار ہو رہی ہیں۔ انسان عیش وعشرت کی زندگی حاصل کرنے کے پیچھے لگا ہُوا ہے۔ آج لوگوں نے یادِ خدا کو ترک کر دیا ہے۔ آخرت کا ڈر اُن کے دل سے نِکل گیا ہے۔ دوزخ و جنّت کا بالکل خیال نہیں، خوفِ خدا نام تک نہیں، خوفِ خدا انسان کو صحیح معنوں میں انسان بناتا ہے وہ آجکل بالکل مفقود ہے۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۱۳ ستمبر ۱۹۶۲ء)

بادشاہی مسجد لاہور کی بے رونقی

مجھے بادشاہی مسجد میں نماز پڑھنے کا اتفاق ہُوا۔ عشاء کی نماز میں صرف پانچ نمازی اور فجر کی نماز میں تین نمازی تھے۔ اِتنی بڑی مسجد، مسلمانوں کا شہر اور سب سے زیادہ بے آباد۔ بہت ہی افسوسناک بات ہے۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۱۳ ستمبر ۱۹۶۲ء)

کالجوں اور یونیورسٹیوں میں دین کی تعلیم کا فقدان

ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں باقی سب چیزیں سکھائی جاتی ہیں، سب علوم پڑھائے جاتے ہیں، سب کچھ بتایا جاتا ہے لیکن خدا کا فرمانبردار بندہ بنانے کا کوئی سلسلہ نہیں۔ قرآن وحدیث کے علوم سے اُن کو بہرہ ور نہیں کیا جاتا۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۱۳ ستمبر ۱۹۶۲ء)

ہمارے اکابر پر کفر کے فتوے

آجکل ہمارے مُلک میں ایک فساد بر پا ہے۔ عُلمائے حق، بزرگانِ دین کو کافر، بے دین، وہابی، بے ایمان کہہ کر پکارا جارہا ہے۔ لاہور میں کئی مسجدوں میں امام سے اقرار لیا گیا کہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کافر ہیں (نعوذ باللہ) ذرا خوفِ خدا نہیں کہ پاک ترین ہستیوں کو جنھوں نے اسلام کی بے انتہا خدمت کی، کافر کہتے ہیں۔ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ وہ بزرگ تھے کہ جہاں تقریر کی وہاں کُفر کا خاتمہ ہو گیا۔ اُنھوں نے مسلمانوں کو شرک و بدعت کے گڑھے سے نکال کر راہِ سُنّت پر لگایا۔ حضرت تھانویؒ نے آج کے دَور میں اسلام کی بے انتہا خدمت کی ہے۔ اُن کے اصلاحی وعظ آج تک چھپ رہے ہیں، اور لوگ لاکھوں کی تعداد میں اُن کی تحریرات سے متاثّر ہوتے ہوئے ہدایت کے سرچشمہ سے سرفراز ہُوئے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۴ر اکتوبر ۱۹۶۲ء)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کامل واکمل ولی تھے۔ اُنھوں نے مُسلمانوں کی ہدایت کے لیے قرآنِ مجید کا درس جاری کیا۔ اصلاحِ باطن کے لیے مجلسِ ذکر کی ابتداء کی اور تا زیست اسے جاری رکھا۔ عورتوں کی تعلیم کے لیے مدرسۃ البنات کی بُنیاد رکھی اور عُلماء کے لیے دَورۂ تفسیر کا اہتمام فرمایا اور یہی وجہ ہے کہ حضرتؒ سے استفادہ کرنے والے آج ساری دُنیا میں اسلام کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہر کام سیکھنے سے آتا ہے۔ جس طرح کپڑا سینے کے لیے اُستاد کے سامنے شاگرد بن کر بیٹھنا پڑتا ہے اور چلنے پھرنے کے لیے دُوسروں کی نقّالی کرنا پڑتی ہے۔ بالکل اسی طرح اللہ اللہ کرنے اور امراضِ رُوحانی سے نجات حاصل کرنے کے لیے اولیائے کرام اور علمائے ربّانی جن کے دائیں ہاتھ میں قرآن اور بائیں ہاتھ میں حدیثِ خیر الانام ہو، اُن کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنا پڑتے ہیں۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۸ر اکتوبر ۱۹۶۲ء)

مجلسِ ذکر بدعت نہیں ہے

آج ہمارے کئی بھائی اِس مجلسِ ذکر کو بدعت کہتے ہیں حالانکہ انھیں بدعت کے مطلب کا ہی پتہ نہیں۔ بدعت اُسے کہتے ہیں جو چیز دین میں نہ ہو لیکن اُسے دین سمجھ کر کیا جائے اور اُسے سب کے لیے ضروری قرار دیا جائے۔ ہم کسی کو مجلسِ ذکر کے لیے مجبور نہیں کرتے اور نہ ہی ہم کسی خاص ذکر کو فرض سمجھتے ہیں، البتہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو ضروری سمجھتے ہیں۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر یکم نومبر ۱۹۶۲ء)

مُنکرِ حدیث کا دو ٹوک فیصلہ

آج کل فتنوں کا دور ہے۔ نئے نئے فتنے جنم لے رہے ہیں طرح طرح کے رخنے دینِ حق میں پیدا کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں اور کتاب و سُنّت کی روشنی کو معدُوم کرنے کی نت نئی سازشیں آئے دن معرضِ وجود میں آ رہی ہیں۔ اِن میں ایک فتنہ، فتنۂ انکارِ حدیث بھی ہے۔ منکرینِ حدیث کا اصل مقصد یہ ہے۔ کہ وہ لوگوں کو احادیثِ نبویّہ سے دُور کر کے آیاتِ قرآنی کی من مانی تشریح کریں، اپنی نفسانی خواہشات کو برُوئے کار لاسکیں اور موجُودہ حالات میں ہر بے دینی اور بے حیائی کو دین کے نام پر رواج دے سکیں۔ اسی لیے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "منکرِ حدیث منکرِ قرآن ہے۔ منکرِ قرآن خارج از اسلام ہے یعنی پکّا بے ایمان ہے"۔ [۱] (حوالہ: مجلس ذکر ۸ر نومبر ۱۹۶۲ء)

بخشش دینے کے انداز نرالے

ایک شخص نے کسی بزرگ کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا اور پُوچھا کہ "کیا حال گزرا؟" اُنھوں نے کہا "جب مَیں پروردگار کے سامنے حاضر ہُوا تو ارشاد ہُوا "کون سی نیکی ہماری بارگاہ میں لایا ہے؟" عرض کیا "بارِ الٰہا! اسّی حج مَیں نے پا پیادہ کیے ہیں"۔ ارشاد ہُوا "مَیں نے اُن میں سے تو ایک بھی قبول نہیں کیا"۔ مَیں بہت گھبرایا اور یقین ہو گیا کہ اب مَیں ضرور دوزخ میں بھیجا جاؤں گا۔ لیکن قربان جائیے اُس کی کریمی و رحیمی اور بندہ نوازی کے کہ خود ہی ارشاد فرمایا کہ "ہم نے ایک نیکی تیری قبول کی ہے۔ تُو ایک دن کہیں جا رہا تھا۔ راستے میں کانٹا پڑا تھا جو تُو نے اس خیال سے راستے سے ہٹا دیا کہ کسی بندۂ خُدا کو صدمہ نہ پہنچے۔ یہ کام چونکہ تُو نے خالص ہماری رضامندی کے لیے کیا تھا۔ اس لیے ہم تجھے بخش دیتے ہیں"۔ (حوالہ: خطبہ جمعہ ۹ر نومبر ۱۹۶۲ء)

حضرت لاہوریؒ کی موت سے پہلے موت کے لیے تیاری

حضرت رحمۃ اللہ علیہ سال ہا سال رات کو تنہائی میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ

"اے اللہ! مَیں تجھ سے راضی ہُوں، مجھے جب چاہے اپنے پاس بُلا لے۔ انھوں نے ہر معاملہ صاف کر رکھا تھا۔ سارے حساب کتاب چکا دیے تھے۔ ہر سال حج و عمرہ کے لیے جاتے تو احرام کو کفن بنا لیتے اور اپنے دستِ مبارک سے خود اُس پر لکھتے کہ "یہ احمد علی کا کفن ہے"۔

(حوالہ: مجلس ذکر ۱۵ر نومبر ۱۹۶۲ء)

---

[۱] یہ اقتباس حضرت امام لاہوریؒ کی آخری عوامی تقریر دیال سنگھ کالج میں سالانہ جلسہ کے موقع پر شعبان ۱۳۸۱ھ ۱۹۶۲ء کا ہے

اللہ کا دروازہ کھٹکھٹایا تو گم شدہ تانگہ مل گیا

تھوڑے دن ہوئے مجھے ایک تانگے میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا۔ اُس بوڑھے تانگے والے نے بتایا کہ "مَیں بے نماز تھا، دہلی میں اپنے تانگے میں مولانا محمد الیاسؒ، مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید کو بٹھایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ مولانا الیاسؒ (بانیٔ تبلیغی جماعت) نے مجھے پوچھا کہ "تم نماز پڑھتے ہو؟" مَیں نے نفی میں جواب دیا تو اُنھوں نے مجھے نماز پڑھائی اور سکھائی۔ اسکے بعد سے مَیں پکّا پانچ وقت کا نمازی ہُوں"۔ اُس نے مجھے اپنا واقعہ سُنایا کہ "مَیں ایک بوڑھی عورت کو سٹیشن سے بٹھا کر مزنگ کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں دو آدمی ملے، وہ بھی مزنگ جانا چاہتے تھے۔ اُس عورت نے اُنھیں بھی بٹھانے کو کہا، مَیں نے اُنھیں بھی بٹھالیا، راستے میں عورت اُتری اور کہا کہ "میرے سامان کو ساتھ والی گلی میں پہنچا دو"۔ مَیں سامان لے کر اُس کے مکان تک پہنچا آیا۔ آ کر دیکھا تو تانگہ غائب۔ تھانے گیا تو کوئی رپورٹ نہ لکھے۔ آخر اللہ تعالےٰ کے دروازے (مسجد) میں آیا اور گڑ گڑا کر دُعا کی۔ دوسرے دن ایک اور تانگے والے کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا اور وہ دونوں آدمی پکڑے گئے اور اس طرح میرا بھی تانگہ برآمد ہو گیا۔ پولیس کہنے لگی "تُو نے رپورٹ کیوں نہیں لکھوائی؟" مَیں نے کہا کہ "آج جس کے پاس پیسے ہیں وہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے۔ چونکہ میرے پاس پیسے نہیں تھے اس لیے مَیں تھانے نہیں گیا، مَیں نے اللہ کا دروازہ کھٹکھٹایا، اللہ تعالیٰ نے سُن لی"۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۱۵ نومبر ۱۹۶۲ء)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کا اثر

حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہر حال میں کامل تھے علم و عمل میں مکمّل صاحب کردار اور صاحب عمل تھے۔ اُن کے پاس بیٹھنے سے اللہ کا خوف اور اُس کی محبّت دِل میں پیدا ہوتی تھی۔ حضرتؒ کی صحبت میں بیٹھنے والے انگریز کے دشمن بن گئے۔ قرآن اور اسلام سے محبّت کرنے لگے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے نقشِ قدم پر چلنے لگے۔ ہزاروں مثالیں آپ کو ایسی ملیں گی کہ حضرتؒ کی صحبت میں بیٹھنے سے اُنکی کایا پلٹ گئی۔ اُن میں ایک مثال چوہدری عبد الرحمٰن ایم اے ایل ایل بی (علیگ) کی ہے۔ آپ نے ایک دن بھی وکالت نہیں کی۔ حکومتِ پاکستان کے گزٹیڈ افسر رہے ہیں۔ انڈر سیکرٹری کے عہدہ سے ریٹائرڈ ہوئے ہیں لیکن شکل و صُورت سے درویش معلوم ہوتے ہیں۔ یہ حضرتؒ کی صحبت کا اثر ہے۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۱۰ جنوری ۱۹۶۳ء)

صاحبِ حال و صاحبِ کمال

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہونے والوں کی زندگیاں ہی بدل گئیں۔ معاملات، لین دین اور شکل و صورت بھی شریعت کے مطابق بن گئے۔ حضرتؒ میں اخلاص بہت زیادہ تھا۔ آپؒ کے دل سے نکلی ہوئی بات اثر رکھتی تھی۔ ایک بہت بڑے عالم جو لاہور کی سب سے بڑی مسجد کے خطیب ہیں اُن سے کسی نے پوچھا کہ "یہ کیا بات ہے کہ آپ کے درس میں بیٹھنے والوں کی حالت میں تو کوئی تبدیلی نہیں آئی، نہ وہ نماز کے پابند بنے، نہ اُن کی شکل و صورت اسلامی ہوئی، لیکن حضرتؒ کے درس میں بیٹھنے والوں کی حالت بالکل ہی بدل گئی"؟ انھوں نے فرمایا کہ "حضرتؒ کو زمین زرخیز ملی ہے اور مجھے زمین سخت ملی ہے"۔ یہ بات اُن کے اپنے نزدیک اگرچہ درست ہو گی لیکن حقیقت سے یہ بہت دُور ہے۔ دراصل صحیح صورتِ حال یہ ہے کہ اگر انسان میں جوہر، جذبہ اور صلاحیت موجود ہو تو پھر اُس کا اثر کسی دوسرے پر ہوتا ہے ؎ ہر کہ از دل می خیزد بر دل می ریزد

حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود صاحبِ حال اور کامل و اکمل تھے اِس لیے ان کی خدمت میں جو بھی خلوص کے ساتھ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے حاضر ہُوا کبھی خالی نہیں گیا۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۷ جنوری ۱۹۶۳ء)

حضرتؒ کی ایک وصیّت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہم کو ایک وصیّت فرمایا کرتے تھے، کہ بیٹا! دُعا وقتاً فوقتاً کرتے رہو۔ شاید کوئی ایسا وقت ہو کہ اللہ تعالیٰ دُعا قبول فرمالیں اور بیڑہ پار ہو جائے۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ یہ میرے والدین کی دُعاؤں کا نتیجہ ہے کہ مجھے قرآن کی خدمت کی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی۔ مَیں بھی کثرت سے اپنی شادی سے پہلے سے ہی نیک اولاد کی دُعا مانگا کرتا تھا۔ آج تم کو دیکھ کر میری آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۴ اپریل ۱۹۶۳ء)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے معمولات کا التزام

حضرت رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی زیادہ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے تھے۔ سارا سارا دن قرآن کی خدمت میں گزر جاتا۔ اکثر ساری ساری رات ذکرِ الٰہی کرتے گزار دیتے۔ مَیں حضرتؒ کو سونے کے لیے کہتا تو فرماتے کہ "ابھی میرے معمولات باقی ہیں، جب تک مکمل نہ ہوں کیونکر سو سکتا ہوں"؟ اور پھر فرماتے "بیٹا! آخر قبر میں جا کر سونا ہی تو ہے۔ قبر سونے کے لیے کیا کم ہے"؟ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۱ اپریل ۱۹۶۳ء)

پنجابی قرآن ــ اور ــ محمدیؐ قرآن

جیل کے افسر حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کرتے تھے کہ "حضرت! آپ آخر کیا کرتے ہیں کہ حکومت آپ کے مخالف ہے"؟ آپؒ نے فرمایا کہ "مَیں فقط قرآن سُناتا ہوں"۔ اس پر انھوں نے کہا کہ "قرآن تو سب مولوی سُناتے ہیں"؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ "دُوسرے مولوی پنجابی قرآن سُناتے ہیں اور مَیں محمدیؐ قرآن سُناتا ہوں"۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۳ر مئی ۱۹۶۳ء)

سعودی عرب میں چوریاں نہیں ہوتیں

چند برس ہوئے والدِ مرحوم زندہ تھے اور ہم لوگ حرمین الشریفین کی زیارت کے لیے گئے۔ حضورؐ کی حدیث ہے کہ جس شخص نے چالیس نمازیں میری مسجد (مسجدِ نبویؐ) میں باجماعت ادا کیں، تو وہ نفاق اور جہنّم کی آگ سے نجات پا جاتا ہے۔ ہم لوگ جب مدینے جانے لگے تو خیال ہُوا کہ سارا سامان اُٹھانے کی کیا ضرورت ہے جب آٹھ دن کے بعد واپس چلے آنا ہے۔ چنانچہ جو مکان ہم نے کرائے پر لیا تھا اُسے تالا لگانے کے خیال سے مَیں بازار تالا لینے گیا مگر حسبِ منشا مضبوط تالا نہ مِل پایا۔ تو دکاندار نے پُوچھا کہ "کس لیے تالا درکار ہے"؟ مَیں نے کہا "گھر سامان چھوڑ کر مدینے جانا ہے"۔ اُس نے کہا "یہ تمھارا مُلک نہیں، ہمارا مُلک ہے۔ بغیر تالا لگائے سامان چھوڑ کے چلے جاؤ۔ اگر کچھ نقصان ہُوا تو مَیں بھر دُوں گا"۔ چنانچہ مَیں نے ایسا ہی کیا، اور آٹھ دن کے بعد جب آ کے دیکھا تو مکان میں کسی جاندار نے قدم تک نہیں رکھا تھا، سب چیزیں، نقدی وغیرہ بحال پڑی تھیں، حالانکہ مکان سرِ راہگذر تھا اور اس مکان کے ایک حصّہ میں جاوی لوگ رہتے تھے اور ایک حصّہ میں افریقی لوگ بھی رہتے تھے اور صفائی کرنے والے اور سقّے کو بھی ہماری غیر حاضری کا علم تھا۔[1] (حوالہ: مجلسِ ذکر۔ واہ کینٹ مطبوعہ خدام الدین ۱۹ر جولائی ۱۹۶۳ء)

پاکستان اور چوری کی وارداتیں

چند روز ہُوئے لاہور میں کسی کام سے جا رہا تھا، رستہ میں نماز کا وقت ہو گیا۔ مَیں مسجد میں گیا۔ سائیکل کو تالا لگا دیا۔ کسی نے بڑی کوشش کی مگر تالا نہ ٹوٹا وہ گھنٹی اور بتّی ہی اُتار کر لے گیا ــــ مَیں جُمعہ کو مصافحہ کر رہا تھا کہ ایک آدمی دوسرے کی جُوتی اٹھا کر لے گیا۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر واہ کینٹ مطبوعہ خدام الدین ۱۹ر جولائی ۱۹۶۳ء)

---

[1] حضرت امام الہدیٰؒ کا توکل اور اعتماد علی اللہ

سندھ کا ایک بناوٹی سیّد

مَیں سندھ میں سفر کر رہا تھا۔ بس میں ایک نہایت وجیہ شخص بیٹھا تھا، اُس کا لباس نہایت اچھا تھا۔ اس سے بس کے کنڈکٹر نے کرایہ کا مطالبہ کیا تو کہنے لگا "مَیں سیّد ہُوں، ساری عُمر مَیں نے کرایہ نہیں دیا۔" سیّد کے نام پر ایسے لوگ بھیک مانگتے ہیں۔ کوئی بناوٹی سیّد ہو گا۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر واہ کینٹ مطبوعہ خدام الدین ۱۹ر جولائی ۱۹۶۳ء)

ذات بدلنا، اسلام میں جُرم ہے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر مَیں کراچی میں بزنس کرتا رہا ہُوں۔ وہاں اکثر دیکھا کہ محرّم آیا اور کالے کپڑے پہن کر کئی "سیّد" بن جاتے ہیں۔ اسلام میں ذات بدلنا جُرم ہے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر واہ کینٹ مطبوعہ خدام الدین ۱۹ر جولائی ۱۹۶۳ء)

میلاد النّبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رسُومات

لاہور کے در و دیوار شاہد ہیں، میلاد کی محفلیں، مجالس اور جلسے گواہی دے رہے ہیں کہ یہ مہینہ رحمتِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دُنیا میں تشریف لانے اور کائناتِ ہستی کو اپنے قدومِ میمنت لزُوم سے نوازنے کا مہینہ ہے۔ ہمارے سادہ لوح مسلمان بھائی جلوس نکال کر اور راستوں کو جھنڈیوں سے آراستہ و پیراستہ کر کے بارگاہِ رسالتؐ میں ہدیۂ عقیدت پیش کر رہے ہیں گلی کُوچے، سربفلک مینار، اونچی اونچی عمارتیں، عام مکانات اور لاہور کی تمام سڑکیں قمقموں کی روشنی سے بُقعۂ نور بنی ہوئی ہیں۔ لیکن کاش! جس طرح فضا بجلی کے ہنڈوں اور قمقموں سے روشن ہے اسی طرح مسلمانوں کے دِلوں کے قمقمے بھی روشن ہوتے اور ان کے قلب کی دُنیا بھی عرفانِ الٰہی اور سُنّتِ نبئ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم پر عمل کرنے کے نُور سے منوّر ہوتی! (حوالہ: مجلسِ ذکر یکم اگست ۱۹۶۳ء)

مقصدِ تخلیق

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

بندہ آمد از برائے بندگی　　زندگی بے بندگی شرمندگی

انسان دُنیا میں صرف بیاہ شادیاں کرنے، اولاد پیدا کرنے، ہوائی جہاز اور طرح طرح کی ایجادات کرنے، جائدادیں بڑھانے اور عیش و عشرت میں زندگی گزارنے کے لیے نہیں آیا۔ ٹھیک ہے اس کو بقائے حیات کے لیے کھانا کھانے کی ضرورت ہے، مگر مقصُود بالذّات کھانا نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ معاشرتی اور اقتصادی ضروریات پورا کرنا اس کی ذِمّہ داری ہے مگر مقصودِ حقیقی یہ نہیں ہیں۔

مقصودِ حقیقی اور مقصود بالذّات محض اللہ جلّ شانہٗ ہیں اور انسان صرف بندگی کرنے اور خدا اور رسُولؐ کے احکام کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے معرضِ وجود میں آیا ہے۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۲۵ر جولائی ۱۹۶۳ء)

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدماتِ جلیلہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں اکیلے آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے قرآنِ مجید کی تعلیم لوگوں تک پہنچائی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے لاکھوں نے ہدایت کی روشنی حاصل کی۔ جب دُنیا سے تشریف لے گئے تو لاکھوں کی تعداد میں اُن کے جنازے کے ساتھ تھے۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ مَیں نے چالیس سال خدمتِ قرآن کی — قرآن نے لوگوں کو اپنی طرف کھینچا، لیکن اکثریّت اسلام کی مخالفت میں اپنی زندگی گزار رہی ہے۔ وہ اپنے اوقات کو لغو تفریحات میں گزارتے ہیں، اُنھیں حلال وحرام کی تمیز نہیں ہے اُنھیں راہِ راست پر لانا، اُن کی راہنمائی کرنا ہمارا فرض ہے۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۱۵ر اگست ۱۹۶۳ء)

ہماری تربیّت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں بچپن ہی سے جہاد کی تیاری کرانی شروع کر دی تھی۔ انھوں نے خود ہمیں تیرنا، گھوڑ سواری، تیر اندازی، بندوق چلانی سکھائی تاکہ بوقتِ ضرورت کام آسکے۔ جب ہم چھوٹے تھے تو حضرتؒ شوق دلانے کے لیے فرمایا کرتے جو جتنے روزے رکھے گا اُسے اُتنے پیسے ملیں گے۔ پیسوں کے لالچ میں ہمیں عبادت کا شوق پڑ گیا اب بڑے ہو کر پتہ چلا کہ یہ سب عذابِ نار سے بچانے کے لیے ہے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۵ر اگست ۱۹۶۳ء)

کالا پہلوان کے والد کا عجیب وغریب واقعہ

دہلی دروازہ کے باہر کالا پہلوان کا ہوٹل ہے۔ کالا پہلوان کے والد صاحب حضرتؒ کے بہت خلاف تھے۔ لوگوں نے غلط باتیں اُن کے ذہن میں ڈال رکھی تھیں کہ حضرتؒ درُود شریف کے مُنکر ہیں، حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اور بزرگانِ دین کا ادب نہیں کرتے۔ حضرتؒ کے ایک معتقد ایک مرتبہ بڑی مشکل سے انھیں درسِ قرآن میں لے آئے۔ وہ پہلے تو مسجد میں داخل ہی نہیں ہوتے تھے۔ اتّفاق سے حضرتؒ اُس دن حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے کمالات اور فضائل بیان فرمارہے تھے۔ کالا پہلوان کے والد صاحب فرمارہے تھے کہ میرے تو ہوش کے طوطے اُڑ گئے کہ مَیں جن کو دشمنِ رسُول سمجھتا تھا، اُن سے بڑھ کر کوئی محبِّ رسُول اور عاشقِ رسولؐ نہیں دیکھا۔ بس ایک درس سُننے کی دیر تھی کہ کایا پلٹ گئی۔ پھر کبھی صبح کی نماز اور درسِ قرآن قضا

نہیں ہُوا۔ جب اُن کی وفات ہُوئی تو حضرتؒ کے فرمان اور اُن کی وصیّت پر مَیں نے سُنّت کے مطابق نمازِ جنازہ پڑھائی۔ ہزاروں آدمیوں نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی۔ مَیں نے یہ واقعہ اس لیے سُنایا ہے کہ تبلیغ سے غلط راہ پر چلنے والے ہدایت کا راستہ پا لیتے ہیں[1] (مجلسِ ذکر ۱۵ اگست ۱۹۶۳ء)

کھرے اور کھوٹے اسلام کی تشریح

حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ایک دفعہ انسپکٹر پولیس عبدالعزیز صاحب نے پُوچھا کہ "کیا بات ہے کہ انگریز آپ کو گرفتار کرتا ہے دُوسرے مولویوں کو گرفتار نہیں کرتا؟" تو حضرتؒ نے فرمایا کہ "چونکہ مَیں محمّدی قرآن سُناتا ہوں جس میں اعلانِ جہاد ہے اور دوسرے پنجابی قرآن سُناتے ہیں"۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ "کہیں بنگلہ قرآن ہے کہیں سندھی اور کہیں پنجابی قرآن ہے۔ محمّدی قرآن کوئی کوئی سُناتا ہے۔ اور پنجابی اسلام یہ ہے کہ نماز فرض ہے تو نہ پڑھو، روزہ بے شک نہ رکھو، زکوٰۃ اور حج فرض ہونے کے باوجود نہ ادا کرو، لیکن قوالیاں کراؤ، عُرسوں اور عید میلاد النبیؐ کے جلوس میں جھنڈیاں لگا کر شریک ہو جاؤ، طبلے سارنگیاں بجاؤ، شادی بیاہ میں باجے بجاؤ، تیجے، چالیسویں خوب کرواؤ، شادیوں میں نام و نمود کے لیے اور حق مہر بہت زیادہ رکھواؤ اور یہ سب چیزیں کرو تو پکّے مسلمان اور سچّے عاشقِ رسولؐ۔ اگر نماز باقاعدہ ادا کرو، روزے رکھو، زکوٰۃ و حج ادا کرو، غربا و مساکین کی مدد کرو، لیکن ان من گھڑت رسُومات و خرافات میں حصّہ نہ لو، عُرسوں پر نہ جاؤ، قبروں پر سجدے نہ کرو، فضول خرچی نہ کرو تو پکّے بے ایمان، وہابی، کافر، بزرگوں اور نبیوں کے مُنکر۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۲ اگست ۱۹۶۳ء)

والدہ مرحومہ کا سب سے بڑا ہتھیار ــ تسبیح

والدہ مرحومہ کے لیے ابھی ہم نے قرآن پڑھ کے ایصالِ ثواب کیا ہے۔ وہ ہمیشہ فرماتی تھیں کہ تسبیح ہی میرا سب سے بڑا ہتھیار اور تسبیح ہی سب سے بڑا خزانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے جو مانگنا ہوتا وہ اس تسبیح کو لے بیٹھتیں اور اللہ تعالیٰ بھی اُن کی سُن لیتے۔ بسا اوقات گھر میں کوئی روپیہ پیسہ نہ ہوتا مگر وہ حج کے ارادے سے سُورۃ والضّحٰی کی تسبیح لے بیٹھتیں اور حج بھی بذریعہ ہوائی جہاز اور مع گھر والوں کے۔ مَیں بسا اوقات کہتا کہ اللہ تعالیٰ حج نصیب فرما دے، چاہے سب گھر والوں کو نہ سہی اور خواہ بحری جہاز ہی سے کیوں نہ ہو، تو مخدومہ مرحومہ فرماتیں کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں

---

[1] ہمارے اور مخالفین میں فرق ہمارے جنازے کریں گے۔ (امام احمد بن حنبلؒ)

کیا کمی ہے؟ وہ سب کو اور ہوائی جہاز سے حج کرا سکتا ہے۔ ہمیں بھی تنگ دل نہ ہونا چاہیئے بلکہ خدا کی رحمت پر کامل بھروسہ ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری اور وفا شعاری کے ساتھ جو کچھ بھی مانگیں انشاء اللہ وہ خالقِ کائنات ضرور پورا فرمائے گا اور خدا کی قدرت کہ ابھی دو ڈھائی مہینے مشکل سے گزرنے پاتے کہ حج کا زمانہ قریب آجاتا اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کُل اسباب غیب سے مہیّا فرما دیتے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۹ ستمبر ۱۹۶۳ء)

والدہ مرحومہ کی دُور اندیشی

مجھے نو ۹ سال کی عُمر میں دیوبند بھجوایا گیا اور حضرت مدنیؒ نے اپنے گھر رکھا۔ اُن کی اہلیہ محترمہ فرمایا کرتیں کہ میں حیران ہوتی ہوں کہ اِس بچّے کی ماں کا کتنا بڑا دل گردہ ہے جس نے اتنی چھوٹی عمر میں دینی تعلیم کے لیے اپنے بچّے کو اپنے سے جُدا کر دیا۔ جب میں ایک مرتبہ چھٹیاں گزارنے کے لیے گھر آیا تو چھوٹے بھائی نے چھٹی جماعت پاس کر لی تھی۔ ابھی اس کی ڈاڑھی مُونچھ نہیں اُگی تھی۔ امّاں جیؒ نے کہا اِس کو بھی دیوبند بھیج دو۔ حضرتؒ نے وجہ پُوچھی تو فرمانے لگیں کہ ابھی اس کی ڈاڑھی مُونچھ نہیں اُگی، میں ڈرتی ہوں اگر اس ماحول میں رہا اور کل کو ڈاڑھی آگئی تو یہ منڈوا نہ دے اور "مُلّاں" بننا پسند نہ کرے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۹ ستمبر ۱۹۶۳ء)

حضرتؒ کی نصیحت

ہر خط میں حضرتؒ ہمیں لکھا کرتے تھے کہ حضرت مدنیؒ جب دیوبند میں تشریف فرما ہوں تو ہر روز اُن کی خدمت میں حاضری دو، میاں اصغر حُسین صاحبؒ کے جُوتے سیدھے کیا کرو، وضو کر کے جایا کرو اور ذکر میں شاغل رہا کرو۔ دونوں حضراتؒ کشفِ قلوب کی دولت سے مالا مال تھے۔ جب بھی ہم ذِکر کرتے تو اُن کو پتہ چل جاتا۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۹ ستمبر ۱۹۶۳ء)

حضرت میاں اصغر حُسین صاحبؒ کا کشف

حضرت میاں اصغر حُسین صاحبؒ عصر کی نماز کے بعد ملاقات کیا کرتے تھے۔ اس وقت اُن سے مِلنے والوں اور تعویذ لینے والوں کا بڑا ہجوم رہتا تھا۔ حضرت مولانا عُبید اللہ سندھیؒ جب آخری مرتبہ دہلی سے لاہور جاتے ہُوئے دیوبند اُترے تو حضرت سندھیؒ نے دس گیارہ بجے کے قریب مُجھ سے فرمایا "اِس دفعہ میاں صاحب کی خدمت میں ضرور حاضر ہونا ہے"۔ میں نے عرض کیا کہ "وہ عصر کے بعد ملتے ہیں" مولاناؒ نے فرمایا "چلو ابھی چلتے ہیں"۔ اُن کی عادت مبارک یہ تھی کہ اپنے

خادم کو اپنے سے آگے چلایا کرتے تھے تاکہ راستہ کی تلاش خادم کرے اور وہ ہمہ وقتی تفکّر کے ساتھ آسانی سے اُس کے پیچھے پیچھے چلتے رہیں۔ حضرت میاں صاحبؒ کے گھر کی طرف ہم لوگ جا رہے تھے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ میاں صاحبؒ ہماری طرف تشریف لا رہے ہیں۔ جب سلام کلام ہُوا تو حضرت میاں صاحبؒ نے فرمایا کہ "مولانا! مَیں آپ کا کچھ دیر سے انتظار دیکھ رہا تھا۔" پھر جب ہم میاں صاحبؒ کے حُجرے میں پہنچے تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہاں گنّے کے رس کی کھیر کے تین پیالے بمع دُودھ اور چمچے کے موجُود ہیں، نہ ہی چوتھا آدمی ہے اور نہ ہی چوتھا پیالہ۔ اور کافی دیر تک میاں صاحبؒ اور حضرت سندھیؒ اپنی گزشتہ زندگی کی پُر لطف یادوں کے مزے لیتے رہے۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ بیٹیا شکر کرو کہ تم نے اللہ والوں کو دیکھا، محدّثین کو دیکھا، کاملین کو دیکھا۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۱۹ ستمبر ۱۹۶۳ء)

حضرات والدین ماجدینؒ کی برکتیں

۱۹۴۶ء میں حضرات والدین رحمہم اللہ تعالیٰ کی معیّت میں ناچیز بھی حج پر گیا تو لاہور سے حضرت مولانا حافظ حبیب اللہؒ نے حضرتؒ کو خط لکھا کہ وہی لاہور ہے اور وہی ہم، وہی مکان ہے اور وہی در و دیوار، مگر وہ برکتیں اب نہیں رہیں، گھر آنے کو جی نہیں چاہتا؟ وہ رونق تو الگ رہی، مکان کھانے کو دوڑتا ہے۔ اسی طرح ایک دفعہ مدینے سے حضرت مولانا حبیب اللہ صاحبؒ نے خط لکھا کہ جب آپ حضرات والدین ماجدین یہاں تشریف لاتے ہیں تو برکتیں اور رونقیں سب عود کر آتی ہیں اور جب آپ واپس تشریف لے جاتے ہیں تو وہ چہل پہل، رونق اور برکت سب ساتھ چلی جاتی ہے۔
(حوالہ: مجلس ذکر ۱۹ ستمبر ۱۹۶۳ء)

ڈاڑھی رکھ لو یا بیوی

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک بُوڑھا آدمی آیا جو کہ ایک ریٹائرڈ آفیسر تھا۔ اُس نے بتایا کہ مَیں نے حج کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر یہ وعدہ کیا کہ قیامت کے دِن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل مبارک کے مطابق اپنی شکل بنا کر اُٹھوں گا اب مَیں نے ڈاڑھی رکھ لی ہے تو میری بیوی کہتی ہے کہ یا تو مجھے طلاق دو یا ڈاڑھی منڈاؤ۔ حضرتؒ نے پوچھا کہ تمہاری بیوی کِس کی بیٹی ہے؟ تو اُس نے بتایا کہ وہ لاہور کے ایک بہت بڑے سُود خور کی بیٹی ہے۔ اِس پر حضرتؒ نے فرمایا چونکہ تمہاری بیوی کی گھُٹّی میں حرام پڑا ہُوا ہے اِس لیے اُسے دین کے کاموں سے محبت نہیں۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۲۶ ستمبر ۱۹۶۳ء)

عُریانی اور بے حیائی کا دور

مَیں حضرتؒ کے زمانۂ حیات میں اچھرہ جُمعہ پڑھنے کے لیے جایا کرتا تھا۔ سارا رستہ سائیکل پر سوار گانوں کی آواز کان میں پڑتی رہتی تھی۔ جگہ جگہ ریڈیو اونچی آواز میں گانے نشر کر رہے ہوتے۔ آج کل بے حد عُریانی، بے حیائی اور غلط کاری کے اسباب مہیّا ہیں۔ صغائر گناہوں سے بچنا بے حد مشکل ہو گیا ہے۔ اگر آپ گانا نہیں بھی سُننا چاہتے تو بازار میں ضرور آپ کے کان میں گانے کی آواز آئے گی۔ بے پردگی اور بے حیائی کا یہ حال ہے کہ آپ جتنی بھی نظر بچا کر اور سنبھل کر چلیں گے، کسی نہ کسی بے پردہ عورت پر آپ کی نظر پڑ ہی جائے گی۔ ایسے حالات میں کثرت سے ذکر اللہ، نماز، نوافل، صدقات و خیرات کی پابندی کرنی چاہیے اور حتّی الامکان کبائر سے بچنے کی کوشش کی جائے، نگاہوں کی حفاظت کی جائے، اِس سے اللہ تعالیٰ صغائر خود ہی معاف فرما دیں گے۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۳۱ اکتوبر ۱۹۶۳ء)

عورتوں میں حیاء اور غیرت کا نشان بھی باقی نہیں رہا

حضرت رحمۃ اللہ علیہ جہاں مُسلمان مَردوں کی اصلاح فرماتے تھے وہاں اُن کے دل میں مسلمان بچیوں کی اصلاح کی بھی فکر تھی۔ چنانچہ اسی غرض کے لیے مدرسہ قاسم العلوم اور مدرسۃ البنات قائم کیے گئے۔ کراچی میں بھی عنقریب مدرسۃ البنات میں بچیوں کی دینی تعلیم کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ اسی طرح گمٹی بازار لاہور میں بھی مدرسہ کی ایک برانچ ہے۔ کل مجھے وہاں جانے کا اتّفاق ہُوا تو راستہ میں سُوہا بازار اور کپڑے والے بازار سے گزرا اور یقین کیجئے مَیں یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ ان دونوں بازاروں میں کلّیۃً عورتیں ہی عورتیں تھیں، صرف دوکاندار مرد تھے اور ستم بالائے ستم یہ کہ شاید ہی کسی عورت کا سر دوپٹے یا بُرقعے سے ڈھکا ہُوا ہو۔ معلوم ہوتا تھا عورتوں میں حیاء وغیرت کا نشان بھی باقی نہیں رہا۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۵ مارچ ۱۹۶۴ء)

بعض لوگوں کو شرک کہنے کی غلط عادت ہے

ایک دفعہ مَیں گوجرانوالہ گیا۔ نماز کے لیے وضو کرتے ہوئے مَیں نے گردن پر مسح کیا تو پاس ہی ایک میلے کچیلے کپڑوں والا آدمی بیٹھا تھا، جھٹ بول اُٹھا، "تسُی تے شرک کیتا اے" (آپ نے تو شرک کیا ہے) خدا تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے۔ ہر بات پر بے سوچے سمجھے فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ ایک مرتبہ مَیں حجاز گیا تو شہدائے اُحد کے مزاروں پر

فاتحہ کے لیے بھی گیا۔ حضرت مولانا حبیب اللہؒ اور رانا شیر جنگؒ سابق ڈپٹی گورنر سٹیٹ بنک بھی ہمراہ تھے۔ پیچھے سے پولیس کے آدمی (شُرطہ) نے آواز دی " اِرْجِعْ یَا شَیْخ۔ اَشْرَکْتَ یَا مُشْرِکْ" ـــــ مسجد بلالؓ کو بھی مقفّل کر دیا ہے کیونکہ یہ حضرت بلالؓ کے نام پر مشہور ہے۔ ان کے نزدیک یہ بھی شرک ہے حالانکہ ہمارے ہاں لاہور میں شیرانوالہ کی جامع مسجد "مولانا احمد علیؒ کی مسجد" کے نام سے مشہور ہے۔ اسی طرح کل رات ہم راولپنڈی میں جس مسجد میں تھے وہ "قاضی نظام الدین کی مسجد" کے نام سے مشہور ہے۔ مسجدِ نبوی کا نام تو نہ بدل سکے۔ یہاں سے ان کو شرک نہیں نظر آتا؟ ہمارے ہاں بھی پولیس مین ہیں مگر اتنے جاہل نہیں۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے ایک مصری عورت آئی اُس نے پولیس مینوں کے ہاتھ میں کچھ دیا تو فوراً اُن میں سے ایک سیڑھی بن گیا اور اُس کو مسجدِ بلالؓ کے اوپر چڑھا دیا۔ اب شرک نہ رہا؟ (حوالہ: مجلس ذکر جامع مسجد نوشہرہ صدر مطبوعہ خدام الدین ۱۰ اپریل ۱۹۶۴ء)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا استغناء

حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایک واحد مثال ہیں۔ چودہ مرتبہ حج نصیب ہوا، حلال مال حلال راستوں میں لگایا، مسجدیں بنوائیں اور غرباء پر خرچ کرتے رہے، اگر وہ چاہتے تو ہمیں بھی لندن میں تعلیم دِلوا سکتے تھے۔ چار دفعہ مجھے حج کروایا۔ ایک دفعہ بھی لندن کی سیر نہیں کرائی، نہ کوٹھی بنائی، نہ کار لی۔ ایک اللہ کا بندہ جرمنی سے نئی کار لے کر آیا اور حضرتؒ کو پیش کی اور عرض کیا کہ اِس کار کی مرمّت، پٹرول کا خرچ اور ڈرائیور کی تنخواہ میرے ذِمّے، آپ اس کو قبول فرمالیں۔ حضرتؒ نے کار لینے سے انکار فرما دیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ دُنیا داروں کی غرور کی گردن کو کاٹنے کے لیے میں نے استغناء سے تیز دھار آلہ نہیں دیکھا۔ (حوالہ: مجلس ذکر منعقدہ نوشہرہ صدر مطبوعہ خدام الدین ۱۰ اپریل ۱۹۶۴ء)

نام ونمود کے لیے زیادہ حق مہر نہ باندھو

ایک مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایک شخص کے ہاں نکاح پڑھنے کے لیے تشریف لے گئے۔ مہر ایک لاکھ بتایا گیا۔ حضرتؒ نے پوچھا "لڑکے کی اتنی حیثیت تو ہے نہیں، وہ کہاں سے دے گا؟ اُن لوگوں نے کہا "مولوی جی! یہ تو سب کہنے کی باتیں ہیں، ہم لیتے دیتے کچھ بھی نہیں، آپ نکاح پڑھ دیجیے۔" حضرتؒ نے فرمایا "کسی دو ٹکے کے مولوی کو بُلا کر نکاح پڑھوا لینا، میں بھاڑے کا ٹٹّو نہیں ہوں" حضرتؒ یہ کہہ کر چلے آئے۔

(حوالہ: مجلس ذکر منعقدہ جامع مسجد نوشہرہ صدر مطبوعہ خدام الدین ۱۰ اپریل ۱۹۶۴ء)

حضرت مدنیؒ کا ایک یادگار جملہ

حضرت مدنیؒ دورۂ حدیث میں اکثر یہ جملہ ارشاد فرمایا کرتے تھے: "قرآنِ مجید نازل ہوا حجاز میں، پڑھا گیا مصر میں، لکھا گیا بیروت میں، چھپا استنبول میں اور سمجھا گیا ہندوستان میں"۔

(حوالہ: تقریر دار العلوم اکوڑہ خٹک، مطبوعہ خدام الدین ۱۰/اپریل ۱۹۶۴ء)

عاشقِ حرمین شریفین حضرت مولانا حبیب اللہ مہاجر مکی مدنی

میرے بڑے بھائی حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ صاحبؒ مجھ سے دس سال پہلے پیدا ہوئے، دس سال پہلے ہی دیوبند سے فارغ ہوئے اور حضرتؒ کی غیر حاضری میں اُن کی جگہ کام کیا کرتے تھے۔ میں دس سال بعد دیوبند میں داخل ہُوا، پھر دس ہی سال بعد وہ مدینہ طیّبہ میں چلے گئے، وہ دس سال پہلے حج کے لیے گئے تھے۔ آجکل وہ مدینہ منوّرہ میں مقیم ہیں اور ایک لمحہ کے لیے وہاں سے ہٹنے کو تیار نہیں۔ ایک دفعہ والدہ مرحومہ نے آنے کو کہا تو جواب میں لکھا کہ تھوڑا سا اور انتظار کرلیں جنّت میں مِل لیں گے۔ حرمین الشّریفین سے جُدائی منظور نہیں، خدا معلوم کوئی غلطی ہو جائے۔ چنانچہ حضرت والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد مجھ ناکارہ کو اُن کی جگہ پر بٹھا دیا گیا۔ انشاء اللہ عنقریب جنّت میں سب اکٹھے ہوں گے۔[1] (حوالہ: تقریر دار العلوم حقّانیہ اکوڑہ خٹک، مطبوعہ خدام الدین ۱۰/اپریل ۱۹۶۴ء)

---

[1] سنہ میں حضرت اقدس امام الہُدیٰؒ تایا جان (حضرت سلطان الاولیاءؒ) کے پیغام پر ہم سب گھر والوں سمیت زیارتِ حرمین شریفین عمرہ کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں بے شمار اور واقعات میں انھوںؒ نے یہ بات بھی دوہرائی کہ

"ہم دونوں بھائیوں میں اکثر باتوں میں دس برس کا فرق ہے۔
مَیں دس سال پہلے پیدا ہُوا۔
دس سال پہلے دار العلوم دیوبند داخل ہُوا۔
دس سال پہلے فارغ التحصیل ہوا۔
دس سال پہلے حرمین الشریفین کی زیارت نصیب ہُوئی۔"

چنانچہ حضرت اقدس امام الہُدیٰ رحمۃ اللہ علیہ آخری عمر میں فرماتے تھے کہ اور باتوں میں تو میرا اور بھائی جان (حضرت مولانا حبیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ) کا دس برس کا فرق ہے لیکن میری پنڈلی پر سفید نشان بعینہٖ حضرت رحمۃ اللہ علیہ (امام لاہوریؒ) جیسا ہے"۔

لہٰذا سلطان الاولیاء حضرت مولانا حبیب اللہؒ نے ۶۰ برس عمر پائی۔
اور شیخ المشائخ حضرت امام الہُدیٰؒ نے ۶۳ برس عمر پائی۔

جامعۃ الازہر کی پیشکش۔ اور حضرت مولانا حبیب اللہؒ کا جواب

ایک دفعہ ہم حجاز میں تھے۔ ایک مصری سفیر نے جو کبھی یہاں رہ چکے تھے حضرت مولانا حبیب اللہؒ کو لکھا کہ آپ یہاں آجائیں، اور یہاں جامعۃ الازہر کا انتظام سنبھال لیں۔ اُن کو بھی یہی جواب دیا کہ مدینہ کی جُدائی منظور نہیں ــــ صبح و شام درسِ قرآن و حدیث کا شغل ہے

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے　　پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

(حوالہ: تقریر دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک مطبوعہ خدام الدین ۱۰ اپریل ۱۹۶۴ء)

مجلسِ ذکر کی برکات

میرا یہ مشاہدہ ہے کہ جہاں جہاں مجلسِ ذکر شروع کی گئی وہاں بہت حد تک لوگوں کی اصلاح ہوئی اور لوگوں میں یادِ الٰہی کا جذبہ بڑھنے لگا۔ حال ہی میں شورکوٹ میں ایک مسجد تعمیر ہوئی ہے۔ مَیں نے گزشتہ جمعہ وہیں ادا کیا اور اِس خیال کے پیشِ نظر کہ یہاں اللہ کا نام جاری و ساری رہے مجلسِ ذکر کا آغاز کرایا۔ مظفر گڑھ میں بھی حضرت مولانا محمد عمر صاحب کے مدرسہ احیاء العلوم میں مجلسِ ذکر شروع کرائی گئی تھی۔ وہاں بھی الحمدللہ حالات بہت بدلے ہوئے ہیں۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۹ اپریل ۱۹۶۴ء)

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دِل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

حال ہی کا ایک واقعہ ہے مَیں اپنے ایک کام سے کہیں جا رہا تھا۔ راستے میں دیکھا کہ مٹھائی بانٹی جا رہی ہے۔ مَیں نے معلوم کیا کہ "یہ مٹھائی کس خوشی میں تقسیم کی جا رہی ہے" تو پتہ چلا کہ بچّے نے پہلی مرتبہ گالی دی ہے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۴ مئی ۱۹۶۴ء)

عُلماء کی غلط روش پر اظہارِ افسوس

عُلماء جنھیں لوگوں کو ہدایت کرنا چاہیئے تھا وہی آپس میں ایک دُوسرے پر کیچڑ اچھالتے ہیں، اتّہام تراشی کرتے ہیں اور اپنے پیٹ کا دوزخ بھرنے کی خاطر اسلام کی ہری بھری کھیتی کو اُجاڑنے میں مصروف ہیں۔ عُلماء کو دوسروں کے لیے نمونہ ہونا چاہیئے تھا، لیکن وہ خود تماشہ بن گئے ہیں۔ ابھی اگلے دن کی بات ہے لاہور میں ضلعی حُکّام نے علماء کی میٹنگ بُلائی اور انھیں

اِتّحاد و اتّفاق کی تلقین کی۔ مَیں بھی میٹنگ میں شریک تھا۔ یقین جانیے مجھے سخت صدمہ ہُوا، اور ندامت بھی کہ یہ عُلماء ہیں جنھیں امن و امان قائم رکھنے اور آپس میں اتّحاد و اتّفاق کی تلقین کی جا رہی ہے؟ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۴ر مئی ۱۹۶۴ء)

وقت کی قدر کریں

موت کا کسی کو علم نہیں، وقت بہت ہی قیمتی ہے جو لمحات میسّر آتے ہیں اُن کو غنیمت سمجھیں اور اللہ کی یاد میں گزاریں، جتنا وقت اللہ کی یاد میں گزرے گا وہی قیامت کے دن کام آئے گا، جو کچھ یہاں بوئیں گے وہی قیامت کے دن کاٹیں گے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۸ر مئی ۱۹۶۴ء)

اطمینان اللہ کی یاد میں ہے

مَیں ذکر کے بارے میں کہا کرتا ہوں کہ دُنیا کے وسائل کی بہتات میں اطمینان نہیں۔ اگر اطمینان ہے تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہے۔ اللہ والوں کا دھیان نہ جائیدادوں میں ہوتا ہے نہ مال و دولت میں، اُن کو چونکہ اطمینانِ قلب کی دولت میسّر ہوتی ہے اس لیے وہ ہر حال میں شاداں و فرحاں ہوتے ہیں۔ آخری دنوں میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً دس گیارہ ماہ صِرف چائے پر گزارہ کیا اور سارا سارا دِن ذکر اذکار میں گزار دیتے تھے۔ اللہ والوں کے سلسلہ کو اُوپر تک لے جائیے، یہی رنگ نظر آئے گا۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۱ر جون ۱۹۶۴ء)

ذکرِ جہری اور ذکرِ خفی

ہمارے ہاں لطائفِ ستّہ میں دل کی توجّہ سے ذکر ہوتا ہے۔ دل اور ذہن کو ایک طرف مائل کر دیا، یہ ذکرِ خفی ہے۔ جس طرح بعض نمازیں جہری ہیں اور بعض سرّی ہیں اسی طرح ذکر بھی دونوں طرح کے ہیں۔ ذکرِ جہر اور ذکرِ خفی۔ ذکرِ جہر سے مُراد صرف یہ ہوتی ہے کہ دل میں شیطانی وساوس نہ آئیں اور دل یادِ الٰہی میں مشغول ہو جائے، اللہ سے لَو لگ جائے، دکھاوا مقصود نہیں ہوتا۔ رات کے وقت اگر بلند آواز سے ذکر کیا جائے تو بڑی لذّت آتی ہے۔ ہمارے خاندانِ قادری میں ذکرِ جہر اور ذکرِ خفی دونوں طریقے رائج ہیں۔ [1] (حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۱ر جون ۱۹۶۴ء)

---

[1] آیات و احادیث ذکرِ جہر و ذکرِ خفی:

"وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ" (الاعراف۔ ۲۰۵)

ایک حدیثِ قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

موت کے لیے ہمہ وقت تیار

مَیں نے صرف ایک آدمی کو دیکھا ہے کہ جو ہر وقت موت کے لیے تیار رہتے تھے اور وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ تھے خود انھوں نے اپنا کفن تیار کر رکھا تھا کہ یہ احمد علی کا کفن ہے تاکہ کسی کو کفن تیار کرنے کی بھی تکلیف نہ ہو۔ ایک صاحب جو کافی مالدار ہیں، انھوں نے حضرتؒ کو خط لکھا کہ اگر آپ کے ذِمّہ کسی کا کوئی قرضہ ہو وہ تحریر فرمائیں، وہ مَیں سارا اپنی جیب سے ادا کر دوں گا تو حضرتؒ نے جواب میں لکھا کہ الحمدللہ میرے ذمّہ کسی کا ایک پائی قرضہ نہیں ہے۔ حضرتؒ کا یہ حال تھا کہ فاقہ برداشت کر لیتے تھے لیکن کسی سے قرضہ نہ لیتے تھے۔ والدہ مرحومہؒ کے زیور بیچ ڈالے لیکن قرض نہ لیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ ہماری حالت اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہے، ہمیں کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۳۰ جولائی ۱۹۶۴ء)

اچانک موت کا واقعہ

ایک صاحب نے سمن آباد میں کوٹھی تعمیر کروانی شروع کی۔ اُس کے لیے اُنھوں نے قرض بھی لیا۔ رات دن اسی فکر میں لگے رہتے تھے۔ نمازیں چھوڑ کر سائیکل پر سوار کبھی اینٹیں لینے جا رہے ہیں اور کبھی سیمنٹ کا بندوبست کر رہے ہیں۔ کوٹھی میں چپس بھی کروایا اور جس دن کوٹھی مکمّل ہو گئی اُسی دن چپس کے فرش پر بیٹھے، ہارٹ فیل ہو گیا۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۳۰ جولائی ۱۹۶۴ء)

اپنے محسنوں کو دُعاؤں میں نہ بھلائیں

آپ نے جن بزرگوں سے اللہ کی یاد کا طریقہ سیکھا ہے اُن کو اپنی دُعاؤں میں ضرور یاد رکھا کریں۔ [لہ] (حوالہ: مجلس ذکر ۲۷ اگست ۱۹۶۴ء)

حضرتؒ کا حال

حضرت رحمۃ اللہ علیہ سب سے زیادہ ذکرُ اللہ کرنے والے تھے اور حال اُن کا یہ تھا کہ وہ سب سے زیادہ اپنے آپ کو ذلیل اور کمتر سمجھتے تھے۔[۲] (حوالہ: مجلس ذکر یکم اکتوبر ۱۹۶۴ء)

(بقیہ صفحہ گذشتہ) "أَنَا عِندَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ حِينَ يَذْكُرُنِي فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي، وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُ۔" (رواہ البخاری ومسلم)

لہ حضرت اقدس امام الہدیٰؒ جب بھی کوئی عملِ خیر فرماتے تو کبھی حضرت الشیخ امام لاہوریؒ، کبھی حضرت شیخ العرب والعجم حضرت مدنیؒ وغیرہ وغیرہ کے ایصالِ ثواب کی نیت فرماتے۔ یہ بات تربیت کے طور پر ہمیں بھی کہتے۔

۲ہ خود ہمارے حضرت اقدس امام الہدیٰؒ کی زندگی اس کا نمونہ تھی۔

اللہ تعالیٰ کے نام کا نور۔ اور اکلِ حلال طیّب

ایک مولوی صاحب مجھ سے اللہ کا نام پوچھ گئے۔ سال کے بعد آئے اور کہنے لگے کہ مجھے کچھ فائدہ نہیں ہُوا۔ مَیں نے پوچھا آپ روٹی کہاں سے کھاتے ہیں؟ کہنے لگے کہ طلباء کے لیے لوگوں کے گھروں سے جو روٹیاں آتی ہیں اُس میں سے مَیں بھی کھا لیتا ہُوں۔ مَیں نے کہا اسی وجہ سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں ہُوا۔ پکانے والی کوئی بے نماز، کوئی جُنبی ہوگی، کسی کے ہاں کمائی حرام کی ہوگی۔ آپ حلال حرام سب کچھ کھا جائیں اور پھر چاہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نام کا نور بھی آئے، یہ مشکل ہے ؎

ہم خدا خواہی و ہم دُنیائے دوں — ایں خیال است و محال است و جنوں

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۵ ر نومبر ۱۹۶۴ء)

رِزق میں برکت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں برکت اور فراوانیٔ رِزق بہت تھی۔ ہماری چھوٹی بہن ہر وقت ذِکرُاللہ میں شاغل رہتی تھی۔ رات کو بچّوں کو سُلا کر نوافل پڑھنے کھڑی ہو جایا کرتی تھی۔ شادی کے بعد اُس نے اپنے گھر میں اتنی برکت نہ دیکھی۔ اُس نے حضرتؒ سے ذکر کیا تو حضرتؒ نے فرمایا کہ بیٹی! سالن پکاتے وقت، آٹا گوندھتے وقت، غرض ہر کام کرتے وقت ذِکرُاللہ کیا کرو۔ ہر لقمہ پر دل ہی دل میں بسم اللہ پڑھو، گھر میں اکثر ذکرِ الٰہی کیا کرو۔ کچھ عرصہ کے بعد اُس نے بتایا کہ ابّا جان! اب گھر میں اتنی برکت اور اتنا رِزق ہے کہ رکھنے کے لیے جگہ نہیں۔

(حوالہ، مجلسِ ذکر ۱۹ر نومبر ۱۹۶۴ء)

حضرت مولانا حبیب اللہ کا واقعہ

حضرت مولانا حبیب اللہؒ کا واقعہ ہے کہ جب حضرتؒ حج کے لیے تشریف لے جاتے تو وہاں ٹھہرتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب تک حضرتؒ وہاں رہتے رِزق کی بے انتہا بہتات ہوتی، اللہ کی رحمتوں کی ہر وقت بارش ہوتی رہتی، لیکن حضرتؒ کے جانے کے بعد اُس برکت اور رحمتِ الٰہی میں کمی ہو جاتی اور نہ ہی رِزق کی اُتنی فراوانی ہوتی۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ حضرتؒ ہر وقت ذِکرُاللہ میں شاغل رہتے تھے۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۹ر نومبر ۱۹۶۴ء)

شرم و حیاء نے مُنہ ڈھانپ لیا ہے

سینماؤں اور مساجد کی مثال آپ کے سامنے ہے سینما ہال لوگوں سے کھچا کھچ بھرے پڑے ہیں

اور" مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے" اب آپ ہی بتایئے یہ خدا کا غضب نہیں تو اور کیا ہے؟ کہ بے حیائی عام ہے، عُریانی کا دَور دَورہ ہے، ہر طرف نیم برہنہ جسم لوگوں کو دعوتِ نظّارہ دیتے نظر آتے ہیں، شرم و حیا نے مُنہ ڈھانپ لیا ہے، خدا کا دین مظلوم دکھائی دیتا ہے، اہلِ حق کمیاب ہیں اور لذّات و شہوات کی فراوانی لوگوں کو جوق در جوق دوزخ کی طرف کھینچ کر لے جا رہی ہے۔ ان حالات میں قرآن و حدیث سے وابستگی انتہائی ضروری ہے اور ماحول کے بُرے اثرات کا علاج صرف اہل اللہ کی صحبت سے ہو سکتا ہے۔

(حوالہ، مجلسِ ذکر ۲۵ ر فروری ۱۹۶۵ء)

طلباء اور اساتذہ کی دین سے ناواقفیّت

کچھ عرصہ گزرا مغربی پاکستان کی زرعی یونیورسٹی کے کچھ طلباء اور پروفیسر حضرات کی دعوت پر لائل پور (فیصل آباد) جانے کا اِتّفاق ہُوا مجھے بھی کچھ کہنے کو کہا گیا۔ مَیں نے عرض کیا کہ" آپ میں یہاں پر بی ۔اے، ایم اے کے طلباء اور غیر مُلکی تعلیم یافتہ حضرات موجُود ہیں۔ مَیں پوچھتا ہوں کہ آپ میں سے کتنے ہیں جو دُعائے قنُوت یا نمازِ جنازہ سُنا سکیں؟ یا عیدین اور جنازہ کی ترکیب بتا دیں، مَیں انعام دُوں گا۔" مگر وہ ایک دوسرے کا مُنہ دیکھنے لگے۔ پروفیسر صاحبان نے کہا" ہمیں خود یہ باتیں معلوم نہیں، یہ بچارے طلباء کیا جواب دیں گے؟" مجھے احساس ہُوا کہ اِن نوجوانوں پر ماں باپ کے گاڑھے پسینے کی کمائی کا کتنا روپیہ ضائع ہو رہا ہے۔ ہر روز کوئی نہ کوئی دُنیا سے جا رہا ہے۔ پڑھے لکھے لوگوں کو تو پُوری طرح نمائندۂ اسلام ہونا چاہیئے تھا مگر انگریز کا مشن یہ تھا کہ مسلمان کو مسلمان نہ چھوڑا جائے اور وہ اپنے مشن میں کامیاب رہا۔ اِسی طرح قبل از تقسیم سب کے مُنہ پر "دین۔ دین" "اسلام۔ اسلام"۔ "لے کے رہیں گے، دینا پڑے گا پاکستان" وغیرہ کے نعرے تھے، لیکن آج دینِ اسلام کس مپرسی کے عالم میں ہے۔ ثقافت اور تمدّن کے نام پر تمام بے حیائیاں ہو رہی ہیں۔ (حوالہ: خطاب جامعہ مدنیہ لوسر شرفو، واہ کینٹ ۲۱ ر نومبر ۱۹۶۴ء مطبوعہ خدام الدین ۲۵ جنوری ۱۹۶۵ء)

اِنشاء اللہ علماءِ حق کے خلاف کوئی سازش کامیاب نہیں ہوگی

انگریز اور اُس کے ایجنٹوں نے قرآن کی محبّت دِلوں سے جڑ سے اُکھاڑ دینے کا ہر حیلہ کیا، علماء کی قدر و منزلت لوگوں کے دلوں سے نکالنے کی سعی کی۔ تزکیۂ نفس کو اسلام کے نام پر دھبّہ اور "چُنیا بیگم" نہ جانے

کیا کیا کہا۔ تصوّف سے لوگوں کو متنفّر کرنے کی ہر سازش کی، لیکن پھر بھی ہر دور میں اللہ کے بندے موجود رہے ہے، موجود ہیں اور انشاء اللہ موجود رہیں گے۔ (حوالہ: خطاب جامعہ مدنیہ لوسر شرفو، واہ کینٹ ۲۱ر نومبر ۱۹۶۴ء)

مَیں تو دُکھتی رگوں پر نشتر زنی کرتا ہُوں

مَیں دُھواں دار تقریریں نہیں کرتا مَیں تو دُکھتی رگوں پر نشتر زنی کرتا ہُوں تاکہ مُسلمان صحیح ملّی شعور حاصل کر کے اللہ کے سامنے سُرخرو ہوں۔ آج مسلمان نام کا مسلمان رہ گیا ہے، اُس کو خبر نہیں کہ اس راہ میں کتنی قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ ؎

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے　　لوگ آسان سمجھتے ہیں مُسلماں ہونا

اسلام کوئی نسلی مذہب نہیں ہے۔ آج سیّد کا بیٹا سیّد، پیر کا بیٹا پیر، مولوی کا بیٹا مولوی کہلاتا ہے۔ کیا کسی ایم بی بی ایس کا بیٹا جب تک وہ پوری تگ و دَو نہ کرے، اپنے نام کے ساتھ ایم بی بی ایس لکھ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اِسی طرح اگر کوئی ایم اے ایل ایل بی کا بیٹا اپنے نام کے ساتھ ایم اے ایل ایل بی کی ڈگری لکھے تو جیل کی ہوا کھائے۔ اسلام میں تو دار و مدار عمل پر ہے۔ ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنّم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نُوری ہے نہ ناری ہے

(حوالہ: خطاب جامعہ مدنیہ لوسر شرفو، واہ کینٹ ۲۱ر نومبر ۱۹۶۴ء مطبوعہ خدام الدین ۲۲ر جنوری ۱۹۶۵ء)

سچ کہو پرِ بے پروہ

بڑے بڑے مقرّرین اور خطبا۔ میں میرا شمار نہیں ہوتا، مَیں تو کھری کھری باتیں کہہ دیتا ہوں، کسی کو کڑوی لگیں یا کسیلی۔ جہاں جاتا ہوں دُکھتی رگ پر نشتر زنی کا فریضہ انجام دیتا ہوں۔ ڈاکٹر مرض کو چھُپانے کی دعوت نہیں دیتا، یہ باتیں حلق سے نیچے نہیں اُتر سکتیں۔ دوائی کڑوی ہو تو پی نہیں جاسکتی۔ آپ حضرات اور ماؤں بہنوں کی خدمت میں یہی عرض کرتا ہوں کہ آپ جہاں اپنی اولاد کے لیے روزی اور مکان مہیا کرتے ہیں وہاں اُن کو جہنّم سے بچانے کی تدابیر کیوں نہیں کرتے؟ ہمارا فرض ہے کہ ہاتھ پاؤں توڑ کر نہ بیٹھے رہیں، دین کو خود بھی سمجھیں، دوسروں کو بھی سمجھائیں، اسلام کا چرچا عام کریں، کتاب اور سُنّت کی تعلیمات سے اپنی اولاد کو روشناس کرائیں۔ آج گھر گھر عداوتیں ہیں، شہروں میں الگ، دیہاتوں میں الگ، اخلاقِ نبویؐ کا شائبہ تک نہیں، بڑوں کی تعظیم نہیں، شادی بیاہوں

میں رسم و رواج سب غیر اسلامی، کہیں برتھ ڈے، برسیاں اور جنم دن منائے جا رہے ہیں کہیں جھنڈیاں لگا کر حضورؐ سے بڑی محبّت کا اظہار ہو رہا ہے مگر سیرت کا پرتو بالکل نہیں، جمعۃ الوداع کو دو رکعت قضا عمری پڑھ لی اور ساری عمر کی نمازیں معاف کرا لیں، مر گئے تو ملّانوں سے قرآن پڑھوا کر گناہ بخشوا لیے۔ آخر یہ مسلمان اسلام کا کیا مذاق اُڑا رہے ہیں؟ سچّی بات ہمیشہ کڑوی ہوتی ہے۔ پنجابی میں کہتے ہیں "سچ کہو پرے ہوہ" (حوالہ: خطاب جامعہ مدنیہ لوسر شرفو، واہ کینٹ ۲۱ر نومبر ۱۹۶۴ء)

جہالت کی انتہا

آج بڑے بڑے مِل مالک، لینڈ لارڈ اور زمیندار دُنیا ہی سمیٹنے کے پیچھے پڑے ہُوئے ہیں، آخرت کی کسی کو فکر نہیں۔ یاد رکھیے جب تک آپ اپنے فرائض کو نہ پہچانیں گے، امراضِ رُوحانی کا مداوا نہ کریں گے، آخرت میں سُرخروئی محال ہے۔ جسمانی امراض کے علاج کے لیے آپ مختلف ڈاکٹروں سے علاج کراتے ہیں، ایک سے آرام نہ آئے تو دُوسرے کے پاس جاتے ہیں مگر دین کے معاملے میں نپٹ اندھے ہیں۔ جو مِل گیا اُسی کو راہبر مان لیتے ہیں اگر دُنیا کی طرح دین میں بھی عقل کا استعمال کرتے تو معاملہ اتنا حد سے نہ گزر جاتا۔ آج فرائضِ عینیہ کا احساس تک نہیں۔ مسلمان اللہ سے عہد کرتا ہے۔ "اے اللہ! تیرے ہر حکم پر عمل کروں گا"۔ آپ خُود دیکھ لیں کتنے مسلمان ہیں جو روزے رکھتے ہیں اور مسلکِ حقّہ پر کاربند ہیں؟ کتنے ہیں جو ماؤں بہنوں کو حِصّہ ادا کرتے ہیں؟ مسلمان کو حکم ہے کہ اللہ کی دی ہوئی توانائی اور طاقت سے خُدا کو راضی کرے۔ جو موٹریں کاریں کوٹھیاں سب معاملوں میں ٹھونک بجا کے دیکھتے ہیں مگر دین کے معاملے میں کسوٹی نہیں، ہر ایک کو پیر مان لیتے ہیں۔ یاد رکھو! قرآن اور حدیث اسلام کی کسوٹی ہیں۔ کل ایک صاحب گاڑی میں پُوچھنے لگے "کونڈے کس تاریخ کو دیے جاتے ہیں؟ اور اِن کا کیا حکم ہے؟" مَیں نے کہا "ہماری ڈاڑھیاں قرآن و حدیث پڑھتے پڑھاتے سفید ہو گئیں، ہم نے ان کا ذکر کہیں نہیں پڑھا مگر مسلمان ہیں کہ واہی تباہی جس چیز کو "اسلام" کا نام لے کر انھیں پیش کر دیں، وہ مان لیں گے۔

پھُول کی پتّی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

(حوالہ: خطاب جامعہ مدنیہ لوسر شرفو، واہ کینٹ ۲۱ر نومبر ۱۹۶۴ء مطبوعہ خدام الدین ۲۲ جنوری ۱۹۶۵ء)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مخالفین اُن کے شیدائی بن گئے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ عمل ہمارے سامنے ہے۔ ابتداء میں جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغ دین کا کام شروع کیا تو جیسا کہ شروع سے چلا آتا ہے کہ لوگ اہلِ حق کی مخالفت کیا کرتے ہیں، یہاں کے لوگوں نے بھی شدّت سے حضرتؒ کی مخالفت شروع کر دی، محلّہ کے لوگ بھی عداوت رکھنے لگے، مخالف مولویوں کو بُلا بُلا کر وعظ کہلواتے، حضرتؒ کی مخالفت میں تقریریں کرواتے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو سلام کا جواب دینا بھی گوارا نہ کرتے لیکن حضرتؒ نے حوصلہ نہ ہارا، کبھی تُرش رُو نہ ہوئے، تُند خوئی کو پاس بھی نہ پھٹکنے دیا صبر وضبط سے اپنا مشن جاری رکھا، اپنے آقا و مولا جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت کے مطابق ہر ایک سے خوش خلقی سے پیش آتے رہے، جو آپؒ کو ایک نظر دیکھنا بھی پسند نہ کرتے تھے اور سلام کا جواب دینے سے بھی کنّی کتراتے اور بُرا بھلا کہتے تھے انھیں بھی سلام کرتے اور ان کے ساتھ ہمیشہ محبّت اور خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ چنانچہ نتیجہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ وہی لوگ جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر راستہ چھوڑ جایا کرتے تھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سچّے شیدائی اور جان نثار بن گئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ راستہ سے گزرتے تو وہ آپؒ کو دُور سے آتا دیکھ کر تعظیماً کھڑے ہو جاتے اور سلام نیاز مندانہ پیش کرتے وقت اُن کی زبانیں نہ تھکتیں۔ سرتا پا نیاز ہو کر حضرتؒ سے مصافحہ کرتے اور آپؒ کو ایک آنکھ دیکھنا اپنے لیے وجۂ سعادت اور باعثِ خیر و برکت سمجھتے۔ لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا اور یہ آپؒ کا اخلاقِ کریمانہ تھا کہ اب جس راستہ میں وہ بیٹھے ہوتے اُس راستہ سے نہ گزرتے تاکہ اُنھیں کھڑا ہونے کی تکلیف نہ ہو، لمبا راستہ طے کر کے گھر جاتے لیکن اُنھیں تکلیف دینا مناسب نہ سمجھتے حالانکہ وہ لوگ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تعظیم کرنا اور اُن کی زیارت سے مشرّف ہونا اپنے لیے مُوجبِ صد افتخار و سعادت اور باعثِ رحمت و برکت سمجھتے تھے۔ اب بھی وہ لوگ زندہ ہیں اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر نہایت ادب اور احترام سے کرتے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل و شمائل بیان کرنے میں رطب اللّسان رہتے ہیں اور جہاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ آیا اُن کی آنکھیں فرطِ محبّت اور جوشِ عقیدت سے ساون بھادوں کی جھڑیوں کا منظر پیش کرنے لگتی ہیں۔ خود مجھ ایسے ناکارہ اور سیاہ کار سے اُن کا یہ معاملہ ہے کہ اب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے وہ مجھ سے بھی ادب اور محبّت کے ساتھ ملتے ہیں

اور مجلسِ ذکر تک میں اکثر شریک ہوتے ہیں۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۴ر مارچ ۱۹۶۵ء)

آج کل کے مبلّغین

آج کل کے بعض مبلّغین ہیں کہ الامان والحفیظ۔ نہ زبان پر کنٹرول ہے نہ اعمال میں ضبط۔ خوش خلقی پاس سے بھی نہیں گزری۔ نرم رُوئی اور حِلم کا نشان بھی ان میں ڈھونڈے سے نہیں ملتا، زبان ہے کہ اظہارِ محبت وشفقت کے بجائے انگارے اُگل رہی ہے، مُنہ سے شعلے نکل رہے ہیں، خندہ پیشانی نام کو نہیں، ماتھے پر غرور ونخوت اور تکبّر کی شکنیں اُبھری ہوئی ہیں، کبھی کسی مخصوص فرد سے لے دے ہو رہی ہے اور کبھی کسی فرقے کے پیچھے لٹّھ جھاڑ کر پڑے ہوئے ہیں۔ حالانکہ نہ یہ کوئی اندازِ تبلیغ ہے اور نہ ہی اس سے کوئی فائدہ برآمد ہو سکتا ہے، اُلٹا اِس سے نقصان ہی ہوتا ہے۔ مخاطب بجائے ہدایت حاصل کرنے کے معاند بن جاتا ہے اور اچھی بات بھی اُس پر اثر انداز نہیں ہوتی، وہ سِرے سے دین ہی سے برگشتہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس طرح نہ تو دین کی کوئی خدمت ہوتی ہے نہ مخالفِ دین ہی کو ہدایت نصیب ہوتی ہے اور نہ مبلّغ صاحب کی محنت ٹھکانے لگتی ہے۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۴ر مارچ ۱۹۶۵ء)

اطمینانِ قلب کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟

آج کوئی اولاد کی تعلیم کو ذریعۂ تسکینِ قلب سمجھتا ہے کوئی مال و دولت کی زیادتی کو، کوئی شکار کے شوق، کبوتر بازی، پتنگ بازی وغیرہ سے اطمینانِ قلب چاہتا ہے۔ لوگوں نے اپنی خواہشاتِ نفسانی کو پورا کرنے کے لیے مختلف شوق اپنائے ہوئے ہیں۔ کوئی لت پڑ جائے تو اُس کو ہوبی (HOBBY) کا نام رکھ دیتے ہیں۔ کسی کی ہوبی تصویریں جمع کرنا ہے، کسی کی تاش اور شطرنج کھیلنا اور کسی کی کرکٹ وغیرہ ہے۔ غرض یہ کہ اکثر لوگ اس طرح وقت ضائع کرنے کو اطمینانِ قلب سمجھتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اطمینانِ قلب صرف اور صرف ذِکرُ اللہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی چیز دل کو چین نہیں بخش سکتی، نہ دولت و اولاد کی زیادتی اور نہ بڑے بڑے کارخانے، کوٹھیاں اور موٹریں وغیرہ۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر یکم اپریل ۱۹۶۵ء)

حضرتؒ کی صحبت کا رنگ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کے رنگے ہوئے حضرات کا رنگ پکّا ہے، جن کو حضرتؒ کی صحبت اور قرب نصیب نہیں ہُوا، اُن کا رنگ کچّا ہے۔ یاد رکھیں! ہزار عبادتوں اور ریاضتوں سے بڑھ کر اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنا ہے۔ اس سے ذکرُ اللہ اور اُسوۂ نبویؐ پر چلنے

کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ (حوالہ: مجلس ذکر یکم اپریل ۱۹۶۵ء)

ہماری ثقافت

ہمارے صدر چین گئے اور واپسی پر ناچنے گانے والے رقاصوں کا "ثقافتی" گروہ وہاں بھیج دیا۔ وہاں کے لوگ کیا خیال کریں گے کہ یہ ہے اسلام اور مسلمانوں کا تمدن؟ نعرہ تو تھا کہ "پاکستان کا مطلب کیا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" یہاں اللہ کے قوانین کے سوا اور کسی قانون کی حکومت نہیں ہو گی لیکن جب سے پاکستان بنا ہے اسلام سے بے اعتنائی برتی جا رہی ہے، غیر اسلامی قوانین نافذ کیے جا رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان ہے کہ میں ناچ گانے، طبلہ سارنگی کو ختم کرنے کے لیے مبعوث ہُوا ہوں، لیکن پاکستانی حکومت جو اسلام کا دعویٰ کرتی ہے اس کو فروغ دے رہی ہے اور ایسے "ثقافتی" اداروں کو مستقل امدادیں دے رہی ہے لیکن دینی اداروں اور مدرسوں کی کسی قسم کی امداد نہیں ہے جو کہ اسلامی حکومت کا اہم فریضہ ہے۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۶ مئی ۱۹۶۵ء)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغ کا دیرپا اثر

گزشتہ کافی دن بیمار رہنے کے بعد منچن آباد (بہاول پور) سفر کا اتّفاق ہُوا۔ میں جب بھی وہاں گیا ہُوں رُوحانی مسرّت حاصل ہوئی ہے۔ سعید والا اور عثمان والا وغیرہ ان علاقوں میں حضرتؒ کے اکثر تشریف لے جانے کا اثر اب تک ہے۔ سب کی متشرّع ڈاڑھیاں ہیں، وہاں کے نوجوانوں، بُوڑھوں، عورتوں کو اللہ اللہ کرنے کا بہت شوق ہے۔ یہ سب اُن بزرگوں کا صدقہ اور اثر ہے جنھوں نے اُن علاقوں میں مسلسل محنتیں کی ہیں۔ (حوالہ: مجلس ذکر، ۲۷ مئی ۱۹۶۵ء)

مُرشد سے بیعت ہو جانے کے بعد کی ذمّہ داریاں

ایک غلطی بہت عام ہے، وہ یہ کہ بیعت کے بعد اپنے آپ کو فارغ سمجھا جاتا ہے کہ بس اب ہم نے توبہ کر لی ہے، بخشش ضرور ہو جائے گی، حضرات! یاد رکھیں کہ بیعت کے بعد اپنے آپ کو فارغ سمجھ لینا بہت بڑی گمراہی ہے۔ بلکہ بیعت کے بعد ذمّہ داریاں زیادہ ہو جاتی ہیں، ویسے بھی ہر مسلمان کو فرائض و واجبات، سُنن و مستحبات کا علم ہونا ضروری ہے۔ اُس پر فرض ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد حتّی الامکان ادا کرتا رہے بیعت تو اصلاحِ باطن کی ابتدا ہے، اپنے مُرشد کی ہدایت پر عبادت اور ذکر اللہ کثرت سے کرنا گناہوں سے بچتے رہنا اور اپنے فرائض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے اس

کے لیے آپ حضرتؒ کے رسائل "پیر و مُرید کے فرائض"، "مسلمان عورت کے فرائض" ضرور پڑھیں، اِس سے آپ کے تمام شکوک دُور ہو جائیں گے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر، ۲/مئی ۱۹۶۵ء)

تبلیغی جماعت کے پروگرام کی پسندیدگی

مُجھے تبلیغی جماعت والوں کا پروگرام بے حد پسند ہے کہ چاہے اُن میں جاہل ہوں یا عالم، کوئی نہ کوئی صحابہ کرامؓ یا بزرگوں کے حالات و واقعات پڑھ کر ضرور سُنائے گا اور باقی سب غور سے سُنیں گے اور اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں گے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر، ۲/مئی ۱۹۶۵ء)

خدّام الدّین کی خدمات

الحمد للہ خدّام الدین دُور دراز کے مقامات میں بھی بڑے شوق و محبّت سے پڑھا جاتا ہے۔ اکثر حضرات اس کے پشتو اور سندھی زبان میں ترجمہ کر کے لوگوں کو سُناتے ہیں۔ اِس میں قصّے کہانیاں تو ہوتی نہیں۔ اصلاحِ حال کے لیے مضامین ہوتے ہیں۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر، ۱۷/جون ۱۹۶۵ء)

حضرتؒ اور سیّد عطاء اللہ شاہ بُخاریؒ میں موانست

حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہر وقت ذکر اللہ میں مشغول رہتے۔ جیل میں ہوں یا جیل سے باہر، یادِ الٰہی کو ہرگز ترک نہ کرتے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ دل میں ذکر اللہ کثرت سے کرتے تھے۔ اُن کو تنہائی بہت پسند تھی۔ جیل میں دوسرے لوگ آپؒ کو خاموش بیٹھے دیکھ کر یہ سمجھتے کہ آپؒ مغموم و پریشان ہیں اور آپؒ کو اُٹھا کر حضرت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی مجلس میں لے آتے، حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ وہ اپنے کلام سے اتنا ہنساتے کہ جیل کی تکلیف بالکل بھول جاتی۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۴/جون ۱۹۶۵ء)

مساجد کی سہولتوں کا ناجائز استعمال

آج ہمارا یہ حال ہے۔ سونا، کھانا، پینا، نہانا، پیشاب کرنا، سب مسجد میں۔ گرمیوں میں دوپہر کو پنکھے کے نیچے مسجد میں آرام کرنا اور مسجد کے غسلخانوں میں خُوب نہانا، لیکن مسجد میں نماز بالکل نہ پڑھنا۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر یکم جولائی ۱۹۶۵ء)

دین کے نام سے بے دینی

شعائرِ اسلام کی توہین ہو رہی ہے، دینِ حق کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے، بے پردہ عورتیں نیم برہنہ اور تنے ہوئے لباس پہن کر بازاروں میں دعوتِ گناہ دیتی

پھرتی ہیں، نوجوان گناہ کے چلتے پھرتے پیکر نظر آتے ہیں اور حد یہ ہو گئی ہے کہ علماء رسوم و رواج کے چکر میں پھنس کر اور فرقہ پرستی کے تعصب کا شکار ہو کر دین کے نام سے بے دینی کو رواج دے رہے ہیں۔ اصل فریضہ یعنی تبلیغ اور رُشد و اصلاح اور لوگوں کے ایمان و اعمال کی حفاظت اُنھوں نے ترک کر دیا ہے اور لایعنی باتوں میں اُلجھ کر رہ گئے ہیں جس کی وجہ سے لوگوں میں بے عملی اور اسلام سے دُوری بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

آج ربیع الاوّل کی ۹ تاریخ ہے۔ دو دن کے بعد بارہ ربیع الاوّل کو آپ دیکھیں گے کہ بڑے بڑے جلوس نکلیں گے، علماء، لیڈر، پہلوان اور ہر قسم کے لوگ اس کی زینت بنیں گے۔ جھنڈیوں، محرابوں اور طرح طرح کی آرائشوں سے راستے اور بازار سجائے جائیں گے۔ قوالوں کی ٹولیاں جلوس کے ساتھ لہک لہک کر "عشقِ رسُولؐ" کا مظاہرہ کریں گی، باجے گاجے ساتھ ہونگے نوجوان، بوڑھے اور بچے سب دینِ خداوندی کے تقاضوں سے بے نیاز، مستانہ وار جلوس میں شامل ہوں گے، نمازیں قضا ہوں گی، لاکھوں رُوپے آرائش و زیبائش اور بجلی کے قمقموں پر بلاضرورت خرچ کر دیے جائیں گے اور اِس طرح اِسراف و تبذیر کی تمام سُنتیں تازہ کی جائینگی، قوم کا وقت اور سرمایہ دونوں برباد ہوں گے اور جلوس میں شرکاء یہ گمان لے کر گھر لوٹیں گے کہ گویا انھوں نے دینِ حق کی بہت بڑی خدمت سرانجام دی ہے۔ حالانکہ فرائض سے غفلت اور اسراف و تبذیر خدا اور اس کے رسُولؐ کو ناراض کرنے والی چیزیں ہیں اور ان سے یقیناً رحمتِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم اور اُن کا خدا کبھی راضی نہیں ہوں گے۔ (حوالہ: خطبہ جمعہ ۹، جولائی ۱۹۶۵ء)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے استغناء کی برکت

حضرت امروٹی رحمۃ اللہ علیہ حضرتؒ کے لیے دن رات دُعا فرمایا کرتے تھے۔ اُنھوں نے حضرتؒ کو ایک وظیفہ بتایا اور دُعا بھی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ساری مشکل حل کر دی اور ایسی حالت ہو گئی اور اتنا اللہ تعالیٰ نے رزق دیا کہ مسجدوں پر مسجدیں بن رہی ہیں، ہر سال حج ہو رہے ہیں، قرآن مجید چھپوائے جا رہے ہیں، طلباء کو مفت تعلیم دی جا رہی ہے اور اس کے لیے مُفت کتابیں مہیّا کی جا رہی ہیں۔ حضرتؒ کے استغناء کا یہ حال تھا، کہ ہم تینوں بھائیوں کو اپنے خرچ پر دینی تعلیم دلوائی۔ ہم اپنے پاس سے کھاتے پیتے تھے۔ اگر مدرسے سے کچھ کھا پی لیتے تو اُس کی قیمت ادا کرتے۔ کتابوں کا خرچ بھی ہمارے اپنے ذمّہ تھا۔ حضرتؒ فرمایا

کرتے تھے کہ اللہ نے اگر علم دیا ہے تو اس کو اللہ کے راستے میں بلا معاوضہ خرچ کرو۔ اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۵ر اگست ۱۹۶۵ء)

ہر شخص کو اسلام اور پاکستان کا سپاہی نظر آنا چاہیئے

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ تو پاکستان بننے کے بعد سے لے کر تا دمِ وصال پاکستانیوں کو یہی ہدایت فرماتے رہے کہ اُن میں سے ہر شخص فوجی تربیّت یافتہ اور اسلامی فوج کا سپاہی بننے کا اہل ہونا چاہیئے تاکہ وقت آنے پر مُلک کو بلا تنخواہ ایک بہت بڑی فوج مہیّا ہو سکے اور اگر ہمارے سابقہ اربابِ اقتدار نے اِس آواز پر کان دھرے ہوتے تو آج یقیناً مُلک کا ہر باشندہ فوجی سپاہی ہوتا اور ہمیں فوج کی قلّت کا شائبہ تک بھی نہ گزرتا۔ اب وقت آگیا ہے کہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا جائے اور ہر شخص اسلام اور پاکستان کا سپاہی نظر آئے۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۲ر اکتوبر ۱۹۶۵ء)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فیضان

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فیضان اللہ کے فضل و کرم سے جاری و ساری ہے اور دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس سلسلۂ خیر کو تا ابد جاری و ساری رکھے۔ آمین۔ مَیں اگرچہ ناکارہ ہُوں لیکن پھر بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تابعداری کے خیال سے اور اُن کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے محض ثواب کی نیّت سے مجلسِ ذکر کے بعد کچھ نہ کچھ عرض کر دیا کرتا ہوں تاکہ یہ مفید سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۴ر نومبر ۱۹۶۵ء)

حضرتؒ کی پیدائش اور وفات

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی رمضان میں پیدائش ہُوئی اور رمضان ہی میں وفات ہُوئی اور وفات کے وقت حضرتؒ کی زبان پر کلمۂ طیّبہ خوب جاری تھا۔ کلمہ پڑھتے پڑھتے حضرتؒ کی رُوح پرواز کر گئی۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۸ر نومبر ۱۹۶۵ء)

حرام یا مشتبہ مال کھانے کا اثر

اکثر لوگ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے نماز اور ذکر میں دل نہ لگنے اور لُطف و سرور حاصل نہ ہونے کی وجہ پُوچھا کرتے تھے تو حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ تم نے ضرور حرام یا مشتبہ مال کھایا ہوگا۔ حرام و مشتبہ مال کھانے سے اوّل تو نیکی کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ اگر نیکی ہو جائے تو لطف و سکون میسّر نہیں آتا۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۳ر فروری ۱۹۶۶ء)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بچّوں کی تربیت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ بچّوں کی تربیت کا اِس حد تک خیال رکھا کرتے تھے کہ جب بھی کوئی سائل آتا تو اُسے خیرات ہم سے دِلوایا کرتے تھے حالانکہ دینی کاموں میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ خرچ کیا اُس میں سے بیشتر کا کسی کو بھی ذرّہ برابر علم نہیں ہے۔ گھر والوں اور تعلق والوں تک کو اِس کا علم نہ ہونے دیتے۔ اُن کے اکثر واقعات سامنے آتے ہیں تو سب کو حیرت ہوتی ہے کہ اُن میں کس درجہ اخفا تھا۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۱۰ فروری ۱۹۶۶ء)

نیکی کی توفیق اللہ کا فضل ہے

مَیں کہا کرتا ہوں کہ ہم اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کریں کہ اُس نے اس گئے گزرے دَور میں ہمیں مل بیٹھ کر اپنی یاد کی توفیق عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اگر نیکیوں کی توفیق عطا فرمائیں تو اس کو محض اللہ کا فضل سمجھنا چاہئیے یہ ہمارا کوئی کمال نہیں ہے، نیکی کی توفیق حاصل ہوجانا اور بات ہے مگر بعض اوقات یہ توفیق گھمنڈ کے باعث سَلب بھی ہوجایا کرتی ہے اِس لیے ہمیشہ یہ دُعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہدایت کے بعد گمراہی سے بچائے۔ ایک نبوّت ہی ہے جو سلب نہیں ہوتی۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۱۰ مارچ ۱۹۶۶ء)

رزقِ حلال ـ صدقِ مقال

بعض بھائی اکثر کہتے ہیں کہ نماز اور ذکر میں پہلے اثر محسوس ہوتا تھا اب نہیں ہوتا۔ پہلے نماز میں سکون تھا اب وساوس آتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ مَیں تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی کا نسخہ دُہرا دیتا ہوں کیونکہ وہ رُوحانی امراض کے ایکسپرٹ محقّق تھے، اُن کی تحقیق آج بھی ہمارے لیے نسخۂ کیمیا کا درجہ رکھتی ہے۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ رزقِ حلال سے صدقِ مقال حاصل ہوتی ہے۔ اگر مشتبہ مال کھاؤ گے تو اُس سے دل سیاہ ہوجائے گا، ذکر کی لذّت سلب ہوجائے گی اور نماز میں شیطانی وسوسے آئیں گے۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۱۰ مارچ ۱۹۶۶ء)

حضرتؒ کا بہترین وصال

جب موت کا فرشتہ آیا تو مَیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر تھا، حضرتؒ کی زبان پر ذِکر جاری تھا، آپؒ صائم تھے، روزہ افطار کرنے کی نوبت ہی نہ آئی۔

(حوالہ: مجلس ذکر ۱۰ مارچ ۱۹۶۶ء)

حضرتؒ کی نیابت

آج دِن بھر بس میں سفر کرتا رہا ہوں، بُخار بھی ہے مگر حضرتؒ کی جو

ڈیوٹیاں اور فرائض ہیں اُن کے سلسلے میں ہر کام کرنا پڑتا ہے، کھانا بھی وقت پر نہیں کھا سکتا اور اس پر بھی میں خوش ہوں کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے یہ کام لے رہے ہیں۔ (حوالہ : مجلس ذکر ۱۰ر مارچ ۱۹۶۶ء)

حضرت بابا فرید کے مزارِ پُر انوار پر خرافات

گزشتہ دنوں میں سفر کے دوران پاکپتن ضلع منٹگمری سے گزرنے کا اتّفاق ہُوا۔ ایک صاحب نے مجھ سے حضرت بابا فریدؒ کے مزار پر جانے کی اجازت مانگی تو مَیں نے اجازت دے دی، اُن کو راستے میں رات ہو گئی۔ خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ اُن کو ایک سانپ نے ڈس لیا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ آگئے اور انھوں نے نمک پر دَم کر کے دیا تو اُس کا زہر زائل ہو گیا اور تکلیف رفع ہو گئی اور فرمایا کہ فوراً واپس چلے جاؤ۔ دُوسری طرف جب ہم سفر سے واپسی پر لاہور آ رہے تھے تو عصر کی نماز کا وقت پاکپتن کے قریب ہو گیا۔ مَیں نے سوچا کہ چلو عصر کی نماز مزار کے پاس جو مسجد ہے وہاں پڑھ لیں اور ساتھ فاتحہ بھی کہہ لیں گے لیکن جب ہم وہاں پہنچے تو ہماری حیرانی کی حد نہ رہی کہ جو آدمی بھی آتا تھا پہلے دہلیز پر سجدہ کرتا تھا پھر اندر جا کر قبر پر سجدہ کرتا تھا۔ مزار کے پاس ٹھٹ کے ٹھٹ مٹھائیاں بٹ رہی تھیں اور ساتھ مسجد میں نہ کوئی بندہ نہ بندہ کی ذات۔ جن صاحب کو مَیں نے مزار پر جانے کی اجازت دی تھی انھوں نے اپنی خواب سُنائی۔ وہ صاحب کہنے لگے کہ آپ پہلے کبھی گئے نہیں تھے اور نہ ہی آپ کو علم تھا کہ وہاں کیا کیا خرافات ہوتی ہیں۔ اس لیے آپ نے مجھے اجازت دے دی لیکن خواب کے ذریعے حضرتؒ نے مجھے منع فرما دیا اور آپ کو وہاں لے جا کر اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دِکھا دیا تاکہ آئندہ آپ کسی کو وہاں جانے کی اجازت نہ دیں کیونکہ وہاں سب کام اسلامی تعلیمات کے خلاف ہوتے ہیں۔ (مجلس ذکر، ۱۰ر اپریل ۱۹۶۶ء)

امتحان سے پہلے جو تیّاری ہو جائے وہی کام آتی ہے

مَیں سب سے پہلے اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کیا کرتا ہوں کہ اُس نے ہمیں اپنی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنی یاد کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ جو آپ اللہ کے دربار میں حاضر ہو کر اللہ کا ذکر کرتے ہیں یہ محض اللہ کا فضل و کرم ہے، اُس کی یہ خاص عنایت ہے، اُس کا جتنا بھی شکر کریں کم ہے، زندگی کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے۔ امتحان سے پہلے جو تیّاری ہو جائے وہی کام آتی ہے۔ اسی طرح اس چند روزہ زندگی میں آخرت کے امتحان کی تیاری خُوب زوروں سے کرنی چاہیئے تاکہ امتحان میں کامیاب ہو جائیں لیکن اگر اس فرصت اور موقع

سے فائدہ نہ اُٹھایا، اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر میں وقت صرف نہ کیا، نافرمانیوں میں زندگی بسر کر دی تو پھر آخرت کے امتحان میں سخت مشکل پیش آئے گی اور ناکامی کی صورت میں جہنّم کا مُنہ دیکھنا پڑے گا۔ (حوالہ مجلس ذکر ۱۴؍اپریل ۱۹۶۶ء)

اپنے مُرشد کو ناجائز تکلیف نہیں دینی چاہیئے

آج مجھے ایک جگہ جانے کا اتّفاق ہُوا، جہاں مسجد کا افتتاح کرنا تھا۔ لوگ پہلے تو وعدہ کر کے لے جاتے ہیں کہ وقت پر پہنچا دیں گے اور اپنی مجبوریاں پیش کرتے ہیں لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ اگر وہ وعدہ پورا نہ کر سکے تو دوسرے کے فرائض پر زد پڑے گی۔ چنانچہ آج بھی یہی ہُوا، مَیں نے بہتیرا عذر کیا کہ مجلسِ ذکر ہے، مجھے ہر حال میں مغرب کے وقت شیرانوالہ ہونا چاہیئے لیکن اِس وعدے پر کہ وہ مغرب سے پہلے مجھے شیرانوالہ پہنچا دیں گے اپنی جگہ لے گئے۔ اب واپسی پر وہاں سواری کا انتظام نہ تھا، بس کا انتظار کیا گیا، ٹیکسی رکشا کا وہاں نشان نہ تھا، آخر قہرِ درویش برجانِ درویش سڑک پر کھڑا ہو گیا۔ وہ لوگ بھی میرے ساتھ پریشان ہُوئے اور مجھے بھی پریشانی ہوئی ٹیلیفون کر کے اِطّلاع دینا چاہی تو دفتر سے کسی نے ٹیلیفون نہ اُٹھایا، دفتر اُس وقت بند ہو گا، آخر خیال آیا اِس ٹیلیفون کا کیا فائدہ کہ وقتِ ضرورت کام ہی نہ آ سکے۔ اب فیصلہ کر لیا ہے کہ خواہ کوئی کِتنا ہی مجبور کیوں نہ کرے اور اپنی معذوری کا کتنا ہی اظہار کیوں نہ کرے مَیں جمعرات کو کسی کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ اب آج کی تاخیر کے لیے مَیں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ بہر حال خُدا کا شکر ہے کہ سڑک پر کھڑے تھے کہ کوئی امریکن وہاں سے اپنی کار میں گزرے۔ تھے تو عیسائی مگر شرافت خُدا جسے دے دے۔ اُنھیں ہاتھ دے کر ساتھیوں نے کھڑا کیا تو اُنھوں نے کار روک لی اور مجھے کار پر بٹھا کر یہاں چھوڑ گئے ورنہ مَیں آج پہنچ ہی نہیں سکتا تھا اور مجلسِ ذکر کا ناغہ ہو جاتا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ میری تاخیر کی وجہ سے کوئی صاحب ذکر کرا دیتے لیکن چونکہ کسی کو کہا ہُوا نہیں تھا اِس لیے عین ممکن تھا کہ ناغہ ہی ہو جاتا، خُدا کا شکر ہے کہ اللہ نے مجھے یہاں پہنچا دیا۔

(حوالہ مجلسِ ذکر ۲۱؍اپریل ۱۹۶۶ء)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا قلبی سکون

ہم نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے، ساری زندگی کھدّر پہنا اور رُوکھا سُوکھا کھایا لیکن جو قلبی سکون اُنھیں میسّر تھا، جس درجہ وہ مطمئن تھے اُس درجہ کسی بادشاہ کو بھی مطمئن نہیں پایا۔ بڑے سے بڑے دُنیادار اور رئیس کو اس سکون کے ساتھ زندگی

بسر کرتے نہیں دیکھا۔ اور حال یہ تھا کہ کبھی ہماری والدہ مرحومہؒ نے یہ کہہ دیا کہ "حضرت یہ گھر ہی ٹھیک ٹھاک کرالیں" تو فرمایا کرتے "تم جانو تمھارا کام، دُنیا سے مَیں اس حال میں رخصت نہیں ہونا چاہتا کہ اینٹیں اور روڑے میرے نام پر لکھے ہوں"۔ لیکن اس کے باوجود اللہ نے چودہ مرتبہ حج اور عمرے کی سعادت سے بہرہ ور فرمایا۔ ساری زندگی گھر میں تو تکار کی نوبت نہیں آئی۔ گھر کی طرف سے بھی خوش گئے اور اولاد کی طرف سے بھی خوش گئے۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۲۱ اپریل ۱۹۶۶ء)

توکّل کا صحیح مفہوم

اکثر لوگ توکّل کا مفہوم غلط سمجھتے ہیں۔ عام لوگوں کے نزدیک اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ انسان بیکاروں اور اپاہجوں کی زندگی بسر کرے۔ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھا رہے کوئی کام نہ کرے، لوگوں کے صدقات وخیرات اور نذر و ہدایا پر نظر رکھے لیکن قرآنِ حکیم کا مفہوم اس سے بالکل مختلف ہے۔ قرآن کریم کی رُو سے توکّل کے معنی یہ ہوں گے کہ مشکلات و مصائب کے وقت ہمّت و استقلال، عزم و اثبات اور جوش و ولولۂ عمل کے ساتھ مصروفِ کار ہو، نتائج و ثمرات کی طرف سے خوفزدہ ہو کر اپنے فرائضِ حیات ترک نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ سے کامل توقع رکھے کہ وہ ضرور کامیابی عطا فرمائیں گے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۸ اپریل ۱۹۶۶ء)

حضرتؒ کی آخری تمنّا

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی آخری تمنّا یہی تھی کہ گھروں کو ذکر اللہ سے آباد کیا جائے۔ دوستوں، رشتے داروں اور محلّہ میں اپنی استعداد کے مطابق اشاعتِ اسلام کی جائے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۵ مئی ۱۹۶۶ء)

سرحد کے مُسلمانوں کا دینی ذوق

ایک خصوصیّت مَیں نے بحمد اللہ سرحد کے ہر گوشے میں دیکھی کہ اُن کے چہروں پہ نورِ ایمان کی کرنیں دوڑتی نظر آتی ہیں۔ لوگوں کی اکثریّت نمازی اور عبادت کی پابند ہے۔ اللہ کے نام سے محبّت اور دینی غیرت و حمیّت کا جذبہ ہر جگہ موجود ہے۔ کوہاٹ میں ایک شخص دُور دراز سے اپنی بہنوں اور مستورات کو لے کر آیا اور اُنھیں حلقۂ بیعت میں داخل کرایا۔ مَیں اگرچہ پشتو نہیں جانتا مگر پھر بھی حضرتؒ کی وجہ سے لوگ والہانہ شفقت کے ساتھ تشریف لاتے رہے اور پشتو دان اپنی زبان میں میرے الفاظ کی ترجمانی فرماتے رہے۔ اللہ کا احسان ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نام لیوا اور جان نثار دُنیا کے گوشے گوشے میں موجود ہیں اور اللہ اللہ کی مجالس رچائے ہوئے ہیں۔ (مجلسِ ذکر ۱۲ مئی ۱۹۶۶ء)

رُوس میں بھی حضرتؒ کے عقیدت مند موجود ہیں

لاہور میں جب سکندر مرزا کے دورِ اقتدار میں کلوکیم ہُوا تھا تو اُس میں شامل ہونے والے رُوسی نمائندے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے لیے اپنے مُلک سے قالین تحفے کے طور پر لائے تھے۔ وہ قالین حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں اور مُریدوں نے اُن کے ہاتھ رُوس سے بھجوائے تھے۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۲ مئی ۱۹۶۶ء)

اٹک پار کے غیوّر مسلمان

مسلمانوں کو جب کبھی کسی دینی تحریک کے آغاز کی ضرورت پیش آئی تو اُس کے لیے امداد اُنھیں ہمیشہ اٹک پار ہی سے ملی ہے اور اٹک پار کے غیوّر مسلمانوں نے ہمیشہ تن من دھن سے دین کی خدمت کی ہے۔ مجھے تو حقیقت ہے وہاں جا کر بڑی خوشی ہوئی ۔ لوگوں کے چہرے مشرّع ، ہاتھوں میں تسبیحیں، دِل میں غیرتِ ایمانی اور بازوؤں میں جان۔ یہ سب چیزیں وہاں دیکھنے میں آتی ہیں۔ لباس اور وضع قطع سب اسلامی ہے۔ (مجلسِ ذکر ۱۲ مئی ۱۹۶۶ء)

عُمر گھٹ رہی ہے

لوگ کہتے ہیں کہ عُمر بڑھ رہی ہے لیکن مَیں کہتا ہُوں کہ عُمر گھٹ رہی ہے۔ جُوں جُوں وقت گزرتا جا رہا ہے اُتنا ہی ہم موت کے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۹ مئی ۱۹۶۶ء)

اکابر کا تذکرہ

آج مجھے تیز بُخار رہا اور زکام کی بھی تکلیف ہے۔ نماز پڑھنا بھی مشکل تھا ۔ تکیہ رکھ کر بھی نماز پڑھنے سے سر درد ہوتا تھا اور بوجھ محسوس ہوتا تھا۔ مولانا غلام غوث کو ہاتھ دکھایا تو اُنھوں نے مکمّل آرام کرنے کو کہا اور کہا کہ یہ بے خوابی کی وجہ سے ہے۔ مجھے حضرت مدنیؒ کا واقعہ یاد آگیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کمرہ میں بیٹھ کر حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے حضرتؒ سے یہ واقعہ بیان کیا تھا۔ حضرت مدنیؒ اپنے دَور کے بے مثال اور باکمال ولی اللہ گزرے ہیں۔ بلکہ نوُرِ بصیرت کے ماہر معالج ، ہمارے حضرتؒ اُن کے بارے میں فرمایا کرتے تھے " مَیں قسم کھانے کو تیار ہوں کہ ساری دُنیا میں اِس وقت حضرت مدنیؒ کے پائے کا ولی اللہ نہیں ہے"۔ ۱۳ سال مسجدِ نبویؐ میں قال اللہ وقال الرسولؐ کی تعلیم کی توفیق نصیب ہوئی اور اپنے آپ کو "مہاجر مدنی" کہلایا کرتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ہمارے حضرتؒ کو واقعہ سُنایا کہ " مَیں نے ایک مرتبہ حضرت مدنیؒ سے عرض کیا کہ " حضرت! مجھے نماز میں لُطف نہیں آتا " تو حضرت مدنیؒ نے فرمایا " اچھا! تو آپ

نماز لُطف کے لیے پڑھتے ہیں؟" حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "مَیں پانی پانی ہو گیا، کہ مَیں یہ کس ہستی سے اور کیا سوال کر بیٹھا ہوں؟" (حوالہ: مجلسِ ذکر ۴ر جون ۱۹۶۶ء)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عادتِ شریفہ

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عادتِ شریفہ تھی کہ فجر کی نماز سے پہلے اور تہجّد کی نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کیا کرتے تھے۔ انھیں نظم و ضبط کا اِس قدر خیال رہتا کہ چاہے نیند خراب ہو۔ سارے کام کرا کے بھی اپنے اوراد و اشغال پورے کرتے آخری دور میں ساری ساری رات تڑپتے بھی رہتے مگر ذکر اللہ کے معمولات میں کمی نہ آنے دی۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۴ر جون ۱۹۶۶ء)

سلسلۂ عالیہ قادریہ کے اذکار

سلسلۂ عالیہ قادریہ میں ذکرِ خفی اور ذکرِ جہر دونوں کا معمول ہے۔ ذکرِ جہر مغرب کی نماز کے بعد سے لے کر طلوعِ فجر تک کسی بھی وقت کیا جا سکتا ہے اور ذکرِ خفی کے لیے کوئی قید نہیں، یہ ہر گھڑی اور ہر مقام پر چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، اُٹھتے بیٹھتے جاری رہنا چاہیے؛ ہمارے اکابر کی جگہوں پر مجلسِ ذکر ہوتی ہے۔ بعض جگہ مغرب کی نماز کے بعد، بعض جگہ عشاء کے بعد اور بعض جگہ تہجّد کے بعد حلقۂ ذکر ہوتا ہے اور بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں مغرب اور عشاء کے بعد اور سحری کے وقت دو مرتبہ حلقۂ ذکر ہو جاتا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ جس کو جتنی توفیق دے وہ اُس کا فضل اور انعام ہے ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ذکرِ خفی سے تو انسان کو کسی وقت بھی غافل نہ ہونا چاہیے۔ لطائفِ ستّہ قلبی، رُوحی، سِرّی، نفسی، خفی اور اخفیٰ پر ذکر، پاسِ انفاس، ذکرِ اَرّہ، صفاتِ سبعہ کے مراقبے، سلطان الاذکار، نفی اثبات اور دوسرے اذکار ہر روز جاری رہنے چاہئیں۔ اور ذکرِ قلبی اور پاسِ انفاس سے تو کسی لمحہ بھی غفلت نہ برتنی چاہیے۔ پھر ان شاء اللہ ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ انسان سویا ہُوا ہوتا ہے مگر ذکر جاری رہتا ہے اور وہ "ہوش در دم" کی عملی تصویر بن جاتا ہے۔[1]

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۹ر جون ۱۹۶۶ء)

---

[1] جو دم غافل سو دم کافر (حضرت اقدسؒ بابا بُلّھے شاہ صاحبؒ سے نقل فرماتے تھے)

یہ حدیث مبارک تَنَامُ عَیْنَایَ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ (حضرت اقدسؒ اکثر پڑھتے تھے)

ہر پاگل مجذوب نہیں اور ہر مجذوب پاگل نہیں

مجھ سے ابھی ابھی کسی شخص نے مجذوبوں کے متعلق سوال کیا کہ ان کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور ان سے از رُوئے شریعت کیا برتاؤ کیا جانا چاہیئے؟ آخر یہ ننگ دھڑنگ پڑے رہتے ہیں، نماز وغیرہ کا اہتمام نہیں کرتے اور ان کی تمام حرکات بظاہر شریعت کے خلاف ہیں تو ان سے کس قسم کا سلوک ہونا چاہیئے؟ اِس پر مَیں نے اُسے جواب دیا کہ بھائی پہلے یہ تو بتاؤ کہ تم کو کسی کے مجذوب ہونے کا یقین کیونکر ہوگا؟ آپ کو کس طرح پتہ چلے گا کہ کوئی شخص فی الواقعہ مجذوب ہے؟ جب آپ کو علم ہی نہیں ہو سکتا تو پھر آپ اُس پر کوئی حکم کیونکر لگا سکتے ہیں؟ دیکھیئے! حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر پاگل مجذوب نہیں ہوتا اور ہر مجذوب پاگل نہیں ہوتا۔ نگاہِ باطن رکھنے والا تو فوراً پتہ چلا لے گا کہ یہ شخص کس درجہ کا ہے؟ یہ مجذوب ہے یا نہیں؟ ہے تو کس مقام کا ہے؟ اگر نہیں ہے تو اس میں ایمان ہے یا نہیں؟ لیکن عام آدمی اندازہ نہیں کر سکتا کہ یہ مجذوب ہے یا سر پھرا اور پاگل ہے۔ چنانچہ یقینی طور پر اس کے متعلق کچھ کہنا عام اور ظاہر دار آدمی کے لیئے مشکل ہے۔ جس طرح کھرے اور کھوٹے سکّے ہوتے ہیں اسی طرح کوئی مجذوب کھرا بھی ہو سکتا ہے اور کوئی بناوٹی اور کھوٹا بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی فاتر العقل ہی ہو۔ اس لیے آپ کسی کو دُکھ نہ دیں، تنگ نہ کریں اور اُن کو اپنے حال پر چھوڑ دیں۔ فاتر العقل کے لیئے شریعت نے رعایت رکھی ہے۔ بناوٹی مجذوب شریعت کی نگاہوں میں بدترین مجرم ہے اور کھرا مجذوب اگرچہ استغراق کے پیشِ نظر بظاہر ارکانِ اسلام کی پابندی نہیں کرتا اور مغلوب الحال ہوتا ہے اِس لیے قابلِ مواخذہ نہیں لیکن یہ بھی کسی صورت میں مقتدا و پیشوا نہیں ہو سکتا اور اس کا کوئی عمل شریعت میں کسی طرح حُجّت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اپنی جگہ اللہ تعالیٰ سے دِل کے تار جُڑے ہونے کی وجہ سے اگرچہ یہ بلند مقام پر ہو گا مگر شریعت و طریقت میں وہ راہنمائی اور ہدایت کے فرائض انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی اُسے ہادی و پیشوا اور مشعلِ راہ بنایا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بزرگوں کے کسی سلسلے نے مجاذیب کی بیعت روا نہیں رکھی اور نہ ہی خود مجذوب کسی کو بیعت کرتے ہیں۔ ان کو تو اتنا ہوش ہی نہیں ہوتا کہ وہ دُوسرے کی خبر لیں چہ جائیکہ اُن کو ہادی و پیشوا بنایا جائے۔ حُجّت صرف اللہ کا حکم ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت اور آپؐ کا طریقہ ہے، صحابہ کرامؓ کا طرزِ عمل ہے اور اُن کے نقشِ قدم پر چلنے والے علماء، صلحاء اور اولیاءِ امّت کا اجماع ہے۔ (مجلسِ ذکر ۹ جون ۱۹۶۶ء)

صُحبت کا رنگ

کبوتر کبوتروں کے ساتھ اور باز بازوں کے ساتھ کھانا پینا، رہنا سہنا رکھتا ہے۔ بُرے اور بد لوگ بُری مجالس میں بیٹھتے ہیں۔ اِسی طرح اگر آپ نیک بننا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آپ اپنا اُٹھنا بیٹھنا، اوڑھنا بچھونا نیک لوگوں کے ساتھ رکھیں جو اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرتے ہیں، جن کو آخرت کی فکر ہے، اُن کی صحبت میں بیٹھنے سے آپ پر بھی اُن ہی کا رنگ چڑھ جائے گا۔ (حوالہ: مجالس ذکر ۹ر جون ۱۹۶۶ء)

یہ کام سُنّت کے سراسر خلاف ہیں

ہم حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نام لیوا ظاہری زیب و زینت اور نمائش و آرائش میں تو مگن ہیں لیکن دِلوں کی دُنیا بدلنے کی ہمیں کوئی فکر نہیں۔ حقیقی اسلام سے ہمیں کوئی سروکار نہیں رہا اور اسراف و تبذیر کو ہم عین اسلام سمجھے بیٹھے ہیں۔ آخر یہ جلسے جلوس، جھنڈیاں، چراغاں اور اسی قسم کی دُوسری چیزیں کون سے اسلام کی ترجمان ہیں؟ مدینے والے نے تو ہمیں یہ تعلیم ہرگز نہ دی تھی۔ اصحابِ رسُول اللہ اور ہمارے اسلافؒ نے بھی یہ طریقِ کار میلادالنبیؐ منانے کا ہرگز ایجاد نہ کیا تھا۔ پھر کس بُنیاد پر اسراف و تبذیر کی یہ ساری عمارت اُٹھائی جاتی ہے؟ اس کا کوئی جواز ہے شریعتِ محمدیّہ میں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر یہ کہنا پڑے گا۔

ترسم کہ بکعبہ نرسی اے اعرابی! ۔۔۔ کیں راہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

دراصل مسلمانوں نے یہ غیر اقوام کی بھونڈی نقل شروع کر دی ہے اور جس طرح وہ اپنے تہواروں میں رنگ رلیاں اور اللّے تللّے کرتے ہیں ہم نے بھی اِس تقریبِ سعید کو لہو و لعب کا اکھاڑہ بنا دیا ہے۔ چِمٹے بجانا، مزامیر کا استعمال اور دورانِ جلوس نمازوں کا کوئی لحاظ نہ رکھنا کہاں کا اسلام ہے؟ اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے بچے ان دنوں بھیک مانگتے پھرتے ہیں اور ہر مُسافر کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے اور بارہ وفات کا چندہ مانگتے ہیں۔ کیا حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے امّت کو بھیک مانگنے کی تعلیم دی تھی؟ آخر ان لوگوں نے اُس نبیِ رحمت کا یہ ارشاد نہیں سُنا کہ نیچے والے ہاتھ سے اُوپر والا ہاتھ بہتر ہے؟ پھر چھوٹے چھوٹے بچّوں کو ہاتھ پھیلانے کی تعلیم دینا کہاں کی دانشمندی ہے؟ کیا اس عُمر میں ہاتھ پھیلانے والے بچّے ساری عُمر ہاتھ ہی پھیلاتے تو نہیں رہیں گے؟ یہ سب چیزیں ہمیں ٹھنڈے دل سے اور تعصب کی عینک اُتار کر دیکھنا چاہئیں اور غور کرنا چاہیئے کہ ان میں کیا کیا مفاسد پنہاں ہیں؟ ہمیں اپنے مسلمان بھائیوں کو محبّت سے سمجھانا چاہیئے کہ یہ طرزِ عمل اسلام کے ساتھ

دوستی نہیں بلکہ دوست نما دشمنی ہے اور ہم جس قدر جلد اِن چیزوں سے دست کش ہو جائیں ہمارے حق میں بہتر ہے۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۲۳ر جون ۱۹۶۶ء)

زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں

زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ نہ ہم اپنی مرضی سے آئے تھے اور نہ ہی اپنی مرضی سے جائیں گے۔ ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش مرحوم ماہر امراضِ دل بڑے مشہور ڈاکٹر تھے، میرے ماموں اُن کے زیرِ علاج تھے۔ ڈاکٹر مرحوم دُوسرے ڈاکٹروں کو ضروری ہدایات دے کر ایک ضروری کام کے لیے راولپنڈی گئے اور کہہ گئے کہ ان کا خاص خیال رکھنا میں پرسوں آکر ان کا علاج کروں گا۔ خدا کی قدرت دیکھیں کہ ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش مرحوم جو بالکل صحیح و تندرست تھے، کسی قسم کی بیماری نہ تھی دُوسرے ہی دن راولپنڈی میں دل کا دورہ پڑنے سے وفات پا گئے اور تیسرے دن لاہور اُن کی میّت آئی اور میرے ماموں صاحب بالکل صحتیاب ہو گئے۔ ـلہ (حوالہ: مجلس ذکر بر مکان حاجی بشیر احمد صاحب، کوٹ عبد المالک ۱۰ر جولائی ۱۹۶۶ء)

اَولاد کو اللہ والوں کے پاس بھی لے جایا کریں

جس طرح آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی اولاد آوارہ و نالائق نہ بنے، لائق و قابل بنے۔ اور اگر وہ پڑھائی میں کمزور ہوں تو اُن کے لیے پرائیویٹ ٹیوشن کا بندوبست کرتے ہیں تاکہ امتحان میں کامیاب ہو جائیں، اسی طرح اپنی اولاد کو نیک، متّقی و پرہیزگار بنانے کے لیے کوشش و ہمّت کریں، اُن کو دینی تعلیمات سے روشناس کرائیں، کسی اللہ والے کے پاس لے کر جایا کریں، قرآن و حدیث کے درس میں خود لے کر جائیں، قرآنِ مجید کی تعلیم دِلوائیں، اپنے اور اُن کے اخلاق کو اعلیٰ اور بلند بنائیں تاکہ وہ آئندہ زندگی میں دوسروں کے لیے رحمت بنے، لوگوں کی ہدایت کا سامان بنے اور آپ کے لیے صدقۂ جاریہ بنے۔ (حوالہ: مجلس ذکر کوٹ عبد المالک ۱۰ر جولائی ۱۹۶۶ء)

درجۂ کمال تک کیسے پہنچا جا سکتا ہے؟

اگر بیج شیشی یا بوتل میں رکھ چھوڑیں تو وہ یا تو ویسے ہی رہے گا یا پڑا پڑا خراب ہو جائے گا لیکن اگر اُسی بیج کو زمین میں بو دیا جائے تو اُس میں سے ایک ہرا بھرا پودا نکل آئے گا۔ ایک آم کی گٹھلی جب زمین میں اپنی ہستی کو فنا کر دیتی ہے تو وہ درخت بن کر ہر سال ہزاروں آم دیتی ہے۔ اِسی طرح انسان کمال تک اُس وقت تک نہیں پہنچتا جب تک وہ اپنے آپ کو اللہ کی رضا میں فنا نہیں کر دیتا۔

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مِل کر گُل و گلزار ہوتا ہے

مُرید کسے کہتے ہیں؟

ایک صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ "مُرید کسے کہتے ہیں"؟ مُرید کا مطلب ہے ارادہ کرنے والا۔ "مُرید" اُس طالب صادق کو کہتے ہیں جس کو ہر لمحہ اور ہر وقت آخرت کی نجات کی فکر لگی ہو، جس کو دُنیا کا کسی قسم کا لالچ نہ ہو، جو ہر وقت رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لیے بے چین ہو۔ جس طرح طالب علم کو امتحان میں پاس ہونے کی فکر لگی رہتی ہے، اُس کی کامیابی حاصل ہونے تک چین و سکون نہیں ملتا اِس طرح مُرید بھی ہر لمحہ نجاتِ اُخروی کے لیے فکرمند رہتا ہے اور ہر قدم اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق اُٹھاتا ہے۔ اِس کے لیے یہ دُنیا قید خانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اُسے مختلف قسم کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۲۵ اگست ۱۹۶۶ء)

اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کی غیب سے اِمداد فرمائی

تقریباً سب دینی مدارس والے چندہ کی اپیل کرتے ہیں لیکن حضرتؒ نے مدرسہ قاسم العلوم کی تعمیر کے لیے کبھی ایک پائی چندہ کی بھی اپیل نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے غیب سے امداد فرمائی۔
(حوالہ: مجلس ذکر ۲۵ اگست ۱۹۶۶ء)

بے پردگی کا سیلاب

آج کسے بتایا جائے کہ قرآنِ حکیم نے زنا کے محرّکات تک کو روکنے اور بے حیائی سے بچانے کے لیے کیا کیا احتیاطیں پیش کی ہیں۔ آج کون سمجھتا ہے کہ عورت کا تمام جسم ستر میں شامل ہے۔ صرف پہنچوں تک ہاتھ اور ٹخنوں سے نیچے تک پاؤں اور چہرہ کھلا رہ سکتا ہے اور وہ بھی محارم کے سامنے، لیکن اب کسی کو احساس ہی نہیں۔ آستینیں سُکڑ کر کہنیوں تک، کہنیوں سے بازوؤں تک اور بازوؤں سے بغلوں تک پہنچ گئی ہیں۔ گریبان کھلتے کھلتے سینہ کی عُریانیوں تک آپہنچا ہے۔ گریبان اور لمبی آستینوں کا تو رواج ہی معدوم ہو گیا ہے اور جو لباس پہنا جاتا ہے وہ اتنا باریک اور چُست ہوتا ہے کہ اُس میں جلد صاف جھلکتی ہے اور جسم کا ایک ایک عضو علیحدہ علیحدہ نظر آتا ہے۔ (حوالہ: خطبہ جمعہ، ۷ اکتوبر ۱۹۶۶ء)

بزرگوں سے دعا کرائیں لیکن خود بھی عمل کریں

آج کل بزرگوں سے دُعا کرانے پر بہت زور ہے لیکن خود کوئی کام نہیں کرتے۔ نہ نماز ہے نہ روزہ، نہ ذکر ہے نہ تسبیح۔ غرض کوئی عمل اللہ کی خوشنودی اور رضا کا نہیں کرتے۔ بس دُوسروں کی دُعا کو کافی و شافی سمجھتے ہیں۔ دُنیاوی مشکلات کو دُور کرنے کے لیے بزرگوں سے

وظیفہ پُوچھ لیتے ہیں۔ وظیفہ اور عبادت و ذکر کرنے میں صرف دُنیاوی نفع مقصود ہوتا ہے ــــ رضاءِ الٰہی نہیں ہوتی۔ (حوالہ: مجالسِ ذکر ۶ر اکتوبر ۱۹۶۶ء)

حضرت سندھیؒ نے مجھے[1] ریوڑیاں لانے کا حکم دیا

ایک دفعہ میرے اُستاد حضرت مولانا عُبید اللہ سندھی (اللہ تعالیٰ غریقِ رحمت کرے) نے فرمایا کہ ریوڑیاں لاؤ۔ عشاء کے بعد کا وقت تھا۔ مسجد فتح پوری کے پاس ایک چوبارہ تھا جس میں "نظارۃ المعارف قرآنیہ" قائم تھا۔ میں وہاں سے چلا، کئی بازار پھرا، کوئی ریوڑیوں والا نظر نہ آیا اور حضرت مولانا کی عادت تھی کہ اگر آکر یہ کہا جائے کہ چیز نہیں ملی تو خفا ہوتے کہ دہلی جیسے شہر میں چیز نہیں ملی؟ اس لیے میں پھرتا پھراتا دُور نکل گیا۔ ایک دکان نظر آئی۔ ایک بوڑھا آدمی جو مسجد فتح پوری کے پاس سارا دن چیخ چیخ کر ریوڑیاں بیچا کرتا تھا، وہاں بیٹھا تھا۔ اُس سے مَیں نے ریوڑیاں لیں۔ اللہ نے جو ریوڑیاں ہماری قسمت میں لکھی تھیں، اُن کے لیے کتنے چکّر کاٹ کر مَیں پہنچا؟ (راوی: حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ) (حوالہ: مجلس ذکر ۲۶ر اکتوبر ۱۹۵۶ء)

اپنے گھروں میں ذکر اللہ کیا کرو

قرآنِ پاک ذکر اللہ کی ترغیب سے بھرا پڑا ہے اور جناب رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی اُمّت کو کثرت سے ذکر اللہ کرنے کی بہت تاکید فرمائی ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، اُن کو اللہ کے ذکر سے منوّر کرو۔ حضرتؒ اِس حدیث کے ضمن میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اپنے بچّوں کو گھروں میں بٹھا کر ذکرُ اللہ کرایا کرو۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں گی، قلوب میں محبّت اور اُلفت پیدا ہو گی، گھروں میں لڑائی جھگڑے نہیں ہوں گے۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۸ر فروری ۱۹۶۷ء)

ذِکرُ اللہ سے تپ دِق دُور ہو گیا

میرے ایک دوست کو تپ دق ہو گیا۔ ہزاروں علاج مُعالجے کیے لیکن کچھ افاقہ نہ ہُوا۔ آخر مایُوس ہو کر مجھ سے کہنے لگے کہ "میری طبیعت ہر وقت بے چین رہتی ہے، نماز میں دل نہیں لگتا، مَیں اس زندگی سے بالکل نا اُمّید ہو گیا ہوں"۔ مَیں نے اُس کو حوصلہ دِلاسا دیا اور بلند آواز سے ذِکرُ اللہ کرنے کو کہا، اُس نے حضرتؒ کے مزار پر جا کر رونا شروع کر دیا۔ جب رونے سے دل بھر گیا تو ذِکر کرنا شروع کیا۔ آہستہ آہستہ اُسے ذکرُ اللہ کرنے کا

---

[1] حضرت لاہوری نوّر اللہ مرقدہٗ

شوق پیدا ہو گیا۔ اُس کا بیان ہے کہ "مَیں نے مسجدوں میں دن رات ذکرُ اللہ کیا۔ اب مَیں بالکل ٹھیک ہوں۔ اللہ کا نام لینے کی برکت سے میری تپِ دق کی بیماری دُور ہو گئی ہے"۔

(حوالہ: مجلس ذکر ۱۶ فروری ۱۹۶۷ء)

حضرت مدنیؒ کا مقام

سیّدی و مولائی، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی نوّر اللہ مرقدہٗ کو جن لوگوں نے دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت شیخؒ بڑے ہی متواضع اور بے نفس تھے اور اُن کی ہستی کامل طور پر فنا ہو چکی تھی۔ اُن کا ایک واقعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اکثر بیان فرمایا کرتے تھے کہ وہ بیت اللہ شریف حج کے لیے تشریف لے گئے وہاں حضرت مولانا عبداللہ فاروقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کا جُوتا اُٹھا لیا۔ بس پھر کیا تھا حضرت شیخؒ نے حضرت مولانا عبداللہ فاروقی صاحبؒ کا جُوتا اپنے سر پر رکھ لیا اور اُس وقت تک سر سے نہیں ہٹایا جب تک کہ مولانا فاروقیؒ نے آئندہ کے لیے ایسا نہ کرنے کا عہد نہیں کر لیا۔ علاوہ ازیں حضرت شیخؒ ہمیشہ اپنے نام کے ساتھ "ننگِ اسلاف حُسین احمد" لکھتے رہے۔ حالانکہ اُن کا مقام یہ تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ ساری دُنیا میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی نظیر اس وقت موجود نہیں ہے۔ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اُن کے متعلق یہ فرمایا تھا کہ پہلے تو ہم حضرت مولانا حُسین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بس ایک عالم ہی سمجھتے تھے لیکن ایک دن عالمِ جذب میں جو دیکھا تو جہاں حضرت مولانا حُسین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں تھے وہاں ہمارا سر تھا۔ حضرت امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ مدنیؒ کو تقویٰ کا پہاڑ کہا کرتے تھے اور اُن کا نام زبان پر آتے ہی عقیدت سے دل و نگاہ کو جُھکا دیتے تھے۔

(حوالہ: مجلس ذکر ۲۳ فروری ۱۹۶۷ء)

پاکستان میں اسلامی قوانین نافذ نہ ہو سکے

اس پاک سرزمین کو حاصل کرنے کے لیے علمائے ربّانی اور مسلمانوں نے بڑی بڑی قربانیاں دیں۔ انگریز کے ناپاک قدم کو یہاں سے ہمیشہ کے لیے نکال دیا۔ اسلام کے لیے، اللہ اور اُس کے رسولؐ کے قوانین کو نافذ کرنے کے لیے یہ مُلک حاصل کیا گیا۔ لیکن افسوس صد افسوس ہے کہ قانون انگریز کا بنایا ہُوا ہی چل رہا ہے۔ اللہ اور اُس کے رسُولؐ کے احکامات اور قوانین کو کسی حکومت نے بھی نافذ نہیں کیا۔

(حوالہ: مجلس ذکر یکم اپریل ۱۹۶۷ء)

مُرتد ہونے پر نزع کے وقت عذاب

دہلی میں ایک شخص تین دن تک موت و حیات

کی کشمکش میں مُبتلا رہا۔ وہ اس طرح کراہتا تھا اور ایسی خوفناک آواز پیدا ہوتی تھی جس طرح کسی بیل کے ذبح کرنے سے خوفناک آواز پیدا ہوتی ہے۔ سارے گھر والے اور محلہ دار اذیت میں مبتلا تھے جب وہ مر گیا تو میرٹھ کے عیسائی آگئے کہ لاش ہم لے جائیں گے کیونکہ یہ چند سال ہوئے عیسائی ہو گیا تھا اور اس نے ہمیں لکھ کر دیا ہُوا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میری لاش عیسائیوں کے حوالے کر دی جائے ۔ دُنیا کے چند سکّوں کی خاطر وہ مُرتد ہو گیا اور سخت عذاب میں ہمیشہ کے لیے مُبتلا ہو گیا۔

(حوالہ : مجلس ذکر ۷، اپریل ۱۹۶۷ء)

تلاوتِ قرآن کی جگہ اخبار نے لے لی ہے

ماضی قریب میں صبح سویرے گھر میں نمازِ فجر کے بعد تلاوتِ قرآنِ پاک ہوتی تھی۔ بچے، بوڑھے، عورتیں اور مرد سب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔ آج خدا کی نافرمانی کی سزا اور مار ہے کہ صبح نو بجے سے پہلے بستر سے نہیں اُٹھتے اور جو پہلے اُٹھ بیٹھتے بھی ہیں وہ نماز و تلاوت کے قریب تک نہیں جاتے (اِلّا ماشاءاللہ) آج صبح اُٹھنے کے بعد بستر میں چائے پی جاتی ہے اور پھر تلاوتِ قرآنِ پاک کی بجائے اخبار پڑھا جاتا ہے۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ہم اپنے آپ کو کہیں تو مسلمان اور کام کریں سب اللہ اور اُس کے رسُولؐ کی مرضی کے خلاف۔ صبح کی نماز اور تلاوت کا چھُوٹ جانا یہ اللہ تعالیٰ کی دُنیا میں سزا اور پھٹکار ہے۔ (حوالہ : مجلس ذکر ۱۸ مئی ۱۹۶۷ء)

لاکھ پتی کنگال ہو گئے

ہمارے محلہ ہی کا واقعہ ہے کہ ایک امیر ترین آدمی نے اپنے بیٹے کو کہا کہ "بیٹا! آج کالج پیدل چلے جاؤ یا تانگے پر چلے جاؤ کیونکہ کار خراب ہے"۔ بیٹے نے جواب دیا کہ مَیں آج کالج نہیں جاؤں گا کیونکہ بغیر کار کے کالج جانا میری بے عزّتی ہے"۔ باپ نے کہا کہ "بیٹا! ایک وہ وقت تھا کہ میرے والدین غریب تھے اور مَیں مسجد میں جا کر روشنی میں پڑھا کرتا تھا۔ اگر کار نہیں ہے تو کون سی حرج کی بات ہے؟" بیٹے نے جواب دیا کہ "ابّا! تم غریب باپ کے بیٹے تھے اور مَیں امیر باپ کا بیٹا ہُوں"۔ باپ کی وفات کے بعد اولاد میں ہر ایک کے حصّہ ۱۸، ۱۸ لاکھ روپیہ آیا، لیکن اولاد نے سارا روپیہ ضائع کر دیا اور پھر مانگنے تک نوبت آگئی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ رات کے اندھیرے میں اُن کے گھر آٹے کی بوری کمبل ڈال کر بھیجتے تھے اور مجھے فرماتے کہ تم دس قدم آگے رہنا کہیں کسی کو پتہ نہ چلے۔ ہمیں اُن کی ذلّت مقصود نہیں بلکہ امداد مقصود ہے کیونکہ اُن کے والد مرحوم اچھے آدمی تھے۔

(حوالہ : مجلس ذکر ۱۸ مئی ۱۹۶۷ء)

ایک عجیب و غریب واقعہ

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک انگریز عورت کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ لندن میں جہاں سب طرف شرک و کفر ہے اُس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عبادت و محبت کی لگن تھی۔ وہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں شاغل رہتی تھی۔ اُس دور میں ایک مسلمان انگریز پرست تھا، اُس کو انگریزی طرزِ زندگی محبوب تھی اور اسی طرح عیسائیت میں مُبتلا تھا۔ دونوں کی ایک ہی وقت میں موت ہو گئی۔ لڑکی لندن میں اور آدمی عرب کے ریگستان میں دفنایا گیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد اُس عربی کی قبر بیٹھ گئی اور ریت کے ہٹنے سے وہ قبر ننگی ہو گئی۔ اللہ کی قدرت! کہ اُس قبر میں ایک عورت کی نعش صحیح و سلامت، لندن کا پتہ لکھا ہُوا پائی گئی۔ تحقیق کرنے کے بعد معلوم ہُوا کہ یہ وہی مسلمان عورت تھی جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت تھی اور جو عبادت و ذِکر میں مشغول رہتی تھی۔ یہ عورت لندن کے قبرستان میں دفنائی گئی تھی اُس کی قبر کو کھود کر دیکھا تو اُس میں وہی انگریز پرست، انگریزی تہذیب و تمدن کا دِلدادہ دفن تھا۔ وہ عورت چونکہ نیک تھی اور عبادت و ذکر میں شاغل رہتی تھی اس لیے اُس کی قبر بھی نیک لوگوں کے قبرستان ہی میں بنی۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۱۵ر جون ۱۹۶۷ء)

تُرکوں کی اسلام سے عقیدت

مولانا ابوالحسن علی ندوی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خُلفاءِ مجاز میں سے ہیں۔ اُنھوں نے ایک دفعہ اپنا ایک واقعہ سُنایا کہ "مَیں تُرکی بذریعہ ریل جا رہا تھا۔ مَیں سمجھتا تھا کہ وہاں کے لوگ مُرتد ہو گئے ہیں، ڈاڑھیاں مُنڈا دی ہیں، طور طریقے سب یورپین ہیں"۔ کہنے لگے کہ "راستے میں ریل کے ڈبے میں چھوٹے چھوٹے بچے آتے اور ہماری ڈاڑھیوں کو چُومتے۔ مَیں بڑا حیران ہُوا۔ آخر مَیں نے ایک شخص سے سوال کیا " یہ کیا معاملہ ہے"؟ وہ کہنے لگے کہ" اگرچہ آج جدت پسندی کا دور ہے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ اَنمٹ ہے کہ یہاں اسلام اہل اللہ کی خدمات سے آیا تھا اور اُس کے نقش ہٹ نہیں سکتے۔ اگر کسی نے حکومت کے بل پر یہاں اسلام پھیلایا ہوتا تو کبھی کا مِٹ چکا ہوتا۔ یہ اہلُ اللہ صُوفیاءِ کرام کی خدمات ہیں جنھوں نے تالیفِ قلوب سے اسلام کا بیج بہت گہرا گاڑا۔ اگرچہ حکماً اُنھوں نے ڈاڑھیاں مُنڈا دیں اور پردے اُتر گئے لیکن ابھی تک اُن کے پُرانے لوگوں کے دلوں میں اہل اللہ کی توقیر ہے۔ جب آپ لوگ یہاں آئے تو ان نو عمر بچّوں کی بڑی بُوڑھیوں نے حکم دیا کہ جاؤ، ان اہل اللہ کی ڈاڑھیوں پر بوسہ دو"۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۶ر جولائی ۱۹۶۷ء)

مروّجہ "عیدِ میلادُ النّبیؐ" ایجادِ بندہ ہے

میرا چھوٹا بچّہ اکمل ایک روز پُوچھنے لگا "اِس عید میلاد النبیؐ میں عید کی طرح دو رکعت نفل کیوں نہیں پڑھتے اور غسل کیوں نہیں کرتے، نئے کپڑے کیوں نہیں پہنتے اور عیدی کیوں نہیں دیتے"؟ یہیں سے اندازہ لگالیں کہ آئندہ نسلیں سمجھیں گی کہ یہ بھی ایک اسلامی تہوار ہے۔ حالانکہ اسلام نے فقط دو عیدیں منانے کا حکم دیا ہے (۱) عید الفطر اور (۲) عید الاضحیٰ۔ مگر چودہ سو سال بعد ہمارے بھائیوں نے اِس موقع پر بھی اِن دو تہواروں سے بڑھ چڑھ کر اسراف و تبذیر کے ساتھ جشن منانا جب سے شروع کیا ہے تو خدشہ پیدا ہو گیا ہے کہ آئندہ نسلیں یومِ میلاد النبیؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ان دو تہواروں سے بڑھ چڑھ کر اسلامی شِعار اور تہوار سمجھنے لگ جائیں گی۔ یہاں سے یہ غلط فہمی نہ رہے کہ ہمیں معاذ اللہ، خاکم بدہن جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عزّت و شوکت اور آپؐ کی تعظیم و حشمت پسند نہیں بلکہ ہونا تو یہ چاہیئے کہ مسلمانوں کی کوئی مجلس اور شب و روز کا کوئی حصہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی یاد اور آپؐ کے اسوہ اور نمونہ کو اُجاگر کرنے کی سعی سے خالی نہ رہے ——

لیکن سارا سال تو چُپ سادھے رہیں اور بے عملی بلکہ بدعملی کا مظاہرہ کریں اور ایک روز جھنڈیوں، قمقموں، قندیلوں، آتش بازیوں اور اسرافِ بے جا کے جلوسوں میں مظاہروں کو جُزوِ دین بنالیں حالانکہ سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر علماءِ حق کے اس دَور کے اعمال اور اُن کے افعال و اقوال سے اس کا کہیں اَتہ پَتہ اور ثبوت نہیں ملتا۔ یہ "عید میلاد النبیؐ" تو ایجادِ بندہ ہے۔ جھنڈیاں لگانا، نماز تک چھوڑ دینا، جلوس نکالنا، چمٹے اور ہارمونیم بجانا اور فلمی دُھنوں پر گیت گانا، مردوں اور عورتوں کے بے محابا کُھلے بندوں اجتماعات میں نوجوانوں کا ناچنا، کُودنا، پھاندنا، تھرکنا، کیا یہی اسلامی تہذیب و تعلیم ہے؟ اور کیا اِس سے پہلے کبھی اُمّتِ مرحُومہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام نے اِس قماش کے نوجوانوں اور اُن کی ان حرکات کو پسند کیا ہے؟ یہ "عید میلاد النبیؐ" کے موجودہ طور طریقے اور جس طرح اِس میں رنگ بھرنے کی کوشش کی گئی ہے، کیا یہ ہمارے شیعہ بھائیوں کی محرّم الحرام میں اُن کی کارگزاریوں کی صدائے بازگشت نہیں ہے؟ ہمارے بھائی بند اُن کی غلط روِش کو تو بند نہ کرا سکے اُلٹا خود جوابی کاروائی کر کے ایک غلط رسم کا شکار ہو گئے اور لُطف یہ ہے کہ ہمارے ہاں جو بارہ وفات منائی جا رہی ہے محقّقین کے نزدیک وہ تاریخ بھی صحیح نہیں ہے چنانچہ ہمارے اس دَور کے محقّق مؤرّخین نے محمود پاشا فلکی کی تحقیقات کو صحیح قرار دیتے ہوئے ۹ ربیع الاوّل کو

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت و رحلت تسلیم کیا ہے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۳ جولائی ۱۹۶۷ء)

ذکرِ قلبی کا فائدہ

حضرت سہاگیؒ نے ایک مرتبہ مجھے فرمایا کہ "بیٹیا! ذکرِ قلبی کا طریقہ سیکھ لو اور ایک گھنٹہ یومیہ ذکرِ اللہ کا معمول بنالو، کبھی کسی دجل اور دجال کا اثر نہ ہوگا"۔ میرا دِل بہت کمزور تھا، اندھیرے میں ڈر لگتا تھا، سانپ سے بہت ڈرتا تھا، ذکرِ قلبی کا یہ اثر ہُوا کہ میرا دِل بہت مضبوط ہوگیا، نہ سانپ کا ڈر رہا اور نہ اندھیرے کا۔ اللہ کے ذکر کی برکت سے ہر چیز کا ڈر قلب سے نکل گیا۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۵ اکتوبر ۱۹۶۷ء)

موت یقینی ہے

اِس چند روزہ دُنیا کی زندگانی میں آنا اِتنا یقینی نہیں ہے جتنا جانا یقینی ہے۔ دن رات ہم دیکھتے ہیں کہ جو دُنیا میں آرہا ہے وہ اگلے جہان جارہا ہے۔ جو کل بڑے بڑے فرعون اور مغرور بنے بیٹھے تھے وہ آج منوں مٹّی تلے دبے ہُوئے ہیں۔ اِسی طرح جو آج زندگی سے لُطف حاصل کر رہے ہیں وہ کل نہیں ہوں گے۔ اِس لیے ہمیں ہر وقت موت کے لیے تیّار رہنا چاہیئے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۶ اکتوبر ۱۹۶۷ء)

دُنیا کی ہوس

گزشتہ دنوں مجھے کراچی جانے کا اِتّفاق ہُوا۔ مسلمانوں کی صرف دُنیا کے لیے دن رات کی دوڑ دُھوپ اور محنت و کوشش کو دیکھ کر بڑا دُکھ اور صدمہ ہُوا۔ یہودیوں کی طرح چوبیس گھنٹے دولت کمانے کی فِکر لگی ہُوئی ہے۔ دولت کو حاصل کرنے کے لیے دِن رات بسیں چل رہی ہیں۔ دولت کی بُھوک اور پیاس اتنی زیادہ ہے کہ اللہ کی عبادت اور ذکر کی طرف کسی کو خیال نہیں (اِلّا ماشاءاللہ) (حوالہ: مجلسِ ذکر ۲ نومبر ۱۹۶۷ء)

ایک مسکین کا حج کیسے ہُوا؟

بابا قائم الدینؒ شروع میں گھاس کاٹا کرتا تھا۔ حضرتؒ کے فرمانے پر گھاس کاٹنا چھوڑ دیا اور اللہ اللہ کرنا شروع کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بابا قائم الدینؒ کو وہ وہ نعمتیں دیں جو شاید ہی کسی کو نصیب ہوں۔ کئی لاکھ پتی اور کروڑ پتی، جو اپنے ہاتھ سے کام کرنا عار سمجھتے تھے، بابا قائم الدینؒ کے جُوتے اُٹھاتے تھے، اُن سے دُعائیں کرواتے تھے۔ اُن ہی میں سے ایک نے اُن کو بذریعہ ہوائی جہاز حج کروایا۔ اُن کو یہ سب نعمتیں اللہ تعالیٰ کی یاد کرنے کی وجہ سے حاصل ہُوئی تھیں۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۶ نومبر ۱۹۶۷ء)

بابا قائم دینؒ کی سادہ لوحی کا ذکر

بابا قائم دینؒ کو، جو ہماری مسجد کی زینت تھا، فوت ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا ہے، بالکل اَن پڑھ تھا اور ابتداءً گھاس کھود کر گزارہ کیا کرتا تھا۔ حضرتؒ نے گھاس کھودنا چھُڑوا دیا اور تازیست اُسے گھر سے روٹی بھجواتے رہے۔ بس حضرتؒ کی صحبت نے رنگ بدل کر رکھ دیا تھا۔ مجال ہے جو اُس سے کوئی فرض چھُوٹا ہو۔ فرض تو خیر بڑی بات ہے وہ سُنن و نوافل کا بھی اِس قدر پابند تھا کہ دُوسرے لوگ فرائض کی بھی اِتنی پابندی نہیں کر سکتے۔ ایک دن حضرتؒ کی خدمت میں عرض کرنے لگا ــــ "حضرت! یہ تو بتاؤ کہ جنّت میں تہبند کے ساتھ داخل ہونے دیں گے یا شلوار پہن کر"؟ وہ اِس معاملہ میں اِس قدر سوچا کرتا تھا کہ لباس وُہی پہنا جائے جو جنّتیوں کا ہوگا۔ حضرتؒ نے ازراہِ تفنّن ہنس کر جواب دیا " توُں دوئویں چیزاں نال لے جائیں جیہڑی پا کے لنگن دین اوہ پا کے لنگ جائیں" (یعنی تم دونوں چیزیں ساتھ لے جانا جس کو پہن کر گزرنے دیں وہی پہن کر گزر جانا)

(حوالہ: مجلس ذکر ۲۳ر نومبر ۱۹۶۷ء)

انعاماتِ خداوندی پر شکر

مَیں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اُنھوں نے ہمیں اشرف المخلوقات بنایا۔ اگر مُرغی بناتے، مچھّر بناتے تو ہم کیا کر سکتے تھے؟ پھر آج دُنیا میں دہریہ ہیں، کمیونسٹ ہیں، کئی کئی گمراہ فرقے ہیں، اللہ کا شکر ہے کہ ہمیں اللہ نے مسلمان بنایا پھر کئی قِسم کے لوگ گناہوں میں مُبتلا ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہمیں اُس نے اللہ والوں کے ساتھ وابستگی نصیب فرمائی۔ (حوالہ: اقتباس از تقریر جلسہ دستار بندی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔ مورخہ ۸ر اکتوبر ۱۹۶۷ء مطبوعہ خدام الدین ۲۲ر دسمبر ۱۹۶۷ء)

حضرت امروٹیؒ رحمۃ اللہ علیہ کا کشف

گزشتہ جنگِ عظیم میں جب تُرک شکستوں پر شکستیں کھا کے ختم ہوئے جا رہے تھے اور بظاہر یہی تھا کہ برطانیہ، فرانس وغیرہ اتّحادی تُرکیہ یورپ کے مردِ بیمار کے حِصّے بخرے کرلیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے تھے کہ حقیقتِ حال کیا ہے۔ حکیم اجمل خاں صاحبؒ، جن کی سالگرہ کے تذکرے آج کل اخباروں میں آ رہے ہیں وہ حضرت شیخ الہندؒ کے مُرید تھے۔ حافظِ قرآن، بڑے دیندار تھے، قوم کے بڑے خیر خواہ تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ انھیں بڑی عقیدت اور تعلّقِ خاطر تھا۔ حضرتؒ نے ہمیں کئی دفعہ یہ قصّہ سُنایا کہ حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ کو جب شیخ الہندؒ نے " نظارۃ المعارف القرآنیہ" فتح پوری مسجد میں قرآن حکیم کی انقلابی تفسیر پڑھانے

کے لیے دہلی بھیجا، اُس کلاس میں پانچ علی گڑھ یونیورسٹی کے گریجویٹ جن میں جناب قاضی ضیاء الدین صاحب، خواجہ عبدالحیٔ فاروقی، شائق احمد صاحب عثمانی، جناب انیس احمد بی اے، جناب مولانا مظہر الدین صاحب اور ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ دریں اثناء امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو کابل جانے کا حکم ہو گیا (پہلی جنگِ عظیم کے دوران) تو وہ تشریف لے گئے۔ حکیم صاحب (اللہ تعالیٰ غریقِ رحمت فرماتے) کو شیخ الہندؒ نے سرپرست بنایا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ حضرت سندھیؒ کے قائمقام قرار پائے۔ پھر انگریز گرفتار کر کے حضرتؒ کو لاہور لے آئے، اُس قدیم تعلق کی بناء پر جب بھی حکیم اجمل خانؒ کبھی لاہور سے گزرتے تو حضرتؒ کو تار دے کر سٹیشن پر مل لیا کرتے تھے۔ حضرتؒ نے بتایا کہ ایک دفعہ حکیم صاحبؒ مری جا رہے تھے تو مجھے تار دے کر اُنھوں نے سٹیشن پہ بُلوایا۔ بڑے غمگین اور پریشان حال تھے۔ کہنے لگے "کیا تُرک دُنیا سے ختم ہو جائیں گے؟ کیا خلافت کا خاتمہ قیامت تک کے لیے ہے؟ کیا مسلمانوں کا عُروج اب بالکل ناممکن ہو گیا ہے؟ یا ہر کمالے را زوال اور پھر زوال کو کمال۔ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔ جو ہوتا رہتا ہے، کبھی کے دن بڑے کبھی کی راتیں، اگر وقتی زوال ہے تو پھر تو اور بات ہے اور اگر ہمیشہ کے لیے ہے تو پھر تو بڑی پریشانی کا باعث ہے" حضرتؒ فرمانے لگے کہ "میرے شیخ حضرت امروٹیؒ، اِس مسئلے کا انکشاف فرما سکتے ہیں ——— ——— حکیم صاحبؒ نے کہا" آپ سِندھ تشریف لے جائیے، میری طرف سے سلام و نیاز پیش کیجیے اور حضرت امروٹیؒ سے میرا یہ عُقدہ حل کروالیئے"۔ تو حضرتؒ فرماتے ہیں مَیں امروٹ شریف گیا۔ حکیم صاحبؒ نے مجھے بتلایا تھا کہ "مَیں فلاں تاریخ کو پھر دہلی جاتے ہُوئے لاہور سے گزروں گا"۔ تو حضرتؒ فرمانے لگے "مَیں نے حضرت امروٹیؒ کی خدمت میں جا کر بالکل اسی طرح عرض کیا— حضرت امروٹیؒ مسجد میں بیٹھے ہُوئے تھے"——— اللہ نے اِس گنہگار کو وہ مسجد دکھائی ہے، اللہ آپ کو بھی دکھائے۔ نیچے نہر جاری ہے اور اُوپر مسجد بنی ہُوئی ہے۔ انگریزوں نے شہید کرنے کی ہزار کوشش کی، شیخؒ زندہ تھے (حضرت امروٹیؒ) اُنھوں نے کہا مسجد یہیں رہے گی، نہر چاہے کہیں چلی جائے۔ آخر بڑے طُول طویل لڑائی جھگڑے کے بعد سمجھوتہ ہُوا اور انگریزوں نے کہا مسجد اسی طرح قائم رہے گی، نہر ہم نیچے سے گزار لیتے ہیں۔ حضرت امروٹیؒ نے اس کی اجازت دے دی۔ یہ اُس مردِ مومن کے ایمان کا اندازہ وہاں جا کے ہوتا ہے۔ اِس گاؤں کی مسجد میں حضرت امروٹیؒ تشریف فرما تھے اور حضرتؒ نے جب یہ واقعہ بیان کیا تو ایک منٹ کے لیے اُنھوں نے مراقبہ فرمایا اور سِندھی

زبان میں فرمایا کہ " اُن سے فرما دو بیٹیا کہ تین چار مہینوں کے اندر اندر انشاء اللہ تُرک غالب آئیں گے اور اتحادیوں کی فوجیں تُرکی سے نکل جائیں گی"۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات اتنے یقین اور وثُوق کے ساتھ کہنا، یہ اللہ کی دین ہی تھی۔ علمِ نجوم و افلاک کا بڑے سے بڑا ماہر بھی اتنے وثوق کے ساتھ یہ کہنے کی جُرأت نہیں کر سکتا کہ تین چار مہینوں کے اندر یقیناً یہ کچھ ہو جائے گا۔

حضرتِ اقدسؒ فرماتے ہیں کہ مَیں یقین و اطمینان کے ساتھ واپس آیا، حکیم صاحبؒ سے حسبِ پروگرام ملاقات کی اور اُن کو جواب دیا تو وہ خوش ہو گئے، اُن کا چہرہ تمتما اُٹھا۔ تین مہینے اور غالباً نو دس دِن گزُرے تو رائٹر کے حوالے سے دُنیا بھر کے اخباروں میں یہ خبر چھپی کہ ترکی میں مُصطفےٰ کمال اور اُس کے بہادر تُرک ساتھیوں نے جوابی انقلاب برپا کر دیا اور یُونانی اور اتحادی افواج سے ایک خونریز جنگ لڑ کر کمالی ترکوں نے تُرکیہ کی مقدّس سرزمین سے نکال باہر کیا۔

حکیم صاحبؒ نے حضرتؒ کو خط لکھا کہ جب آپؒ نے مجھے یہ جواب دیا تھا مجھے اُس وقت سے چین کی نیند آ رہی تھی، مَیں مطمئن تھا، لیکن اب جب کہ یہ واقعہ ایک حقیقت بن چکا ہے اور تاریخ بن چکا ہے، مَیں حیران ہُوں کہ اِس وقت تک ایسے اللہ کے بندے موجُود ہیں کہ اتنے یقین کے ساتھ تقدیرِ الٰہی کو پڑھ کر بتا سکیں!

ذرا خیال فرمایئے یہ بات اِس وقت ہوتی تو آپ بھی حیران ہوتے۔ یہ اب چونکہ ایک تاریخی حقیقت بن چکی ہے اور گزُرا واقعہ ہے، چنداں اس کی اہمیت محسوس نہیں ہوتی لیکن یہ فنا فی ذاتِ باری تعالیٰ ہونے پر خصُوصی انعام اور کشف کی انتہا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہی چیز اگر نبی کے واسطے سے ظاہر فرما دیں تو وہ اصطلاحاً وحیٔ الٰہی بن جاتی ہے اور یہ چیز اولیائے کرام کے واسطے سے اِظہار فرمائیں تو وہ کشف و کرامت کہلاتی ہے۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے ذِکرُ اللہ سے تو رضائے الٰہی مقصُود ہے رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَر۔ رضائے مولیٰ بر ہمہ اَولیٰ، لیکن اللہ کے نام کی جو برکتیں اور عظمتیں دُنیا میں ظاہر ہوتی ہیں اُن کا کوئی شمار اور حساب نہیں۔ آخرت میں تو سُرخرو ہوں گے ہی، اِسی لیے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ والوں کی جُوتیوں کی خاک میں وہ موتی ملتے ہیں جو دُنیا کے بادشاہوں کے تاجوں میں نہیں ہوتے۔ یہ حقیقت اور واقعہ ہے۔ یہی ایک موتی کیا کم ہے! یہ چیزیں مقصُود بالکل نہیں لیکن ضمناً اگر ہاتھ آ جائیں تو بُرا کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھنے، اُن سے اخذِ فیض کر کے یہ موتی حاصل

کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔ (حوالہ مجلس ذکر یکم فروری ۱۹۶۸ء)

قانونِ اسلام کی برکات

ہم سائنس اور ٹیکنالوجی کے مخالف نہیں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ ہماری قوم ہر شعبہ میں ترقی کرے مگر اس کے ساتھ ساتھ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ بھولے ؎

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کو خسارہ (اقبال)

شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ نے رات کتنا عمدہ خطاب فرمایا کہ اقوام عالم کی برادری میں اگر قانونِ اسلام رائج کیا جاتا تو سارے مسائل حل ہو جاتے۔ نہ نسلی امتیاز رہتا، نہ کالے گورے کی لڑائیاں ہوتیں، نہ کشت و خون ہوتے، نہ دنیا بھوکی مرتی، نہ "روٹی روٹی" کی صدائیں آتیں۔ انھوں نے صحیح فرمایا کہ ہمارے نمائندوں کو خوف آتا ہے کہ ہم نے اسلام کی بات کہہ دی تو "رجعت پسند" کہلائیں گے۔ (حوالہ: اقتباس از تقریر جلسہ دستار بندی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، ۸ راکتوبر ۱۹۶۷ء مطبوعہ خدام الدین ۲۲ دسمبر ۱۹۶۷ء)

احترامِ رمضان

مَیں اپنے مُلک کے حکمرانوں سے کہتا ہُوں کہ کاش تمھیں خدا توفیق دیتا رمضان جو اصل عبادت اور قرآن کی سالگرہ کا مہینہ ہے اِس کا ادب ملحوظ رکھتے مگر افسوس معاملہ برعکس ہوتا ہے۔ (حوالہ مجلس ذکر ۳۰ رمئی ۱۹۶۸ء)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی فیّاضانہ شان

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب بھی حج وعمرہ کے لیے حرمین الشریفین تشریف لے جاتے تو باقاعدہ روزے رکھتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ مَیں دوسروں کو تو نہیں کہتا لیکن گرمی سردی کی پروا کیے بغیر روزے اِس خیال سے رکھتا ہوں کہ اس طرح کھانے پینے اور دیگر ضروریات سے بے نیاز ہو جاتا ہوں اور حرمین شریفین میں بیٹھنے کا زیادہ سے زیادہ موقع ملتا ہے۔ دُوسرا یہ ہے کہ مسجدِ حرام اور مسجدِ نبویؐ میں ایک ایک رکعت اور ایک ایک نماز پر ایک لاکھ اور پچاس ہزار کا ثواب ہے تو روزے کا حساب بھی اللہ تعالیٰ اسی حساب سے لگائیں گے۔ پھر حضرتؒ کی عجیب عادت تھی کہ سو سو، دو دو سو، چار چار سو روپے وہاں پر غریبوں، یتیموں، مسکینوں میں بانٹتے رہتے آخری دن اپنی جیب میں جو ہوتا سب خرچ کر دیتے اور جیب خالی کر لیتے۔ اور کوئی نہ ملتا تو جو

لوگ وہاں پر جوتوں کی حفاظت کرتے ہیں اُنہی کو لُٹا دیتے اور دمڑی جیب میں نہ لاتے ٹکٹ تو اُن کے پاس واپسی ہوائی جہاز کا ہوتا ہی تھا۔ اس لیے کھانے پینے اور ضروری حوائج کے علاوہ اُنکا اور کوئی خرچ ہی نہ تھا اِس لیے فرمایا کرتے تھے کہ یہاں پیسہ دے کر جانا کمال ہے نہ کہ واپس لے کر جانا۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۳۰ مئی ۱۹۶۸ء)

حرمین الشریفین میں حضرتؒ کے معمولات

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عادت ہوتی تھی کہ خانہ کعبہ کی مسجد میں بیٹھے رہتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ خانہ کعبہ کا طواف کر کے جب انسان تھک جائے تو خانہ کعبہ کی زیارت خود عبادت ہے۔ اسی طرح مدینہ منورہ میں جب روضۂ اطہر اور مسجدِ نبویؐ کی زیارت بجائے خود عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔ سارا سارا دن آپؒ کا معمول یہی ہوتا۔ تہجد کے وقت جب پہلی اذان ہوتی تو سب سے پہلا قدم جو مسجدِ نبویؐ یا حرم شریف میں داخل ہوتا وہ قدم حضرتؒ ہی کا ہوتا تھا اور سب سے بعد میں جو قدم باہر نکلتا وہ بھی حضرتؒ ہی کا ہوتا۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۳۰ مئی ۱۹۶۸ء)

حجاز میں حضرتؒ کی خوراک

حجاز میں چھوٹے چھوٹے کھیرے بڑے پیارے اور اچھے ملتے ہیں۔ حضرتؒ دو یا تین چھوٹے چھوٹے کھیروں سے روزہ رکھتے تھے اور تربوز کے پانی سے افطار فرماتے تھے۔ نہ زیادہ کھاتے نہ زیادہ پریشان ہوتے۔ ایک تربوز لے لیتے، وہی غذا بن جاتی وہی پانی بن جاتا۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۳۰ مئی ۱۹۶۸ء)

حضرتؒ کی عُلماء کو نصیحت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ کراچی میں علماء کی مجلس کے اندر تشریف فرما تھے۔ اُنھوں نے کہا "حضرت! ہمیں کوئی نصیحت فرمائیں"۔ تو حضرتؒ نے فرمایا "بھائی! ایمان کی تعلیم تو وُہی ہے جو ہم آپ تشریح کرتے ہیں لیکن میرا پچھتر سالہ تجربہ یہ ہے کہ ایمان اللہ کے فضل سے نصیب ہوتا ہے اور اللہ کے فضل سے باقی رہتا ہے"۔ فرماتے ہیں" آپ کی کیا بات کروں، مَیں اپنے ایمان سے مشوّش ہُوں، شیطان ہر وقت پیچھے پڑا ہُوا ہے، کہیں ٹھِبی نہ دے دے۔ اس لیے جب تک قبر میں ایمان سلامت نہ چلا جائے مَیں اپنے ایمان سے مطمئن نہیں ہوں چہ جائیکہ مَیں دوسروں کی بات کروں"۔

(مجلس ذکر ۳۰ مئی ۱۹۶۸ء)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی شان

ہمارا عقیدہ ہے کہ محبوبِ ربّ

العالمین کے وجودِ مسعود کا اطہر و اقدس حصّہ زمین کے جن پاکیزہ ذرّات سے مس کر رہا ہے اُن کا درجہ عرش و فرش سب سے بڑھ کر ہے۔

اللہ کے ایک مقبول ولی نے مدینہ طیّبہ میں بتایا کہ جناب رسُولِ مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم کا وجُودِ مقدّس مدینہ منوّرہ کی جس سطحِ زمین میں اس وقت موجُود ہے، کبھی موقع ملے تو آپ دیکھیں کہ حدُودِ مدینہ کے اندر اُس حصّہ خاص کی رنگت اور خوشبو دوسرے ذرّات سے خاصی مختلف ہے۔

خُدا کی قدرت کہ مجھے ایک دفعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی معیّت میں ایسے ہی ایک موقعہ پر حرمین الشّریفین کی حاضری کا شرف حاصل ہُوا کہ جب حرمین کی توسیع ہو رہی تھی اور مدینہ منوّرہ میں مسجدِ نبویؐ کی توسیع کے لیے اطراف و جوانب میں جگہ جگہ مکانات اور دُکانیں پیوندِ زمین ہو رہی تھیں اور سڑکوں کی توسیع و تعمیر کے سلسلے میں بڑی تیزی سے کھُدائی ہو رہی تھی تو مجھے بیسیوں جگہ اس آزمائش کا موقع مِلا۔ سو واقعہ یہ ہے کہ میری ناقص اور ناچیز رائے میں اُن کا فرمُودہ برحق تھا۔ اور ان گناہگار آنکھوں نے دسیوں جگہ اس کیفیّت کا بطورِ خاص مشاہدہ کیا اور بعض اپنے احباب کو اُس موقعہ پر دکھانے اور مشاہدہ کرانے کا موقعہ ملا تو اُنھوں نے بھی اس کی توثیق و تائید فرمائی۔

(حوالہ: مجلس ذکر شاہی جامع مسجد بیگم پورہ لاہور ۱۵ جون ۱۹۶۸ء)

خاکِ مدینہ کو سُرمہ بنانے سے حضرتؒ نے چشمہ اُتار دیا

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو حرمین الشّریفین کے اُن خوش قسمت اَغوات (جمع آغا) سے اکثر و بیشتر شرفِ ملاقات حاصل ہوتا۔ مدینہ منوّرہ میں ایک مرتبہ روضہ اطہر کی جالی کے اندر قبر شریف پر جو غلافِ خاص زیبِ تعویذ ہے اُس غلافِ مکرّم کی خاکِ پاک جو میسّر آئی تو حضرتؒ کو ایک آغا (”آغا“ حضرت بلالؓ کی نسل کے اُن لوگوں کا لقب ہے جو حرمین الشّریفین کی خاکروبی کے معزز عہدے پر فائز ہیں اور مستقل طور پر مکّہ مکرّمہ اور مدینہ شریفہ میں معتکف ہیں) نے ہدیّۃً پیش کی۔ حضرتِ اقدسؒ نے روضۂ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خاکِ مقدّس جوشِ عقیدت میں اپنے سُرمے میں شامل فرما کر زیبِ چشم فرمانا شروع کی۔ خدا کا کرنا چند دِنوں بعد دُور و نزدیک کی نگاہ میں کمزوری تھی وہ قطعی طور پر دُور ہو گئی اور پھر وفات تک حضرتؒ نے نزدیک اور دُور کے چشمے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔

اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ دورانِ قیامِ دہلی عینِ عُنفوانِ شباب میں حضرتؒ پر فالج

گرا۔ اُس وقت کے دلّی کے بے تاج بادشاہ مرحوم و مغفور مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحبؒ نے (جو نظارۃ المعارف القرآنیہ کے بطورِ خاص حضرت شیخ الہندؒ کے مقرر کردہ سرپرست تھے) حضرتؒ کو سنکھیا کا کُشتہ، گھی، دُودھ، دہی، مسکہ وغیرہ کے ہمراہ استعمال کرنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ مگر کسی وجہ سے اس بدرقہ کو استعمال نہ کر پائے۔ اگرچہ اُن کے علاج سے مرض سے تو کامل طور پر چھٹکارا ہوگیا مگر کچھ عرصے بعد محسوس ہُوا کہ نزدیک اور دُور کی دونوں بینائیاں کافی متاثر ہو چکی ہیں مجبوراً نزدیک اور دُور کے لیے چشمے سے کام لینا پڑا تا آنکہ اس سُرمے سے خدا نے وہ پُرانی بینائی کی کمی و کمزوری دُور فرما دی۔ بلکہ اخیر زمانے میں تو کیفیت یہاں تک پہنچی کہ اکثر و بیشتر عیدین و رمضان کا چاند بلا تکلّف دیکھ لیتے۔ (حوالہ: مجلس ذکر شاہی جامع مسجد، بیگم پورہ لاہور ۱۵ر جون ۱۹۶۸ء)

کسبِ حلال کی برکات

خدا کی قدرت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مُرشد و مربّی حضرت مولانا سیّد تاج محمود امروٹی رحمۃ اللہ علیہ سے جعفر شاہ نامی ایک سندھی نوجوان بیعت ہُوا اور حسبِ عادت حضرت امروٹیؒ نے آئندہ شریعت کی خلاف ورزی سے باز رہنے کی تلقین کی۔ وہ اتّفاق سے حجامت بنانے کا کام کرتا تھا۔ اگلے روز جو گاہک آئے تو اُس نے پہلے ہی اُن سے صفائی سے بات کہہ دی کہ بھائی! شریعت کے مطابق حجامت بنوانی ہو تو بندہ حاضر ہے اور خلافِ شریعت حجامت بنانے کو بندہ اب خیرباد کہہ چکا ہے۔ تو اُس کے سابق گاہکوں نے کہا، جس سے سر منڈائیں گے تو ڈاڑھی بھی اُس سے ترشوالیں گے، پھر یہ دو کام الگ الگ کیسے کیے جا سکتے ہیں؟ بالآخر اُس غریب نے تنگ آکر اس پیشے کو ترک کر دیا اور تلاشِ معاش کے طور پر سُرمہ بنانے کی آزمائش کی۔ اللہ نے اُس کے سادے سیدھے سُرمے میں شفا ڈال دی اور وہ خاصا بکنے لگ گیا۔ جب کبھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ لاہور سے سندھ تشریف لے جاتے تو وہ چند ماشے کی شیشی ایک روپے میں عام طور پر بیچا کرتا تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ڈھائی ڈھائی تین تین پاؤ کی بڑی بڑی بوتلیں سُرمے کی بھر کر ہدیۃً پیش کیا کرتا تھا۔ اُس نے یہ معمول زندگی بھر جاری رکھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں اُسے تاحیات مُفت بانٹتے رہے۔ کیونکہ وہ سُرمہ بکثرت پیش کیا کرتا تھا اسلیے امّاں جی مرحومہ مستورات میں اور حضرت مولانا حبیب اللہ صاحبؒ حرمین الشّریفین میں اور حافظ حمید اللہ صاحبؒ (چھوٹے بھائی) اور یہ سیہ کار لاہور میں اپنے احباب میں اسی طرح اُس وقت سے دونوں حضراتؒ کی حیاتِ مستعار تک مُفت تقسیم کرتے رہے۔ اِس سیہ کار نے تو وہ سُرمہ جس میں خاکِ شفا

بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ڈال رکھی تھی اور جعفر شاہ صاحب کا بقیہ سُرمہ دونوں یکجا کر کے تقسیم کرنا شروع کر دیا تاکہ وہ سابقہ برکات جاری وساری رہیں۔ کچھ مدّت بعد جب یہ سُرمہ قریب الاختتام تھا تو اللہ کے ایک نیک بندے ذکر فکر کے لیے ساہیوال سے لاہور تشریف فرما ہوئے۔ وہ ساہیوال میں اپنا مطب کرتے ہیں۔ اُن سے کہا کہ اِس سُرمے کے اجزا تحقیق فرمالیں اور بہ نیّت ثواب بقیمت بنا دیا کریں تاکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے جو صدقۂ جاریہ جاری ہے وہ جاری رہ سکے۔ سو الحمد للہ وہ سُرمہ جعفر شاہ صاحب ہی کی طرح بکثرت بنا کر مہیّا فرما رہے ہیں۔ متعدد بار اِس اصرار کے باوجود کہ یہ سُرمہ مَیں نے اپنی نجات کے لیے صدقۂ جاریہ کے طور پر جاری کیا، لہٰذا اجزاء اور محنت کے پُورے دام وصول فرمائیں لیکن انھوں نے ایک دفعہ بھی وصول نہ فرمایا اور جعفر شاہ صاحب ہی کی طرح مُفت عطا فرما رہے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کے مؤذن حاجی تاج الدین صاحب مرحوم جو برس ہا برس حسبۃً للہ جامع شیرانوالہ میں پانچوں وقت کی اذان دیا کرتے تھے، اخیر عُمر میں نظر کی کمزوری کی بنا پر حضرتؒ سے یہ خدمت ترک کرنے کا اِرادہ ظاہر کیا تو حضرتؒ نے جعفر شاہ والا وہ سُرمہ جس میں خاکِ شفا بھی ڈال رکھی تھی تھوڑا سا عطا فرمایا۔ اللہ کی قدرت ہفتہ عشرہ کے بعد حاجی تاج الدین صاحب مرحوم نے خود ہی حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ذِکر کیا کہ یا تو مجھے قرآنِ حکیم کے موٹے موٹے الفاظ بھی ٹھیک سے دکھائی نہ دیتے تھے یا پھر اب جناب کے عطا کردہ سُرمے کی برکت سے مسجد میں داخل ہوتے ہی حوض کے کنارے چلتے پھرتے لوگوں کو صاف طور پہ دیکھ اور پہچان لیتا ہُوں۔ [۱]

(حوالہ: مجلس ذکر شاہی مسجد بیگم پورہ لاہور ۱۵ جون ۱۹۶۸ء)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر خصوصی انعام الٰہی

حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر جو اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامات تھے وہ فرمایا کرتے تھے اُن میں سے ایک یہ ہے کہ پہلے دُوسرے حج پر غالبًا مَیں طواف کے بعد چاشت کے قریب مقامِ ابراہیم پر نوافل پڑھ رہا تھا کہ کسی نے آ کر مقامِ ابراہیم کا تالا کھولا۔ خدا معلوم فرشتہ تھا، جِنّ تھا یا انسان، اور حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا وعلیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے نقشِ قدم کو اپنے کپڑے سے صاف کیا اور زم زم شریف لا کر اُس پر اُنڈیل کر مجھے کہنے لگا تعالَ یا شَیخ اِشرَب۔ مَیں نے اللہ تعالیٰ کا انعامِ خصوصی سمجھتے ہوئے فورًا

---

[۱] حضرتِ اقدس امام الہدیٰؒ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی بھیجی ہُوئی خاک روضۂ اطہر کو بھی اسی سُرمے میں شامل فرما لیا اور بحمد اللہ اب تک چل رہا ہے۔

اُس اثرِ قدم میں بلّی کی طرح مُنہ لگا کر پانی پی لیا۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۲۰ جون ۱۹۶۸ء)

جنّ و انس کی پیدائش کا مقصد

اللہ ربّ العزّت کے اس فرمانِ واجب الاذعان کو عارفِ رُومی نے اپنی زبان میں کیا چار چاند لگائے ہیں ؎

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ را بخواں
جُز عبادت نیست مقصودِ جہاں

ایک اور جگہ ارشاد ہے ؎

زندگی ہست از برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی
گر تُو خواہی حُرّی و دِل زندگی
بندگی کُن بندگی کُن بندگی

اسے خواجہ عزیز الحسن مجذوب نے کیا خُوب اُردو کا جامہ پہنایا ہے ؎

تُو برائے بندگی ہے یاد رکھ
بہرِ سر افگندگی ہے یاد رکھ
ورنہ پھر شرمندگی ہے یاد رکھ
چند روزہ زندگی ہے یاد رکھ

(حوالہ: مجلس ذکر ۲۷ جون ۱۹۶۸ء)

عبادات پر انعاماتِ الٰہیہ کا ایک عجیب واقعہ

ایک واقعہ مجھے یاد آگیا کہ ایک دفعہ ہمارے معظّم و مکرّم بھائی حضرت مولانا حبیبُ اللہ مدینہ منوّرہ میں اللہ تعالیٰ سے یہ منّت مان آئے کہ مَیں ایک ہزار طواف کروں گا کہ اللہ تعالےٰ مجھے والدین سے اس حج میں ملاقات کرا دے۔ سو اللہ کی قُدرت کے قربان جائیے کہ یہاں حالاتِ سفر ہم تینوں کے حق میں چنداں سازگار نہیں تھے لیکن ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ یہ مشکلات اور درمیانی موانع دیکھتے ہی دیکھتے از خود دُور ہوتے چلے گئے اور اللہ تعالیٰ نے جلد سے جلد حرمِ کعبہ شریف میں پہنچا دیا۔

اب یہ بات بظاہر تو آسان ہے لیکن عملاً انسان کو اس کی دُشواریوں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

مختصراً اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک سال سفرِ حج کے لیے گھر میں ایک ہی شخص کے لیے زادِ راہ تھا۔

اِس لیے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اِس سیہ کار سے فرمایا "تم اپنے لیے درخواست دے دو۔ وہاں مولوی حبیب اللہؒ بھی یہ دُعائیں کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ والدین ماجدینؒ کو سفرِ حج پر لائیں۔ اس لیے میں اگر اکیلا جاؤں اور تمھاری والدہ ساتھ نہ ہو تو ظاہر ہے اُس کی خوشی پُوری نہ ہوگی۔ گزشتہ برس چونکہ مولوی حمید اللہ سفرِ حج میں ہمارے ساتھ تھا اِس لیے اس سال تمھارا ہی نمبر ہے"۔

چونکہ حج کے فارم میں پوچھا جاتا ہے کہ اِس سے قبل حج کیا ہے یا نہیں، ظاہر ہے ہم لوگ غلط بیانی سے تو رہے، لہٰذا درخواست نامنظور ہوگئی۔ اب قدرت کا کرشمہ ملاحظہ کیجیے کہ اُنھی دِنوں حضرتؒ کے متعلقین میں سے ایک صاحب بغرضِ مُلاقات حاضِر ہُوئے کہ فلاں دِن حج کے لیے کراچی سے روانگی ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اُنھیں فارغ کر دیا اور وہ چلے گئے۔ انھوں نے کراچی جا کر کوشِش کی تو اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی اور ایک کی بجائے ہم تینوں یعنی حضرت رحمۃ اللہ علیہ، والدہ محترمہؒ اور اِس سیہ کار کے لیے اُس سال کے آخری ہوائی جہاز سے سیٹیں بُک کرا دیں اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو لاہور میں فون پر اطّلاع دے دی کہ آج ہی بعد نمازِ مغرب گاڑی سے کراچی کے لیے روانہ ہو جائیں، پرسوں جناب کے لیے فلاں ہوائی جہاز پہ سیٹیں بُک ہو چکی ہیں۔

اِس خوشی میں فوراً تیار ہو گئے۔ اُدھر یہ گنہگار اُن دِنوں حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق کتاب "حُجۃ اللہ البالغۃ" پڑھا کرتا تھا۔ مَیں نے وہ کتاب جلد بندی کے لیے دے رکھی تھی، وہ لے کے بعد مغرب گھر پہ حاضِر ہُوا تو دیکھتا ہُوں کہ حضرتؒ اور والدہ مرحُومہؒ کار پر سوار ہو رہے ہیں اور بے حساب آدمی کھڑے ہیں، استفسار کرنے پر معلوم ہُوا کہ مجھے ڈھونڈ ڈھانڈ کر مایوس ہو کر دونوں ہی روانہ ہونے کے لیے کوشِش کر رہے تھے تا آنکہ یہ گنہگار وہاں پہنچ گیا۔ والدہ مرحُومہؒ نے کہا "بھئی تم کہاں چلے گئے تھے؟ ہم تو تمھیں چھوڑ کر ہی حج کے لیے جا رہے تھے، کار میں جلدی سے بیٹھ جاؤ"۔ اُدھر سٹیشن پہنچتے ہی بعض واقف حضرات کی واقفیت کی وجہ سے ہمارے لیے سیکنڈ کلاس کی تین سیٹیں بُک ہو گئیں۔

اوکاڑہ سے کچھ آگے نِکل کر یہ خیال ہُوا کہ کچھ تھوڑے بہت پیسے اِس سلسلے میں تھے وہ بھی ہم گھر بھول آئے ہیں۔ مَیں نے عرض کیا کہ چونکہ مَیں کراچی میں کاروبار کرتا رہا ہوں اس لیے میرے کچھ تاجر واقِف ہیں، مَیں اُن سے اُدھار لینے کی کوشِش کروں گا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "اپنی جماعت سے اُدھار لینا بالکل پسند نہیں کرتا، اس لیے

تم جانو تمہارا کام۔ مَیں تو کراچی سے واپس آنے کو کسی آدمی سے اُدھار لینے پر ترجیح دُوں گا۔

خدا کی شان کراچی پہنچ کر حضرتؒ اپنے متعلقین و متوسلین کے پاس تشریف لے گئے اور مَیں ایک گاڑی لے کر اپنے مقصد کے لیے نکل کھڑا ہُوا۔ سو اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ جس شخص سے جا کر کے مختصر سا بیان کیا اُس نے بے چُون وچرا دس ہزار روپیہ بغیر لکھت پڑھت کے عطا فرما دیا، اور مَیں بخوشی لوٹ آیا جس پر والدین ماجدینؒ نہایت مسرور ہوئے۔

اِس کے بعد احرام وغیرہ کی چادریں خریدنے کے لیے مَیں اور حضرتؒ ایک بجے شب کے قریب ایک دکان پر گئے اور احرام کی چادریں خرید لیں اور باقی تیاری کر کے صبح کی نماز حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے باجماعت ادا کرنے کے بعد ایئر پورٹ پہنچ گئے۔ غرض نو بجے کے قریب کراچی سے روانگی ہُوئی اور جدّہ میں بعافیت ظہر کی نماز باجماعت پڑھی۔

کچھ دیر بعد مکّہ معظّمہ کے لیے روانہ ہُوئے اور عشاء کی نماز کے قریب وہاں پہنچ گئے۔ معلّم صاحب نے حضرت مولانا حبیب اللہ صاحبؒ کو ڈھونڈنے کے لیے اپنے لڑکے کو حرم میں بھیجا اور تھوڑی دیر کے بعد ہنستے چہرے کے ساتھ مولانا حبیب اللہ صاحبؒ کو آتے ہُوئے دیکھا۔ وجہ پُوچھی تو فرمانے لگے کہ "مَیں نے جب مدینہ منوّرہ سے چلتے وقت اللہ تعالیٰ سے یہ منّت مانی تھی کہ اگر والدینؒ کو اللہ تعالیٰ حرم میں ملا دے تو مَیں ہزار طواف ادا کروں گا۔ سو خدا کی قدرت، مَیں دیکھ کر حیران ہو گیا کہ اتنی جلدی بھی کسی کی دُعا قبول ہو سکتی ہے کہ اِدھر میرا ہزارواں طواف پُورا ہُوا اور مقامِ ابراہیم پر دو نفل پڑھ کر سلام پھیر ہی رہا تھا کہ معلّم کے لڑکے نے اطلاع دی کہ حضرتؒ تشریف لے آئے ہیں۔" اور ہم اُن کے ساتھ بہت جلدی عرفات کو روانہ ہو گئے۔ (حوالہ: مجلس ذکر، ۲۷ جون ۱۹۶۸ء)

ایک مُنکرِ خُدا سے حضرتِ اقدس امامُ الہدیٰؒ کی گفتگو

کل ایک تقریب میں ایک صاحب سے مِلنا ہُوا جو پنجاب یونیورسٹی کے سٹوڈنٹ ہیں۔ اُنھوں نے مجھ سے پُوچھا "کوئی ایسی کتاب بتائیں جو مجھے خدا پر یقین اور ایمان لانے پر مجبور کر دے۔ مَیں اپنے سٹوڈنٹ ساتھیوں اور اپنے اُستادوں سے اِس بارے میں دریافت کر چکا ہُوں مگر کوئی مجھے مطمئن نہیں کر پایا۔" مَیں نے کہا کہ "آپ تو تعلیم یافتہ آدمی ہیں اور یقیناً کسی کھاتے پیتے مُسلمان گھرانے کے چشم وچراغ معلوم ہوتے ہیں۔ کیا آپ کو اب تک ماں باپ سے لے کر اِس تعلیم اور اِس عُمر تک کوئی خُدا کا قائل نہ کر سکا؟" تو اُنھوں نے پانچ چھ سیر کا سر ہلا دیا کہ "نہیں"۔ مَیں نے

اُن سے کہا " بڑے تعجب کی بات ہے کہ مسلمانوں کے گاڑھے پسینے کی کمائی جو گورنمنٹ عوام سے بطور ٹیکس وصول کرتی ہے اُس کی ایک خطیر رقم پرائمری سے لے کر ڈگری کلاسز تک سرکاری طور پہ خرچ ہوتی ہے، آپ کو اب تک کوئی یہ نہ باور کرا سکا کہ ایک وہ ذات بھی ہے جس نے مجھے اور آپ کو اور کائنات کی ہر چیز اور زمین و آسمان کو تخلیق فرمایا؟ " تو وہ کہنے لگے " مَیں نے کئی دفعہ کوشش کی۔ نہ مجھے کوئی ایسی کتاب میسّر آئی اور نہ مجھے کوئی واقعہ اِس بات پر قائل کر پایا بلکہ مَیں نے ہمیشہ اُن کے دلائل کو توڑ کے رکھ دیا۔" مَیں نے کہا " خُدا کی پہچان اور اِس پر یقین و ایمان تو ایک مسلمان گھرانے کے لیے بڑی معمولی بات ہے لیکن آپ پتہ نہیں کیونکر اسے تسلیم نہ کر پائے!" — مَیں نے مزید کہا " یہ بڑی آسان اور معمولی بات ہے۔ ہر چیز خدا کی خدائی کی دُہائی دے رہی ہے۔ یہ چاند، ستارے، سُورج، یہ مٹّی، پانی، ہوا، آگ، پھل پھلواڑیاں اور ترکاریاں، ہزاروں انواع و اقسام کی نباتات، جمادات، چرند، پرند اگر خدا نے نہیں بنائے تو کس سائنسدان نے بنائے ہیں؟ اور اگر ان کو بنانے والا کوئی نہیں ہے تو یہ کیسے وجُود میں آ گئے ہیں؟ ذرا خیال کیجئے یہ سالن جو ہم کھا رہے ہیں اِس کو کس نے گرم کیا ہے؟ اور یہ پک کر ہمارے کھانے کے لائق کِس طرح ہو گیا؟" تو وہ کہنے لگے کہ " ظاہر ہے کہ آگ نے اسے گرم کیا اور پکایا ہے۔" مَیں نے کہا " آگ کو کِس نے گرم کیا ہے؟" کہنے لگے " یہ تو اس کی تاثیر اور خاصہ ہے" مَیں نے کہا " آگ میں گرم کرنے اور جلانے اور برف میں یخ بستہ اور ٹھنڈا کرنے کی صلاحیّت کِس نے پیدا کی؟ کیا کِسی سائنسدان نے کوئی خصُوصیّت پیدا کی ہے؟ یا کسی اور نے؟ اگر خُدا نے نہیں تو آپ یہ بتلایئے کِس نے اِسے پیدا کیا ہے؟ اور یہ خاصیّات کِس نے اِس میں سمو دی ہیں؟ میرا دعوٰی ہے کہ اُس خالِق دو جہان، جس نے اِس جہان کو بنایا ہے اُسی نے ہر چیز کی الگ خاصیّت بنائی ہے۔ اِس طرح کہ جیسے پکانے اور ٹھنڈا کرنے یا دوائیں جو گرمی کے امراض میں وجود کو ٹھنڈک اور سرد امراض میں مزاج کی حِدّت کو بُرُودت سے بدل دیتی ہیں، دواؤں میں یہ تاثیرات اگر اُس خلّاق نے نہیں ڈالیں تو آپ بتایئے کِس نے پیدا کی ہیں؟ واقعہ تو یہ ہے کہ اہل اللہ جس طرح فرماتے ہیں ؎

ہر ورق دفتریست معرفتِ کردگار

یعنی ایک ایک پتّہ خُدا کی خدائی کی عظمت کے گُن گا رہا ہے اور فیضی مرحوم نے کیا خُوب کہا ہے کہ ؎

ہر گیاہے کہ از زمیں روئد وحدہٗ لاشریک لہٗ گوید "

اس پر وہ بھونچکا سارہ گیا اور میرا مُنہ تکنے لگا۔ آگے بات تو اُس سے کوئی بنتی نہیں تھی،

مَیں نے کہا کہ " معلوم ہوتا ہے آپ کو اب تک کسی دین کے طالب علم سے واسطہ نہیں پڑا، جن سے آپ کی بحثیں ہُوئی ہیں وہ آپ ہی کی طرح کوئی بے دین اور خدا کے منکر ہوں گے "۔

(حوالہ : مجلس ذکر ۴ جولائی ۱۹۶۸ء)

اپنے عملوں کی سزا کا ایک واقعہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جمعہ کی ایک تقریر میں فرمایا، کہ ایک ہماری محلّے دار بُڑھیا میرے پاس آ کے روئی کہ " مَیں نے اپنے اکلوتے بیٹے کی خاطر ساری جوانی گلا دی۔ عالمِ شباب میں شوہر کی وفات کے بعد اپنے اعزّہ و اقربا کے ہزار سمجھانے کے باوجود مَیں نے دُوسرا نکاح نہ کروایا اور محض اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیّت بطریقِ احسن کرنے کی غرض سے اتنی عظیم قربانی دی، لیکن اب جبکہ وہ ماشاء اللہ جوان اور برسرِ روزگار ہے اور حکومتِ پاکستان میں ایک اُونچے عہدے پر فائز ہے۔ مَیں نے ہزار چاؤ چوچلوں سے اُس کی شادی کی، اب خُدا نے اُسے اولاد سے بھی نوازا ہے۔ لیکن دونوں میاں بیوی میری خدمت تو جیسے گناہ سمجھتے ہیں، مَیں پاس قرآن پڑھ رہی ہوتی ہوں اور قریب بیٹھے دونوں حلوہ پُوری کھاتے مجھ پہ باتیں بناتے ہیں اور اُنھیں کبھی بھُولے سے بھی یہ خیال نہیں آیا کہ مَیں بھی انسان ہُوں اور مجھے بھی اس بُڑھاپے میں ناشتے کی اُن سے کہیں زیادہ ضرورت ہے۔ اُلٹا میری نماز اور قرآن پر پھبتیاں کستے رہتے ہیں، اور مَیں آپ کے پاس صرف یہ بات لے کے آئی ہوں کہ میرے مرحوم شوہر کا متروکہ جائیداد میں ایک بہت بڑا مکان ہے مگر میرا بیٹا اِس ساری بلڈنگ کا کرایہ خود وصول کرتا اور گلچھرّے اُڑاتا ہے، مَیں صرف ایک چھوٹے سے کمرے میں رہتی ہُوں، لیکن اب اُن دونوں میاں بیوی کا مجھ سے یہ مطالبہ ہے کہ اس کمرے کو خالی کرو کہ ہم نے اسے بھی کرائے پر چڑھانا ہے "۔ تو مَیں نے کہا " قبر میں جانے سے پہلے میرا کون ہے؟ مَیں کہاں چلی جاؤں؟ "۔ وہ کہتے ہیں " جہاں سینگ سمائیں چلی جاؤ، تمھارا اِچھلا رشتے دار کوئی نہیں رہا؟ سب مر گئے ہیں؟ " یہ کہہ کر وہ بُڑھیا زار و قطار رونے لگی، تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے سخت غصّہ آیا اور مَیں نے اُس سے کہا کہ " یہ تمھارے گناہوں کی مجسّم تصویر ہے۔ تم نے بچپن میں یہ دو قدم پر مسجد ہے، کبھی نماز پڑھنے کے لیے بیٹے کو بھیجا؟ کبھی اسے کسی سے ناظرے اور ترجمے سے قرآن پڑھوایا؟ کسی اللہ والے کی صحبت میں اُسے بٹھایا؟ " تو وہ چُپ بیٹھی رہی۔ مَیں نے پھر اُسے کہا کہ " یہ تمھاری غلط تربیّت کا نتیجہ ہے۔ تم نے بچپن میں جس طرح کی اُسے تعلیم دی، اب اُس کا مزہ چکھو۔ جب بچپن میں اصلاح و ہدایت کے قابل تھا تو تم نے اس طرف کبھی توجّہ ہی نہ دی اور اب میرے پاس آ کے روتی ہو؟ تمھیں

اور تم جیسوں کو یہ سزا ملنا ہی چاہیئے تھی ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج — تا ثریّا مے رَوَد دیوار کج

کیا تُم نے دیکھا ہے کہ کبھی کسی نے کیکر بو کے آم کھائے ہوں ؟ ؎

از مکافاتِ عمل غافل مشو — گندم از گندم بروید جو ز جو

(مجلسِ ذکر ۴، جولائی ۱۹۶۸ء)

اُسوۂ نبویؐ سے ہٹ کر زندگی گزارنے کا ایک واقعہ

قبل از تقسیم ہمارے مُلک میں مغربی یونیورسٹیوں کے ایک بہت بڑے تعلیم یافتہ شخص تھے جو ہمارے مُلک کی ایک یونیورسٹی سے متعلق سب سے اُونچے عہدے پر فائز تھے جو بعد میں شاید کسی مُلک میں سفیر کے عہدے پر ہوتے ہُوئے مَرے ہیں۔ ساری زندگی غیر شادی شُدہ رہے، شادی کی نوبت ہی نہ آئی، ڈگریوں کی لائنیں تھیں، اور اُن کے معاوضے میں جو دولت مِلتی تھی وہ کُتّوں کے پالنے پوسنے میں خرچ کرتے تھے۔ سابق پنجاب کے علاقے میں اِس سیہ کار نے ان گنہگار آنکھوں سے دیکھا کہ کُتّا گرمی کے اندر چارپائی پر پڑا ہے، اور چارپائی کے نیچے ریت، ریت پر پانی ڈال رکھا ہے، کمرے کے باہر نوکر بیٹھا ہُوا پنکھا ہلا رہا ہے، اور اُس کی ڈیوٹی یہی ہے کہ کُتّے کی خدمت کرتا رہے۔ بھینس دے رکھی ہے کہ لسّی خود پیو اور مکھّن کتّوں کو کھلاؤ۔ چونکہ گرمیوں میں یورپ سے درآمد کردہ بعض نہایت قیمتی نسل کے کتّوں کے پاگل ہوجانے کا خطرہ ہے تو لازماً اُن کو نوکروں کے ساتھ مری بھیجنا پڑتا ہے۔ اب اگر اُن کے بیوی بچے ہوتے تو اللہ کی عطا کردہ دولت صحیح مَصرف میں لگتی لیکن اُسوۂ نبویؐ سے ہٹنے کی وجہ سے بجائے صحیح جگہ خرچ کرنے کے ساری زِندگی کی کمائی غلط جگہ خرچ کرتے رہے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۱ جولائی ۱۹۶۸ء)

ہمارے اکابر کا اِنکسار

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ "گنہگار"، "سیاہ کار" کہا کرتے تھے۔ اپنا نام لکھتے بھی تو "احقر الانام" کے ساتھ۔ یعنی یہ نہیں کہ انسانوں ہی میں سب سے حقیر، بلکہ کائنات میں ہر چیز سے کم تر۔ ("انام" یعنی مخلوق میں سب سے ادنیٰ) اِسی طرح حضرت مدنیؒ اپنے نام مبارک کے ساتھ لکھا کرتے تھے "ننگِ اسلاف" (تمام بزرگوں کے لیے ننگ اور عار) حالانکہ اُنھوں نے ہی دین کے وقار کو بلند سے بلند مرتبے تک پہنچایا اور بلاشبہ اپنی ذات کے حِلم و انکسار اور زندگی بھر

؎ اُسی بُڑھیا کا پھر تاحیات حضرتِ اعلیٰ امام لاہوریؒ نے وظیفہ مقرر فرمایا۔

عظیم قربانیوں کے صدقے اور قوم کی انتھک خدمت، مہمان نوازی کی بلند روایات کے ساتھ علماءِ کرام کے مرتبہ ومقام کو چار چاند لگائے۔ حالانکہ اِس دور میں اُن سے بڑا روائیت و درائیتِ حدیث کا کوئی اُستاد و امام نہ تھا اور پُورے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ اس زمانے میں عرب (مدینہ منوّرہ)، عجم (دارالعلوم دیوبند، کلکتہ اور بنگال) میں اُن سے جس قدر طلباء نے علمِ حدیث پڑھا ہے دُوسرے کسی بزرگ سے اتنی تعداد میں نہ پڑھا ہوگا۔

اِس دَور کی دُوسری عظیم شخصیّت حضرت مولانا حُسین علی صاحبؒ (واں بھچراں والے) تھے۔ بہت بڑے عالِم اور موحّد تھے۔ اللہ نے اُن سے دین کی بہت بڑی خدمت لی۔ لیکن سادگی اور قناعت کا یہ عالم تھا کہ خود زمین میں ہل چلاتے، کاشت کرتے، اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اپنے دستِ مُبارک سے گائے بھینسوں کے گوبر سے اُپلے بناتے۔ اپنے نام کے ساتھ لَاشَیٔ لکھتے تھے۔ اسی طرح دُوسرے اکابر کو آپ دیکھ لیں۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو دُنیا "شیخ الہندؒ" کے لقب سے یاد کرتی اور وہ اپنے آپ کو "بندۂ آثم محمُودؒ" لِکھّا کرتے تھے۔ سو یہ تواضع وانکسار جو عُلماءِ کبار کو ہمیشہ نصیب رہا ہے بہت بڑی نعمت ہے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۱ رجولائی ۱۹۶۸ء)

ہدایت کے بعد گمراہی

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک نوجوان اپنے والد صاحب کے ہمراہ ذِکر میں آیا کرتے تھے۔ وہ آجکل کسی کالج میں پڑھتے ہیں اور کسی پرائیویٹ مدرسہ میں پڑھاتے بھی ہیں۔ ایک دن اُن کے ساتھ اتّفاقاً میری ملاقات ہُوئی۔ اُنھوں نے مجھ سے پُوچھا "اب بھی اُسی طرح ذِکر ہوتا ہے؟" مَیں نے کہا "جی ہاں۔ آپ بھی تشریف لا سکتے ہیں"۔ انھوں نے کہا "مَیں والد صاحب کے زمانے میں تو نافہم اور بے عقل تھا مجلسِ ذکر میں آتا تھا، اب تو مَیں اسلام کا کافی مطالعہ کر چکا ہوں اور اسے اب مَیں بالکل زائد از ضرورت اور بیکار سمجھتا ہوں"۔ مَیں بڑا حیران ہُوا کہ والد صاحب کے زمانے میں تو بیکار نہیں تھا تو اب کیسے یہ ذِکرُ اللہ زائد از ضرورت ہو گیا؟ مَیں نے کہا "آپ کو کِس طرح یہ گمان اور خیال پیدا ہُوا؟" وہ کہنے لگے کہ "اقامتِ دین کے لیے تو یہ لوگ کوئی کام کرتے نہیں اور صِرف نعرے لگا کے کہتے ہیں کہ ہم جنّت کے وارث بن جائیں گے، کیا اُنھیں جنّت مِل جائے گی؟"۔ وہ مجھے کہنے لگے "آپ بتائیں کیا اِس طرح کی کوئی اسلام میں گنجائش ہے؟" مَیں نے کہا "بھائی! چودہ سو سال سے جو چیز چلی آ رہی ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک دفعہ نہیں بیسیوں دفعہ فرمایا ہو اور قرآنِ حکیم میں بھی اللہ تعالیٰ نے متعدد بار ارشاد فرمایا ہو تو وہ چیز کیسے

عبث اور بیکار ہو سکتی ہے ؟ پھر مجھے اُن کی بات چیت ہی سے پتہ چلا کہ وہ اصل میں ایک سیاسی جماعت کے رُکن ہیں اور وہاں سے انھیں تنخواہ بھی باقاعدہ ملتی ہے اور اس جماعت کا نام بظاہر "اسلامی" ہے مگر درحقیقت وہ مُلک میں محض اقتدار حاصل کرنے کے لیے تگ و دَو میں مصروف ہے۔
(حوالہ مجلس ذکر ۲۵ جولائی ۱۹۶۸ء)

مَیں، ہی مَیں ؟

مولانا لال حسین اختر نے ایک دفعہ حضرتؒ کو مودودی صاحب کی ایک کتاب کا ایک صفحہ پڑھ کے سُنایا۔ اُنھوں نے "مَیں" جمع کر کے بتایا کہ اس ایک صفحے میں بیسیوں دفعہ "مَیں" ہے "مَیں ایسا ہُوں، مَیں یہ کر دُوں گا، مَیں نے یہ کر دیا، مجھے یہ کہا گیا .... مَیں، مَیں، مَیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کسی اللہ والے کی کتاب اُٹھایئے تو اُس میں انکساری اور تواضع کے الفاظ ملیں گے۔ حضرت امروٹیؒ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ آپؒ جب کوئی بات کہتے تو فرماتے "اِن گنہگار آنکھوں نے یہ دیکھا، اِن گنہگار کانوں نے یہ سُنا"۔ اپنا نام لیتے تو "ابُوالاعلیٰ"، "ابُوالحسنات، ابُوالفلاں ابُوالفلاں وغیرہ وغیرہ کی بجائے فرمایا کرتے تھے "بندہ آثم محمُود"۔ حالانکہ سیّد تھے۔ (حضرت سیّد تاج محمُود امروٹیؒ) حضرت مدنی حسنی حسینی سیّد تھے۔ اصلی سیّد، لیکن اپنے نام کے ساتھ کیا لکھتے ؟ "ننگِ اسلاف"۔ [1]
(حوالہ مجلس ذکر ۸ اگست ۱۹۶۸ء)

حضرت لاہوریؒ کے ابتدائی ایّامِ تربیّت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ساری زندگی انجمن خدام الدین کی ایک پائی تک اپنی ذات کے لیے اور اپنی اولاد کے لیے حرام قرار دے دی جس طرح کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے کسی قسم کا صدقہ، فطرانہ اور زکوٰۃ صدقات وغیرہ نہ صرف اپنی ذات بلکہ اپنی نسل کے لیے بھی قیامت تک کے لیے حرام قرار دے دیے۔ حضرتؒ رسالہ "خدّام الدین" بھی خریدتے تو اپنی جیب سے چار آنے دے کر خریدتے حالانکہ سارا دن کام "خدّام الدین" ہی کا کرتے۔ "خدام الدین" کے لیے صبح و شام ایک کر دیتے اور شروع شروع میں گزر اوقات کے لیے کچھ نہ ہوتا، کئی کئی دن فاقے گزر جاتے، کھانے کی نوبت نہ آتی اور بعض اوقات سات سات آٹھ آٹھ دن تبلیغ کے لیے باہر رہتے لیکن دعوت دینے والوں کو خاص طور پر فرماتے کہ میرے لیے کھانے اور کرایہ وغیرہ کا انتظام نہ کرنا اور اسی شرط پر جاتے تھے۔ بعض اوقات گھر سے پکوا کر لے جاتے۔ ایک دفعہ بمبئی کا سفر تھا،

---

[1] حضرت اقدس فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ذوق دیکھیے کہ نام تجویز فرماتے وقت "عُبید" حقیر ترین بندہ سوچا۔ یہ حقِ بندگی اللہ والوں کے یہاں دیکھنے میں ملتا ہے۔

آپ ؒ میٹھی روٹیاں گھر سے پکوا کر لے گئے۔ اُن میں چیونٹیاں پڑ گئیں تو حضرت ؒ فرماتے تھے کہ میں چپکے سے اپنا وقت نکال کے روزانہ باہر چلا جاتا، دو پیسے کے ٹماٹر خرید لاتا تھا، دن کو تین چار ٹماٹر لے کر اُن پہ نمک ڈال لیتا اور کھا کر اُوپر سے پانی پی لیتا۔ سات سات دن اِسی پہ گزر اوقات ہوتی۔

اِس سیہ کار نے ایک دفعہ آپ حضرات کو سُنایا تھا کہ سات سال تک حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روٹی پر گزر اوقات کی۔ اللہ نے اُن کی تربیت ہی ایسی کرائی تھی۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مدرسے کا مطبخ اِن کے سپرد کر رکھا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے کھا لیتے ہوں گے لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ناظم مطبخ ہوتے ہوئے بھی نہ تو وہاں سے کبھی ناشتہ کیا نہ کھانا کھایا[1]۔ حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا کھانا گھر سے خود لاتے۔ کبھی گھر نہیں کہا کہ دو آدمیوں کا کھانا بھیجو۔ نہ ہی حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے کبھی کہا۔ گھر والے حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے دو چپاتیاں بھجواتے۔ حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ ایک خود کھا لیتے، ایک اِن کو کھلاتے۔ حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ صبح اور چار بجے شام چائے پیتے لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ چائے نہیں پیا کرتے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے میں بچہ تھا، سارا دن کام کرتا، حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے کپڑے دھونا، رات کو اُن کے سر پہ تیل لگانا اور سارے مدرسے کا اہتمام کرنا، جو کتابیں پڑھتا تھا، پیچھے سے وہ مدرسے میں پڑھایا بھی کرتا تھا۔ حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ مجھے اس قدر مصروف رکھتے تھے کہ عصر کے بعد تمام اساتذہ اور طلبا سیر و تفریح کرتے۔ میں عصر کے بعد گھر کا پانی بھر اور جنگل سے گھر کے لیے لکڑیاں کاٹ کر لاتا۔ فرمایا کرتے تھے مجھے بعض اوقات بھوک لگتی تو پریشان ہو جاتا حالانکہ مطبخ کا سارا اہتمام اُن کے ہاتھ میں تھا جہاں منوں آٹا پکتا تھا اور چاول، دالیں اور گوشت پکتا تھا لیکن کبھی ایک اُنگلی لگا کر بھی نہیں چکھا۔ فرمایا کرتے تھے جب مجھے پیٹ کی بھوک ستاتی تو میں جنگل میں چلا جاتا اور جھاڑیوں میں جو خود رَو بیر ہوتے تھے وہ کھا لیتا یا پھر کیکروں کی پھلیاں جو بکریاں کھاتی ہیں اُن کو دیکھ کر کے میں بھی کھا لیتا تھا۔ سات سال تک اس طرح گزر اوقات کی۔ فرمایا کرتے تھے اُس زمانے میں تو خیال بھی نہیں تھا، بچپنا تھا، لیکن اب دِل سے دُعائیں نکلتی ہیں کہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے میری تربیت ایسی کی کہ آج میں سات سات آٹھ آٹھ گھنٹے مسلسل کام کرتا ہوں، سارا سارا دن سفر کرتا ہوں لیکن بھوک مجھے زیر نہیں کر سکتی بلکہ میں

---

[1] حتیٰ کہ اگر پکانے والا نمک چکھانا چاہتا تو کسی اور سے فرما دیتے۔

بھوک کو زیر کرتا ہوں۔ احسان دانشؔ کا شعر یاد آیا ؎

اِتّفاقاً بھوک نے اِک دن سزا دی تھی مجھے
اِنتقاماً بھوک کو اکثر سزا دیتا ہوں مَیں

(حوالہ: مجلس ذکر ۸ر اگست ۱۹۶۸ء)

حضرتؒ کا مشتبہ اور حرام مال سے پرہیز

یہاں تین مہینے گھی کا ایک کنستر پڑا رہا جو مشتبہ تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے۔ یہ گھی نہ مَیں خود کھا سکتا ہوں، نہ اپنی اولاد کو کھِلا سکتا ہوں، جن لوگوں کا ہم سے تعلّق ہے اگر یہ گھی اُن کو دیں تو اُن کا دل سیاہ ہو جائے گا، عبادت کی توفیق سلب ہو جائے گی، جن بچّوں کے پیٹ میں چلا جائے گا وہ کبھی بھی نیکی اور اصلاح کی طرف مائل نہ ہو سکیں گے۔ اگر اُن کی گھُٹّی میں حرام چلا گیا تو آئندہ نسلیں تباہ ہو جائیں گی۔ اِس لیے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تین مہینے تک رکھے رکھا۔ ایک دن فرمانے لگے، مجھے یہ خیال آتا ہے کہ جس طرح مجھے کبھی اِس طرح کے پیسے آجاتے ہیں تو مَیں وہ الگ رکھ دیتا ہوں (حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیت الخلا جو شیرانوالہ مسجد کے ساتھ بنے ہوئے ہیں اسی پیسے سے بنوائے ہیں) اور اخیر میں ایسا پیسہ ہوتا تو چوہڑے چمار بھنگی جو اکثر عیسائی ہوتے اُن کو دے دیتے۔ تو وہ گھی بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے چار چار پانچ پانچ سیر بھنگیوں، چوہڑوں چماروں کو دے دیا جو گلیاں اور سڑکیں صاف کرتے تھے۔ وہ حیران ہوتے ہوں گے یہ چار چار پانچ پانچ سیر گھی کیسے ہمیں مِل گیا؟ اُن بچاروں کو کبھی کون دیتا ہے؟ لیکن خود حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے استعمال نہیں کیا۔ سو یہ ہے تربیت اللہ والوں کی کہ سامنے گھی پڑا ہے، فاقوں کی نوبت آئی لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اِس دُنیا میں سے کسی انسان کے سامنے ایک پائی تک کے قرض کے لیے بھی ہاتھ نہیں پھیلایا۔ یہی کہا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں کہ فاقہ ہے اور اگر اسی فاقے میں موت آجاتی ہے تو اس سے بڑھ کر کے کون سی ہماری حیات ہے؟ اس سے بہتر کون سی شہادت ہے؟ اللہ کے راستے میں دین پہنچاتے پہنچاتے تو موت آئی لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ آزمائش عُلماء کرام سے بھی ہوتی ہے اولیاء عظام سے بھی ہوتی ہے، ہم اس آزمائش میں پُورے نکلے، الحمد للہ علیٰ ذالک۔ اللہ نے رزق کی ایسی بہتات کر دی کہ پھر لاکھوں آتے تھے اور لاکھوں جاتے تھے۔ ہر سال اللہ تعالیٰ اہل و عیال سمیت ہوائی جہاز سے حج کی توفیق ارزانی فرماتے۔ پھر مسجدیں، مدرسے، درسگاہیں بنوائیں، پھر تو کیا کہنے؟ لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔ اگر اس امتحان میں ہم ناکام ہوتے تو ظاہر ہے کہ پھر ساری

زندگی ناکامی میں ہی گزرتی۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۸/اگست ۱۹۶۸ء)

حضرت شیخ التفسیرؒ کی آزمائش اور آپؒ کی ثابت قدمی

ایک دفعہ ہماری تربیت کیلیے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ سُنایا کہ مجھے ماں باپ نے پیدائش سے پہلے دین کے لیے وقف فرما دیا۔ ظاہر ہے کہ میرے لیے دُنیاوی کاروبار میں حصہ لینے کی قطعاً کوئی گنجائش نہ رہی۔ خدا کی قدرت، اللہ نے ہمیں دین کی خدمت کے لیے قبول فرما لیا اور ناتجربہ کاری کی بنا پر ہم سے ایک چُوک ہو گئی جس کی تفصیل یہ ہے کہ لاہور کے ابتدائی ایّام میں اللہ تعالیٰ نے دین کی خدمت سرانجام دینے کے لیے ہمیں اپنی عنایات سے سرفراز فرمایا جس کا ہم جس قدر بھی شکر ادا کرتے کم تھا، لیکن غلطی یہ ہو گئی کہ ہمارے ایک رشتے کے ماموں تھے وہ بچارے بچّوں کو قرآن پڑھانے کا کام سرانجام دیتے تھے، چنانچہ اُن بچاروں نے کہا " آپ حسبۃً للہ دین کی خدمت کرتے ہیں، اگر کچھ رقم ہو تو ہمیں عنایت فرمائیں، سستے زمانے میں اناج خرید کر مہنگے سمے میں اُسے فروخت کر کے آپ کی رقم ادا کر دیں گے اور ہم بھی دین کی خدمت لوجہ اللہ شروع کر دیں گے"۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ ہوا یہ کہ فتوحاتِ غیبی رُک گئیں۔ اِس دوران گھر میں فاقہ کشی تک کی نوبت آگئی مگر حضرتؒ نے اشارے کنائے سے بھی اللہ کے سوا کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلائے اور بچّوں میں تو اُس وقت کوئی بڑی عُمر کا نہ تھا۔ اِس بات پر ہمیشہ شکر ادا کیا کرتے تھے کہ اُن کے گھر میں سے بھی فاقہ کشی کے دوران بھی اپنے کھاتے پیتے گھرانے یعنی والد ماجد اور بھائیوں کے گھروں تک جو اِن کے گھر سے چند فرلانگ کے فاصلے پر تھے کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے اگر ہم کسی سے قرض مانگتے تو اللہ کے فضل سے واقفیّت تھی، سب لوگ دیتے مگر ہمارے پاس کون سا ذریعۂ آمدنی تھا جس سے اُس قرض کی ادائیگی کرتے؟ باقی اللہ کے علم میں تو یہ حالت بھی تھی اور اگر وہ اِس حال میں رکھنے پر راضی ہے تو ہم بھی رضائے مولیٰ پر راضی ہیں۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے حضرت سندھیؒ نے تربیّت ہی ایسے سخت پیمانے پر کی کہ اُس وقت تو ہم اِس حکمت سے ناواقف تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ شاید مجھ سے زیادتی ہو رہی ہے لیکن اب جب کہ آزمائش میں اللہ نے ڈالا تو خدا کا شکر کیا کہ انھوں نے تربیت ہی ایسے ڈھنگ پر کی تھی کہ حرام یا مشتبہ مال حاصل کرنے یا کسی غیر اللہ کے سامنے اپنے احوال بیان کرنے یا ہاتھ پھیلانے سے اللہ نے محفوظ رکھا۔ اللہ والے کہا کرتے ہیں حکایتِ حال بھی شکایتِ ذوالجلال ہے۔

حضرتؒ واقعہ بیان کیا کرتے تھے کہ اُمّ الحبیب یا اُمِّ عائشہ (یعنی ہماری والدہ مرحومہؒ) کے جو زیورات تھے وہ بیچ بیچ کر ہم نے مکان کے کرائے پر خرچ کر دیئے۔ کچھ رُوکھا سُوکھا کھا کر، کچھ بچّوں کو کھلا کر گزارہ کیا۔ جب نوبت اِس حد تک پہنچی کہ اللہ کے نام کے سوا گھر میں کچھ نہ رہا تو گھر میں دال ہُوئی تو وہ ہی اُبال کے نمک مرچ ڈال کے بچّوں کو پلا دی، ہُوا تو دو ایک گھونٹ خُود بھی لے لیے یا ہُوا تو ایک آدھ پیاز ہی گھر سے اگر نکل آیا تو وہ ہی اُبال کے بچّوں کو پلا دیا اور خُود راضی بہ رضائے مولیٰ رہتے۔

چند دن بعد حضرتؒ کی عدم موجُودگی میں کچھ اجنبی شخص مہینے بھر کا پُورا راشن گھر میں دے گئے۔ حضرتؒ بڑے حیران پریشان ہُوئے اور اِس تلاش اور ٹوہ میں رہے کہ آخر یہ چیزیں کون میری عدم موجُودگی میں گھر میں پہنچا گیا؟ جب کہیں پتہ نہ چلا، سب طرف سے مایُوسی ہوئی تو اُس زمانے میں درسِ عمومی بعد نمازِ فجر اور درسِ خصوصی مغرب اور عشاء کے درمیان ہوتا تھا۔ درسِ عمومی میں تو ہر مرد و عورت کے لیے گویا کہ اذنِ عام تھا لیکن درسِ خصوصی محض تعلیم یافتہ انگریزی دان حضرات کے لیے جاری کیا گیا تھا جس میں کچھ پروفیسر، کچھ وکیل، کچھ اُستاد، کچھ اونچی جماعتوں بی اے۔ ایم اے وغیرہ کے سٹوڈنٹ، کچھ صحافی، کچھ ریٹائرڈ آفیسرز اور کچھ کلرک، یہ ملی جلی جماعت تعلیمیافتہ حضرات کی شامل ہوتی۔ اس طرز پر جس طرز پر حضرتؒ تین ماہ میں علماء کرام کو قرآنِ مجید کے ہر رکوع کا خلاصہ رٹایا کرتے تھے، اُسی طرز میں ان تعلیمیافتہ حضرات کی تعلیم کئی برس میں جاکر تکمیل پذیر ہوتی تھی اور اس جماعت کو حضرتؒ "حُجّۃ اللہ البالغہ"، "الفوز الکبیر فی اصُولِ التفسیر"، "نخبۃ الفکر" اور "مشکوٰۃ شریف" بھی پڑھاتے تھے۔

حضرتؒ نے اِس جماعت کے ایک ایک فرد کو تنہائی میں بُلا کر قسمیں دے کر پُوچھا، اُن میں سے بعض نے یہ اقرار کیا کہ اللہ نے ہمارے دل میں ڈالا۔ آپؒ نے تو کبھی اشارے کنائے سے بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔ آپؒ ہمیں منع نہ کریں، مجبُور نہ فرمائیں اور اُن میں سے بعض نے یہ کہا کہ ہم سے یہ برداشت نہیں ہوتا کہ ہمارے اُستاذ اور شیخ تو فاقہ کشی کریں اور ہم دولت سے گلچھرّے اُڑائیں۔ ان حضرات نے یہی کہا کہ آپؒ ہمیں منع نہ فرمائیں کہ ہمارا آپؒ پر احسان نہیں ہے، آپؒ کا ہم پر احسان ہے۔ آپؒ نہ کوئی معاوضہ قبول کرتے ہیں نہ کبھی اظہارِ حقیقت فرماتے ہیں۔ اِن حضرات کو حضرتؒ نے بڑی مشکل سے اِس بات پہ آمادہ کیا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ بھائی! بات یہ ہے کہ اب جب گھر میں چاول نہیں ہوتے، آٹا نہیں ہوتا تو میں اللہ کے حضور ہاتھ پھیلاتا ہوں، اللہ کے دروازے سے بھیک

مانگ کے کھاتا ہُوں لیکن اب صُورتِ حال مختلف ہو گئی ہے۔ اُس صورت میں اور اِس صُورت میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور جب گھر میں لکڑیاں، آٹا، چاول وغیرہ اشیا نہ ہوں گی تو مجھے خیال آئے گا کہ مہینے کی آخری تاریخیں ہیں، چند دِنوں میں مہینہ ختم ہُوا چاہتا ہے، میرے دوستوں کی تنخواہیں آئیں گی، وہ راشن لائیں گے تو ہم کھائیں گے۔ تو اب تم ہی بتاؤ کہ اُس صورت میں تو مجھے اعتماد علی اللہ اور توکّل پر بھروسہ تھا اور اِس صُورت میں مجھے اللہ سے اعتماد اُٹھ کر انگریز کے خزانے اور تمھاری تنخواہوں پر ہو جائے گا۔ تو بتاؤ یہ میری ترقی ہے یا تنزّلی؟ یہ ایک خادمِ کتاب اللہ کے کسی طرح بھی شایانِ شان نہیں۔ لہٰذا میں تمھیں قسم دیتا ہوں کہ آئندہ میرے گھر کوئی دمڑی، پیسے، پائی کی چیز کبھی نہ بھیجنا۔ فرمایا کرتے تھے کہ میرے شدید اصرار اور انکار کے باوجود وہ بڑی لیت ولعل کرتے رہے اور جب مَیں نے حکمًا انھیں بند کیا تب جا کر کے وہ اِس پر آمادہ ہوئے۔

حضرتؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ دراصل غلطی ہماری تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رِزق اس لیے دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا رِزق کھاؤ اور اطمینان سے دین کی خدمت کرو لیکن ہم نے اُن کی نیک خواہش کے پیشِ نظر اُنھیں رقم دے دی جس پر خدا کی طرف سے گرفت ہو گئی۔ ہمیں اس صُورتِ حال کا بعد میں اندازہ ہُوا۔

چند دن بعد اللہ نے اِتنا کرایہ بھجوایا کہ اپنے شیخ حضرت مولانا سیّد تاج محمود امروٹیؒ کی خدمت میں جا کر اپنی غلطی کا اعتراف کروں، سو مَیں امروٹ شریف گیا اور جاتے ہی مَیں نے حضرت شیخؒ کو سارا واقعہ کہہ سُنایا۔ تو اُنھوں نے سندھی زبان میں ارشاد فرمایا "جاپٹ تُونھ جے لاءِ ڈِین رات دعاؤں تھا گھُرُون"۔ (جاؤ بیٹا! مَیں تمھارے لیے دِن رات دُعائیں کرتا ہوں) اور اس کے ساتھ سُورہ یٰسٓ شریف پڑھنے کی خاص طریقے سے اجازت عطا فرمائی۔ سو اُسی دن سے ہماری آزمائش ختم ہو گئی، مسجدیں بننے لگ گئیں، مدارس جاری ہونے لگ گئے اور پہلے سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر خدمتِ دینِ متین کی اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی۔ (حوالہ مجلس ذکر ۲۶ ستمبر ۱۹۶۸ء)

حضرتؒ کے فرزندِ اکبر مولانا حبیب اللہؒ کی ہجرتِ مدینہ

نہ صرف یہ کہ حضرتؒ نے خُود ساری زندگی توکّل کے ماتحت گزاری کہ نہ تو اُنھوں نے ساری زندگی کسی مسجد، مدرسہ، کمیٹی وغیرہ سے کوئی کسی قسم کا معاوضہ یا تنخواہ اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال کی خاطر کسی قسم کا کوئی چندہ وندہ وصُول

کیا اور نہ ہی آئندہ اپنی جماعت اور اپنی نسل[1] اور خاندان کو اس کی اجازت ہی دی۔ خدمتِ دین رضائے الٰہی اور نجاتِ آخرت کے پیشِ نظر ہی جاری رکھتے، اپنے اہل و فرزند اور اپنی جماعت کو تلقین فرماتے کہ وہ بھی دین کا کام حسبۃً للّٰہ اور خالصۃً لوجہ اللہ ہی کریں اور اگر دُنیا کمانے کا کسی کو شوق ہے تو اُن کو حکم یہی تھا کہ خدمتِ دین کی بجائے تجارت کو اپنا مشغلہ بنا لو۔ کیونکہ وہ فرماتے کہ تبلیغ علیٰ منہاج النبوّۃ کا طریق تو بہر حال یہی ہے جو انبیاءِ کرام نے بھی پیش فرمایا اور اکثر و بیشتر ارشاد فرماتے کہ میں خدا کا جس قدر شکر ادا کروں کم ہے کہ اُس نے میری زندگی میں میرے فرزندِ اکبر حافظ مولوی حبیب اللہ ؒ کو حرمین الشّریفین میں میرے ہی طریق پر خدمتِ دینِ متین کو جاری رکھنے کی توفیق سے سرفراز فرمایا ہے۔ چنانچہ جب وہ تقسیمِ ملک سے کچھ ہی عرصہ بعد دوسری دفعہ حج کے ارادے سے تشریف لے گئے تو شروع میں چند ماہ وہاں قیام کی حضرتؒ سے اجازت لی۔ پھر دھیرے دھیرے انھوں نے وہیں تا زیست قیام کا ارادہ فرما لیا[2] اور حضرتؒ نے بھی وہاں سے اُنھیں پاکستان بُلانے پر جبر نہیں کیا بلکہ شیخ الہند ثانی حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ارشاد پر انھوں نے وہاں سلسلۂ درس و تدریس شروع فرمایا تو وہاں عجیب صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑا۔

وہاں تمام مساجد و مدارس اور حرمین کے آئمہ، خطباء اور مدرّسینِ کرام کو شاہی خزانے سے ایک معقول معاوضہ دیا جاتا ہے۔ اِدھر حضرتؒ نے اپنی اور اپنی اولاد کے لیے خدمتِ دین پر کسی قسم کا معاوضہ حرام قرار دے رکھا ہے۔ اب وہاں کا اور حضرتؒ کے اصول کا لامحالہ ٹکراؤ ہونا ہی تھا اور وہ ہو کے رہا۔ وہاں کا ایک ضابطہ تو یہ ہے کہ بلا اجازتِ حکومت کوئی شخص درس و تدریس جاری نہیں کر سکتا۔ حکومتِ وقت اپنے نمائندوں کی معرفت بلاواسطہ تحریری امتحان لیتی ہے اور پھر اپنی صوابدید کے مطابق پورے اطمینان کے بعد کسی عالم کو درس و تدریس کی باضابطہ اجازت دی جاتی ہے اور پھر اُسے ایک معقول مشاہرہ ہی نہیں پیش کیا جاتا بلکہ اُمراء و سلاطینِ دولِ اسلامیہ جب کبھی زیارتِ حرمین الشّریفین کے لیے تشریف لے جاتے ہیں تو وہ بھی اپنے ہدایا اور تحفہ جات سے ان مدرّسینِ کرام کو ضرور نوازتے ہیں تو

---

[1] حضرت اعلیٰ شیخ التفسیرؒ نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اتباع میں خدمتِ دین کے عوض اپنی اور اپنی اولاد کے لیے معاوضہ حرام قرار دے دیا اور اسی طرح زکوٰۃ وغیرہ سے بھی ہمیشہ کے لیے استثناء اختیار فرمایا۔

[2] حضرت امام لاہوریؒ نے حضرت امام الہدیٰؒ کو کراچی سے بُلوایا اور فرمایا "حبیب اللہ (ؒ) نے ہمیشہ کے لیے وہاں رہنے کی اجازت مانگی ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی سعادت بھی نہیں ہے لیکن اگر تم یہاں کی ذمہ داری سنبھالو تو اُن کو اجازت دوں۔"

ضمناً ایک شکل پیدا ہو جاتی ہے کہ ان واجب العزّت آئمہ و مدرّسینِ کرام کو ان کے سلام اور اعزاز کے لیے بھی بہر کیف حاضر ہونا پڑتا ہے۔ یہاں بھی حضرتؒ کا مسلک اِس معاملے میں ذرا مختلف ہی ہے۔ سو حضرت مولانا شیخ حبیب اللہ کا باضابطہ تحریری امتحان ہُوا اور اُنھیں باقاعدہ حرمین میں درس کا سرٹیفکیٹ دیا گیا اور اللہ کے فضل سے وہ بہت مقبول بھی ہُوا۔ مگر بیچ میں اڑچن یہ آپڑی کہ حضرتؒ کے اصُول کے مطابق وہ کسی قسم کا مشاہرہ، معاوضہ یا ہدیہ قبول نہ کر سکتے تھے اور اس کے بغیر وہاں اجازت نہ دی جاتی تاکہ یہ واجب الاحترام علماءِ کرام حجّاج کے دستِ نگر نہ ہو کے رہ جائیں۔

بے شک یہ اصول اپنی جگہ بہت قابلِ قدر ہے۔ سو اِس دلچسپ صُورتِ حال سے بڑی مشکل سے جان خلاصی ہُوئی اور اس کی صُورت یہ بنی کہ شاہ سعُود نے حضرت مولانا سیّد محمُود احمد (برادرِ اصغر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ) کی خصُوصی درخواست پر بطورِ خاص حضرت موصوف کو اِس قانون سے مستثنیٰ قرار دیا اور اس کی وجہ سے اُنھیں دُنیا کے مُسلم حکمران جب بھی حرمین کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے تو اُن کی خدمت میں سلام گزارنے سے بھی وہ بفضلِ ایزدی بچ گئے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۶ ستمبر ۱۹۶۸ء)

ایک "مولوی صاحب" کی غلط بیانی کا دلچسپ واقعہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے نو برس کی عمر میں دیوبند بھیج دیا۔ محض اِس لیے کہ یہاں فضا ناپاک ہے، بچّے گالیاں بکتے ہیں۔ بات سے بات نکلی جا رہی ہے، ایک واقعہ یاد آگیا۔ مصری شاہ میں حضرتؒ جب مسجد بنوا رہے تھے وہاں ایک بچارے دیہاتی کو مسجد کی خدمت کے لیے رکھا ہُوا تھا، وہ نماز بھی پڑھا دیتا تھا۔ وہ اللہ کا بندہ جب رمضان ختم ہونے والا تھا تو لوگوں سے جا کر کہنے لگا "مولانا صاحب کہتے ہیں کہ پیسے دو ختم کے لیے، ہم نے مٹھائی بنانی ہے"۔ حالانکہ ہم نے تو اِس طرح کے مانگنے تانگنے کو بالکل ممنوع قرار دے رکھا ہے۔ وہاں لوگوں نے پیسے دینے شروع کر دیے۔ مَیں نے کہا "کس بات کے؟" کہنے لگے "آپ نے جو ختمِ رمضان کے لیے منگوائے ہیں"۔ مَیں نے کہا "میرے تو فرشتوں کو بھی پتہ نہیں"۔ اُن "مولوی صاحب" کو بُلایا تو کہنے لگے "مَیں نے یہ کوئی بُرا کام کیا ہے؟ مَیں نے نیک کام کے لیے ان کو کہا"۔ مَیں نے کہا "بڑے میاں! آپ نے بڑی غلطی کی، آپ اتنے عمر رسیدہ اور سفید ریش ہو کر کے غلط بیانی کرتے ہیں، مَیں نے کب آپ سے پیسے مانگنے کو کہا ہے"؟ یہ اُس کو ناگوار گزرا کہ لوگوں کے سامنے میری توہین کر دی۔ فوراً حضرتؒ کے پاس میری شکایت لے کے آیا اور کہنے لگا "جی اِس نے مجھے بڑی گالیاں دی ہیں"۔ حضرتؒ نے مجھے

فوراً بُلایا۔ وہ حیران ہو گئے اور اُن کی طبیعت پر بہت سخت اثر تھا، کہنے لگے "مَیں نے کبھی گالی نہیں دی، میری بیوی نے کبھی گالی نہیں دی، مَیں نے ۹ برس میں اس کو دیوبند بھیج دیا تو اب تک یہ گالیاں بکتا ہے"؟ مجھ سے پُوچھنے لگے "اِس کو تم نے کیا گالیاں دی ہیں"؟ مَیں نے کہا "خود اِن ہی سے پُوچھیے"۔ تو اب وہ فوراً بدل گئے۔ کہنے لگے "جی مینوں بھیڑا چنگا آکھیا اے"۔ اوہ کہن لگے "ہُنے تے مینوں وسدا پیا سیں کہ مینوں لوکاں دے سامنے گالیاں کڈھیاں سُو"۔ حضرتؒ فرمانے لگے کہ مَیں تو حیران ہو گیا کہ ساری زندگی اِسی لیے یہاں نہ رکھا اور ابھی یہ گالیاں دیتا ہے؟

(حوالہ: مجلس ذکر ۳۱ر اکتوبر ۱۹۶۸ء)

چاہ کن را چاہ درپیش

حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایک واقعہ سُنایا کرتے تھے کہ گھر والے بھی ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ ایک دھوبی تھا، بُڑھاپا اُس کے لیے وبالِ جان بنا ہُوا تھا، موت آتی نہیں تھی، ساری ساری رات کھانستا، گھر والوں کو سونے نہ دیتا، دن بھر گھر والے بچارے کام کرتے، رات بھر یہ اُنھیں آرام نہ لینے دیتا۔ سوچ سوچ کر اُس کے بیٹے نے یہ حربہ نکالا کہ مَیں تو کپڑے دھونے جاتا ہُوں، اِسے بھی جا کے وُہیں ڈبو دیتا ہوں۔ چنانچہ اُسے پُشت پر اُٹھایا کہ آؤ ابّا جان! علاج کرانے کے لیے لے چلوں (دراصل وہ ہمیشہ کے لیے عِلاج کرانے لے جارہا تھا) جب دریا میں اُسے ڈبونے لگا تو اُس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ "بیٹا! ذرا دو قدم اور آگے جا کے مجھے ڈبو دو"۔ اُس نے کہا "کیوں؟ کیا بات ہے یہاں میں اور وہاں میں"؟ اُس نے کہا "یہاں جس جگہ تم مجھے ڈبو رہے ہو یہاں مَیں نے اپنے باپ کو ڈبویا تھا"۔ (حوالہ: مجلس ذکر، نومبر ۱۹۶۸ء)

اکبر الٰہ آبادیؒ سے حضرت لاہوریؒ اور حضرت امروٹیؒ کی مُلاقات

اکبر مرحوم کو ہمارے سارے بزرگ بہت پیار کرتے تھے، اور تھا بھی اللہ کا نیک بندہ۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ میرے شیخ حضرت امروٹی رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ لکھنؤ تشریف لے گئے۔ لاہور کے نمائندے حضرتؒ اور مولانا ظفر علی خاں تھے، سِندھ کے نمائندے حضرت مولانا تاج محمودؒ (حضرتؒ کے شیخ) اور دُوسرے کوئی اور تھے۔ وہاں ہر شہر کے مُسلمان پہنچے ہُوئے تھے۔ لیگ اور کانگریس کے اتّحاد کا پُرانا کوئی معاملہ تھا۔ تو حضرتؒ فرمانے لگے کہ اس سے فارغ ہو کر کے حضرت امروٹی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "اکبر کا کلام پڑھتے ہیں تو چلو اُس کی شکل ہی دیکھ آئیں"۔ ملاقات کرنے گئے۔ اُس وقت اکبرؒ کے پاس مولانا ظفر علی خاں تشریف فرما تھے۔ اکبر اندر سے

تشریف لائے۔ نہایت سادہ شکل وشباہت، بالکل بڑھاپے کا زمانہ تھا۔ مولانا ظفر علی خان نے پُوچھا اکبر سے کہ "کیا حال ہے؟" انھوں نے فرمایا "مولانا! بس اب تو عمر کا آخری وقت ہے۔ جی یہی چاہتا ہے کہ گوشۂ تنہائی ہو اور یادِ الٰہی ہو"۔ حضرتؒ فرمانے لگے ہمارے شیخ حضرت امروٹی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "آؤ بیٹا! چلیں، جو دیکھنا تھا دیکھ لیا"۔ انھوں نے ایک جملہ سُن کر کہا کہ "بالکل ٹھیک ہے، جو زبان سے کہتا ہے عمل بھی اُسی کے مطابق ہے، یہ صرف شاعری نہیں کرتا اسلام کی نمائندگی کرتا ہے بلکہ اس کا چہرہ مُہرہ ہی اور اس کا کردار ہی بتاتا ہے کہ "جی چاہتا ہے گوشۂ تنہائی ہو اور یادِ الٰہی ہو"۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ دیگ کا ایک چاول دیکھ کر پکانے والا حکم لگا دیتا ہے کہ ساری دیگ ٹھیک پک گئی ہے، اور اگر کچا چاول ہو تو بتا دیتا ہے کہ ساری دیگ میں ابھی کمی ہے، کَنی باقی ہے۔ اسی طرح حضرت امروٹیؒ نے اُس کا ایک جُملہ سُنا اور فرمایا کہ "بالکل ٹھیک ہے، اس کا ظاہر و باطن ایک جیسا ہے"۔

(حوالہ: مجلس ذکر ۱۴ ؍ نومبر ۱۹۶۸ء)

جہاد ہی اسلام کی اصل رُوح ہے

مَیں کہا کرتا ہوں کہ سانپ کے زہر والے دانت نکال دیں تو سانپ کھلونا بن جائے۔ مسلمان میں سے جہاد کی طاقت نکال دیں، خدا سے تعلق اُس کا درست نہ رہے، نماز روزے کا پابند نہ رہے، اُس کی کُل زندگی قانونِ قرآن کے خلاف ہو تو پھر وہ "مسلمان" ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ سانپ ہے جس میں سے ڈنگ نکال لیں اور وہ دشمن کے لیے کھلونا بن جاتا ہے، سو مسلمان آج کھلونا بنا ہُوا ہے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر مطبوعہ خدام الدین ۱۷؍ جنوری ۱۹۶۹ء)

ملازمین حلال کمائی میں مشتبہ حرام نہ ملائیں

اُستاد ٹیوشن طے کرتا ہے، وہ پیسے لیتا ہے، سو روپیہ، پچاس روپیہ گھنٹہ یا دو گھنٹے پڑھانے کا اُس نے وقت مقرّر کر رکھا ہے۔ اور اوّل تو وہ وقت پر ہی نہیں آتا، اور پھر جلدی چلا جاتا ہے۔ درمیان میں باتوں وغیرہ میں یا کسی اور طریقے سے وقت ضائع کرتا ہے، تو یہ بھی قابلِ ملامت ہے، اور عذاب کا مستوجب ہے۔ ایک کلرک ہے، اُس نے وقت مقرّر کر رکھا ہے جو حکومت سے پانچ سو روپے لیتا ہے، اُسے چھ سات گھنٹوں کے اندر اندر کھانے پینے کی اجازت ہے، پیشاب کی اجازت ہے لیکن وہ وہاں جا کر کے اپنے یاروں دوستوں کو ٹیلیفون کرتا ہے، باہر جا کے پیسے دینے پڑیں گے، گویا سرکاری مراعات سے ناجائز فائدہ اُٹھاتا ہے، اسی طرح کینٹین میں وہ دوستوں یاروں کے ساتھ جا کر کے گھنٹہ آدھ گھنٹہ خواہ مخواہ وقت ضائع کر دیتا ہے تو یہ شخص اپنی حلال کی کمائی کو مشتبہ حرام سے بھر لیتا ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ من بھر دُودھ میں ذرا سا گوبر یا پیشاب مل جائے تو سارا دُودھ ناپاک ہو جاتا ہے۔ آپ کی پُوری قمیض کی بجائے اگر صرف آدھی آستین پیشاب یا کسی اور نجاست سے ناپاک ہو جائے تو ساری کی ساری قمیض ناپاک کہلاتی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ کونہ ہی ناپاک ہے، باقی پاک ہے اس سے نماز نہیں ہوگی۔ حد یہ ہے کہ ایک بال کی کھال یا جڑ میں پانی نہ پہنچے یا ایک ناخن کے اوپر ناخن پالش لگی ہے یا کہیں آٹا گوندھتے ہُوئے ناخن کے نیچے لگا رہ گیا ہے اور خشک ہو کر چمٹ گیا تو جب تک اُتارا نہ جائے اس کے نیچے والی سطح پانی سے تر نہ ہو سکے گی، لہٰذا وضوء یا غسل ناقص و نامکمّل ہوگا۔

(حوالہ: مجلس ذکر ۱۷ اپریل ۱۹۶۹ء)

حضرت میاں اصغر حسین صاحبؒ نے حضرت لاہوریؒ کو "تحائف" عطا فرمائے

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آخری زمانے میں بُلایا اور تین دن اپنے پاس رکھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تین دن جو مَیں وہاں رہا ہُوں، دن رات ایک لمحہ سویا نہیں، غافل نہیں ہُوا، ایک لمحہ بے وضوء نہیں ہُوا، ایک لمحہ خاموش نہیں ہُوا، ذکر میں مسلسل مشغول رہا اور حضرت میاں صاحبؒ نے فرمایا "آپ جیسے مہمانوں کے آنے سے دِل کو راحت ہوتی ہے"۔ اور فرمایا کہ "اب مَیں چونکہ دُنیا سے جا رہا ہوں جو میرے پاس اللہ نے دے رکھے ہیں کچھ تحفے تحائف، مَیں چاہتا ہُوں وہ ساتھ نہ لے جاؤں بلکہ یہ فیض جاری ہی رہے۔ جو مانگتے ہیں وہ اہل نہیں اور جو اہل ہیں وہ مانگتے نہیں، اِس لیے آپ کو لاہور سے بُلایا ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے باز پُرس نہ ہو، قبر میں ساتھ لے کر نہ چلا جاؤں، لہٰذا مَیں آپ کو وہ اذکار، اوراد اور اشغال اور کچھ تھوڑی سی پڑھنے کی چیزیں اور تعویذات دیتا ہُوں"۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۲۲ مئی ۱۹۶۹ء)

حضرت میاں اصغر حسین صاحبؒ کی حضرت اقدس امام الہُدیٰؒ پر شفقت

ایک دفعہ حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لا رہے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے میرا ذکر فرمایا کہ انور کو خادمانہ طور پر دیوبند سے ساتھ لیتے آئیں۔ حضرت مولانا کریم بخش صاحب نے بُلایا تھا جو گورنمنٹ کالج میں پروفیسر تھے۔ وہ سیّد انور شاہ صاحبؒ کو بلایا کرتے تھے۔ میاں صاحبؒ نے فرمایا "انور ہمارا بچہ ہے، ہم ساتھ لے کر کے آ رہے ہیں، اِس لیے یہ بھی بے فکر رہے، آپ بھی بے فکر رہیں اور ہمارا

کام بھی ہو جائے گا۔" حضرتؒ نے فرمایا " مَیں اسی میں خوش ہُوں کہ میرا بچّہ خادم بن کے ساتھ رہے گا، اُس کی بھی اور میری بھی نجات کا ذریعہ ہو گا۔" لیکن لُطف یہ ہے کہ خدمت کے لیے مجھے ہمراہ لے کے آئے اور راستے میں لوٹا خُود بھرتے اور میرے وضو۔ کے لیے بھی خود پانی لاتے۔ راستے میں مجھے شفقت سے بچّوں کی طرح فرماتے " انور! نارنگی کھالو، کیلا کھالو!" مَیں انکار کرتا " حضرت! کوئی ضرورت نہیں" مگر زبردستی کھلا دیتے۔ لاہور پہنچنے پر حضرتؒ نے میرا کرایہ پیش کیا تو لینے سے انکار فرما دیا کہ " جیسے آپ کا بچّہ ہے ویسے ہی ہمارا بچّہ ہے۔" (حوالہ: مجلس ذکر ۲۲ مئی ۱۹۶۹ء)

بندے سے توڑ اللہ سے جوڑ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بعض اوقات سوال کیا گیا کہ " قرآنِ کریم کا لُبِّ لُباب کیا ہے؟ حاصل کیا ہے؟" ساری زندگی قرآن پڑھتے پڑھاتے گزری۔ تو آپ نے عوامی ذہن کے مطابق جواب دیا کہ " بندے سے توڑ، اللہ سے جوڑ۔" (حوالہ: مجلس ذکر، اگست ۱۹۶۹ء)

زمزم سے چھپاکی سے شفایابی

پہلی دفعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حج کو جب جانا نصیب ہُوا، یہ ۱۹۴۶ء کا واقعہ ہے تو حرم کعبہ میں حاضری رات کو ہوئی۔ طواف و سعی سے فارغ ہو کر زمزم پینے کے لیے حاضر ہُوا اور مَیں نے زمزمی کو زمزم کنوئیں سے نکالنے کو کہا، اب تو وہاں ٹیوب ویل لگا ہُوا ہے تو زمزمی نے زمزم کا ڈول نکال کر مجھ پر انڈیل دیا۔ مَیں نے تولئے سے خشک کرنا چاہا تو اُس نے ایسا نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ خیر، مَیں نے پیا بھی اور نہایا بھی، بدن اور کپڑے تر کئے اُسے صرف ایک ریال پیش کیا اور چلا آیا، دُعا کی " اے اللہ! چھپاکی سے شفا عطا فرما۔" تو یقین جانیے ۱۹۴۶ء کے بعد اب تک کبھی ایک پھنسی تک نہیں نمودار ہوئی۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۲۸ اگست ۱۹۶۹ء)

گناہوں کا سائن بورڈ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہمیشہ بیان کرتا رہتا ہوں۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ " مَیں نے اپنے گناہوں کا ایک سائن بورڈ بنا رکھا ہے۔ ہر روز سونے کے وقت اپنے آپ سے کہتا ہوں " اے ایاز! قدرِ خود بشناس، احمد علی! یہ ہیں تیری خطائیں اور گناہ، اگر خلقِ خدا کو پتہ چل جائے تو کوئی تیرے مُنہ پر تھُوکے بھی نہ۔" (حالانکہ ہماری زندگی اُن کے ساتھ گزری، سفر میں، حضر میں، ہم نے اُن سے گناہِ صغیرہ کا ارتکاب ہوتے بھی کبھی نہ دیکھا چہ جائیکہ کبیرہ کا تصوّر

بھی کر سکیں۔ لیکن اپنے نفس کو سرزنش کرنے کے لیے خدا معلوم کون سے گناہ انھوں نے سائن بورڈ پر لکھ رکھے تھے؟) (حوالہ: مجلس ذکر ۱۸ر دسمبر ۱۹۶۹ء)

ایک انگریز عورت نے اسلام کی کیسے قدر پہچانی؟

مولانا عزیر گل صاحب ابھی زندہ ہیں۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھیوں اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔ اُن کے گھر میں اہلیہ تھی برطانوی اَنسل۔ سر فرانسس مُودی یہاں گورنر لگا ہُوا تھا، اُس کی بہن اسلام میں ریسرچ کرتے کرتے مسلمان ہو گئی حضرت مدنیؒ کے ہاتھ پر دیوبند میں آکر مسلمان ہوئی۔ اُس نے کہا "اب مَیں مسلمان ہُوں، مجھے کسی مسلمان سے نکاح کرنا چاہیئے"۔ مولانا عزیر گل وہاں دیوبند میں پڑھاتے تھے۔ اُن کی اہلیہ وفات پا گئی۔ حضرت مدنیؒ نے اُن سے رشتہ کرا دیا۔ تقریباً دو تین برس ہُوئے مردان کے قریب سخا کوٹ کے ایک نواحی علاقہ میں اُن کا انتقال ہوا لیکن اُن کے پہلے انگریز خاوند سے ایک بیٹا اور بیٹی تھی۔ انھوں نے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ انھوں نے بیٹی کو لکھا کہ "مَیں مسلمان ہوں۔ اسلامی تہذیب کے سوا تمھاری شکل دیکھنا پسند نہیں کرتی۔ اگر تم آنا چاہتی ہو تو پشاور ہوائی اڈے پر اپنا برقع بھیج دُوں گی، تم میرا برقع پہن کر میرے گھر آؤ اور جاتے ہوئے بھی برقع پہن کر ہوائی جہاز تک جانا۔ اگر یہ شرط منظور ہے تو اجازت ہے"۔ اندازہ لگایئے انھوں نے کس طرح اسلام کی تعریف کی! چنانچہ اُن کی بیٹی آئی اور اُس نے اسی طرح کیا اور جتنے دن رہی اندر ہی رہی۔ (حوالہ: مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۲۷ر مارچ ۱۹۷۰ء)

اللہ تعالیٰ کے نام کی برکات کا عجیب کرشمہ

اللہ کی قدرت دیکھئے کہ ایک دو خواتین اور ایک دو مرد تپ دق کے مریض تھے۔ اُن سے اتفاقاً جب بات چیت کا موقع مِلا تو مَیں نے اُن سے عرض کیا کہ موت تو آنی ہی آنی ہے، یہ اذکار آپ سیکھ ہی رہے ہیں، آپ اِس خیال کو دل سے نکال دیں کہ آپ بیمار ہیں یا تندرست لیکن یہ سوچیں کہ جتنے بھی لمحے باقی ہیں وہ یادِ خدا میں کٹیں تا کہ کم از کم عاقبت تو برباد نہ ہو۔ خدا کی قدرت دیکھیئے انھوں نے اِس قدر کثرت سے ذکر جہر کیا، نہ اُن کے پاس پیسے تھے کہ اُس کا علاج کر سکیں نہ وہ پرہیزی کھانا کھا سکتے تھے یعنی انڈے مکھن وغیرہ، جس طرح کہ ڈاکٹر کہتے تھے لیکن اب آپ اندازہ لگایئے جس وقت آپ ذکر کرتے ہیں تو خون میں کس قدر گرمی آجاتی ہے! ۔ یہ پہلوان جب چار سو بیٹھکیں لگائیں تب اتنی گرمی اور خون دوڑتا ہے۔ میرا چونکہ تجربہ ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حکم دے رکھا تھا "زور تا لب گور"

یعنی آخر تک ورزش جاری رکھو۔ آپؒ دو چیزوں کے بڑے خواہشمند تھے۔ ایک نماز اور دوسرے جسمانی صحت کے لیے ورزش۔ ہمیں اکھاڑے میں بھیجتے تھے۔ خلیفہ چنن، کالے پہلوان کے والد یہاں آنے لگ گئے۔ حضرتؒ نے انھیں میرے متعلق حکم دیا کہ اِسے عصر کے بعد لے جایا کرو اور مغرب تک چھوڑ جایا کرو۔ قلعے کے سامنے اکھاڑہ ہے کالے پہلوان کا، وہاں عصر کی اذان خود خلیفہ صاحب دیتے تھے اور مَیں نماز پڑھاتا تھا تو خلیفہ صاحب نے حکم دیا کہ اِس اکھاڑے میں جو بھی آئے نماز پڑھنے والا آئے، بے نماز نہ آئے۔ الحمدللہ سو ڈیڑھ سو سے زیادہ پہلوان نماز پڑھتے تھے۔ ایک اللہ کے بندے کی ہدایت کا یہ نتیجہ نکلا۔ مَیں دونوں نمازیں پڑھا کر مغرب کے بعد آیا کرتا تھا۔ حضرت مدنیؒ کا یہ حال تھا کہ اپنے بیٹے سے پُوچھتے کہ بتاؤ کتنی بیٹھکیں اور ڈنڈ نکالے؟ میرے بعد سُست تو نہیں ہوئے؟ اُوپر تک اگر آپ تاریخ کھولیں تو شاہ اسمٰعیل شہیدؒ رحمۃ اللہ علیہ اور سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ ذکر اذکار بھی کرتے تھے اور جسمانی ورزش بھی کرتے تھے کیونکہ جہاد کے اندر لفّاظی سے کام نہیں چلتا۔ جب دِلّی کی جامع مسجد تپ جاتی، دن کو سخت گرمی کے اندر پتّھروں پر دوپہر کو زوال کے بعد ننگے پاؤں چلا کرتے تھے تاکہ اگر میدانِ جہاد میں آگ سے واسطہ پڑ جائے تو ہم راہِ خدا میں کمزور نہ پڑ جائیں۔ تو حضرتؒ نے مجھے، چھوٹے بھائی حمید اللہؒ کو اور ایک کرنل ہمارے ماموں زاد بھائی تھے (عبدالحئی لقمان) تینوں کو جُمعے کے جُمعے فجر کی نماز کے بعد تیرنا سکھاتے تھے، گھوڑے پر چڑھنا سکھایا، بندُوق منگا کے نشانہ سکھایا۔ تمام اولیاءِ کرام اور علماءِ ربّانی کا یہی طور طریقہ تھا۔ بہرحال مَیں کہنا یہ چاہتا تھا کہ مَیں نے ذکر کی تلقین کی تو انھوں نے اتنا زیادہ زور سے کیا کہ پھیپھڑوں کی بیماری دُور ہو گئی اور آج مجھ سے زیادہ صحت مند ہیں۔ وہ قطعی مایوس ہو چکے تھے لیکن اس کے بعد اُن کو بھوک لگتی، پیاس لگتی، تو وہ رُوکھا سُوکھا جو کھاتے، وہ جُزوِ بدن بنتا۔ اِس سے پہلے رُوحانی یا جسمانی ورزش نہ کرتے تھے اِس لیے جو کھاتے تھے وہ جُوں کا تُوں نکل جاتا یا ہضم ہی نہ ہو پاتا تو چارپائی کے ساتھ لگ چکے تھے اور چہرہ بالکل زرد پڑ گیا تھا۔

(حوالہ مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۱۰ اپریل ۱۹۷۰ء)

کلامِ الٰہی کی ایک معجز نمائی کا سچّا واقعہ

بعض احباب جانتے ہیں، راولپنڈی کے علاقہ میں قصبہ چونترہ میں ہم گئے تھے۔ وہاں راستہ ہی کوئی نہیں تھا، سڑک ہی نہ تھی۔ بڑے بڑے جنرل، کرنل اُس گاؤں کے رہنے والے تھے تو وہاں ایک مریض سے واسطہ پڑ گیا جو بالکل چارپائی سے لگا ہُوا تھا، چند دنوں کا مہمان تھا۔ اللہ کی قدرت، یہی ذِکر اذکار، یہی دُعائیں، یہی مغفرت کے سامان ہمارے پاس جو

دُنیا میں ہر قسم کے امراض سے نجات کے لیے ہیں، یہی پڑھ کے اُس پر دَم کر دیا اور اُسے پانی بھی دَم کر کے دیا۔ اللہ نے اُسے شفاءِ کاملہ سے نوازا اور کچھ عرصہ کے بعد ہمارا اُدھر پھر سفر ہوا تو وہ نوجوان تندرست و توانا اپنے پاؤں سے چل کر مصافحہ کے لیے آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ سُورۃ فاتحہ موت کے سوا ہر مرض کا عِلاج ہے۔ یہی ہم بتلاتے ہیں کہ جب انسان چاروں طرف سے بالکل مایُوس ہو جائے تو فجر کی نماز سے پہلے یعنی اذان اور اقامت کے درمیان یا بعد از صلوٰۃ بغیر کچھ کھائے پیے نہار مُنہ خود پڑھے یا کوئی دُوسرا پڑھے، چالیس دن کرلے، انشاء اللہ کوئی مرض رہ ہی نہیں سکتا۔ یہ میرا دعوٰی ہے۔ حضورِ انور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا دعوٰی ہے، میرا کیا ہے؟ آپ فرماتے ہیں موت کا تو کوئی علاج نہیں، لیکن اگر موت نہیں تو پھر سُورۃ فاتحہ سے بڑھ کر کوئی دوائی نہیں لیکن ایمان ہونا شرط ہے۔ اِس کے کچھ عرصہ کے بعد ہمیں ایک اور گاؤں جانا پڑا۔ اِس گاؤں اور چونترہ کے درمیان بیس پچیس میل کا فاصلہ تھا تو ہم تو پہچان نہ سکے۔ لوگوں نے کہا "آپ نے پہچانا؟" ہم نے کہا "نہیں"۔ کہنے لگے "یہ وُہی ہے جو بالکل موت کے منہ میں تھا اور اللہ کے کلام کی برکت سے یہ پیدل چل کر یہاں آیا ہے"۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ ساری زندگی سحور کو ذکرِ جہر کرتے رہے۔ مَیں یہ یقین سے کہتا ہُوں کہ انسان اگر ذکرِ قلبی کچھ جہراً کچھ سرّاً کرتا رہے تو انشاء اللہ کوئی مرض نہیں رہ سکتا لیکن اِس میں ایمان شرط ہے، دوائیاں بھی اللہ نے پیدا کی ہیں اور تاثیریں بھی اللہ ہی نے پیدا کی ہیں۔ سو آپ محسوس کرتے ہی ہیں کہ کس قدر گرمی، کس قدر خواہش اور پیاس پیدا ہوتی ہے اُس وقت آپ دُودھ پی لیں تو آپ کے لیے سونا بن جائے۔ اللہ کی رحمت ہے۔ کم خرچ بالانشیں۔ بڑے بڑے سونے کے کُشتے کھانے والوں سے انشاء اللہ آگے نکل جائیں گے۔ بلند آواز سے خُوب ذکر کیجئے۔ رات کو یقین جانیے جتنی سردی ہوگی پسینے چھُوٹ جائیں گے۔ اور اللہ والوں کی صُورت آپ دیکھیں گے جو زیادہ ذکر کرنے والے ہیں وہ اللہ کا ذکر شروع کرتے ہیں تو ساری کمزوریاں اور سردیاں دُور ہو جاتی ہیں۔ (حوالہ مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۱۰ اپریل ۱۹۷۰ء)

ایک مایُوس مریض خاتون کو قرآن سے شفاء ملنے کا سچّا واقعہ

مَیں جو اکثر واقعات سُناتا رہتا ہُوں یہ ازدیادِ ایمان کا باعث بنتے ہیں۔ ڈاکٹر زین العابدین نے ڈاکٹر ذاکر حُسین مرحوم کے ساتھ برلن میں اِقتصادیات میں پی، ایچ، ڈی کیا۔ یہ لوگ علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم اے کر کے گئے۔ ڈاکٹر زین العابدین آج کل مکّہ مکرّمہ میں قیام فرما ہیں۔ اُن کے داماد اور اُن کے بچّے بڑے بڑے اُونچے عہدوں پر سعُودی عرب

میں ہیں اور وہ بہار کے رہنے والے ہیں۔ اِتنی لمبی ڈاڑھی، اگر آپ دیکھیں تو کہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ لمبی نظر آرہے ہیں۔ حضرتؒ کی ہمیشہ دعوت فرمایا کرتے تھے۔ مصلیٰ حنفی پر پندرہ بیس منٹ ضرور تشریف لایا کرتے۔ اب اللہ کی قدرت کا ایک کرشمہ سُنیے۔ ایک مرتبہ انڈیا سے ڈاکٹر زین العابدین موصوف حضرتؒ سے ملنے کے لیے تشریف لائے۔ حضرت سندھ تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ اِلٰہذا جُمعہ کے خطبہ کے لیئے ڈاکٹر صاحب کو مجبور کیا گیا۔ ڈاڑھی سے لوگوں کو اندازہ یہی ہوگا کہ شاید عالم ہیں، لیکن تقریر میں اُنھوں نے فرمایا کہ میں عالم تو کوئی نہیں ہُوں لیکن برلن سے پی، ایچ، ڈی ضرور ہُوں اور اُن پر اثرات ایسے تھے عُلماء سے بھی کہیں زیادہ اللہ نے اُن کو رُوحانیت کا بلند مقام عطا کر رکھا تھا اور چہرے سے محسوس ہو رہا تھا کہ انوار ٹپک رہے ہیں۔ بہت پیاری اچھی تقریر کی۔ اُس زمانے میں لاؤڈ سپیکر نہیں ہوتا تھا۔ حضرتؒ یہاں چھوٹی مسجد کے باہر کھڑے ہو کر تقریر کیا کرتے تھے اور نماز آگے محراب میں پڑھایا کرتے تھے چونکہ خواتین کے لیے وہاں سے آواز نہیں پہنچ پاتی تھی، جب لاؤڈ سپیکر آیا تو پھر حضرتؒ نے منبر محراب کے پاس رکھوا دیا۔ تو یہیں ڈاکٹر زین العابدین صاحب نے تقریر کی۔ یہ اُس زمانے کی بات ہے، میں چھوٹا سا تھا، دار العلوم دیوبند جانے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ اُنھوں نے بہت سے واقعات بیان کیے جن سے ایمان تازہ ہُوا۔ ایک واقعہ مجھے اب تک یاد ہے اور پھر میں نے حرمین میں اُن سے پُوچھا بھی۔ وہ فرمانے لگے کہ برلن میں ہمارے اُستاد تھے اقتصادیات کے، دُنیا میں اُس وقت سب سے بڑے ماہر گنے جاتے تھے۔ نام بھی اُنھوں نے لیا، لیکن اب مجھے یاد نہیں رہا۔ اللہ کی قدرت، فرمانے لگے، کہ اُن کی بیوی کے پیٹ میں ایسا شدید درد ہُوا کہ ایک دن اور چند گھنٹے گزر گئے، نہ میاں سو سکے نہ بچے سو سکے، بچاری تڑپتی رہی، مرض سمجھ میں آتا نہیں تھا، جو جو دوا دارُو تھے سب آزمائے، اخیر یہ ہے کہ وہ کہنے لگے کہ انھوں نے اس حد تک سوچ بچار شروع کی اس کو کوئی انجکشن ہی دے دیا جائے تاکہ ٹھنڈی ہو جائے، اِس طرح تو تڑپ تڑپ کر نہ مرے۔ اندازہ لگائیے یعنی دھیرے دھیرے موت کا انجکشن دینے والی بات تھی۔ ڈاکٹر زین العابدین صاحب نے کہا خُدارا یہ بات نہ کیجیے۔ اسلام میں اللہ نے اجازت نہیں دی کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں مُبتلا کریں۔ اللہ کی رحمت سے قطعی مایُوسی گناہ ہے۔ اب وہ لوگ تو عیسائی تھے اور عیسائی بھی برلن کے عیسائی، ہٹلر کی مخلوق۔ تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا، لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ، اللہ کی رحمت سے کسی لمحے مایُوس نہیں ہونا چاہیئے۔ اِسی لیے مسلمانوں میں خود کُشیاں کم ہوتی ہیں۔ امریکہ، جاپان میں سب سے زیادہ خود کُشیاں ہوتی ہیں کیونکہ

خدا کے متعلق اُن کا تصوّر ہی غضب کا ہے اور اسلام میں خدا کی رحمت سے مایوسی کا تصوّر ہی نہیں ہے ساری زندگی کفر و شرک میں گزری، تب بھی اللہ سے مایوس نہ ہوں، شاید اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق دے دے۔ نزع سے پہلے اگر توبہ کرے تو یقیناً جنّت میں جائے گا۔ چونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَدَخَلَ الْجَنَّۃَ؁ اِس میں یہ نہیں کہا کہ بچپن میں پڑھے یعنی نزع سے پہلے، سکرات سے پہلے، فرشتۂ اجل کی آمد سے پہلے اگر صدقِ دل سے پڑھے، اگر ایک نماز بھی نہ پڑھے تو سیدھا جنّت میں جائے گا چاہے ساری زندگی کفر کرتا رہا ہو۔ اندازہ لگائیے اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہے؟ بہر حال وہ ڈاکٹر صاحب کہنے لگے کہ مَیں نے اُن سے کہا کہ مجھے بھی ایک نسخہ آزما لینے دو۔ کہنے لگے کہ ایک گلاس پانی لیا اور مَیں نے علیحدگی میں سُورۂ فاتحہ پڑھی اور دُعا کی کہ یا اللہ! مَیں نے تیرا کلام پڑھا ہے اور تیرے ہی یہ بندے ہیں، میرا اس میں کوئی کمال نہیں، اگر اسے شفا ہو جائے تو آج اسلام کی عظمت کا سِکّہ جم جائے گا اور میری سفید ڈاڑھی کی لاج ضرور رکھنا جو کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلّم کے اتّباع میں رکھی گئی ہے۔ خدا کی قدرت، پانی کا پلانا تھا کہ وہ بالکل تندرست ہو گئی۔ بڑے بڑے ڈاکٹر سب حیران رہ گئے کہ یہ آپ نے کیا جادو کیا؟ فرمایا جادُو کچھ نہیں کیا، اللہ کا کلام پڑھا ہے۔ وہ پہلے تو بتانے پر مُصِر تھے اور یہ مُنکر تھے کہ ان کو اعتقاد تو ہے نہیں قرآن پر، خواہ مخواہ کہیں تذلیل میری بھی نہ ہو قرآن کے ساتھ اور قرآن کی نہ ہو میرے ساتھ۔ بتلاتے ہی نہیں تھے۔ لیکن جب اُنھوں نے اصرار کے بعد بتایا تو سب کہنے لگے کہ اللہ اکبر! چونکہ یہ اللہ کا کلام ہے، بلفظہٖ، بعینہٖ یہ اللہ کا نام ہے، اِس لیے اِس کی شفا یقینی اور صحیح ہے۔ اُن کا اِس پر ایمان ہو گیا۔ اب ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں جب کسی کو کوئی تکلیف ہوتی گلاس لیے ہوئے آتے ہے کہنے لگے جس جس کو پڑھ کے دیا، خدا کی قدرت وہ پھر پادریوں کو بھُول گئے، میرے ہی معتقد ہو گئے پھر کہنے لگے کہ مجھے خاص طور پر نماز کا اہتمام کرنا پڑا کہیں یہ نہ کہیں کہ اتنا بڑا مذہبی آدمی ہو کر نماز کا اہتمام نہیں کرتا کیونکہ وہ پادری بڑا اونچا معیار رکھتے ہیں۔ ہمارے ہاں علماء کا وہ معیار نہیں ہے جو وہاں پر پادریوں کا ہے۔ اِس لیے ڈاکٹر صاحب نے اُن کے مقابلے میں ٹکّر لی اور اُن سب کو نیچا دکھایا ڈاکٹر زین العابدین یہاں پر تقریر فرما رہے تھے۔ کہنے لگے کہ آج اگر ہمارے اندر ایمان ہو تو مَیں دعوے سے کہتا ہوں کہ حضرت ابراہیمؑ آگ میں اُس وقت کُودے تھے تو آگ اُن کا کچھ نہ بگاڑ سکی، مَیں اب کُودنے کو تیار ہُوں، آپ آگ لائیے۔ انشاء اللہ کبھی میرا بال بیکا نہ ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صداقت

کے لیے، اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کی صداقت کے لیے میں یُوں کروں گا۔ اندازہ لگائیے! ایمان اپنا اپنا ہے۔ (حوالہ: مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۱۰ اپریل ۱۹۷۰ء)

لاعلاج بچے کا قرآنی علاج

حضرت رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ، جن اکابر سے میں نے قرآن وحدیث پڑھی ہے وہ سُورۂ فاتحہ کا جب ذکرِ خیر آتا تو فرمایا کرتے تھے کہ میں سب کو اجازت دیتا ہُوں اور آپ بھی اجازت دیجئے کیونکہ اجازت دینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عامل کی قوّتِ ارادی اس میں مؤثر ہوتی ہے جو اُن کے ایمان کی قوّت ہے۔ اگر اجازت ہو وہ نیچے منتقل ہوتی جاتی ہے۔ بہرحال یہ سُورۂ فاتحہ آپ آزمائیے۔ یہاں سامنے سکول میں ایک ماسٹر صاحب پڑھاتے تھے، ماسٹر اقبال صاحب، اب وفات پاگئے ہیں، ہمارے محلّے میں رہتے تھے، اُن کا بچّہ بالکل سُوکھ کر لاغر ہوگیا، ڈاکٹروں نے کہا اِس پر زیادہ پیسے نہ خرچ کیجئے، یہ چند گھنٹوں کا مہمان ہے، آرام سے اس کی جان نکلنے دیجئے، چھوٹا سا بچہ تھا، ڈاکٹروں نے مایُوس کر دیا، ویسے ماسٹر اقبال صاحب ہمارے عقیدے کے نہیں تھے، دُوسرے خیال کے تھے۔ انھوں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ تم اِس بچّے کو حضرتؒ کے پاس لے جاؤ۔ وہ بچاری بچّے کو لے کر ہمارے ہاں آئی تو والدہ مرحومہؒ نے فرمایا کہ میں قرآن شریف پڑھا کرتی ہوں اور اس میں سُورۂ فاتحہ بھی پڑھا کرتی ہُوں، تم چالیس دِن اِس بچّے کو پانی پلادو، انشاء اللہ اگر اللہ نے زندگی رکھی ہے تو تم ڈاکٹروں کی پروا ہی نہ کرو۔ وُہ بچاری رو رہی تھی کہ یہ تو بس اب ختم ہے۔ خُدا کا کرنا پہلے دن، دُوسرے دن، تیسرے دن فرق پڑتے پڑتے چالیس دِن کے بعد بچہ بالکل بھلا چنگا تندرست ہوگیا اور اب وہ دُکان کرتا ہے، مجھے ملتا ہے، اللہ کی قدرت، مجھے یاد ہے کہ جب چالیس دن گزر گئے تو وہ پھل اور ہار (جس میں نوٹ پروئے ہوئے تھے) والدہ مرحُومہؒ کو پہنانے کے لیے لے کر آئی تو حضرتؒ نے پُوچھا یہ کیا قصّہ ہے؟ تو انھوں نے کہا جی وہ بچہ تھا، سب ڈاکٹروں نے ان بچاروں کو مایُوس کر دیا تھا۔ آج یہ الحمد للہ چالیس دن کے بعد بالکل توانا اور صحت مند ہے۔ وہ خاتون کہنے لگی کہ یہ میں والدہ صاحبہ کے کپڑے اور یہ ہار خوشی سے لائی ہوں۔ حضرتؒ نے فرمایا چونکہ اللہ کا کلام پڑھ کے دَم کیا گیا، کوئی دُنیا کا کام نہ تھا، نہ اس پر کوئی دمڑی پائی خرچ ہُوئی، اِس لیے یہ ہار اور یہ کپڑے بالکل اس وقت جائز نہیں ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا (البقرۃ آیت ۴۱) میری آیتوں کا مول نہ لو۔ تو ہم نے تمھیں کوئی دوا نہیں دی، کوئی دارُو نہیں دیا، کلام اللہ یہ پڑھتی تھیں، تم نے بھی

آیتیں تب بھی انھیں پڑھنا تھا، اثر اللہ کے کلام نے کیا، تم خدا کا شکر ادا کرو لیکن اِس وقت قطعاً ایک پائی بھی ہمارے اوپر حرام ہے۔ وہ مانتی ہی نہیں تھیں سمجھتی ہی نہیں تھیں کہ جہاں جہاں گئے ہیں تعویزوں کے پیسے لیتے ہیں۔ بہر حال بچاری جاہل عورت تھی، حضرتؒ نے نہیں لینے دیے۔ اسی طرح کے سینکڑوں واقعات ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی سُورۃ فاتحہ کو آزمانے کی توفیق دیں تو ضرور آزمائیے۔ میری طرف سے سب کو اجازت ہے بلکہ اجازت دینے کی بھی اجازت ہے۔ چالیس دن تک اکتالیس مرتبہ روزانہ مع بِسۡمِ اللهِ پڑھنا چاہیئے۔ اگر مٓ کے نیچے زیر لگا کر اور اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو بہت اچھا ہے۔ یعنی بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ الخ (مِ لۡحَمۡدُ لِلّٰهِ) اِس سُورۃ کی سات آیتیں ہیں اور ہر دفعہ مٓ کے نیچے زیر لگا کر ملا کر پڑھیں گے تو اس کے اثرات بہت زیادہ ہوں گے۔ (حوالہ، مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۱۰ر اپریل ۱۹۷۰ء)

سُورۃ فاتحہ قرآنِ مجید کا خلاصہ ہے

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ سُورۃ فاتحہ قرآنِ مجید کا خلاصہ ہے اور اتنی تعریف کی ہے سُورۃ فاتحہ کی کہ بیان سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کو اَلسَّبۡعُ الۡمَثَانِیۡ فرمایا ہے۔ دُہرائی جانے والی آیتیں۔ ہر نماز کی ہر رکعت میں ہم دُہراتے ہیں۔ یہ قرآن کا مغز ہے، عطر ہے، نچوڑ ہے، سارے قرآن کے اہم مضامین اِس میں اللہ نے سمو دیے ہیں، دریا کوزے میں بند کر دیے ہیں جس طرح سارا مضمون عُنوان میں آجاتا ہے اِسی طرح سُورۃ فاتحہ کو تیس پاروں اور ۱۱۴ سُورتوں کا عنوان سمجھیے، بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرتِ مسیحؑ تک جتنی بھی الہامی کتابیں ہیں، جس قدر بھی اللہ تعالیٰ کے احکام و فرامین ہیں اُن سب کا نچوڑ اور لُبِّ لُباب سُورۃ فاتحہ میں رکھ دیا گیا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ آپ تصور فرمائیں کہ آم کی گُٹھلی میں آم پُورا ہے، اسی طرح جامن کی گٹھلی میں پُورا جامن ہے۔ جامن کی اِتنی سی گٹھلی کو آپ گاڑیں گے، ذرا سی دیکھ بھال کریں گے، ایک دن وہ پودا بڑھ کر کے جوان ہوگا تو آپ سارا خاندان مقابلے میں لیٹ جائیں تب جا کر اُس کو پہنچ سکیں گے۔ آدھ فرلانگ تک وہ درخت اُوپر پہنچ جائے گا۔ پوتے، نواسے، دادے، پر دادے اگر لیٹ جائیں یکے بعد دیگرے اُوپر نیچے لمبائی میں تب جا کے درخت کی چوٹی تک پہنچیں گے۔ چھ سات سالوں میں یہ اتنی لمبائی تک پہنچ جاتا ہے۔ اندازہ لگائیے، اتنی چھوٹی سی گٹھلی بڑھ کر اتنا بڑا درخت بن گئی جو آپ کے حلق سے آسانی

سے نکل سکتی تھی لیکن زمین میں گاڑی تو کہاں تک پہنچی۔ یہی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ لاکھوں پھولوں کا عطر اتنی سی شیشی میں سما جاتا ہے۔ اِس لیے ساری الہامی کتابیں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کا جو بھی دعوت و ارشاد کا لُبِّ لُباب تھا وہ سارا قرآن میں ہے اور قرآن کی ایک سو چودہ سُورتوں کو اللہ نے سورۂ فاتحہ میں سمو دیا ہے۔ سورۂ فاتحہ پڑھ لینا گویا ساری الہامی کتابیں پڑھ لینے کے مترادف ہے۔ یہ معمولی بات نہیں ہے، بہت اونچی بات ہے۔ اِس لیے اللہ والوں کا طریق یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کو معہ وصل بسم اللہ کے پڑھنے میں بہت زیادہ اثرات ہیں۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ... الخ (حوالہ، مجلسِ ذکر مطبوعہ خدام الدین ۱۰ اپریل ۱۹۷۰ء)

عمل میں عامل کی قوّتِ ارادی اثر کرتی ہے

ایک اور واقعہ بھی سُن لیجیے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مولانا حبیب اللہ صاحبؒ نے مکّہ شریف سے خط لکھا کہ "مَیں نے سُورۂ قریش اِتنے لاکھ دفعہ پڑھی ہے لیکن مقصد پُورا نہیں ہُوا"۔ حضرتؒ نے معمولی طور پر بتایا کہ فلاں نماز کے بعد اس طرح اِتنی دفعہ پڑھو۔ ہفتہ بھی نہیں پُورا گزرا ہوگا کہ خط آ گیا۔ اُنھوں نے لکھا کہ "حضرتؒ! بالکل ٹھیک ۳، ۴ دن پڑھنے کی نوبت آئی ہے اور مقصد پُورا ہو گیا ہے۔ اتنی دفعہ پڑھا تو مقصد پُورا نہ ہُوا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ خط نہ لکھ سکے، بیمار تھے، مجھ سے خط لکھوایا اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب مجھے دی جس کی شرح فارسی میں "حزبُ البحر" ہے، اُس کا ایک باب نقل کروا کر پھر خود ہی تشریح کرائی۔ لُبِّ لباب سارے خط کا یہ تھا کہ عمل میں عامل کی قوّتِ ارادی اثر کرتی ہے۔ تم نے کسی کتاب میں پڑھا، عمل کر دیا، اب مجھے سلسلہ بسلسلہ اپنے اکابر اور شیوخ سے اِس کی اجازت چلی آ رہی ہے، تمھیں اس کی اجازت اس لیے دے رہا ہُوں کہ تم ماشاءاللہ اس سلسلے کے تیس چالیس سال سے عامل ہو تو انشاءاللہ اب اثر یقینی ہوگا۔ شاہ صاحبؒ کا یہ فرمانا کہ عمل میں عامل کی قوّتِ ارادی اثر کرتی ہے، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اسی لیے حَدَّثَنَا عَنۡ فُلَانٍ عَنۡ فُلَانٍ ہے۔ اب مَیں نے حدیث پڑھی حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے، اُنھوں نے پڑھی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے، اُنھوں نے پڑھی حضرت مولانا محمّد قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے، حضوؐر تک سلسلہ چلا جاتا ہے۔ اِس طرح سِلسلہ بسلسلہ نُورانیت چلی آتی ہے اور بغیر اس کے یہ چیز حاصل نہیں ہو سکتی۔ فرض کیجیے ایک مستشرق اگر بخاری پڑھ لیتا ہے اُس کے بخاری پڑھنے میں اور ایک عالم کے بخاری پڑھنے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ایک عالم جو الفاظ

ادا کرے گا اُس کی سند حضورؐ تک پہنچے گی اور مستشرق بلا سند پڑھے گا۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر مطبوعہ خدام الدین ۱۰ اپریل ۱۹۷۰ء)

بھٹکے ہوؤں کا قرآنی علاج

بہر حال ایک دوسری بات جو اِس سے بھی زیادہ اہم ہے وہ سُن لیجئے۔ حضرت مدنیؒ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے میرے سامنے پوچھا کہ "فلاں لڑکا بڑا ہی نابکار ہے، سیہ کار ہے، شراب نوش ہے"۔ حضرتؒ نے فرمایا "سورۂ فاتحہ پلاؤ"۔ اُنھوں نے کہا، "پڑھی ہے، فائدہ نہیں ہُوا"۔ حضرتؒ نے فرمایا "تم اِس طریقہ سے پڑھو"۔ فرمانے لگے: "حضرت دینپوریؒ نے اجازت دی ہے کہ جو سوسائٹی میں اوباش، بدمعاش ہو جائے اُس کے لیے سورۂ فاتحہ مع وصلِ بسم اللہ کے پڑھیں لیکن اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی آیت ہر بار گیارہ دفعہ لوٹائیں، اور اس کی شکل ضرور سامنے لائیں اور دل میں تمنّا کریں کہ یا اللہ! اِسے نیک پاک بنا دے، نابکاروں بدمعاشوں، اوباشوں کی صُحبت سے نجات دِلا دے، اللہ والوں کی صحبت میسّر فرما۔ یہ ایسا تیر بہدف عمل ہے کہ خدا کے فضل سے کامیابی حاصل ہوتی ہے"۔ مَیں نے خود بیسیوں دفعہ تجربہ کیا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ہزاروں دفعہ کا تجربہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کانٹا بدل دیتے ہیں اور اصلاح فرما کر اپنے دامنِ رحمت میں لے لیتے ہیں۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر مطبوعہ خدام الدین ۱۰ اپریل ۱۹۷۰ء)

بیوی بچّوں کے ساتھ عدل و انصاف

میرے بڑے لڑکے عزیزی محمّد اجمل سلمہٗ کی پیدائش پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے "مولوی حبیب اللہؒ نے شادی نہیں کی، اُن سے بڑے ایک اور صاحبزادے حسنؒ تھے، جو اوائل عمر ہی میں فوت ہو گئے تھے" حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے آخری زمانے کا واقعہ ہے کہ آپؒ نے دو قیمتی بکرے منگوائے اور اُنھیں ذبح کیا۔ فرمانے لگے "اللہ تعالیٰ نے پہلا بچہ جو دیا تھا وہ ایک ماہ بعد ہی وفات پا گیا اور چند ہفتوں بعد اُس کی والدہ کا بھی وصال ہو گیا"۔ فرمانے لگے کہ "اُس وقت ہمارے پاس وسعت نہیں تھی کہ ہم عقیقہ کر سکتے۔ اب اللہ نے وسعت دی ہے تو اللہ تعالیٰ کے اُس انعام اور عطیّہ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے یہ بکرے ذبح کیے ہیں۔ باوجود اس کے کہ اللہ نے اپنی امانت واپس بھی لے لی ہے لیکن مجھ پر اللہ کا شکر واجب ہے"۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ "قرآن نے تعلیم دی ہے کہ ایک کے بعد دوسری بیوی جسے سوکن کہا جاتا ہے لانا چاہو تو معقول شرعی عُذر بھی ہونا چاہیئے، لیکن سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ تم عدل و انصاف قائم کر سکو"۔ فرمانے لگے کہ "میری سفید ڈاڑھی ہے، پچھتّر سال گزر گئے، مَیں نے آج تک

دوسری شادی کے بعد پہلے بچّوں اور پہلی بیوی کے ساتھ انصاف ہوتے نہیں پایا۔ اللہ اور رسول ؐ نے آپ کو ایک حکم دیا، اُس پر عمل کرنے کے لیے آپ کو بہت زیادہ حقوق سکھلا دیے، عدل و انصاف ہو زیادتی نہ ہونے پائے لیکن ایک اللہ کا بندہ اُس ضابطے کو نظر انداز کرتا ہے اور الزام مُلّا اور قرآن پر دھرتا ہے، اِس سے بڑھ کر بھی کسی انسان کی اُلٹی کھوپڑی ہو سکتی ہے؟"

(حوالہ: مجلسِ ذکر مطبوعہ خدام الدین ۱۷/ اپریل سنہ ۱۹۷۰ء)

حضرت تھانویؒ کا عدل و انصاف

اب یہاں سے ایک بات نکلتی ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ بات یہاں فرمائی تو کسی خاتون نے میری والدہؒ کو قصہ جا سُنایا۔ میری والدہؒ کے پاس پیرانی صاحبہ بیٹھی ہوئی تھیں ـــ حضرت تھانویؒ کی اہلیہ ـــ حضرت تھانویؒ کے معتقدین اُن کی اہلیہ محترمہ کو "پیرانی صاحبہ" کہتے ہیں۔ بہرحال پیرانی صاحبہ سے ہماری والدہؒ کو پتہ چلا اور انھوں نے حضرتؒ کو بھی بتایا، کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ عدل و انصاف کی انتہائی پابندی اِس حد تک کرتے تھے کہ گھی تول کر دیتے، چینی تول کر دیتے، کپڑے جیسے ایک کے ویسے دُوسری کے۔ حتّیٰ کہ انھوں نے کہا کہ اگر اللہ نے کبھی ایک جوڑا بھجوا دیا تو انھوں نے کبھی یہ نہیں کیا کہ ایک کو جوڑا دیا اور دوسری کو نہ دیا بلکہ اُس جوڑے کی بھی تقسیم انصاف سے کرتے۔ یہ نہیں کہ ایک کو قمیض دے دی اور دوسری کو پاجامہ نہیں بلکہ قمیض کے بھی دو ٹکڑے اور پاجامے کے بھی دو ٹکڑے کر دیتے، دوپٹے کے بھی دو ٹکڑے کر ڈالتے تھے، اور دونوں کو برابر دے دیتے۔ میری والدہؒ نے پوچھا کہ "پھر وہ کپڑے کس کام آئے؟ قمیض بھی گئی، پاجامہ بھی گیا اور دوپٹہ بھی گیا۔" انھوں نے کہا "یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن ہمارے دلوں میں شیطان یہ وسوسہ نہیں ڈال سکتا تھا کہ قمیض اچھی تھی، دوسری کو دے دی یا دوپٹہ اچھا تھا، دوسری کو دے دیا، جو آتا ہمارا برابر برابر کا حصہ ہوتا اور ہمارے سامنے تقسیم ہوتا تھا۔"[1] (حوالہ: مجالسِ ذکر مطبوعہ خدام الدین ۱۷/ اپریل سنہ ۱۹۷۰ء)

دِکھلاوے کی نماز

چوہدری عبدالرحمٰن مرحوم نے مجھے ایک دفعہ واقعہ سُنایا کہ "مَیں علی گڑھ یونیورسٹی میں پڑھتا تھا۔ یہ سنہ ۱۹۳۴ء یا سنہ ۱۹۳۵ء کا واقعہ ہے۔ وہاں نماز کو ضروری قرار دیا جاتا تھا اور

---

[1] دراصل جس نے حضرت تھانویؒ کی خدمت میں ہدیۃً جوڑا بھیجا اُسے چاہیے تھا کہ تخصیص کرتا کہ بڑی اماں جی کیلیے ہے یا کہ دوسری کیلیے

[2] اسی طرح سینکڑوں نہیں ہزاروں لاکھوں کی ہدایت حضرات شیخینؒ (حضرت شیخ لاہوریؒ اور حضرت اقدس انورؒ) سے اللہ پاک نے لی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

صبح شام مسجد میں حاضری لی جاتی تھی۔ جو لوگ نماز میں نہ آتے اُن کے خلاف کارروائی کی جاتی تھی۔
فرمانے لگے طلبہ نے چپڑاسی کو سکھا رکھا تھا کہ جب جماعت قریب الختم ہو اور سلام پھرنے والا ہو تو ہمیں اشارہ کر دو۔ بس فوراً دگڑ دگڑ مسجد میں آجاتے اور نماز میں بیٹھ جاتے۔ کہاں کا وضوء اور کون بتائے نماز پڑھی ہے یا نہیں۔ سلام پھیرا اور حاضری بولی" دین محمّد "! "لیس سر"۔ "غلام محمّد "! "لیس سر"۔ نماز بھی ہوگئی، حاضری بھی ہوگئی، جماعت بھی مل گئی، نہ حضوری، نہ خشوع، نہ خضوع، نہ رکوع، نہ سجدہ، نہ تلاوت"۔ یہ نماز نہیں ہے۔ چوہدری صاحبؒ فرمانے لگے" جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہُوا تو وکالت چھوڑ دی کیونکہ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس پیشے میں حلال کی روزی بہت کم میسّر آتی ہے۔ لہٰذا فرمانے لگے کہ" مَیں نے سرکاری ملازمت اختیار کرلی اور علی گڑھ یونیورسٹی کے زمانے کی پتہ نہیں کتنے برسوں کی نمازیں ساری لُٹائیں۔ اب الحمدللہ مَیں سوچتا ہوں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ٹھیک فرماتے ہیں، انھوں نے ہمارے دِلوں میں قرآن کی عظمت پیدا کی اور انگریز کے تمدّن کی نفرت دِل میں بٹھا دی"۔ (حوالہ: مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۲۴ر اپریل ۱۹۷۰ء)

حضرت سندھیؒ بحیثیت مربّی

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے حضرت سندھیؒ کی خدمت میں دے رکھا تھا۔ میرے چچا مولانا عزیز احمد صاحبؒ ساری عمر اُنکی خدمت میں رہے۔ کچھ دن ہوئے ایک کتاب میں مجھے ایک خط مِلا جو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے عربی زبان میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا تھا کہ مولانا سندھیؒ کسی کی خدمت پسند نہیں کرتے ساری زندگی انھوں نے غیر لوگوں سے خدمت نہیں لی۔ انھوں نے میرے لیے لکھا کہ انور کو ان کی خدمت میں بھیج دیجئے[۱] اس خط کا مجھے پتہ نہیں تھا۔ مَیں سمجھتا تھا حضرتؒ نے اپنے طور پر پیش کر رکھا ہے۔ اب پتہ چلا ہے کہ حضرت مدنیؒ کی سفارش پر بھیجا تھا۔ حضرت سندھیؒ کی عادت تھی کہ جُوتا خود پہنتے تھے مجھے جُوتا اٹھانے سے نہ روکتے لیکن اگر کوئی دوسرا جُوتا آگے رکھتا تو قریب نہ جاتے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم جو انڈیا کے صدر تھے، یہ اُن کے سب سے زیادہ عقیدت مند تھے، اُن کے لیے گھر سے خود چائے

---

[۱] بارہا حضرتِ اقدسؒ نے اس واقعہ کو بیان فرمایا کہ (سُلطان الاولیاء) حضرت مولانا حبیب اللہ صاحبؒ، جو کہ دار العلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہو چکے تھے، کو حضرت (امام لاہوریؒ) نے حضرت سندھیؒ کی خدمت پر مامور فرما رکھا تھا اور مَیں ابھی درمیانی کتابیں پڑھتا تھا لیکن حضرت مدنیؒ کی فرمائش پر حضرتؒ نے فوراً عمل فرمایا اور اب مَیں ان اکابرؒ کے فیصلے پر اللہ جل شانہٗ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں۔

بنا کر لاتے، اُن کے سامنے دو زانو بیٹھتے۔ حضرت مدنیؒ کی عنایات کے طفیل مجھے بھی اللہ نے حضرت سندھیؒ کی خدمت کی توفیق عطا فرمادی۔ سندھ میں گرمی کی وجہ سے مجھے پھنسیاں نکل آئیں تو حضرت سندھیؒ نے نیم منگوائی۔ اکبر نامی ایک شخص پیر ضیاء الدین صاحب کا تانگہ بان تھا، وہ نیم لایا۔ پیر ضیاء الدین صاحب حضرتؒ کے پورے ہم درس رہے۔ سندھ میں پیر جھنڈا اور پیر پگاڑا دو زبردست چوٹی کے پیر ہیں[1] وہاں قرآن وحدیث کی زبردست تعلیم ہوتی ہے۔ کبھی جا کے آپ دیکھیں تو حیران رہ جائیں اتنا بڑا کتب[2] خانہ پورے پاکستان میں کہیں نہیں ہے جتنا وہاں ہے۔ خیر حضرت سندھیؒ نے اکبر سے کہا میاں نیم گھوٹ لاؤ۔ وہ اللہ کا بندہ اتنا بڑا پیالہ بھر کر لے آیا اور میرے سامنے اُس نے رکھ دیا میں نے جب وہ پینے کے لیے اُٹھایا تو قریب کرتے ہی میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ نیم میں اتنی زور کی خوشبو ہوتی ہے۔ تو میں نے وہ پیالہ چُپ کر کے نیچے رکھ دیا۔ اللہ کی قدرت، حضرت سندھیؒ کی قوّتِ برداشت اور سبق دینے کا ڈھنگ دیکھیے۔ انھوں نے مجھے اتنے نیم کے فوائد بتائے کہ بیان سے باہر ہیں۔ ساری زندگی انھوں نے دُنیا بھر کی خاک چھانی، تیرہ سال حجاز کے اندر خانہ کعبہ میں حدیث پڑھائی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ساری تعلیمات اُن سے حاصل کی ہیں۔ اِس دوران کابل میں بھی رہے تو وہاں امیر امان اللہ خان، جنرل نادر خان، یہ جو آج کل کے حکمران ہیں افغانستان کے اِن کے والد تھے ان کے چچا وزیرِ اعظم تھے سردار ہاشم خان، سردار داؤد خان، سردار محمود خان، سب حضرت سندھیؒ کے شاگرد تھے۔ جمال پاشا ترکی سے آیا، اُس نے بھی قرآن حضرت سندھیؒ سے پڑھا۔ خیر تو میں نے وہ نیم کا پیالہ اُٹھا کر رکھ دیا۔ اب اندازہ لگائیے ستّر پچھتّر سالہ بُوڑھے نے پیالہ اُٹھایا، مُنہ سے لگایا اور ختم کر کے نیچے رکھ دیا۔ اب اِس سے بڑھ کر اور کون سا ڈھنگ ہے تربیت کا؟ میں دم بخود رہ گیا اتنی نیم پینے سے انسانی رگیں جُڑ جانے کا خطرہ ہے مگر اُن کی قوّتِ برداشت اور خدا پر بھروسہ ایسا زبردست تھا کہ بیان سے باہر ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے تو توکّل حضرت سندھیؒ سے سیکھا ہے۔ لاکھوں روپے کی ضرورت پڑتی تو اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے، اللہ تعالیٰ دے دیتے۔ کبھی جیب میں رکھا نہیں، سب راہِ خدا میں لُٹا دیا۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھر کے پانی

---

[1] حضرت سندھیؒ کی دار العلوم سے فراغت کے بعد پہلی جماعت میں حضرت امام لاہوریؒ کے ہم درس حضرت پیر ضیاء الدین صاحب تھے۔

[2] یہ کتب خانہ حضرت سندھیؒ کے لیے بنوایا گیا تھا۔

پیا کرتے تھے۔ میں نے اسعد میاں سے پوچھا، کہنے لگے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ زیادہ پانی پینے سے انسان کا ذہن کُند ہو جاتا ہے۔ تو حضرت سندھیؒ نے دوسرے دن اکبر کو فرمایا کہ بھگڑیاں ساتھ لے آؤ۔ (سندھی میں چنے کو بھگڑیاں کہتے ہیں) مجھے فرمایا کہ تم سے جتنا پیا جائے پی جاؤ اور اس کے بعد یہ چنے چبا کر تھوک دینا۔ پہلے سے وہ کم نیم لایا تو ایک دم میں نے پی کر چنے چبا لیے۔ تین دن حضرت سندھیؒ نے مجھے نیم پلائی اور صبح سے شام تک سوائے لسّی کے مکھن کے، روٹی کے ساتھ میٹھا کھانے نہیں دیا۔ وہ فرماتے تھے مجھے بچپن میں تکلیف ہوئی تھی تو میری والدہ نے تین دن مجھے نیم اس طرح پلائی تھی اُس کے بعد ساری زندگی کبھی پھنسیاں نہیں نکلیں۔ جس دن سے حضرت سندھیؒ نے مجھے نیم پلائی مجھے بھی پھنسیاں نہیں نکلیں بلکہ کوئی زخم ہو جائے تو میں پروا ہی نہیں کرتا، فوراً مندمل ہو جاتا ہے۔ (حوالہ: مجالسِ ذکر مطبوعہ خدام الدین ۸ مئی ۱۹۷۰ء)

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے کمالات

جو علماء حق ہیں انھوں نے ڈیڑھ دو سو سال میں ہزاروں قربانیاں دیں تب جا کر ملک آزاد ہوا، اسلام آپ کا بچا، کبھی ہندوستان کی تاریخ لکھی گئی تو آپ دیکھ کر دنگ رہ جائیں گے، ساری قوم کی خدمات ایک طرف، اکیلے علماء کی خدمات اُن سے بڑھ کر ہیں۔ صرف اسیر مالٹا حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مدنیؒ، اور یہ ابھی زندہ ہیں۔ پٹھان عالم حضرت مولانا عزیر گل، جن کو ملنے اسعد میاں پاکستان آتے ہیں، یہ پانچ سال مالٹا میں رہے، کبھی انہی کے حالات پڑھیے تو آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔ ان اللہ کے بندوں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسے کا ایسا لازوال عمل پیش کیا ہے کہ اُسے دیکھ کر انسان کے اندر ہمّت، جرأت اور قوّت پیدا ہو جاتی ہے، ایمان قوی ہو جاتا ہے۔ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان کو چار دانگِ عالم میں عزّت و عظمت عطا فرمائی۔ حضرت مدنیؒ کو شیخ العرب والعجم کے لقب سے پکارا جاتا ہے، اُن کے عُشّاق و خُدّام حجاز میں، پاکستان میں، برما میں، انڈونیشیا میں، افریقہ میں بلکہ کوئی ملک ایسا نہیں جہاں مسلمانوں میں حضرت مدنیؒ کے خدام اور جان نثار نہ ہوں، کئی سو علماء کو براہِ راست حدیث پڑھائی ہے۔ تیرہ سال تو مسجدِ نبویؐ میں پڑھائی، پھر کلکتے میں پڑھائی سلہٹ میں پڑھائی، سلہٹ میں جب بھی جاتے، ایک مہینہ، ڈیڑھ مہینہ، ساری رات جاگتے، ہزاروں انسان اُن کے ساتھ معتکف ہوتے، قرآن سنتے اور عبادت میں مشغول ہوتے، جہاں جاتے بس ایک سَیل تھا اللہ کی رحمت کا۔ جب آپؒ کا وصال ہوا تو حضرت رائے پوریؒ لاہور میں تھے۔ اُن کو

اطلاع کی گئی کہ حضرت مدنیؒ کا وصال ہو گیا ہے۔ فرمانے لگے کہ مرے نہیں، مریدوں نے مار دیا ہے بعد میں تشریح کی کہ اِس بڑھاپے کے زمانے میں اللہ کے بندوں کو کچھ نہ کچھ سوچنا چاہیئے کہ انھوں نے ساری زندگی بڑی جفاکشی میں گزاری ہے، اب تو اُن پر زیادہ بار نہ ڈالا جائے۔ "آنکھوں دیکھی بات کرتا ہوں، اپنے گھر میں مَیں چھوٹا تھا، تکیہ رکھا ہوا تھا حضرت مدنیؒ نے اینٹ کا اور سو رہے ہیں ہیں نے اُٹھا کر تکیہ قریب رکھ دیا تو مجھے فوراً ہنس کر فرمانے لگے" میاں صاحبزادے! جیل میں کیا آپ تکیہ مہیا فرمایئے گا؟" جب تک انگریز بدبخت حکمران تھا حضرت مدنیؒ ڈاڑھی پر خضاب لگاتے، بالکل کالی نہیں کرتے تھے، شرعی گنجائش کے مطابق ہی ہوتی، لیکن وہ کہتے کہ جب تک میں انگریز خبیث کو یہاں سے نکال نہیں لیتا میں اپنے سفید بال ظاہر نہیں ہونے دیتا کہ میرا دشمن انگریز کہے گا کہ سفید بال ہو گئے ہیں، بوڑھا ہو گیا ہے، مَیں اُسے یہ خوشی بھی دیکھنے نہیں دیتا اور اخیر اُسے نکال باہر کیا۔۔۔۔ فرمایا اسلام کے بدترین دشمن کو اتنی بھی خوشی نہ ہو کہ حُسین احمدؒ بوڑھا ہو گیا ہے۔ جس دن مُلک آزاد ہو گیا اُس کے بعد پھر خضاب نہیں لگایا۔ حضرت مدنیؒ کی طبیعت میں بہت ظرافت تھی۔ ہر وقت ہنستے رہتے تھے لیکن جب فسادات ہوئے تو اُن کو اتنا صدمہ تھا جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ اُن کے ہاں تشریف لے گئے تو اُنھوں نے مُرغی منگوائی، اُن کی عادت تھی کہ عربوں کی طرح سے سب اکٹھے بیٹھ کر کھاتے۔ جب سب کھا چکتے تو حضرت مدنیؒ سالن ختم کرتے، پلیٹ کی صفائی کرتے، پانچ پانچ چھ چھ ہزار لوگ اُن سے ایک ایک دفعہ بیعت ہوتے۔ آج مدراس ہیں تو کل کاٹھیاواڑ ہیں، آج کاٹھیاواڑ ہیں تو کل سُورت تشریف لے گئے۔ لوگ ذرا بھی آرام نہیں لینے دیتے تھے۔ اُن کی تکلیف کا کوئی خیال نہیں کرتے تھے۔ اِس پر حضرت رائپوریؒ نے فرمایا، کہ مُریدوں نے مار دیا۔ یعنی قوّتِ جسمانی سے زیادہ اُن پر بوجھ ڈالا۔ حضرت مدنیؒ ایک دفعہ چائے پی رہے تھے، بڑے بڑے علماء وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک صفائی کرنے والا عیسائی سامنے سے گزر رہا تھا۔ حضرتؒ نے اُسے بُلایا، اپنے پیالے میں اُسے چائے دی تو وہ ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا کہ میں ابھی اپنا برتن لاتا ہوں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اسی میں پیو۔ وہ کہنے لگا جی میں تو عیسائی ہوتا ہوں، حضرتؒ نے فرمایا کوئی بات نہیں، تم پیو، ہمارے نبیؐ کی تعلیم ہے کہ انسان کا جھوٹا پاک ہے اور مومن کا جُھوٹا شفاء ہے۔ وہ مانتا ہی نہ تھا۔ حضرتؒ نے زبردستی پیالہ دے دیا۔ جب پی لیا تو کہنے لگا کہ جی میں یہ برتن الگ رکھتا ہوں، فرمانے لگے لاؤ مجھے دو۔ حضرتؒ نے لیا، اُس میں چائے ڈالی اور

خود پی لی۔ وہ ہکّا بکّا رہ گیا کہ ایک معمولی اقلیت کے فرد سے اتنے بڑے عالم کا یہ سلوک!! سارے لوگ اُن کے جوتوں کو ہاتھ لگانا فخر سمجھتے ہیں اور وہ میرا جھوٹا پینے کو تیار ہے!! اللہ کی قدرت اُس پر ایسا اثر ہُوا کہ وہ برداشت نہ کر سکا۔ گھر جاکر، نہا دھوکر اور بیوی بچّوں کو لے کر آگیا کہ حضرت! ہمیں کلمہ پڑھادیں...... یہ ہے اولیاءِ کرام کا سچّا کردار...... اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسا کردار نصیب فرمائے۔ آمین۔ (حوالہ: مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۸ مئی ۱۹۷۰ء)

حضرت امروٹی کے ایک مُرید کا واقعہ

ایک سندھی بہت بڑے مالدار تھے۔ حضرت امروٹیؒ کے مُرید تھے، اپنے بڑے لڑکے کو لے کر حضرت امروٹیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا "جی یہ نماز نہیں پڑھتا، دُعا کریں"۔ اُنھوں نے غصّے سے فرمایا "یہ بھی کوئی دُعا کرنے کی بات ہے؟ اِس کو حکم دو کہ نماز پڑھے"۔ اور پھر اُس لڑکے کو فرمایا "کم بخت! اُٹھ، وضوء کر اور نماز پڑھ"! ایک دم وہ وضوء کرکے نماز کے لیے کھڑا ہوگیا۔

(حوالہ: مجالس ذکر مطبوعہ خدام الدین یکم مئی ۱۹۷۰ء)

حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ کی کسرِ نفسی

یہ سیہ کار، گنہگار، کَبَّرَنِی مَوْتُ الْکُبَرَاءِ، اگرچہ کس قدر نالائق ہے لیکن بڑے جب دُنیا میں نہ رہیں تو چھوٹے اُن کی جگہ پر بیٹھ جاتے ہیں۔ مَیں تو اپنے لیے اقبالِ مرحوم کا وہی مصرعہ پسند کرتا ہوں ؏

زاغوں کے تصرّف میں عقابوں کے نشیمن [۱]

کہ ہم میں تو کوئی صلاحیّت، خُوبی، کمال نہیں، لیکن یہ آپ حضرات کی دُعائیں ہیں یا اللہ تعالےٰ کی کوئی رحمت ہے کہ ہمارا کون سا گناہ اللہ تعالیٰ کو پسند آگیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس نعمت سے نوازا ہے۔ (حوالہ: تقریر درس قرآن وحدیث واہ کینٹ مطبوعہ خدام الدین بعنوان "قرآن اور اسلام کی عظمت" ۸ مئی ۱۹۷۰ء)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت

مَیں چھوٹا سا تھا تو پہلی دفعہ جب دار العلوم دیوبند گیا، تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ گاڑی پر سوار کرانے کے لیے تشریف لے گئے، اندھیرا تھا، ایک تانگے والا آگیا۔ حضرتؒ نے گھڑی دیکھی تو ابھی نمازِ فجر میں ایک گھنٹہ تھا۔ فرمانے لگے پیدل ہی چلتے ہیں۔ آدھ گھنٹے میں اللہ اللہ کرتے ہوئے سٹیشن پہنچ جائیں گے اور تمھیں

---

[۱] یہ شعر حضرت اقدسؒ اکثر اپنے لیے پڑھتے تھے۔ جس شاخ پہ پھل لگے وُہی جھکتی ہے۔

سوار کرا کے اطمینان سے شیرانوالہ مسجد واپس پہنچ کر نماز ادا کر سکتا ہوں۔ یہ جو چھ سات آنے اِس تانگے والے کو دینے ہیں یہ کسی ایسے غریب کو دے دیں گے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو تاکہ اُس کے گھر دال روٹی پک سکے۔ یہ تانگے والا تو کسی اور سواری سے بھی کما لے گا۔ اگر یہ چھ سات آنے کسی غریب مسکین کے گھر چلے جائیں تو اچھی بات ہے یا یہ کہ میں تھوڑی دیر کے لیے تانگے میں سیر کر لوں؟ سامان بھی زیادہ نہ تھا، وہ مجھے بھی نہ دیتے، سر پر اُٹھا رکھا تھا، اندازہ لگایئے، یہ ہیں اللہ کے بندے جتنا اپنی ذات کے لیے ضروری ہو وہ تو رکھ لیتے ہیں اور باقی زائد از ضرورت دُوسرے حاجت مندوں کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ (حوالہ مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۲۵ ستمبر ۱۹۷۰ء)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نصاب سے بھی زیادہ زکوٰۃ ادا کرنے کو پسند فرماتے

ہماری والدہ مرحومہ نے اپنا زیور آدھا چھوٹے بھائی حافظ حمید اللہؒ کی اہلیہؒ کو دے دیا اور آدھا میری بیوی کو۔ ایک دفعہ اِس زیور کی زکوٰۃ کا حساب کیا تو غالباً پندرہ رُوپے بنے یا تیرہ رُوپے بنے (اُس زمانے کے) والدہؒ نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ اِتنے روپے اِتنے آنے زکوٰۃ بنی ہے۔ مطلب اُن کا یہ تھا کہ آنے ہی دُوں یا روپیہ پُورا کر کے دُوں؟ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر تیرہ روپے کچھ آنے بنے ہیں تو تم لوگ چودہ پندرہ رُوپوں کے بجائے بیس رُوپے دو۔ اِدھر ہمارے حساب میں رہے گا، اُدھر خیرات کے حساب میں چلا جائے گا تو وہ اچھا ہے۔ جو راہِ خدا میں دے دو گے وہ دو گنا چوگنا ہو کر ملے گا۔ یہ تجارت اچھی ہے یا وہ تجارت؟ (حوالہ: مجلسِ ذکر مطبوعہ خدام الدین ۲۵ ستمبر ۱۹۷۰ء)

ہماری جماعت کی ذِمّہ داریاں

ہماری جماعت جہاں اللہ اللہ کرنے والی جماعت ہے، وہیں دینِ حقّہ کی سربلندی کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے والی جماعت بھی ہے۔ ہمارے اکابر نے مسجدوں کو بھی آباد کیا اور قومی اور ملّی پیمانے پر بھی خدمات انجام دیں۔ ہم فخر سے سر بلند کر کے کہہ سکتے ہیں کہ جب بھی ہمارے اکابر نے یہ دیکھا کہ اب کنارے بیٹھنا مناسب نہیں ہے وُہ میدانِ عمل میں کُودے اور مردانہ وار حالاتِ ناسازگار کا مقابلہ کیا۔ ہمارے حضرتؒ پیرانہ سالی اور فالج کے عارضہ کے باوجُود ہر موقعہ پر سینہ تان کر ملّی تحریکوں کی رہنمائی فرماتے رہے۔ بارہا قید و بند کی صعُوبتیں جھیلیں لیکن کبھی اُن کے پائے ثبات متزلزل نہ ہُوئے۔ آپؒ نے ہر جابر حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہا۔ ایّوب خاں جیسے آمر کو شرعی قوانینِ نکاح و طلاق میں دخل دینے

پر ٹو کا ہی نہیں بلکہ اُس کو چیلنج کیا۔ سکندر مرزا جیسے متکبّر حکمران کا نام لے لے کر اُسے پکارتے رہے اور اسی طرح ہر حاکمِ وقت کو صحیح راستہ دِکھاتے رہے۔ ہم بھی اُنہی کے نام لیوا ہیں۔ ہم پر بھی اب بہت بڑی ذِمّہ داری کا وقت آرہا ہے۔ (حوالہ، مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۲ر اکتوبر ۱۹۷۰ء)

قرآنِ مجید کی عظمت کا ایک عجیب واقعہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایک واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک شخص افریقہ میں کسی عہدہ پر تعینات تھا۔ اُس کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں اپنے کیمپ میں بیٹھا قرآنِ حکیم کی تلاوت میں مصروف تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ میرے پیچھے ایک لمبا تڑنگا افریقی جو بالکل ننگا تھا کھڑا ہے اور گردن پر ایک نہایت ہی عمدہ موٹا تازہ دُنبہ اُٹھا رکھا ہے۔ مَیں نے پُوچھا کہو بھائی! کیسے آئے؟ اُس نے کہا یہ دُنبہ آپ کی دعوت کے لیے لایا ہُوں۔ دراصل مَیں تو آپ کے قتل کے لیے آیا تھا، یہ دیکھو میرا چھُرا، لیکن جب مَیں نے آپ کو تلاوتِ کلام اللہ میں مصروف پایا تو مَیں نے واپس جاکر اپنی قوم کو بتایا کہ وہ شخص تو ہمارے ہی مذہب کا آدمی ہے تلاوتِ قرآنِ کریم میں ہمہ تن مصروف ہے لہٰذا بطورِ عقیدت ومحبّت یہ دُنبہ آپ کی نذر ہے.. آپ اسے قبول فرمایئے۔ (حوالہ، مجالس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۸ر جنوری ۱۹۷۱ء)

اللہ تعالیٰ کے کلام کی طاقت کا عجیب واقعہ

ایک مرتبہ یہ سیہ کار سفینۂ حجّاج سے سفرِ عُمرہ وزیارت پر روانہ ہُوا تو کچھ رقم تھی جو زادِ راہ کے طور پر پاس تھی۔ عدن سے گزر کر خیال آیا تو اپنی اہلیہ محترمہ سے پوچھا۔ اُنھوں نے کہا آپ ہی کے پاس تھی۔ میرے دِل کو ذراسی بھی بے اطمینانی نہ ہُوئی، بچّے سو رہے تھے، مَیں نے سورۂ والضّحیٰ پڑھنا شروع کی اور چلنے لگا۔ آنکھوں کے سامنے ایک پُرانی جُراب آئی تو یاد آیا کہ وہ رقم اُس میں رکھی تو تھی۔ پھر تصوّر میں ایک ڈرم نظر آیا۔ مَیں نچلی منزل پر چلا گیا وہاں ایک خلاصی بیٹھا تھا، کہنے لگا یہاں کوئی نہیں ہے، مَیں نے اُس کی طرف توجّہ نہ کی اور غسل خانے میں داخل ہونے کے لیے آگے بڑھا، اُس نے کہا ذرا ٹھہریئے۔ مَیں نے پھر توجّہ نہ کی اور اندر چلا گیا۔ سُورۂ والضّحیٰ کا وِرد جاری تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وُہی ڈرم کونے میں موجُود ہے، اُس کے اندر کچرا وغیرہ بھرا ہُوا تھا، مَیں نے جُھک کر دیکھا تو وہی جُراب پانی میں لت پت موجود تھی۔ اُس کو اُٹھایا اور لے کر باہر نکل آیا وہ خلاصی جلدی سے اندر گیا۔ ڈرم اُٹھا کر جمع شدہ کچرا سمندر میں پھینک دیا اور ڈرم خالی کر کے پھر

وہیں رکھ دیا۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو جو بھی ہاتھ میں نوٹ یا سکّے آئے اُس کو دے دیے وہ میرے پاؤں پر گر پڑا۔ میں نے اُس کو اُٹھا کر کہا کہ دیکھو بھائی! ہمارے مذہب میں اس طرح کرنا گناہ ہے۔ سجدہ اور رکوع خداوند تعالیٰ کا حق ہے۔ اگر دو منٹ دیر ہو جاتی یا اُس خلاصی کے کہنے سے میں رُک جاتا تو وہ رقم سمندر میں چلی گئی ہوتی۔ اُس کا خیال یہی ہوگا کہ ان کے اندر جانے سے پہلے میں صفائی کر دُوں۔ اہلیہ محترمہ کو بتایا تو وہ حیران رہ گئیں اور اللہ کا شکر ادا کیا پھر صابن سے دھو کر صاف کر کے سُکھاتی رہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کس قدر طاقت ہے! سبحان اللہ!

(حوالہ: جانشین شیخ التفسیرؒ کے تبلیغی دورۂ اٹک، اکوڑہ خٹک اور نوشہرہ کے تاثرات (مرتبہ مؤلف) مطبوعہ خدام الدین ۲۸ مئی ۱۹۷۱ء)

ولی را ولی می شناسد

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خادم کی حیثیت سے بارہا حرمین الشریفین کے سفر کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معمول یہ ہوا کرتا تھا کہ وہ حرمین میں روپیہ پانی کی طرح بہاتے اور دل کھول کر راہِ خدا میں لُٹاتے۔ ایک بار حرم میں مجھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ فلاں آدمی کو جا کر اتنی رقم دے آؤ۔ میں صفیں چیرتا ہُوا وہاں پہنچا اور چپکے سے مصافحہ کر کے وہ ہدیہ پیش کر دیا۔ نہ ہی میں نے بتایا کہ یہ کس نے بھیجا ہے نہ ہی انھوں نے پوچھا، نہ میرے ساتھ اُن کی جان پہچان تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں کیا دیکھتا ہُوں کہ وہی آدمی اپنی جگہ سے اُٹھا اور بلا کسی سے پُوچھے سیدھا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا، آپؒ کی ریشِ مبارک پر عطر لگایا اور واپس اپنی جگہ پر جا بیٹھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس وقت حرمین الشریفین میں جس قدر اولیاء اللہ جمع ہیں اس کا مقام اللہ رب العزت کے ہاں سب سے بلند ہے۔ وہ شخص تُرک تھا۔ پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے کچھ اور رقم دی اور اشارہ کر کے فرمایا کہ فلاں عورت کو دے آؤ۔ میں نے عرض کیا وہ تو آدمی ہے کیونکہ لباس بھی آدمی کا ہے اور سر پر عمامہ بھی ہے۔ فرمایا تم جاؤ اور حکم کی تعمیل کرو۔ وہ عورت ہے۔ میں نے تعمیلِ ارشاد کی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ ولیہ اس تُرک کے بعد دُوسرے درجہ پر ہے۔ (حوالہ: جانشین شیخ التفسیرؒ کے تبلیغی دورۂ اٹک، اکوڑہ خٹک اور نوشہرہ کے تاثرات (مرتبہ مؤلف) مطبوعہ خدام الدین ۲۸ مئی ۱۹۷۱ء)

والدہ مرحومہ کی بات

ایک بات لطیفے کے طور پر یاد آئی۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور اِدھر اپنے حضرتؒ کو اخبار سُنانے کی میری ڈیوٹی لگ گئی۔ میں رات کو خبریں سُناؤں، میری والدہ مجھ سے ناراض ہو جاتیں، وہ کہیں کہ تم کوئی اللہ اللہ کرو، قرآن حدیث

پڑھو، یہ کیا تم خود بھی وقت ضائع کرتے ہو اور رات کو حضرتؒ کے کان کھاتے ہو؟ حضرتؒ نے فرمایا یہ ضروریات ہیں، اِس زمانے میں بے خبر انسان اچّھا نہیں، ہمیں کچھ نہ کچھ خبر تو ہونی چاہیئے اَنور ضروری خبریں روزانہ مجھے سُنا دیتا ہے۔ آج دُنیا میں کیا ہو رہا ہے، اِس سے انسان اگر بے خبر ہو تو کیا اصلاح اور تصدیق کیسے کر سکے گا۔ لیکن والدہ مرحومہؒ فرماتیں "جدوں ایں اخبار ویکھیا اے بھیڑیاں ای گلّاں نظر آیاں نیں، کدی چنگی گل نظر نہیں آئی"۔ اب مَیں اخبار اُٹھاتا ہوں ــــ واقعی سو فیصدی اُن کی بات صحیح تھی۔ موت کی خبریں، ڈکیتی کی خبریں، زنا، چوری اور سینہ زوری کی خبریں ہی ہوتی ہیں۔ (حوالہ: خطبۂ جمعہ مطبوعہ خدام الدین ۲ جولائی ۱۹۷۱ء)

حضرت مولانا حافظ حمید اللہ کی اہلیہ کا انتقال

حافظ حمید اللہ مرحوم کی اہلیہؒ مرحومہ بیچاری ہمیشہ بیماریوں کا شکار رہی، حافظ صاحبؒ کی جتنی سخت زندگی تھی، جتنا سخت مزاج تھا، اِس معاملے میں اتنے ہی نرم تھے۔ کھانا اور چائے پکا کے گھر بھجواتے۔ کبھی ماتھے پر شکن نہیں آنے دی۔ بچّوں کو نہلانا دُھلانا، کپڑوں کا انتظام خود کرنا، حتّٰی کہ بیمار ہو کر ہسپتال نہیں جاتے تھے۔ سب مجبور کرتے رہے، مانتے نہ تھے۔ آخر کہنے لگے کہ اگر مجھے ہسپتال لے جانا ہے تو میرے بچّوں کو پہلے کچھ دے دو۔ مطلب یہ کہ اگر مَیں چلا جاؤں گا تو اِن کا پیچھے کون ہے؟ سب نے کہا، بلکہ مَیں نے بھی ہسپتال میں کہا کہ بچّے ملنے کے لیے آنا چاہتے ہیں کسی وقت لے آئیں؟ کہنے لگے ہرگز نہیں، مَیں وُہیں آ کے مِلوں گا۔ جب آئے تو پھر بچّوں نے اُن کے دُنیا سے رُخصت ہونے کے بعد ہی زیارت کی۔ اُن کی اہلیہ مرحومہؒ ہمیشہ حج کے لیے حافظ صاحبؒ کے ساتھ جاتی تھیں۔ خدا کی قدرت اِس دفعہ اُن کا پکّا ارادہ تھا اور مکمّل تیّاری تھی لیکن اللہ کو منظور یہی تھا کہ یکے بعد دیگرے دونوں عالمِ بقا کو سُدھار گئے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر مطبوعہ خدام الدین ۲ جولائی ۷۱ء)

والدہ مرحومہؒ کی یادگار باتیں

والدہ مرحومہؒ کی خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ جنّت المعلّٰے یا جنّت البقیع میں قبر نصیب فرما دیں۔ جب کبھی حرمین الشّریفین جانا ہوتا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے کہتیں کہ آپؒ مجھے اجازت مرحمت فرما دیں تو مولوی حبیب اللہؒ کے پاس رہوں۔ آپؒ کی دو ـ

---

[1] حضرتِ اقدسؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ (حضرت مولانا) حافظ حمید اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ولایت کی یہ نشانی کیا کم ہے کہ اِس صبر سے اپنی بیمار اہلیہ کے ساتھ زندگی گزاری۔

بہوئیں ہیں۔ مَیں اِس کو یہاں کھانا پکا کر کھلاؤں گی اور اس کے ساتھ جنّت البقیع میں دفن ہونگی۔ حضرتؒ نے فرمایا جب تک ہم زندہ ہیں بہوؤں کا تو کھانا ہم نے کھانا نہیں، تم آؤ گی تو گھر جائیں گے۔ تم نہ آئیں تو میں نے گھر کبھی نہیں جانا۔ حضرتؒ نے فرمایا میرے بعد بے شک یہاں آنا۔ پھر اُنھوں نے کہا کہ اچھا شرط یہ ہے کہ انور کو حکم دے دو کہ آپؒ کے بعد مجھے لے کر یہاں آئے اور میرے ساتھ وفات تک رہے۔ حضرتؒ نے فرمایا اچھی بات، انور سے مشورہ کرتا ہوں، اگر وہ دل کی خوشی سے پسند کرے تو مجھے کیا اِنکار ہے؟ اِس جگہ مولوی حبیبُ اللہ آئے، مَیں نے واپس نہیں بُلایا۔ میرا بیٹا انور کراچی میں تھا تو کاروبار کرتا تھا، اللہ اللہ کرتا تھا، دین پڑھاتا تھا، مَیں نے اجازت دے دی۔ مولوی حبیبُ اللہ نے یہاں رہنے کا ارادہ کیا، پہلے بُلا کر انور سے اجازت لی کہ تم یہاں لاہور رہو تو پھر مَیں اُسے اجازت دُوں، ورنہ نہیں۔ اگر یہ وہاں جانا پسند کرتا ہے تو میرا چھوٹا بیٹا خدمتِ دین کرے گا، یہ تم پر موقوف ہے۔

اب اللہ کی قدرت دیکھیے جب حضرتؒ کا وصال ہُوا اور مَیں نے والدہ مرحومہ سے کہا کہ چلیے تو فرمانے لگیں کہ میری تو چارپائی یہاں سے نکلے گی۔ پہلے تو یہ شوق تھا کہ مکے میں دفن ہوں گی۔ پھر مولوی حبیبُ اللہ صاحبؒ کو لکھا کہ میرے پاس عمرے اور حج کے لیے روپیہ ہے، حضرتؒ نے رکھا تھا، وہ نصیب نہ ہُوا، یہ روپیہ تم خرچ کر لو اور مجھے مِلنے کے لیے لاہور آ جاؤ، انھوں نے لِکھا جہاں آپؒ نے اتنی تکلیف اور انتظار برداشت کیا، تھوڑا سا اور کر لیں، انشاءاللہ جنّت میں ملیں گے۔ اُن کا تو یہ حال۔ اب مَیں کہتا ہوں چلیں آپ مکے میں، آپ نے جو کہا تھا کہ تم نے قرآن حِفظ نہیں کیا، دُوسرے دونوں بھائیوں نے کیا، روٹی پکا کے کھلاؤں گی، تم کو بھی تمھارے بڑے بھائی کو بھی، اور تم سے قرآن حِفظ کراؤں گی، مَیں نے کہا چلیں، تو جواب میں یہی فرماتیں کہ اب تو میری چارپائی ہی نِکلے گی یہاں سے، اور واقعی پھر چارپائی ہی اُٹھی۔

(حوالہ: مجالسِ ذکر مطبوعہ خدام الدین ۲ر جولائی ۱۹۷۱ء)

حضرت مولانا حمید اللہ صاحبؒ کی عظمت و عزیمت

میرے بڑے بھائی نے تو حرمین شریفین میں خدمتِ دین اور یادِ الٰہی میں زندگی صرف کر دی۔ چھوٹے بھائی حافظ حمید اللہؒ کی اہلیہ کا حال ہی میں وصال ہُوا ہے۔ اللّٰھم اغفرلہا وارحمہا۔
حافظ صاحبؒ نے ہمیشہ درسِ قرآن اور تدریس و تعلیم کی پابندی کر کے بے مثال زندگی گزاری ہے۔ اُن کی مقبولیت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر سال اپنے گھر حج کے لیے بُلا لیتے تھے اور وہ اللہ کے نیک بندے اپنی اہلیہ کو ہمیشہ ساتھ لے جاتے۔ مَیں کہتا ہُوں ان کی اور نیکیاں تو چھوڑیئے یہی اُن کے لیے نجات کا سامان کم نہیں ہے کہ اپنی دائمی بیمار اہلیہ کے ساتھ زندگی گزار دی۔ اللہ تعالیٰ بخشنے پر آئیں تو ؎

شنیدم کہ در روزِ اُمید و بیم ــــ بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

اللہ تعالیٰ یہ آزمائشیں اُنہی کو دیتے ہیں جو ان کے اہل ہوتے ہیں ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مِل گیا ــــ ہر مدّعی کے واسطے دار و رسن کہاں

(حوالہ: مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۲ر جولائی ۱۹۷۱ء)

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے آخری لمحات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارذل العمر سے پناہ مانگی ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے مَیں خود دُعا مانگتا ہوں یا اللہ! چلتا پھرتا لے جا، اپنے اعزّہ کے لیے تکلیف کا باعث نہ بنوں۔ دُوسری دُعا یہ کرتے تھے کہ یا اللہ! ایک نماز قضا نہ ہو، روزہ قضا نہ ہو، درس بھی قضا نہ ہو۔ وفات سے چار پانچ دن پہلے جب بھی ہم سے آمنا سامنا ہوتا تو ہمیں حکم دیتے بیٹا! میرا جنازہ بعد میں اُٹھانا، درس پہلے دینا۔ تیسرے چوتھے دن والدہ نے پُوچھا یہ کیا بات ہے جب تم ملتے ہو یا جُدا ہوتے ہو ایک ہی نصیحت کرتے ہیں کہ جنازہ بعد میں اُٹھانا، درس پہلے دینا۔ تمھاری بہن اور تمھارے بھائی کا وصال ہُوا تو پھر بھی درس کا ناغہ نہیں کیا۔ خُدا کا کرنا ایسا ہُوا کہ پانچویں دن وصال ہو گیا۔ والدہ کہنے لگیں کہ حیرت کی بات ہے آٹھ دس دِن پہلے کفن سِلوایا تب بھی کسی کا خیال اس طرف نہیں گیا۔ حاجی دین محمّد صاحبؒ کہتے ہیں کہ جمعرات کو خطبہ لکھ کر آنے لگے تو فرمایا کتابیں ساتھ رکھ دو۔ حاجی صاحبؒ نے کہا حضرتؒ! کیا بات ہے؟ فرمانے لگے کہ اب ہمارا آرام کا ارادہ ہے

حاجی صاحبؒ کہتے ہیں کہ مجھے وہم بھی نہیں ہُوا کہ دُنیا سے جا رہے ہیں۔ مَیں نے یہ خیال کیا کہ بڑھاپا زیادہ ہو گیا ہے، کمزوری ہو گئی ہے، اب حضرتؒ کے بس کی بات نہیں کہ وہاں سے چل کر یہاں آ کر خطبہ لکھیں۔ حاجی صاحبؒ نے کہا حضرتؒ! آپؒ ساری کتابیں اُٹھا کر لے جا رہے ہیں، کیا آنے کا ارادہ نہیں ہے؟ فرمایا ہمارا اب آرام کا اِرادہ ہے، اور اللہ کی قدرت جُمعہ کو آرام ہو گیا۔ سترہ دن حضرتؒ نے کھانا نہیں کھایا، رمضان کے سترہ روزے چائے کی پیالی پر ہی رکھے، چائے کی پیالی پر ہی سحور ہوتا رہا اور چائے کی پیالی پر ہی افطار۔ حافظ صاحبؒ افطار کراتے اور والدہؒ سحور کراتی تھیں۔ سترہ دن نہ درس قضا ہُوا، نہ نماز قضا ہُوئی، نہ اپنے معمولات میں قضا ہُوئی نہ حرج ہُوا، عام معمول یہ تھا کہ عشار کی نماز کے بعد حضرتؒ کھانا کھاتے تاکہ تراویح میں کسل نہ ہو اور ایک چائے کی پیالی پیتے تاکہ نماز میں سُستی نہ آنے پائے۔ کھانا ہم بھی حضرتؒ کے ساتھ ہی کھایا کرتے تھے کھانا کھا رہے تھے تو میرے دونوں بچے اجمل، اکمل بھی بیٹھے کھانا کھا رہے تھے تو پنجابی میں فرمانے لگے "اکمل نُوں ساڈا جھولا رہ جائے گا، تے اجمل نُوں میری اِک اَدھی گل یاد رہ جائے گی"۔ کسی کا ذہن اِدھر گیا ہی نہیں۔ سب کے سامنے کہا لیکن خُدا شاہد ہے کہ ہمارا ذہن پھر بھی اِدھر نہیں گیا۔ ایک دن بات ہُوئی تو والدہؒ کہنے لگیں اُس دن حضرتؒ فرما رہے تھے اکمل نُوں ساڈا جھولا رہ جائیگا۔ تو مَیں نے اکمل سے پوچھا "دادا جان کہاں گئے؟" کہنے لگا "دادا جانؒ ٹھیک ہونے گئے ہیں"۔ وہ ہسپتال جاتے رہتے تھے کبھی بیمار ہوتے تو بچے یہی سمجھتے کہ دادا جانؒ ٹھیک ہونے گئے ہیں اجمل سے پُوچھا کہ "کہاں گئے ہیں" تو اُس نے کہا "دادا جانؒ فوت ہو گئے ہیں"۔ فوت ہو کر کہاں گئے ہیں؟ پتہ نہیں، اللہ کے پاس گئے ہیں۔ "کب آئیں گے؟" "شاید کل آئیں"۔ وہ یہ سمجھتے ہیں شاید کہیں سفر پہ گئے ہیں۔ میری والدہؒ نے کہا کہ دیکھو حضرتؒ کی کتنی صحیح بات تھی کہ اکمل کو جھولا رہ جائے گا۔ "دادا جانؒ ٹھیک ہونے گئے ہیں"۔ اُس سے پوچھا تو "دادا جانؒ فوت ہو گئے ہیں"۔ "فوت ہو کے کہاں گئے ہیں؟" "پتہ نہیں، کل کو آئیں گے"۔

قرآن میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کئی سو سال تک بلکہ کئی ہزار سال تک مُردہ حالت میں رکھیں گے اور زندہ کرنے کے بعد جب اُن سے پوچھیں گے کہ کتنا عرصہ رہے ہو؟ تو وہ کہیں گے ایک دن یا کم و بیش۔ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ (بقرہ ۲۵۹) بچے کی زبان پر بھی بار بار یہی آیا حالانکہ اُنھیں کُچھ پتہ نہیں کہ "فوت" کیا ہوتا ہے۔ حافظ صاحبؒ کے دونوں بڑے بچے ہیں، وہ یہ

تو جانتے ہیں کہ فوت ہو گئے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ فوت ہو کے آدمی کہاں جاتا ہے؟ اور چھوٹے کو اتنا بھی پتہ نہیں۔ جھولے والی بات اُسے بھی یاد ہے۔ اللہ اکبر! میں یہ کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کسی کو بھی اس عمر میں نہ بُلائے۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد دی ہے تو تربیت کی توفیق عطا فرمائے۔ حاجی دین محمدؒ صاحبؒ میرے ساتھ حافظ حمید اللہ صاحبؒ کی قبر کھُدوانے کے لیے گئے تو بتایا کہ حافظ صاحبؒ ہسپتال میں کہنے لگے کہ میں ہمیشہ سوچتا تھا اللہ نے لڑکے بعد میں، لڑکیاں پہلے دے دیں۔ اگر لڑکے پہلے ہوتے تو شاید میں کوئی تعلیم و تربیت ہی دے دیتا۔ تو کہنے لگے کہ اب سمجھ میں آتا ہے کہ اس لڑکی[1] نے سارا گھر سنبھالنا تھا اور میری خدمت اس لڑکی سے خُدا نے لی۔ اگر لڑکے ہوتے تو کہاں خدمت کرتے؟ سلیقہ لڑکیوں کو ہوتا ہے۔ کہنے لگے کہ فِعْلُ الْحَکِیْمِ لَا یَخْلُوْا عَنِ الْحِکْمَۃِ ط اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْن کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر مطبوعہ خدام الدین، ۱۶ جولائی سنہ ۱۹۷۱ء)

حضرتؒ وفات سے قبل مصافحہ اور معانقہ فرماتے رہے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ وصال سے قبل تیمم کرتے، نماز لیٹ کر پڑھتے، پھر دُعا کرتے، پھر کہتے اللہ اللہ! پُوچھا روزہ افطار ہو گیا؟ ہم نے عرض کیا جی ہاں ہو گیا۔ فرمایا میرا روزہ افطار کراؤ، پانی لاؤ۔ والدہؒ نے کہا پانی پی لیں، فرمایا اچھی بات، پیتے ہیں، پہلے نماز پڑھ لیں، پھر میری والدہؒ کہنے لگیں پانی مت پلاؤ۔ ان کی حالت اچھی نہیں ہے۔ میری بیوی سے کہا تم چائے سے روزہ افطار کرتی ہو، چائے کی پیالی لاؤ، چائے کی پیالی پاس لا کر رکھ دی۔ نہ اُنھوں نے پانی پیا نہ چائے، اللہ کے ہاں پیاسے ہی چلے گئے۔ نماز تو ایک بھی قضا نہیں ہوئی مگر تراویح نہیں پڑھ سکے[2] اسی طرح نوافل پڑھتے پڑھتے بیچ میں اُٹھ کر معانقہ کرنے لگتے[3] زبان سے کچھ نہیں فرمایا۔ پہلے مصافحہ کیا، پھر معانقہ، پھر مسکرائے،

---

[1] حضرت مولانا حافظ حمید اللہ نور اللہ مرقدہٗ کی بڑی صاحبزادی سلمہا اللہ تعالیٰ کو رخصت (شادی) فرماتے وقت حضرت اقدسؒ نے ایک حسب ذیل تحریر بھی دی اور بزبانِ خود پڑھ کر سُنائی اور فرمایا اس بچّی نے حافظ صاحبؒ اپنی والدہؒ اور میری بھی بہت خدمت کی ہے (آنکھیں پُرنم اور آواز بوجھل ہو گئی) خدا اسے سدا خوش رکھے اور پھر رقت آمیز دُعا کار کے چلتے وقت فرمائی۔ اب معلوم ہُوا کہ حضرت اقدسؒ نے اپنے ہاتھوں اسی بیٹی (بھتیجی) کو رخصت فرمانا تھا۔

[2] حضرت اقدسؒ سے بارہا سُنا کہ نماز مغرب کے بعد دو دو کر کے بے حساب ہی نفل پڑھ لیے۔

[3] مصافحے اور معانقے سے پہلے تمام مستورات کو فرمایا کہ "پردہ کرلو" حضرت اقدسؒ کی والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ اور اہلیہ محترمہ مدظلہا اللہ تعالیٰ اور سرگودھے کی ایک خوش نصیب بی بی آمنہ صاحبہ (موجود تھی) نے آپس میں سرگوشی کی کہ کس سے معانقہ کرتے ہیں اور کس سے مصافحہ کرتے ہیں! ہمیں تو کوئی نظر نہیں آتا۔

میری والدہ کہنے لگیں "کس سے مِل رہے ہیں"؟ مجھے اشارہ سے پُوچھا "یہ کیا ہے"؟ میں نے کہا "اللہ جانے، آپ بھی دیکھ رہی ہیں"۔ مُسکرا کر مِلا کرتے تھے تو ایک دانت نظر آجاتا تھا۔ یہ کہا، "مزاج تو اچھے ہیں"؟ بس یہ کیفیت پیدا ہوئی، اِس کے بعد لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ ؐ پڑھ کر قبلہ رُخ ہو گئے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر مطبوعہ خدام الدین ۹ر جولائی ۱۹۷۱ء)

مَیں آخری وقت تک حضرتؒ کے پاس رہا

مَیں بورسٹل جیل میں جُمعہ پڑھانے کے لیے جایا کرتا تھا۔ عین نمازِ جُمعہ کے وقت حضرتؒ کی طبیعت خراب ہُوئی۔ مَیں نے کہا "آپ کے غسل کے لیے پانی گرم کروں"؟ فرمانے لگے "نہیں، میری طبیعت ٹھیک ہے، خُود گرم کروں گا"۔ خُود ہی پانی گرم کیا، خُود ہی غسل فرمایا۔ حافظ صاحبؒ کپڑے لے کر آئے تو فرمایا "میری طبیعت خراب ہے"۔ اُن سے کہا تم خطبہ دو اور نماز پڑھاؤ۔ مَیں مغرب کے قریب واپس آیا تو دیکھا بہت سے ڈاکٹر کھڑے ہیں۔ پُوچھا تو معلوم ہُوا کہ طبیعت ناساز ہے، ہسپتال لے چلیں، وہاں کوئی کمرہ دیکھ کر آئیں اور حضرتؒ کے لیے ایمبولنس لیتے آئیں۔ مَیں کار میں بیٹھ گیا۔ خدا معلوم کس ڈاکٹر کی کار تھی۔ میرے بھانجے وحید کو فوراً بھیجا کہ نانا جان بُلاتے ہیں۔ مَیں اندر گیا، فرمایا "کہاں جارہے ہو"؟ مَیں نے سیدھی سیدھی بات بتادی۔ ڈاکٹر صاحبان کہتے ہیں کہ آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہے، رات کا وقت گزرنا مشکل ہے، اِس لیے ہسپتال لے چلیں۔ فرمایا تم یہاں بیٹھو، اُنھیں جانے دو۔ وہ حافظ صاحبؒ کو لے کر چلے گئے.. حضرتؒ کے وصال کے تین منٹ کے بعد وہ سارے ڈاکٹر کمرہ لے کر اور پورا انتظام کر کے آگئے۔ سب نے آکر نبض پر ہاتھ رکھا تو ابھی گرم تھی۔ مَیں سوچتا ہوں کہ اگر چلا گیا ہوتا تو مَیں بھی محروم رہتا۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر مطبوعہ خدام الدین ۹ر جولائی ۱۹۷۱ء)

حضرتؒ کے مزارِ عالی پر ایک ولی اللہ کا کشف

ایک بزرگ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جب حالات دیکھے تو کہنے لگے کہ مَیں اتنے ماہ پہلے آیا تھا، اب اتنی تیز کیفیت ہے کہ اُس سے ہزار گُنا بڑھ گئی ہے۔ یہ ہُوا کیسے؟ مَیں نے کہا ہزاروں عُلماء نے اُن سے قرآنِ حکیم پڑھا ہے، ہزاروں مردوں نے، عورتوں نے درسِ قرآن سُنا ہے، اللہ کا نام سیکھا ہے۔ وہ کہنے لگے تم بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ مَیں نے یہ کیفیت اتنی تیز اہل اللہ میں سے کسی کی نہیں دیکھی کہ ترقیِ درجات کے لیے بعد از وفات بھی جس کے صدقات

جاریہ اتنے ہوں! - میں نے کہا کئی مسجدیں اللہ نے اُن سے بنوائی ہیں اور کئی مسجدوں کے اماموں اور خطیبوں کی تربیت اللہ نے اُن سے کرائی ہے اور نہیں تو میرے بڑے بھائیؒ خانہ کعبہ میں ہر لمحہ اُن کے لیے دُعائیں کر رہے ہیں۔ ایک بڑے بھائیؒ پر ہی کیا موقوف خدا معلوم کتنی اُن کی روحانی اولاد ہے۔ (حوالہ: مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۹ر جولائی ۱۹۷۱ء)

حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کی دُعا

حضرت مولانا عُبید اللہ سندھیؒ یہاں سے حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے گئے۔ حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ سے دُعا کرائی کہ اللہ مجھے آپ کے قدموں میں موت دے۔ چنانچہ وہ آج حضرت دین پوریؒ کے قدموں میں سو رہے ہیں۔ حضرت سندھیؒ خود بھی کچھ کم نہیں تھے۔ تیرہ سال جس نے مسجدِ نبویؐ میں قرآن پڑھایا ہو آخر وہ بھی تو کسی مقام کا مالک ہو گا؟ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے اکابر کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ (حوالہ: مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۹ر جولائی ۱۹۷۱ء)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فیض

میں آپ حضرات کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں محض اسلیے سُناتا ہوں کہ وہ ہمارے مقتدا ہیں، پیشوا ہیں، اللہ تعالےٰ اُن کے نقشِ قدم پر چلائے، وہ اپنی عاقبت سنوار گئے، دُنیا بہتر بنا گئے، خلقِ خدا اُن سے فیض یاب رہی، اُن کے جوتوں کے صدقے مجھے اللہ نے کئی کئی حج کرائے ہیں، عمرے کرائے ہیں اُن کو حج عمرے کا شوق تھا، مسجدیں بنانے کا شوق تھا، مدرسے بنانے کا شوق تھا، اللہ اللہ کرنے کا شوق تھا، خدا وہ سارے شوق ہم سب کو نصیب فرمائے۔ (حوالہ: مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۹ر جولائی ۱۹۷۱ء)

والدہ مرحومہؒ کو جنّت کی بشارت

والدہ مرحومہؒ ہر روز سو دفعہ سُورۃ والضحٰی پڑھ کر دُعا مانگتی تھیں کہ یا اللہ! حج کرا اور ہوائی جہاز سے کرا۔ میں عرض کیا کرتا "یہ اللہ سے آپ کیوں شرطیں لگاتی ہیں؟ خدا ہوائی جہاز کی بجائے اگر بحری جہاز سے لے جائے تو پھر کیا ہے؟" وہ فرماتیں "تمھارے ابّا جی کو اتنی فرصت کہاں ہے کہ بحری جہاز سے جائیں آئیں؟ خدا کے خزانوں میں کیا کمی ہے؟ بڑے سے بڑا مانگوں، چھوٹا کیوں مانگوں"؟ خدا کی قدرت ہے کہ ہر سال دیتا ہے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے اَهْلُ الْجَنَّةِ بُلْهٌ۔ جن کو دُنیا بے وقوف سمجھتی ہے اصلی جنّتی وہی ہیں۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے اگر کوئی فیشن پرست تمہاری ماں ہوتی، اُس کا کوئی اور رنگ ہوتا۔

تو یہ برکات کہاں سے نصیب ہوتیں؟ جتنا میں خرچ دیتا ہوں اُس میں سے پیسہ پیسہ بچا لیتی ہیں اور جب حج یا عمرے پر جانے لگتے ہیں تو چھ سات سو روپیہ مجھے دے دیتی ہیں کہ یہ بھی زادِ سفر میں ڈال لیں۔ اگر اُسے کھانے پینے کا شوق ہوتا، فیشن کی دلدادہ ہوتیں تو یہ برکتیں کہاں نصیب ہوتیں؟ یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام ہے کہ اللہ نے مجھے وہ بیوی نہیں دی جو فیشن پسند ہو بلکہ وہ بیوی دی جو میرے پھٹے پرانے کپڑے پہنتی ہے۔ میں کہتا ہوں یہ دُنیا دار آتے ہیں، تو یہ نہ کہیں کہ اچھے دین کی خدمت کرتے ہیں کہ خدا اِن کو کپڑے بھی نہیں دیتا" لیکن والدہ کہتیں کہ "نہیں نہیں، آپ جائیں، مجھے دُنیاداروں کی کوئی پروا نہیں ہے"۔ حضرتؒ فرمایا کرتے "میں اسی لیے دُھلے ہوئے کپڑے پہنتا ہوں اور پیوند لگے نہیں پہنتا۔ حالانکہ جی چاہتا ہے، یہ سُنّتِ رسُولؐ ہے۔ لوگ کہیں گے یہ اچھا قرآن پڑھاتا ہے اس کو خدا کپڑے بھی نہیں دیتا۔ اِس لیے مجھے خدا کی طرف سے غیرت آتی ہے تو اللہ جب دیتا ہے، میں ہمیشہ اُجلے اور ستھرے کپڑے پہنتا ہوں"۔

(حوالہ: مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۹ جولائی ۱۹۷۱ء)

حرام کا کاروبار

کُتّے اور بلّی کو تو کوئی ایسا نہیں کرتا لیکن لاہور کی ایک مارکیٹ میں میں نے دیکھا کہ مُردہ مرغیاں بیچ رہے تھے۔ میں نے پُوچھا "یہ مُرغیاں آخر کس کام آئیں گی؟" وہ کہنے لگے "آپ کو اپنے کام سے غرض ہے۔ اِس بات کو چھوڑیں"۔ میں نے کہا "پھر بھی؟" انھوں نے کہا "یہ ہوٹل میں عام استعمال کرتے ہیں"۔ میں نے پُوچھا "پکاتے ہیں؟" کہنے لگے "ہاں"۔ کہنے لگے "لوگ کُتّے کھلا دیتے ہیں، آپ مُرغی کی بات کرتے ہیں؟ یہاں کوّے کھلائے گئے"۔ اندازہ لگایئے آٹھ آٹھ آنے کی مُردہ مرغی خرید کر، وہ پکا کر دُو دُو روپے کی پلیٹ بیچ ڈالیں گے اور یہ خیر سے مسلمان ہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ من بھر دُودھ میں پاؤ بھر پیشاب مل جائے تو سارا پیشاب کے حکم میں چلا جاتا ہے۔ یعنی من کا من نجس ہو جاتا ہے۔ عملاً ہم اسے کھا نہیں سکتے، اسے کہا جاتا ہے کہ یہ مشتبہ ہے۔ تھوڑی سی چیز مشتبہ مل گئی تو سب کو اُس نے حرام کر دیا۔

(حوالہ: مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۳۰ جولائی ۱۹۷۱ء)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی پابندیٔ اوقات

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ہم نے دیکھا۔ رات کے ایک بجے سوئیں یا چار بجے، لیکن جو اُٹھنے کا

معمول تھا اُس وقت ضرور اُٹھ جاتے۔ یہاں قاری اقبال صاحب موجود ہیں، اِن کو حضرتؒ کے ساتھ سفر و حضر میں کافی رہنے کا موقع مِلا ہے۔ مولوی صابرؒ کو بھی مِلا ہے، اس سیہ کار کو بھی حج اور عُمرے کے مواقع میسّر آئے۔ والدہ مرحومہؒ کو بھی بے شمار مواقع نصیب ہوئے، یہاں پر جو ہمارے قاری صاحب ہیں، امام اور اُستاذ، اِن کو بھی اچھی طرح علم ہے کہ حضرتؒ کی عادت تھی کہ تکان ہوتی تو بعض اوقات صرف پانچ منٹ کے لیے آرام فرماتے۔ دس منٹ کے لیے سو جاتے۔ گھڑی ہاتھ میں رکھتے یا کسی دوسرے کو دے دیتے کہ ۵ منٹ کے بعد اُٹھا دینا۔ آدھی رات کو اُٹھتے تو سحر تک اپنے معمولات کرتے۔ نمازِ فجر با جماعت پڑھ کر پندرہ بیس منٹ آرام کر کے درس دیا کرتے تھے۔ درس سے پہلے گھڑی کسی کو دیتے کہ مجھے اُٹھا دینا۔ واقعہ یہ ہے کہ شاید ہی کبھی حضرتؒ کو دوسروں نے اُٹھایا ہو۔ آپؒ ہمیشہ ایک آدھ سکنڈ پہلے ہی اُٹھ کر بیٹھ جاتے۔ کبھی کِسی کو حضرتؒ کو متنبہ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ یہ اللہ کی دین ہی ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ (بقرہ ۱۰۵) مَیں ہمیشہ اعلان کر دیا کرتا ہوں کہ پدرم سلطان بُود کا مجھے کوئی شوق نہیں لیکن اتّفاق ایسا ہے کہ حضرتؒ میرے بھی اُستاد ہیں، آپ کے بھی اُستاد ہیں، میرے بھی شیخ ہیں، آپ کے بھی شیخ ہیں، اِس لیے ہدایت اور اصلاح کے لیے اُن کی باتیں بیان کر دیا کرتا ہوں۔ لوگ اکابر کی باتیں کم بیان کرتے ہیں۔ مَیں زیادہ کرتا ہوں مقصود صرف اصلاح ہے۔ (حوالہ، مجلسِ ذکر مطبوعہ خدام الدین ۳۰ جولائی ۱۹۷۱ء)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا نُورِ بصیرت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد جب پہلی دفعہ مجھے ٹوبہ ٹیک سنگھ جانے کا اتّفاق ہُوا تو ایک صاحب نے دعوت کی۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ اُس کے بعد اکثر جانا ہوتا ہے کیونکہ وہاں پہلوان خاندان سے ہمارے خلصے مراسم ہیں۔ دعوت میں بہت سے عُلماء بھی موجود تھے۔ مولانا محمدّ علی جالندھریؒ، مولانا حبیبُ اللہ فاضل جالندھریؒ اور بھی کافی عُلماء تھے۔ دعوت کے دوران اُس صاحب کے بیٹے نے کہا کہ مَیں نے ایک بات سُنانی ہے۔ اُس نے کہا کہ مَیں گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھتا تھا، چھُٹی پہ آیا ہُوا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اِس شہر میں تشریف لائے، رات کو وعظ فرمایا، صبح کو درس دیا، کھانا نہ صُبح کھایا نہ رات کو کسی سے قبول کیا، سٹیشن کی طرف جا رہے تھے، گاڑی لیٹ تھی، مَیں نے عرض کیا مولوی صاحب! آپ نے نہ رات کو کھانا کھایا ہے نہ اب کھایا ہے، بات کیا ہے؟ فرمایا بیٹیا!

کسی نمازی کے ہاتھ کا پکا ہُوا لا دو تو مَیں کھا لُوں گا۔ وہ کہنے لگا کہ میرے دماغ میں اُس وقت کیڑا تھا۔ مَیں گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھتا تھا تو مجھے کالج کے اساتذہ نے مولویوں سے متنفّر کر رکھا تھا۔ تو مَیں نے کہا "مولانا! آپ پہچان لیں گے کہ کسی نمازی کا پکا ہُوا ہے؟ انھوں نے فرمایا "انشاء اللہ پہچان لُوں گا"۔ کہنے لگا مَیں یہ جانتا تھا یہ مولویوں کا فراڈ ہوگا، لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ وہ کہنے لگا مَیں جلدی سے گھر آیا۔ میری والدہ پنج وقتہ نمازی تھیں۔ مَیں اُن کا بھی مذاق اُڑایا کرتا تھا اور وہ اُس وقت تلاوتِ قرآنِ پاک میں مصروف تھیں۔ مَیں نے کہا "مولانا لاہور سے آئے ہیں اور کہتے ہیں نمازی کا پکا ہُوا لاؤ تو کھا لُوں گا ورنہ بھُوکا ہی بہتر ہوں"۔ کہنے لگا کہ میری والدہ جلدی سے اُٹھیں۔ ہماری نوکرانی نے گھر والوں کے لیے ناشتہ وغیرہ بنا رکھا تھا، جلدی سے اُس کے ہاتھ کے دُھلے ہُوئے برتن دوبارہ دھو کے والدہ نے ناشتہ تیار کیا۔ کہنے لگا مَیں نے چالاکی سے اپنی والدہ کا اور اپنی نوکرانی کا تیّار کردہ دونوں ناشتے لے لیے اور گڈمڈ کر کے لے گیا۔ دونوں کی پکی ہوئی روٹیاں اُوپر نیچے رکھ لیں۔ کہنے لگا کہ میری حیرت کی حد نہ رہی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے پُوچھنے کی جُرأت نہ ہوئی۔ انھوں نے نوکرانی کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا اور والدہ کی پکی ہُوئی روٹیاں نکال نکال کر کھا لیں اور یہ بھی فرمایا کہ راستے میں مجھے ایک دن رہنا ہے، مَیں نے یہیں حساب پُورا کر لیا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ میرے دماغ پر بہت بڑی چوٹ لگی مَیں حیران تھا کہ مَیں نے تو مذاق کیا تھا لیکن اُس روز مجھے یقین آیا کہ اسلام کا دین ہی سچّا ہے، اور عُلماء میں اب بھی کوئی نہ کوئی رمق اور جان موجود ہے۔ کہنے لگا حضرتؒ سے اگر مجھے ملاقات کا وہ سنہری موقع نہ ملتا اور یہ صُورتِ حال پیش نہ آتی تو مجھے شاید اسلام پر اتنا یقین اور ایمان نہ ہوتا کہنے لگا بعد میں اُن کی زیارت کا کبھی موقع نہ مل سکا لیکن ایک ہی دفعہ میں اُنھوں نے میرے دماغ کو درست کر دیا۔ (حوالہ: مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۲۰ جولائی ۱۹۷۱ء)

لطیفۂ قلبی جنّت کا ٹکٹ ہے

مَیں کہتا ہُوں کہ اللہ تعالیٰ نے جب دِل کو ہمارے لیے ترازو بنایا، میزانِ عدل بنایا، نیکی اور بدی کے پرکھنے کی کسوٹی بنایا تو اس کی صفائی از بسکہ لابُدی ٹھہری۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور تمام اکابر سب سے پہلے لطیفۂ قلبی ہی کا ذکر سکھاتے تھے، اور اسی پر اللہ کے نام کی ضرب لگوایا کرتے تھے۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے اگر کوئی پہلا ہی سبق پڑھ لے یعنی لطیفۂ قلبی پر ضرب لگانا سیکھ لے اور ساری عمر

اس پر مواظبت کرے تو انشاء اللہ سیدھا جنّت میں جائے گا۔ اور بات بالکل ٹھیک ہے۔ دس سبق نہیں، ایک قلب پر ہی اگر انسان اعتماد کرے، ساری زندگی کے نماز روزے اور فرائض کے بعد ذکرِ قلبی پر مداومت اختیار کرلے تو میں بھی دعوے سے کہتا ہوں سیدھا جنّت میں جائے گا۔

(حوالہ: مجلس ذکر مطبوعہ خدّام الدین ۳۰ جولائی ۱۹۷۱ء)

تعلّق بالقرآن کی تعلیم

قرآنِ مجید رُشد و ہدایت اور برکات و رحمتِ خداوندی کا خزینہ ہے اللہ سے تعلّق اور جوڑ قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کے کلام اور ذکر "قرآن" سے تعلّق ہو۔ یہ تعلّق جتنا مضبوط ہوگا اُسی قدر اعتماد، ایمان اور اطمینان نصیب ہوگا۔ اگر قرآن سے تعلّق ٹوٹ گیا تو نہ دُنیا رہے گی نہ دین۔ ایمان کی تمام دولت غارت ہوجائے گی۔ اُمّتِ مُسلمہ کو عروج و کمال حاصل ہُوا تو قرآن سے تعلّق کی بنا پر، ذلّت و رُسوائی سے دوچار ہونا پڑا تو قرآن سے قطعِ تعلّق کی وجہ سے، قرآنِ مجید دُنیا میں سب سے بڑی انقلابی کتاب ہے، اس نے عرب کے بدّوؤں کی کایا پلٹ دی اور اُنھیں دُنیا کی دوسری مہذّب قوموں کا رہبر بنایا۔ آج بھی اگر کوئی شخص خود قرآن کے مطابق بدل جائے تو وہ زمانہ کو بدل سکتا ہے۔ اِلہ العالمین ہمیں اپنے ذکر" قرآنِ مجید" کی شان و اہمیت سمجھنے، اُس کی برکات سے مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرماتے آمین۔ (حوالہ: مجلس ذکر مطبوعہ خدّام الدین ۱۴ جولائی ۱۹۷۱ء)

شرعی احکام پر نکتہ چینی کرنے والوں کو عقل پر ناز ہونے کی بجائے اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیئے

مُسلمان کی شان یہ ہے کہ اُسے جو حکم ملے فوراً تسلیم کرلے۔ یہود و نصاریٰ کی طرح اللہ تعالےٰ کے حکم پر بحث و جرح اور عمل سے بچنے کے لیے حیلہ جوئی نہ کرے۔ جب اُسے معلوم ہوجائے کہ یہ حکم اللہ تعالےٰ کا حکم ہے اور فلاں کام کرنا ہے کیونکہ یہ کام حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ نے بھی کیا ہے یا فلاں بات اور فلاں کام انجام نہیں دینا چاہیئے کیونکہ اللہ اور اُس کے رسُولؐ نے اس سے روکا ہے تو اُسے فوراً سرِ تسلیم خم کردینا چاہیئے۔ آج لوگ مسلمان بھی کہلاتے ہیں اور خدائی احکامات اور نبوی ارشادات پر جرح و تنقید بھی کرتے ہیں۔ یہ اطمینان و یقین ایمان کے خاتمے کی نشانی ہے۔ ایسے شخص کو اپنی سوچ و عقل پر ناز کرنے اور فخر کرنے کی بجائے اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیئے کیونکہ ایمان نام ہے" زوالِ شک" کا۔ اگر شک کا روگ دل میں گھر کر گیا ہو تو ایمان کہاں رہے گا؟

(حوالہ: خطبہ جمعہ ۲۵ اگست ۱۹۷۲ء)

چین کی لال کتاب اور ہمارا قرآن مجید

ایک مرتبہ پی آئی اے کے ایک پائلٹ سے میری ملاقات ہوئی تو انھوں نے بتایا کہ میں ایک بار چین گیا تو مجھے ماؤزے تنگ کی مرتب کردہ ریڈ بک (لال کتاب) پیش کی گئی۔ میں نے کہا "میں یہ نہیں لیتا، اس سے کہیں اچھی اور اعلیٰ تعلیمات کی حامل کتاب (قرآن مجید) ہمارے پاس موجود ہے جو منزّل من اللہ ہے اور زندگی کے ہر شعبہ میں انسانیت کی رہنمائی کرتی ہے"۔ چینی افسروں نے مجھ سے کہا "اگر ایسا ہے تو پھر علم اور عمل میں تضاد کیوں ہے؟ ہماری یہ کتاب ۷۵ کروڑ آبادی کے ہر فرد کی زندگی میں رچی بسی ہوئی ہے"۔ — پائلٹ نے کہا کہ میرے پاس اس کا جواب نہ تھا۔ میں نادم ہو کر سوچنے لگا کہ اوّل تو ہم اپنی الہامی کتاب کے الفاظ و معانی کے ادراک تک سے نابلد ہیں اور کچھ تھوڑی بہت شُد بُد ہے بھی تو اُس کا رنگ ہماری عملی زندگی میں کہیں نظر نہیں آتا۔ (حوالہ: خطاب جانشین شیخ التفسیر سالانہ درسِ قرآن وحدیث، واہ کینٹ مطبوعہ خدام الدین ۱۸ رمئی ۱۹۷۳ء)

ڈاکٹر مالک سابق گورنر مشرقی پاکستان سے حضرت اقدس امام الہدیٰ مولانا عبیداللہ انورؒ کی ملاقات

سقوطِ مشرقی پاکستان سے تھوڑا عرصہ پہلے مشرقی پاکستان کے محبوس گورنر ڈاکٹر عبدالمطلب عبدالمالک سے میری ملاقات ہوئی۔ میرا خیال تھا کہ چونکہ وہ اکثر وزارتوں میں لیبر منسٹر رہ چکے ہیں اور پھر لیبر قوانین پر کتابیں بھی لکھی ہیں، ہو سکتا ہے کہ کمیونسٹ ذہن رکھتے ہوں مگر جب اُن سے ملاقات ہوئی تو اُن کو پکّا اور سچّا مسلمان پا کر ازحد مسرت ہوئی۔ ڈاکٹر مالک نے بتایا کہ وہ خواجہ ناظم الدین مرحوم سے لے کر تمام سربراہانِ مملکت سے یہ کہتے چلے آئے ہیں کہ ہندو اساتذہ مسلمان طلبہ کے کانوں میں زہر گھول رہے ہیں، اُن کو اسلام سے متنفّر کر رہے ہیں، اسلئے فوری طور پر نظامِ تعلیم میں بنیادی تبدیلیاں لائی جائیں مگر ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ڈاکٹر مالک نے ہم سے کہا کہ اِس بے اعتنائی کا نتیجہ عنقریب ظاہر ہو جائے گا۔ چنانچہ وہی ہوا جس کا خدشہ اُس بچارے نے ظاہر کیا تھا کہ مشرقی پاکستان کے نوجوانوں نے بنگالی نیشنلزم کے نعرے کے تحت ہندوؤں کی شہ پر اسلام کے رشتۂ اخوّت کی قطعاً پروا نہ کی اور علیحدگی کی تحریک چلا کر آخر مُلک کو ٹکڑے کر دیا اور جو خونیں ڈرامہ کھیلا گیا اُس سے آپ سب بخوبی واقف ہیں

(حوالہ: خطاب حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ آٹھویں سالگرہ قرآن و حدیث واہ کینٹ مطبوعہ خدام الدین ۱۸ مئی ۱۹۷۳ء)

علماءِ سُوء کے لیے بہتر ہے کہ وہ اپنے کردار کی اصلاح کریں یا علماء کی صفوں سے پیچھے ہٹ جائیں

افسوس کی بات اس وقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو پڑھنا اور سمجھنا چھوڑ دیا ہے۔ وہ علماءِ ربّانی جنھوں نے قرآن و سُنّت کی تعلیمات کی روشنی سے ظلمت کدۂ ہند کو منوّر کیا ہمیں اُن کی قدر کرنی چاہیئے تھی اُلٹا برِّصغیر پاک و ہند میں ایسی تحریکیں پروان چڑھیں جنھوں نے عوام النّاس کو اُن اہلِ حق سے متنفر کرنے اور عوام کی نظروں میں اُن کا وقار ختم کرنے کی سازشیں کیں۔ اُن میں سے اکثر گروہ اور تحریکیں ایسی تھیں جنھیں انگریزی حکمرانوں کی پُشت پناہی حاصل تھی، اور اُن کے لیے باقاعدہ سرکاری مشینری کام کیا کرتی تھی۔ دورِ حاضر میں عام آدمی ایسے رہنماؤں کو دیکھ کر پریشان ہو جاتے ہیں جو دُنیوی مفاد کی خاطر سچّی بات کہنے کی بجائے حکمرانوں کی ہر جائز و ناجائز بات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے دلائل تلاش کرتے رہتے ہیں اور اُمراء و وزراء کی مدح سرائی اور سرکاری افسروں کے بنگلوں اور دفاتر کے طواف میں ہی اُن کے شب و روز صرف ہوتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ آزادی سے پہلے بھی ایسے لوگ موجود تھے جو دین کے علمبردار کہلاتے تھے لیکن چند ٹکوں کی خاطر انگریز جیسے حکمران کی حمایت کیا کرتے تھے۔ یہ دُنیا پرست علماء اپنے کردار و اعمال کی اصلاح کرلیں یا علماء کی صفوں سے پیچھے ہٹ جائیں تو خلقِ خُدا کا بہت بھلا ہوگا اور ان کا بھی اِسی میں فائدہ ہے ورنہ ان میں اور خدا تعالیٰ کو نہ ماننے والے ایک دہریے میں کوئی فرق نہیں جو صرف دُنیا کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت نصیب فرمائے۔ (حوالہ: خطبہ جمعہ ۷ دسمبر ۱۹۷۳ء، مطبوعہ خدام الدین ۲۱ دسمبر ۱۹۷۳ء)

عُلماءِ دیوبند کا شرف و مجد

مہتمم دار العلوم دیوبند حضرت مولانا قاری محمّد طیّب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ عصرِ حاضر میں اکابرِ دیوبند کو اللہ تعالیٰ نے مجموعی طور پر مجدّدیّت کا شرف عنایت فرمایا ہے اور حضرت قاری صاحبؒ کا یہ حکیمانہ ارشاد سو فیصد صحیح ہے۔ خود حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور برادرِ معظّم حافظ حبیب اللہ مرحوم کی دینی و ملّی خدمات پر ہی نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ آج اُن کے نہ ہونے سے عرب و عجم اور اطرافِ عالم میں برِّصغیر پاک و ہند کے علاوہ انڈونیشیا سے مراکش تک اور یورپ سے امریکہ اور لاطینی امریکہ

تک کروڑوں دِل مضطرب اور رُوحیں بے قرار ہیں۔ (حوالہ: خطبہ جمعہ ۲۴ مئی ۱۹۷۴ء مطبوعہ خدام الدین مورخہ ۷ جون ۱۹۷۴ء)

ایک ہندو کے اسلام کا گرویدہ بننے کا عجیب و غریب واقعہ

ایک دفعہ بڑا عجیب واقعہ پیش آیا، نمازِ عصر کی جماعت ہونے لگی تو ایک ہندو نوجوان ہمارے ساتھ صف میں آکھڑا ہُوا۔ بھائی حبیبُ اللہ مرحوم بھی موجود تھے، انھیں بڑا غصہ آیا، قریب تھا کہ اُس کی پٹائی کر دیتے۔ لیکن جب ہم نے اُس سے دریافت کیا کہ تم ہندو ہو کر ہمارے ساتھ نماز میں کیوں شرکت کرتے ہو؟ تو اُس نے جواب دیا "میری پرورش حضرت میاں اصغر حسین صاحبؒ نے کی ہے۔ مَیں کمسن تھا جب میرے والد کا انتقال ہوگیا۔ دُنیا میں ہمارا کوئی سہارا نہ تھا، رہائش کی جگہ بھی نہ تھی۔ میری والدہ نے حضرت میاں صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر امداد کی درخواست کی۔ آپؒ نے مکان کرائے پر لے دیا۔ میری والدہ نے مجھے ایم اے تک تعلیم بھی دِلوائی اور میری والدہ جب بھی کبھی حضرت میاں صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنی گھریلو ضروریات یا میرے تعلیمی مصارف میں مدد کرنے کی درخواست کی تو میاں صاحبؒ نے ضرور امداد فرمائی۔ حضرت میاں صاحبؒ میرے مربّی اور محسن ہیں، مَیں انھیں اپنا باپ سمجھتا ہُوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ باپ مسلمان ہو اور بیٹا کافر رہے؟ اُس لڑکے کا نام آتمہ رام گپتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاقِ کریمانہ اور تالیفِ قلب نے آتمہ رام گپتا کو اسلام کا گرویدہ بنا لیا تھا۔

(حوالہ: خطبہ جمعہ ۲۴ مئی ۱۹۷۴ء مطبوعہ خدام الدین ۷ جون ۱۹۷۴ء)

ہمارے اکابرؒ کا تعلق بالقرآن

ہمارے بھائی مولانا حبیبُ اللہ مہاجر مکّی مرحوم خانہ کعبہ کے ایک شوط میں ایک پارہ پڑھتے۔ بعض اوقات طواف کی حالت میں پُورا پُورا قرآن پڑھ لیتے تھے۔ وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ۔ اسی طرح ہمارے اکابرین میں سے شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، میرے نانا مولانا ابُو محمّد احمد چکوالیؒ اور بعض دوسرے بزرگوں نے جیل میں قرآن مجید حفظ کیا۔

(حوالہ: مجلس ذکر مطبوعہ یکم فروری ۱۹۷۵ء خدام الدین)

زِندہ اور مُردہ کی مثال

امریکہ، رُوس اور اسرائیل کے حکمران اللہ کے نافرمان اور باغی

ہیں۔ دولت وشہرت کے باوجود اپنی ہستی سے بے خبر۔ اور مسلمان اہل اللہ فاقہ مستی و تہی دستی کے باوجود بینا اور روشن دل ہوتے ہیں کیونکہ اس عبادت کی برکت سے دل زندہ و بیدار اور رُوح فرحت وشادمانی سے سرشار ہوتی ہے۔ قلب و نظر مطمئن اور دماغ منوّر ہو جاتے ہیں، پریشانیاں دُور ہو جاتی ہیں اور ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ عقل وشعور میں بصیرت اور بالیدگی آجاتی ہے اور اللہ کی رحمت بارش کی طرح برستی ہے اور بندۂ مومن مسرور و مطمئن ہو جاتا ہے۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر مطبوعہ خدام الدین، فروری ۱۹۷۵ء)

غلط حق مہر باندھنے پر حضرتؒ نے نکاح پڑھانے سے انکار فرما دیا

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی دَور کا واقعہ ہے کہ ایک خاندان جو لاہور میں نظر بند تھا، انھوں نے نکاح کے موقعہ پر آپؒ کو بُلایا۔ یہ آپؒ کا لاہور میں کسی تقریبِ شادی میں شرکت کا پہلا موقعہ تھا۔ حق مہر ایک لاکھ لکھوایا تو آپؒ نے ٹوکا کہ اپنی حیثیت پہچانو! لڑکا دے بھی سکتا ہے یا نہیں؟ کہا "ہم شاہی خاندان کے لوگ ہیں، لینے دینے کا مسئلہ نہیں، لکھوانا اتنا ہی ہے"۔ آپؒ نے ہر چند سمجھایا کہ "میاں! یہ لازم ہے، اس کی عدمِ ادائیگی سخت گناہ ہے، بیوی معاف کر دے الگ بات ہے"۔۔ لیکن جہالت و نادانی سے نہ مانے۔ آپؒ نے علیحدگی اختیار فرمالی۔

(حوالہ: خطبہ جمعہ مطبوعہ خدام الدین ۱۸ را پریل ۱۹۷۵ء)

ایشیا بھکاریوں کا برِّ اعظم ہے

مولانا ابوالکلام آزادؒ تقسیم ہند کے بعد یورپ، مصر، حجاز اور ترکی وغیرہ کے دَورہ سے واپسی پر کراچی تشریف لائے تو میں نے ایک ہوٹل میں ملاقات کے دوران اُن سے دریافت کیا کہ:

"آپ نے اس دَورہ سے کوئی خاص تاثر لیا ہے؟" فرمانے لگے "ہاں! میں یورپ کے دَورہ میں جب جرمنی پہنچا تو وہاں حالانکہ ابھی جنگ ختم ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا مگر میں نے لوگوں میں جنگ کے کوئی آثار نہیں دیکھے جبکہ جن علاقوں میں جنگ ہوئی وہاں ملبوں کے ڈھیر دیکھ کر یُوں لگتا ہے جیسے ابھی کل جنگ بند ہوئی ہے۔ میں نے وہاں کوئی بھکاری اور اپاہج سوالی نہیں دیکھا حالانکہ جنگ میں بے شمار لوگ معذور ہوئے ہوں گے، لیکن حکومت نے اُن کے لیے انتظامات مکمل کر رکھے ہیں، اِس لیے مجھے وہاں کوئی بھکاری اور اپاہج نظر نہیں آیا۔

اِس کے بعد مَیں ترکی میں گیا، وہاں بھی مَیں نے کوئی بھکاری نہیں دیکھا لیکن جب مَیں بنکاک پہنچا اور جمعہ کی نماز پڑھنے جامع مسجد گیا تو وہاں اِتنے بھکاری دروازے سے باہر تھے جتنے نمازی بھی مسجد میں شاید نہ ہوں۔ اُس وقت مَیں نے محسوس کیا کہ واقعی کسی ایشیائی مُلک میں آ گیا ہُوں۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر مطبوعہ خدام الدین ۶ جون ۱۹۷۵ء)

حضرت مدنیؒ کے گستاخوں کو خدائی سزا

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ کو ہم نے دیکھا۔ اُن کی مجاہدانہ زندگی دیکھی، جدّ وجہد اور سعی وعمل سب آنکھوں کے سامنے ہے۔ مخالفین کی ریشہ دوانیاں اور اُن کا بھونڈا طرزِ عمل ایک المناک داستان ہے لیکن آپؒ نے کبھی جوابی کاروائی نہیں کی۔ ہمیشہ اپنا معاملہ خُدا پر چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ خُدا نے خود انتظام فرما لیا۔ جن لوگوں نے سیاسی مخالفت کی بُنیاد پر آپؒ کے سامنے ننگا ناچ کیا، اُن بدبختوں کو مکانات کے ستونوں سے باندھ دیا گیا اور اُنکی جوان سال بچیّوں اور بہوؤں کو اُن کے سامنے نچایا گیا۔ (مجلسِ ذکر مطبوعہ خدام الدین ۱۵ اگست ۱۹۷۵ء)

لوگوں کی سہل انگاری

آج کل یہ فیشن بن گیا ہے کہ کسی کی ٹانگ میں درد ہو پیٹ میں تکلیف ہو یا آنکھیں دُکھتی ہوں تو وہ تعویذ لینے کےلیے آ جاتا ہے۔ جب اُن سے کہا جائے کہ بھائی قرآنِ کریم کی فلاں آیت فلاں وقت میں پاک صاف ہو کر اتنی بار روزانہ پڑھا کرو تو اِس محنت سے بھی دامن چُرانے کی کوشش کرتے ہیں جو اُنہی کے فائدے کے لیے ہے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۹ مئی ۱۹۷۴ء)

انگریز کی گہری چال

اہلِ عرب کی تاریک رات کا آغاز اُس وقت ہُوا جب انھیں اپنی قومی و نسلی برتری کا سبق پڑھایا گیا اور اُنھیں ترکوں سے برگشتہ کیا گیا تھا۔ حقیقت میں یہ انگریز کی گہری چال تھی کہ وہ اس طرح اہلِ اسلام کو آپس میں لڑا کر اپنا اُلّو سیدھا کر رہا تھا ورنہ مسلمان بہ حیثیتِ مسلمان سب برابر ہیں چاہے وہ کسی خطّۂ سرزمین کسی قوم اور کسی بھی نسل سے تعلق رکھتے ہوں۔ البتّہ معیارِ فضیلت خدا نے تقویٰ وطہارت کو قرار دیا۔ لیکن بدقسمتی سے اغیار اور دشمنوں نے اس کے بجائے اور معیار قائم کر دیا اور نالائق مسلمان اس کا شکار ہو گیا۔ (حوالہ: خطبہ جُمعہ مطبوعہ خدام الدین یکم اگست ۱۹۷۵ء)

وہابیت کی توپ

برِ صغیر میں جب انگریز کی ریشہ دوانیاں شروع ہوئیں تو علمائے ملت نے حالات کو بھانپا اور سمجھا۔ اُس وقت کی جماعتِ علماء کے سرخیل حضرت شاہ ولی اللہؒ نے احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی جس نے آکر پانی پت کا معرکہ بپا کیا۔ اُس کے بعد آپؒ کی ہدایات کی روشنی میں تیار شدہ انقلابی جماعت نے سید احمد شہیدؒ کی قیادت میں باقاعدہ مقابلہ کیا۔ اِس دَور کے اختتام پر بچے کھچے مجاہدین نے چمرقند میں اپنا مرکز بنا کر انگریز کا مدتوں مقابلہ کیا۔ اِس صورتِ حال سے انگریز کا گھبرانا لازم تھا چنانچہ اُس نے علمائے حق، مجاہدین اور اپنے دشمنوں کو "وہابیت" کے لقب سے ملقب کیا اور اس کی تشریح رسول کریمؐ کی توہین، اولیائے امت کی دشمنی وغیرہ جیسے گھناؤنے الزامات سے کی (معاذ اللہ) حالانکہ جن لوگوں کو "وہابی" کہا گیا وہ خود سلاسلِ اربعہ نقشبندی، قادری، چشتی، سہروردی میں بیعت ہیں، بیعت کرتے ہیں۔ پیغمبرِ اسلامؐ کے متعلق اُن کے خیالات کی بلندی اُن کی کُتب سے دیکھی جاسکتی ہے۔ مزید یہ کہ اسلام اور اسلامی اقدار کی خاطر عملی جد وجہد اور ایثار و قربانی کے باب میں یہ لوگ اپنی مثال آپ ہیں لیکن انگریز کا مقصد نفرت کی فضا پیدا کرنا، آپس میں لڑانا اور اپنی مخالفانہ قوتوں کو چونکہ کمزور کرنا تھا اِس لیے کبھی شیعہ سُنی لڑائی، کبھی عرب ترک کی لڑائی وغیرہ کا دھندا جاری رکھا اور وہابیت کی توپ بھی اس سلسلہ کی کڑی تھی۔ (حوالہ: خطبۂ جمعہ مطبوعہ خدام الدین یکم اگست ۱۹۷۵ء)

خاندانی منصوبہ بندی خلافِ اسلام ہے

ہمارے یہاں کی "خاندانی منصوبہ بندی" بالکل اسی طرح کا جرمِ عظیم ہے جس طرح عرب کے جاہل، اُجڈ اور شرک میں ملوث افراد کرتے تھے۔ بجائے اس کے کہ اللہ کی وسیع سرزمین میں چھپے ہوئے وسائل کو بروئے کار لا کر تعلیمی اور مالی اعتبار سے صحیح منصوبہ بندی کی جائے اور اس طرح انتظامات بہتر بنائے جائیں اُلٹا ہم لوگ اولاد کے درپے ہیں جب کہ نبیٔ کریم علیہ السلام نے اُس عورت سے شادی کرنے کی ترغیب دی جو بچے زیادہ جننے والی ہو تاکہ روزِ قیامت میں اپنی اُمت پر فخر کرسکوں۔ (حوالہ: خطبۂ جمعہ مطبوعہ خدام الدین مورخہ ۱۶ مئی ۱۹۷۵ء)

اِسلام میں عورت کا مقام

حضور علیہ السلام نے دشمن کی بیٹی کے ننگے سر پر چادر اوڑھا دی تھی اور فرمایا کہ "بیٹی بیٹی ہے چاہے وہ دشمن کی ہو" لیکن یہاں یہ حالت ہے کہ مقدس رشتوں تک کا خیال نہیں۔ بہن، بھائی، باپ، بیٹی اور ماں بیٹے کا

تصوّر ختم ہوچکا ہے۔ ریڈیو، ٹی وی، سینما، اخبارات، ناول اور افسانوں کا سیلاب ہے، جو اخلاق باختگی اور جنسی انارکی پھیلانے میں مصروفِ کار ہے۔ عورت جو گھر کی ملکہ تھی اور جسے اللہ تعالےٰ نے عظیم تر حقوق عطا فرمائے تھے آج دفتر، درسگاہ اور منڈی میں کھلے بندوں پھرتی ہے۔ حیا، عفت، شرم رخصت اور مردوں کی غیرت کا جنازہ نکل گیا۔

(حوالہ: خطبۂ جمعہ مطبوعہ خدام الدین مؤرخہ ۱۶ر مئی ۱۹۷۵ء)

ایک ابدال سے میری ملاقات

اِس دفعہ سفرِ حج کے دوران ایک انتہائی عابد و زاہد، متقی اور باخدا انسان سے ملاقات کی بھی سعادت حاصل ہوئی جو رُوحانی کمالات و مرتبہ کے اعتبار سے ابدالیّت کے درجہ پر فائز ہیں، گویا ابدال ہیں۔ یہ بزرگ حضرتِ اعلیٰ قدّس سرّہ سے بھی اکثر ملتے اور آپس میں بڑے گہرے تعلقات تھے اس باخُدا انسان کی ملاقات سب سے پہلے ہمارے برادرِ مکرّم حضرت الحاج الشیخ حبیب اللہ مہاجر قدّس سرّہٗ سے ہوئی اور اُنہی کے توجّہ دلانے پر موصوف والدِ گرامی مرتبت سے ملے اور یہ ملاقات بڑھتے بڑھتے خوشگوار اور بہترین تعلقات کا پیش خیمہ بن گئی۔ ہمارے بھائی جان مکرّم رح بہت بڑے آدمی تھے۔ خُدا نے مدّت العمر انھیں حرمین کی عطر بیز فضاؤں میں خدمتِ دین کی توفیق بخشی۔ اُن کا ماہانہ مشاہرہ اِتنا تھا کہ ہمارے یہاں کے وُزرا بھی شاید اتنا نہ پاتے ہوں لیکن وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے تمام مال راہِ خدا میں لُٹا دیتے تھے۔ مجھے حضرت مولانا بنّوری رح نے فرمایا کہ ہم پہلے مولانا حبیب اللہ رح کے مقام سے آگاہ نہ تھے لیکن حاجی محمّد یُوسف صاحب آف کراچی نے جو کچھ اُن کے متعلق بتلایا تو ہم حیران رہ گئے۔

بہرحال اُن ابدال صاحب سے ملاقات ہُوئی۔ وہ بتقاضائے عمر بہت کمزور ہوچکے تھے۔ کافی دیر تک اُن سے باتیں ہُوئیں۔ گفتگو کا مرکزی عنوان حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور بھائی جان رح تھے۔ اُنھوں نے فرمایا کہ "تم عظیم باپ کے بیٹے اور عظیم انسان کے بھائی ہو"۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ "مَیں کشف کے ذریعہ یہاں سے تمھاری مسجد اور مجلسِ ذکر وغیرہ کی برکات دیکھتا ہُوں"۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر مطبوعہ خدام الدین ۱۶ر جنوری ۱۹۷۶ء)

انگریزوں کا بنایا ہُوا جھُوٹا نبی اور نام نہاد مجدّدین و مصلحین

انگریز جب ہندوستان میں وارد ہُوا تو اُس نے

مسلمانوں کو جُدا کرنے کے لیے، اُن میں تفریق پیدا کرنے کے لیے مختلف فتنے کھڑے کیے۔ اُن میں سے ایک فتنہ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوّت کا بھی تھا جو انگریز کی سنگینوں کے سائے میں جوان ہوتا رہا اور انگریز اپنے اِس خود کاشتہ پودے کی خُوب آبیاری کرتا رہا۔ دُنیا کی یہ رِیت رہی ہے کہ جب بھی کوئی جھُوٹا نبی اُبھرا اُس نے اسلام میں کوئی نئی چیز داخل کی اور کوئی نہ کوئی چیز منسُوخ کرنے کا اعلان کیا۔ جیسے مرزا غلام احمد نے جہاد کو منسوخ کیا وغیرہ۔ انگریز نے بعض ایسے لوگ بھی علماءِ حق کے مقابلے میں کھڑے کیے جنھوں نے کھُل کر تو اپنی نبوّت کا دعویٰ نہیں کیا، خواہ مسلمانوں کے خوف یا انگریز کی پالیسی کے پیشِ نظر، البتّہ اپنے عقیدتمندوں، مُریدین اور حلقۂ احباب کو یہ وصیّت ضرور کی کہ دین پر تو ممکنہ حد تک عمل کرو لیکن "میرا مذہب جو میری کتابوں سے ظاہر ہے اُس پر عمل کرنا ہر فرض سے بڑھ کر فرض ہے"۔ اِسی وجہ سے بعض لوگوں نے تو مرزا قادیانی کو اپنا پیشوا مان لیا اور جہاد کے منکر ہو گئے اور بعض لوگ نام نہاد مجدّدین اور مصلحین کے دامِ ہمرنگ میں گرفتار ہو کر خرافات و بدعات کو دین کا جزوِ سمجھ بیٹھے۔ آج ہم روز بروز موسمی واعظوں کے جنگل میں پھنس کر سُنّت کو چھوڑ رہے ہیں اور رسُومات و توہّمات کو اپنا مذہب قرار دے لیا ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ پنجاب کا خِطّہ مردم خیز بھی ہے کہ اس میں بڑے بڑے اولیاءِ اُمّت اور صلحاءِ اُمّت پیدا ہُوئے۔ علّامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خان جیسے لوگ پیدا ہوئے لیکن مردم خیز ہونے کے ساتھ ساتھ فتنہ انگیز بھی ہے کہ اِسی خطّہ میں مرزا غلام احمد اُٹھا جو سب سے بڑا فتنہ جعلی نبوّت کا لے کر آیا۔ مشہُور منکرِ حدیث پرویز بھی اِسی خطّہ کی پیداوار ہے اور جس کا نام بھی مرزا قادیانی کے نام پر غلام احمد ہے۔ مرزا قادیانی نے اگر جہاد منسُوخ کیا تو پرویز نے حج، زکوٰۃ اور نماز کو "نظامِ حکومت قائم کرو" جیسی لچر اور بیہُودہ تاویلوں سے منسُوخ کیا۔ جہاں پنجاب میں باطل کے یہ مسخرے پیدا ہوئے تو قانونِ قدرت ہے لِكُلِّ فِرْعَوْنَ مُوْسٰى ہر فرعون کے لیے اللہ مُوسیٰ کو پیدا فرما دیتے ہیں۔ اِسی خطّہ سے اللہ نے سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو پیدا کیا جس کی ضربِ کلیمی سے اُمّتِ مرزائیہ کے دِل دہل جاتے تھے اور جس کا نام سُن کر آج بھی مرزائیوں پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔

(حوالہ: خطبۂ جُمعہ مطبوعہ خدام الدین مورخہ ۹ اپریل ۱۹۷۶ء)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہر حاکمِ وقت کو حق کا پیغام پہنچایا

پاکستان میں کوئی حکمران ایسا نہیں آیا جس کے کانوں تک اسی مسجد میں، اسی منبر پر بیٹھنے والی شخصیت حضرت شیخ التفسیرؒ نے تحریر و تقریر اور قول و فعل کے ذریعہ اسلام اور قرآن کا پیغام نہ پہنچایا ہو بلکہ ایوب خان مرحوم کے دور میں تو حضرتؒ نے فرمایا تھا کہ "دین کی خدمت کے لیے سول اور فوج کے جس محکمہ میں جتنے علماء کی ضرورت ہو میں دوں گا۔ اُن کا آنا جانا، روٹی کپڑا، کھانا پینا تنخواہ وغیرہ کے انتظامات ہم خود کریں گے۔" اس کا جواب کیا دیا گیا؟ شکریہ کے خط کے سوا مشورہ قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوا۔ لیکن حضرتؒ نے اپنا فریضہ ادا کر دیا تاکہ کل قیامت کو حکمران طبقہ خدا کے سامنے یہ عذر نہ کر سکے کہ ہم برطانیہ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں پڑھتے رہے، تعلیم حاصل کرتے رہے، ہم نے جب اسلام اور قرآن کی تعلیم حاصل ہی نہ کی تو ہم اسلام کو کیسے اپنے دورِ حکومت میں نافذ کرتے؟ (حوالہ: خطبہ جمعہ مطبوعہ خدام الدین مورخہ ۲۳ اپریل ۱۹۷۶ء)

ہمارے داداؒ کے اسلام لانے کا واقعہ

ہمارے دادا زرگری کا کام کرتے تھے۔ سونا خریدنے کلکتہ گئے۔ وہاں بیمار پڑ گئے۔ جس ہندو کے یہاں گئے تھے اُس کے مسلمان ملازم نے منہ میں پانی ڈال دیا تو ہندوؤں نے شور مچا دیا کہ "اوہو یہ مُسلا ہو گیا"۔ بھرشٹ ہونا ہندوؤں کے یہاں بہت بُرا ہے۔ وہ چونکہ پہلے بھی مسلمانوں کو نماز وغیرہ پڑھتا دیکھتے اور اُن کے دل میں رغبت پہلے بھی تھی، وہ اسی دین کو سچا سمجھتے تھے۔ کلکتہ میں جو واقعہ ہو گیا، اُس کو اپنے حق میں تائیدِ غیبی سمجھا۔ جمعہ کا دن، مسجد میں غسل کر کے کپڑے پہنے، اُن سے کہا مجھے کلمہ پڑھاؤ اور نماز سکھاؤ۔ واپس گئے، آئے تو گھر والے نمازوں سے حیران۔ اس پر مار پٹائی ہوئی تو چلے آئے۔ جلال اُن کا قصبہ تھا، باہو چک کا چودھری لے آیا اور شادی کر دی، اس کے بعد ہمارے دادا شیخ حبیب اللہ صاحبؒ چنیوٹ میں کسی کے پاس جا کر اللہ کا نام سیکھتے رہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اُن کے پہلے بیٹے تھے۔ حضرتؒ فرماتے "ہوش سنبھالی تو ایک دن بھی ایسا نہ آیا کہ میرے والدؒ اور والدہؒ تہجد اور ذکر کا ناغہ کریں۔ مکان کے متصل مسجد تھی۔ والدؒ مسجد میں اور والدہؒ گھر میں۔

(حوالہ: خطبہ جمعہ مطبوعہ خدام الدین مورخہ ۲۳ جولائی ۱۹۷۶ء)

غلط عقائد سے توبہ کا عجیب واقعہ

مجھے یاد ہے کہ ایک عورت جو بریلوی مسلک سے تعلق رکھتی تھی، میری شادی کے بعد حضرتؒ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ "میں اور میرا خاوند پہلے غلط عقائد رکھتے تھے اور آپؒ کو وہابی سمجھتے تھے لیکن اب ہم نے غلط عقائد سے توبہ کر لی ہے اور ہماری توبہ کا ذریعہ ایک خاص واقعہ بنا ہے۔ جب آپؒ کے لڑکے کی شادی تھی تو میں نے دیکھا کہ ایک ہنڈیا چولہے پر پڑی ہے، اُس سے مہمانوں کو سالن نکال کر دیا جارہا ہے، کتنی ہی مہمان عورتیں آئیں، اُس ایک ہی ہنڈیا سے سب مہمان عورتوں کو سالن دیا جاتا رہا۔ صبح سے لے کر ظہر تک وہ ایک ہنڈیا ختم نہ ہوئی حالانکہ عام معمولی سی ہنڈیا تھی جس میں عام طور پر گھروں میں کھانا پکایا جاتا ہے۔ یہی واقعہ میں نے اپنے خاوند کو سُنایا تو وہ بے حد متاثر ہُوا۔ کہنے لگا ہم تو اُن کو وہابی سمجھتے تھے لیکن اولیاء اللہ کی صحیح کرامات تو یہی ہیں کہ لوگ انھیں وہابی کہیں، گستاخِ رسولؐ کہیں یا کچھ بھی ہم تو انھیں ولی ماننے لگے ہیں"۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر مطبوعہ خدام الدین ۱۶ر اگست ۱۹۷۶ء)

چاروں طرف بگاڑ ہی بگاڑ ہے

آج تو چاروں طرف بگاڑ ہی بگاڑ ہے اور قربِ قیامت کے پیشِ نظر نہ عقائد درست ہیں نہ اعمال، نہ اخلاقی حالت صحیح ہے نہ معاشرتی اعتبار سے دُرستگی۔ ایسے میں شریعتِ مقدسہ ہمیں اوپری اور عجیب نظر آتی ہے حالانکہ قصور ہمارا ہے کہ ہم نے اسے اپنے جسم پر چسپاں کرنے کی کوشش نہیں کی۔

(حوالہ: خطبۂ جمعہ مطبوعہ خدام الدین ۱۴ جنوری ۱۹۷۷ء)

صُوفیاء اہل اللہ کا احسان

صُوفیاء اہل اللہ ہندوستان میں نہ آتے، حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ یا حضرت اجمیری رحمۃ اللہ علیہ یہاں نہ آتے تو آج ہم بھی رام رام کرتے ہوتے اور سروں پر چُٹیا رکھے ہوتے اور جہنّم کا ایندھن بنتے، کُفر میں مُبتلا ہوتے، اُن کے صدقے ہمیں اسلام پہنچا ہے، تیرھویں صدی تک اسلام اُن کی مہربانی سے پہنچا ہے اگلی صدی تک اسلام ہم نے پہنچانا ہے۔ دو سال صرف رہ گئے ہیں پھر ہماری چودھویں صدی پندرھویں صدی میں منتقل ہونے والی ہے، کچھ ہی عرصہ باقی رہ گیا ہے۔ خدا معلوم اُس وقت تک کون جیتا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ایک ایک لمحہ صرف کر کے اپنے گھر کو، اپنے ماحول کو، اپنے دوستوں کو اپنے اخلاق سے، اپنی عادات سے، اپنی گفتگو سے اسلام کی راہ پر گامزن کر دیں۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر مطبوعہ خدام الدین ۲ر جون ۱۹۷۸ء)

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی پسند

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ لاہور تشریف لائے آپؒ کے سامنے ناشتہ لایا گیا تو مجھ سے فرمانے لگے کہ گھر کے جو ٹکڑے بچے بچائے ہوں وہ لا کر مجھے دے دو اور یہ ساری چیزیں لے جاؤ اور فرمایا جب کبھی یہاں کھانا کھاتا ہوں تو کئی دن مجھے لطف آتا ہے، نماز میں، عبادت میں سرور رہتا ہے۔

(حوالہ: خطبۂ جمعہ مطبوعہ خدام الدین ۹ر جون ۱۹۷۸ء)

لاہور کے بازار بے حیائی کی آماجگاہ ہیں

جب ہم نے آنکھیں کھولی تھیں تو لوگوں کے دلوں میں دین کا کچھ نہ کچھ احساس تھا، کچھ نہ کچھ خوفِ خدا ضرور تھا، عورتوں کے اندر شرم وحیاء اور انسانیت تھی۔ مسلمان عورتوں کا تو ذکر ہی کیا، غیر مسلم عورتوں کے اندر بھی کچھ نہ کچھ شرم وحیا تھی، حتّٰی کہ ہندو عورتیں بھی پردہ کرتیں۔ اور آج صورتِ حال ایسی افسوسناک ہے کہ "اونچے" خاندانوں کی بہو بیٹیاں کھلے بندوں سرِعام پھر رہی ہیں۔ آپ کسی بھی وقت مال روڈ اور انار کلی جا کر مشاہدہ کریں تو سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ کیا یہ وہی ملک پاکستان ہے جو اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا تھا؟ ہم زبانی طور پر تو قرآن، اسلام اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دم بھرتے ہیں، اگر اس کا ہزارواں حصہ بھی ہماری عملی زندگی میں ہوتا تو ہمارے لیل ونہار بالکل کچھ اور ہوتے۔

(حوالہ: خطبۂ جمعہ مطبوعہ خدام الدین ۹ر جون ۱۹۷۸ء)

قیامِ پاکستان کا پس منظر

مطالبہ یہ تھا کہ ہم ایک خطۂ زمین چاہتے ہیں، جس پر اللہ کی حکمرانی ہو اور ہم بلا شرکتِ غیرے اس پر رہ کر قرآن پر عمل کریں کیونکہ ہمارا عقیدہ الگ ہے، ہمارا خدا الگ ہے، رسولؐ الگ ہے، ہمارا کعبہ الگ ہے، ہمارا دین الگ ہے، ہماری تہذیب الگ ہے، ہمارا تمدن الگ ہے۔ کیا یہی تہذیب تھی؟ یہی تمدن تھا؟ یہی ہماری تعلیمات تھیں؟ یہی ہمارا وہ اخلاقی نظام تھا جس کے لیے اپنوں کو، پرایوں کو چھوڑا تھا؟ گاندھی جی نے کئی دفعہ مسٹر جناح سے خط وکتابت کی کہ آپ کیوں الگ خطۂ زمین چاہتے ہیں؟ کیا ضرورت ہے؟ اس ملک میں ہم صدیوں اکٹھے رہتے رہے ہیں، کیا اب نہیں رہ سکتے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ پاکستان تو اسی دن بن گیا تھا جب

ایک بھی یہاں کا باشندہ باہر سے آنے والوں کی تعلیمات کو سن کر کے مسلمان ہو گیا تھا، پاکستان کی بنیاد تو اسی دن رکھ دی گئی تھی۔ اب ہم اس کا تحفظ چاہتے ہیں کہ ہماری سرحدات کی نشاندہی کر دی جائے۔ آپ اپنے طریقے سے رہیں ہم اپنے طریقے سے رہیں گے۔ جھگڑا کس بات کا ہے؟ ہماری تہذیب الگ ہے، ہمارا جینا مرنا، ہماری رسوم و رواج بالکل الگ ہیں۔ چنانچہ دو قومی نظریہ کے تحت انگریز بہادر کو جاتے جاتے یہ مسئلہ ہماری منشاء کے مطابق حل کر کے جانا پڑا۔

(حوالہ: خطبہ جمعہ مطبوعہ خدام الدین ۹ جون ۱۹۷۸ء)

علماء کرام کی قربانیاں

ہمارے بزرگ کہا کرتے تھے کہ مسجد بنانے سے پہلے اختلاف ہو سکتا ہے کہ مسجد بنے یا نہ بنے؟ اس کا نقشہ کیا ہو؟ دو منزلہ ہو کہ ایک منزلہ ہو؟ لیکن جب مسجد بن جائے تو پھر سب کو اس کی حفاظت کرنی چاہیئے۔ اس میں پھر دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ اس میں پھر اختلاف کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ جب پاکستان بن گیا تو ہمارے بزرگوں نے اس ملک کے ساتھ پوری وفاداری کی۔ علماء کرام نے اپنی جان کو جوکھوں میں ڈالا، رُوکھا سُوکھا کھا کر دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے تن من دھن نثار کر دیا۔ (حوالہ: خطبہ جمعہ مطبوعہ خدام الدین ۹ جون ۱۹۷۸ء)

طبقۂ علماء کا احترام

ایک سپاہی اور پٹواری کا ہم جس قدر احترام کرتے ہیں اُتنا بھی ایک عالمِ دین کا احترام نہیں۔ آج سرکاری دفاتر میں ایک چپڑاسی کی تنخواہ تین چار سو روپے ماہانہ ہے لیکن ایک عالمِ دین جو رات دن مسجد میں رہتا ہے، درس، خطابت، امامت کے ذریعہ خدا کے دین کی خدمت کرتا ہے تو اسے ڈیڑھ دو سو، بہت تیر مارا تو تین سو روپے ادا کر دیتے ہیں اور کہتے پھرتے ہیں کہ ہم خطیب صاحب کی بڑی معقول خدمت کرتے ہیں حالانکہ مہنگائی کے اس دور میں ایک عیال دار انسان کے لیے تین سو روپے کیا چیز ہے؟ فکرِ معاش کے ساتھ ہر وقت دل کو یہ دھڑکا کہ کب ذرا سی بات پر مسجد سے اخراج کا حکم صادر ہو جائے۔ ان باتوں کے پیشِ نظر بعض علماء مداہنت پر اُتر آتے ہیں۔ حق اور باطل میں التباس پیدا کر دیتے ہیں لیکن اُن کے اس جرم میں آپ بھی شریک ہیں کہ آپ اُن کے حقوق کی پاسداری نہیں کرتے۔

(حوالہ: مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۱۶ جون ۱۹۷۸ء)

دو قسم کے تصوّرات۔ دونوں ہی غلط

آج ہمارے معاشرہ میں دو قسم کے تصوّرات موجود ہیں اور بدقسمتی سے وہ دونوں تصورات رُوحِ اسلام کے منافی ہیں۔ یہ تصوّرات بدیسی غلامی کے مکروہ اثرات کا نتیجہ ہیں یا پھر اس کا ردِّعمل ایک تصوّر کیپٹلزم یا سرمایہ داری کا ہے، دُوسرا سوشلزم و کمیونزم کا۔ پہلے تصوّر میں پُورے معاشرہ و مُلک کی دولت پر چند افراد یا زیادہ سے زیادہ چند خاندانوں کی اجارہ داری اور اُن کا تسلّط ہوتا ہے جب کہ دوسرے تصوّر میں انفرادی ملکیّت کا دُور دُور پتہ نہیں اور ہر چیز قومی ملکیّت کی نذر ہو جاتی ہے۔ حالانکہ یہ دونوں تصوّرات غلط ہیں۔ اِس کے بالمقابل اسلام یہ کہتا ہے کہ وسائلِ دولت سے استفادہ پر پابندی نہ ہو اور جو آدمی اپنی اہلیّت و صلاحیّت سے جتنا کما سکے، حاصل کر سکے، اُس پر کوئی قدغن نہیں، لیکن کما کر اور اکٹھا کر کے اُس کو تجوریوں میں بھر دینا، اسلام اس کا شدید مخالف ہے۔ وہ دولت کے پھیلاؤ کا قائل ہے۔ (حوالہ خطبہ جمعہ مطبوعہ خدام الدین ۳۰ جُون ۱۹۷۸ء)

قرآن سے بڑھ کر کوئی انقلابی کتاب نہیں ہے

مَیں سمجھتا ہُوں کہ قرآن سے بڑھ کر دُنیا میں کوئی کتاب نہیں جو انقلاب برپا کر سکے۔ دُنیا میں بڑے بڑے انقلاب آئے۔ انقلابِ فرانس ہمارے سامنے ہے، رُوسی انقلاب ہے، چینی انقلاب ہے۔ یہ انقلاب بھرپُور نہیں، معاشی انقلاب ہیں۔ (حوالہ، خطاب حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ۔ واہ کینٹ مطبوعہ خدام الدین ۱۴ جولائی ۱۹۷۸ء)

اللہ تعالےٰ کی رحمتیں حاصل کرنے کا ذریعہ

مَیں دعوے سے کہتا ہوں اگر قرآن جیسی انقلابی کتاب کو ہم اپنائیں، اِس کو پڑھیں پڑھائیں، اپنی ذات پر وارد کریں، اپنے مُلک میں اس کا تجربہ کریں تو اللہ کی رحمت اِس طرح شامِل حال ہو گی کہ یہ حکومتیں اور یا اِس سے پہلے کے انقلاب یا آئندہ آنے والے انقلابوں کو، سب کو پانی کی طرح بہا کر لے جائے گا، کوئی بھی خس و خاشاک کی طرح بہتا چلا جائے گا۔

(حوالہ: خطاب حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ۔ واہ کینٹ مطبوعہ خدام الدین ۱۴ جولائی ۱۹۷۸ء)

حضرت مولانا عُبیداللہ سندھیؒ کی ٹھوس خدمات کے اثرات

میرے دادا حضرت مولانا عُبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کو ہندوستان کی آزادی کے لیے اپنے عُلمار جہاں دیوبند میں اُنھوں نے پڑھا، اُن کے حکم پر حضرت

شیخ الہندؒ کے ارشاد پر کابل جانا پڑا، وہاں سات سال رہے، قرآن ہی اُن کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ اور شاہ ولی اللہؒ کا فلسفہ "حُجتہ اللہ البالغہ"۔ اس کے بعد حالات ہوئے کہ حجاز جانے کے لیے رُوس جانا ہُوا، ترکی جانا ہُوا، سوئٹزر لینڈ جانا ہُوا، اِٹلی جانا ہُوا، وہ جہاں بھی گئے قرآن انھوں نے نہیں چھوڑا۔ مَیں ماسکو اتّفاق سے گیا، مسجدِ تاتار میں نماز پڑھنے کے لیے جانا ہوا تو سُنا کہ اس مسجد میں وہ درسِ قرآن دیتے رہے اور وہاں اب بھی اُن کے شاگرد اور عالم موجود ہیں۔ بہت حیرانگی ہُوئی۔ اب وہاں خدا کا نام لینا مشکِل ہے، مندر بند، گرجے بند اور بُت خانے بند، لیکن مسجدیں آباد ہیں اور پانچوں وقت اذان ہوتی ہے۔ وہاں جمعہ کے دن اتّفاق سے میرا جانا ہوا تو وہ دو تین منزلہ مسجد بھری ہوئی تھی۔ بہرحال دِل خوش ہُوا کہ اُن کی خدماتِ دینیہ کے خوش کُن نتائج برآمد ہو رہے ہیں۔ (حوالہ: خطاب حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ۔ واہ کینٹ مطبوعہ خدام الدین ۱۴ جولائی ۱۹۷۸ء)

پاکستان کو "پاکستان" بنایئے

یہ پاکستان اللہ نے ہمیں ایک محل دیا ہے۔ تجربے کے لیے ایک جگہ دی ہے۔ جیسے سائنس کے تجربے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ اسلام کو ہم عملی زندگی میں جاری و ساری کر سکیں۔ عملی زندگی میں نافذ کر سکیں، اپنی اقتصادیات، معاشیات، تعلیمات، اخلاق، عبادات، سارے معاملات قرآن و سُنّت کے مطابق حل کر سکیں۔

(حوالہ: خطاب حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ۔ واہ کینٹ مطبوعہ خدام الدین ۱۴ جولائی ۱۹۷۸ء)

حضرت میاں عبدالہادی دین پُوری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ

وقت گزرتا ہے تو بڑی تیزی سے اور جب کسی کا آخر وقت آتا ہے تو دیر نہیں لگتی۔ ابھی پچھلے ہفتہ ہمیں بہت بڑے حادثہ سے دوچار ہونا پڑا حضرت لاہوریؒ کے پیر و مرشد حضرت قطب الاقطاب خلیفہ غلام محمّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرّشید و جانشین ہمارے مخدوم اور محترم بزرگ حضرت میاں عبدالہادی صاحبؒ انتقال فرما گئے۔ وہاں سے بیماری کی اطلاع آنے پر ہم بھی گئے لیکن افسوس کہ ہمارے جانے سے قبل آپؒ اُس جگہ جا چکے تھے جہاں سے کوئی واپس نہیں آیا۔

مَیں کیا بتاؤں کہ حضرت میاں صاحبؒ کتنے بڑے آدمی تھے! علم و معرفت کا ایک بحرِ ذخّار، رُوحانیت کی جیتی جاگتی تصویر، بڑے بڑے اکابر اُن سے ملنا اپنی سعادت سمجھتے لیکن اُن کی

انکساری و تواضع اور بے نفسی کا بھی عجیب عالم تھا۔ دین پور شریف کی نورانی بستی میں ایک کھلی جگہ آپؒ کا قیام ہوتا، ہر آنے جانے والا ملتا، دعاء کی درخواست کرتا، آپؒ کمال خندہ پیشانی سے ہر ایک سے ملتے، خیریت دریافت فرماتے، دعا فرماتے اور یوں ہر آنے والا نہال ہو جاتا۔

ہمارے حضرتؒ کے مخدوم زادہ ہونے کے ساتھ ساتھ انھیں حضرتؒ کے درسِ قرآن میں شمولیت کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ حضرتؒ کو اُن سے بڑا تعلقِ خاطر تھا اور حضرتؒ کی وجہ سے ہمارے ساتھ اُن کا معاملہ کمال اخلاص پر مبنی تھا۔ افسوس کہ یہ عظیم انسان دُنیا سے رُخصت ہو گیا۔ ایک انسان جس نے حضرت دین پوری، حضرت مدنی، حضرت لاہوری اور حضرت سندھی رحمہم اللہ تعالیٰ کی آنکھیں دیکھیں، اُن کی نورانی مجالس میں بیٹھنے کا شرف حاصل کیا حتّٰی کہ وہ کُندن ہو گئے اور ان کا سینہ واقعات و معمولات کا خزینہ تھا، جماعت کے لیے اُن کا وجود سراپا شفقت تھا اور لُطف یہ ہے کہ اُن کو ہر حلقہ کا احترام حاصل تھا اور وہ کمال درجہ کی غیر متنازعہ شخصیت تھے

(حوالہ: خطبہ جمعہ مطبوعہ خدام الدین ۸ ستمبر ۱۹۷۸ء)

۱۲ ربیع الاوّل کی مروّجہ بدعت کا بانی

۱۲ ربیع الاوّل کو جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں۔ عمارات اور مکانوں کو خوشنما پھولوں اور خوشرنگ قمقموں اور روشنیوں سے سجایا جاتا ہے، ڈھول، طبلے، باجے، گھنگھرو اور طنبورے کی آواز کے ساتھ جلوس نکلتے ہیں، نوجوان علیحدہ بھنگڑے ڈال رہے ہیں، بیل گاڑیوں اور گدّوں پر فحش گانوں کی ریکارڈنگ کا مشغلہ بھی جاری ہے، نمازیں قضا ہو رہی ہیں لیکن اذان کی طرف دھیان نہیں۔ اِس کے علاوہ بھی وہ کچھ مناظر سُننے میں آتے ہیں کہ الامان والحفیظ!! اور اس سب کو "جشنِ میلاد" اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رُوحِ پُرفتوح کو اجر و ثواب پہنچانے کا نام دیا جاتا ہے۔ فواحسرتا! کیا اِس سب کچھ کا نام "محبّتِ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم" ہے؟ کیا یہ امُور قرآن و سُنّت کے مطابق انجام پاتے ہیں؟ کیا آپؐ کی محبّت کے یہی تقاضے ہیں؟ کیا ربیع الاوّل کا یہی پیغام ہے؟ اور کیا محبّانِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے یہی افعال ہوتے ہیں؟

قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا جائے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالاتِ زندگی کو پڑھا جائے اور تابعین و تبع تابعین کے فرمودات و اقوال کو دیکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ سب کچھ بعد کی ایجاد ہیں، جس کا ثبوت تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔ تاریخ ابنِ خلکان میں ہے

کہ سُلطان صلاح الدین نے ۵۸۶ھ میں ایک شخص کو شہر اربل کا گورنر مقرر کیا جس کی کنیت ابُوسعید اور لقب ملک المعظم مظفّر الدین تھا۔ یہ شخص انتہائی عیّاش مُسرف، بے دین اور کتاب و سُنّت کے علم سے عاری تھا۔ مرّوجہ محفلِ میلاد اور رسُومات کو اسی شخص نے ایجاد کیا اور میلاد کے جلوس کا بانی مبانی یہی مُلحد شخص ہے۔ امام بصری رحمۃ اللہ علیہ نے "قولِ معتمد" میں لکھا ہے کہ ھُوَ اوّل من احدث من الملوك هٰذا العمل۔ یعنی یہ وہ پہلا بادشاہ ہے جس نے اس مجلسِ مولُود کو ایجاد کیا۔ اس نے اپنے قلعہ کے ساتھ ہی ناچ گھر بنوا رکھا تھا جہاں محرّم اور صفر کے مہینہ میں ہی بھانڈ، میراثی، گویّے، شاعر اور "واعظین" (جو عبد الدّرہم والدّینار تھے) ناچ گھر میں اکٹھے ہوتے، رقص و سرود کی محفلیں "میلاد" کے نام سے ربیع الاوّل میں منعقد ہوتیں۔ علّامہ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ "مرآۃ الزّمان" میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب ناچ شروع ہوتا اور محفل خوب گرم ہوتی تو یہ بادشاہ خود بھی ناچنا شروع کر دیتا۔ "علماءِ سُوء" کی خُوب آؤ بھگت ہوتی۔ ابو الخطاب عمر ابنِ دحیہ وہ پہلا شخص ہے جس نے ان رسُومات کو سندِ جواز مہیّا کی اور "التّنویر فی مولد سراج المنیر" کے نام سے کتاب لکھی اور ایک ہزار اشرفی انعام میں بادشاہ سے حاصل کی "لِسان المیزان" میں علّامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ شخص ظاہر المذہب، آئمہ دین، سلف صالحین کی غیبت کرنیوالا خبیث اللّسان، متکبّر، احمق اور کذب بیانی میں مشہور تھا۔ حضرت حکیم الاُمت مولانا اشرف علی تھانوی قدّس سرّہٗ نے کیا حکیمانہ بات ان مُحدثات کے بارہ میں ارشاد فرمائی کہ یہ "التزام مالا یلزم" ہے یعنی یہ امُور وہ ہیں جن کے التزام کو شریعت نے لازم قرار نہیں دیا۔ لہٰذا ان سے چھٹکارا حاصل کرنا ہی بہتر ہے۔ (حوالہ: مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۹ مارچ ۱۹۷۹ء)

ہمارے حضرت لاہوریؒ — ایک بے لوث خادمِ دین

ہمارے حضرت لاہوری قدّس سرّہُ العزیز پاکستان کے چپّہ چپّہ پر گئے لیکن کبھی کسی مدرسہ، انجمن، سوسائٹی یا رئیس کے مرہونِ منّت نہیں ہوئے۔ وعدہ یہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب مہیّا فرما دیے تو بہت اچھّا ورنہ معذرت۔ بڑے بڑے رئیسوں کے یہاں تشریف لے گئے لیکن چنے بھُنوا کر پاس رکھ لیے۔ کئی کئی دن قیام رہا لیکن انہی پر قناعت کی، کسی کے گھر کا لُقمہ نہیں کھایا۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر مطبوعہ خدام الدین ۳۰ مئی ۱۹۸۰ء)

تلقینِ اتّحاد

اعتصام بحبل اللہ یعنی اتّحاد وقت کی ضرورت ہے۔ ارشاد باری ہے وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ فرمایا " اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقہ میں نہ پڑو"۔ ان آیاتِ مقدس میں ہمیں جس اتّحاد کی دعوت دی گئی ہے افسوس کا مقام ہے کہ ہم اُس دعوت کو ہر سطح پر بھلا بیٹھے ہیں۔ کیا علماء دین، کیا قائدین اور اساتذہ اور کیا طلباء، سب کے سب مختلف گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ علماء، اہلِ سیاست، طلباء، سب کے سب انتشار میں مبتلا ہیں۔ ایک دُوسرے سے کندھا ملا کر چلنے کی بجائے ایک دُوسرے کی ٹانگ کھینچنے کے لیے بے تاب رہتے ہیں۔ اِس وقت ضرورت اِس بات کی ہے کہ ہم اپنے اندر اتّحاد، اتّفاق پیدا کریں، خاص طور پر نوجوانوں کو اس طرف توجہ دینی چاہیئے کیونکہ مُلک کے روشن مستقبل کا انحصار انہی پر ہے

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
مَیں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

(حوالہ: حضرت امام الہدیٰؒ کی ایک تحریری چِٹ جو حضرت مولانا محمد اجمل قادری مدظلہ جانشین امام الہدیٰ کو آپ کے تبرکات میں سے ملی اور شاملِ کتاب کر لی گئی)

ڈپٹی محمّد یُوسف مرحوم کے لیے دُعائیہ کلمات

ہمارے محترم ڈپٹی محمّد یوسف صاحب کا اِسی ہفتہ انتقال ہُوا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو غایت درجہ تعلّق تھا اور پھر برادرِ مکرّم و محترم حضرت الحاج حافظ حبیب اللہ صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ سے بہت تعلّقِ خاطر تھا۔ اپنے آخری لمحاتِ حیات تک حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار انجمن خدّام الدّین اور اس کے متعلقہ شعبوں سے بے پناہ تعلّق رہا اور انجمن کی بہتری کے لیے سرگرمِ عمل رہے حضرت حافظ صاحبؒ کی وفات کے بعد جب ہمیں حج کی سعادت نصیب ہُوئی تو محترم ڈپٹی صاحب پہلے ہی وہاں تھے۔ حضرت حافظ صاحبؒ نے اپنے عظیم الشّان کُتب خانے کو دارالعلوم دیوبند ارسال کرنے کی وصیّت فرمائی تھی، وہ وہاں منتقل ہُوا۔ باقی چیزیں، جن میں جھاڑو اور بیٹھنے کے ٹاٹ شامل تھے، ڈپٹی صاحب ہمراہ لے کر آئے اور کوئی چیز وہاں نہ رہنے دی۔ زندگی کے آخری دِنوں میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں انھیں لاہور منتقل ہونے اور انجمن کا کام سنبھالنے کی تلقین کی۔ اِس کے بعد وہ لاہور آ گئے اور پھر انجمن کی فلاح و بہبُود کے لیے ایسے ایسے کام کیے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ انجمن کی بہت ساری جائداد تھی جو کہ کرایہ داروں کے غلط طرزِ عمل کا شکار تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی سعی سے سب کو اصل ہاتھوں میں لوٹایا۔ مرحوم نے وکالت کا امتحان پاس کیا

لیکن حضرتؒ کے حکم سے پولیس میں گئے اور وہاں نظم و انتظام، قانون و شرافت اور مظلوم و حقدار کی داد رسی کی جو مثالیں قائم کیں وہ ایک مستقل داستان ہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی اُن کے احترام کا یہ عالم تھا کہ جس پولیس افسر سے مِلتے وہ جھک جاتا اور جس صحیح کام کی طرف توجہ دلاتے وہ پس و پیش کے بغیر کرتا۔ الغرض بڑی خوبیاں تھیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں بال بال مغفرت فرمائے۔ میرے خیال میں اُنھیں یہ عزّت و توقیر جو حاصل ہوئی وہ اِسی وجہ سے کہ انھوں نے فرائض دینی میں کوتاہی نہیں کی۔ ذِکر و فکر اُن کی غذا تھی اور جن سے یہ نعمت ملی تا دمِ آخر اُن سے وابستہ رہے اور ادب و تواضع میں حد کر دی۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر مطبوعہ خدّام الدین ۲ جنوری ۱۹۸۱ء)

خُدائی حدود کو چھوڑ کر "ذِکر" کی کب اجازت ہو سکتی ہے؟

ہمارا مشاہدہ ہے کہ دُنیا کے بڑے لوگوں کے سامنے اِنتہائی ادب و احترام سے گفتگو کی جاتی ہے۔ تو میاں! خُدا تو خُدا ہے۔ اب ہمارے ہاں یہ عالم ہے کہ خُدائی حدود کو چھوڑ کر "ذِکر" کیا جاتا ہے۔ بھلا بتایئں اِس کی کب اجازت ہو سکتی ہے؟ بریلوی حضرات اپنی مساجد میں نماز کے بعد بلند آواز سے جو ذِکر وغیرہ کرتے ہیں اور جس میں عام طور پر "اِمداد کُن امداد کُن" وغیرہ کے جاہلانہ اور غلط جملے بھی استعمال ہوتے ہیں، ان کی اجازت کیونکر ہو سکتی ہے؟ — کہ اِس میں دُوسرے نمازیوں وغیرہ کو تکلیف ہوتی ہے۔ جیسا کہ اکثر لوگوں کا یہ مشاہدہ ہے کہ ایسی صُورت میں الحمد شریف جیسی چیز بھی بار بار بھول جاتی ہے۔ ہمارے دَور کے محقّق عالم حضرت مولانا محمّد سرفراز خاں صاحب کی محققانہ کتاب "حکم الذکر بالجہر" ابھی ابھی چھپ کر آئی ہے اِس پر خدّام الدین میں تبصرہ بھی آچکا ہے۔ موصوف نے کمال دیانت و تحقیق سے ذکر اور اسکی مختلف صُورتوں پر بصیرت افروز روشنی ڈالی ہے اور ہمارے حلقہ کے ذکر کے متعلق جواز کا ارشاد فرمایا ہے۔ کیونکہ ہمارا سلسلہ غوغا آرائی سے پاک ہے۔ نماز کے اوقات کے بعد یہ سلسلہ ہوتا ہے اور اس میں بھی سوز و گداز اور طمانیت، اعتدال وغیرہ ہے، ہنگامہ آرائی نہیں اور مَیں یہ کہنا چاہوں گا کہ بعض دوست اگرچہ خلوص سے انتہائی زور زور سے ذکر کی کوشش کرتے ہیں، یہ صحیح ہے کہ یہ سلسلہ مسابقت الی الخیر کا ہے لیکن یاد رکھیے کہ یہ درست نہیں۔ درست سلسلہ خیر الامُور اوسطہا ہے اس لیئے آپ حضرات بڑے سکون، اطمینان اور توسّط و اعتدال سے اللہ اللہ کیا کریں۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر مطبوعہ خدّام الدین ۴ فروری ۱۹۸۲ء)

عورت کی شہادت ۔ لاہور اور کراچی میں "عورتوں" کے جلوس

آجکل ہمارے یہاں قانونِ شہادت کے ضمن میں ہنگامہ بپا ہے۔ اخبارات میں مضامین اور آرٹیکل چھپ رہے ہیں۔ علماء و وکلاء اور سیاستدان بیان دے رہے ہیں۔ خواتین نے بدقسمتی سے لاہور اور کراچی میں جلوس نکالے اور ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کی گواہی کو "ظلم" سے تعبیر کیا۔ اس پر احتجاج کیا اور مطالبہ کیا "وَن مین وَن ووٹ" کے اصول کے مطابق ایک عورت کی گواہی تسلیم کی جائے۔ ان جلوسوں میں گنتی کی جو چند خواتین تھیں وہ "بڑے بڑوں" کے تعلق والی تھیں۔ شوریٰ کے ممبران کی بیویاں، وزراء کی بہو بیٹیاں اور بعض سیاستدانوں کی بیگمات اور بچیاں وغیرہ! ایک نظریاتی مملکت میں یہ بات باعثِ شرم تھی ۔۔۔ اور ہے ۔۔۔ کہ خواتین نے اس طرح کا مظاہرہ کیا اور ایک واضح قرآنی حقیقت کو جھٹلایا اس المناک صورتحال کا اصل سبب وہ ناروا جذبہ ہے جو تہذیبِ مغرب کی بھونڈی نقالی نے خواتین کے ایک طبقہ میں پیدا کر دیا ہے اور مردوں کے شانہ بشانہ چلنے پھرنے کی خواہش نے انھیں اندھا کر کے رکھ دیا ہے۔ نام نہاد مسلمانوں کا ایک طبقہ بے حمیّتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُن کی ہاں میں ہاں ملاتا اور اُن کے پردہ، گھر کی خدمت اور اولاد کی تربیّت کو اُن کے حق میں "ظلم" بتلاتا ہے اور اُن کی ہاں میں ہاں ملا کے کہنے لگتا ہے کہ واقعی بچاری مظلوم ہے، اِسے کھلی چھٹی ہونی چاہیئے۔ یہ طرزِ عمل فطرت کے خلاف جنگ کے مترادف ہے۔ (حوالہ: خطبہ جمعہ مطبوعہ خدام الدین ۱۵ اپریل ۱۹۸۳ء)

حضرت امروٹیؒ کا توکّل

ہمارے دادا پیر حضرت امروٹی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فقراء سے فرمایا کرتے تھے کہ رات کو گھڑے بھی خالی کر کے اُلٹے رکھ دو۔ اللہ تعالیٰ کل نیا دن نکالیں گے تو نیا پانی ڈال دینا۔ چنانچہ اُن کو اللہ تعالیٰ اپنے خزانۂ غیب سے بے حساب اور بے شمار عطا فرماتے۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۳ اگست ۱۹۸۴ء)

حضرت رائپوریؒ کا توکّل

حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ رات کو سونے سے پہلے تمام جیبیں خالی کر کے سوتے۔ جو کچھ ہوتا خدّام اور فقراء میں تقسیم فرما دیتے۔ اگلی صبح کو اللہ تعالیٰ پھر بے شمار عطا فرما دیتے تھے۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۳ اگست ۱۹۸۴ء)

حضرت مدنیؒ کی عادتِ مبارکہ

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا دسترخوان بڑا وسیع تھا۔ آپؒ مہمانوں کی خاطر و مدارات کے لیے قرض تک لے لیتے اور اللہ کی قدرت کہ وہ ادا بھی ہو جاتا۔ یہی وصیت آپؒ نے اپنے صاحبزادہ محترم مولانا محمد اسعد مدنی کو فرمائی۔ چنانچہ وہ بھی آج تک اسی معمول کو بہ احسن طریق نباہ رہے ہیں۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۳ راگست ۱۹۸۴ء)

جنّ بھی مجلسِ ذکر میں آتے ہیں

عارفین کا یہ مشاہدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نیک مخلوق انسانوں میں بھی ہے اور جنّوں میں بھی ہے۔ چنانچہ انھوں نے رائے ونڈ کے اجتماع میں ایک صحابی جنّ کی زیارت کی اور اُن سے بات چیت بھی کی۔ پھر انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ ہم جامع مسجد شیرانوالہ میں آئے، تو اُن کو یہاں بھی موجود پایا۔ انھوں نے یہاں تک فرمایا کہ اِس پاکیزہ مجلس میں چونکہ اللہ کا نام بلند ہوتا ہے اِس لیے ہر جمعرات کو انسانوں سے زیادہ نیک خُو جنّ آتے ہیں اور ذکر اللہ میں شرکت کرتے ہیں۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۳ راگست ۱۹۸۴ء)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے معتقد جنّات کا کارنامہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو وجع المفاصل کی تکلیف تھی۔ اُن کے علاج کے لیے انڈوں کا تیل بڑی محنت سے تیّار کیا گیا مگر جب حج پر ایک مرتبہ تشریف لے گئے تو تیل کی بوتل لاہور ہی میں رہ گئی۔ جب مکہ معظمہ پہنچ کر تکلیف ہُوئی تو والدہ مرحومہؒ نے مجھ سے فرمایا کہ اب کیا ہو؟ میں بھی پریشان تھا کہ اب انڈوں کا تیل بنانا یہاں پر تو آسان نہیں ہے۔ امّاں جان مرحومہؒ نے سُورۃ والضحیٰ پڑھنا شروع کر دی۔ وہ اِس کی بہت بڑی عاملہ تھیں۔ اپنی ہر ضرورت اسی کے ذریعہ پُوری کر لیتیں۔ اللہ کی شان! تھوڑی دیر ہی گزری تو لاہور والی بوتل سامنے میری ٹوپی کے قریب میز پر پڑی تھی۔ والدہ مرحومہؒ نے فرمایا یہ تمہارے والد بزرگوار کے کسی شاگرد جنّ کا کام ہے جو اتنی جلدی وہی بوتل یہاں لے آیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت بڑی مشکل سے بچا لیا ہے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۳ راگست ۱۹۸۴ء)

اللہ تعالیٰ نے تیس ہزار روپے اپنے خزانۂ غیب سے حرمِ مکہ میں بھجوا دیے

چند سال قبل سفرِ حج پر جانے کے لیے کراچی کے رانا بشیر صاحب نے بہت زور لگایا مگر میری مصروفیاتِ مجلسِ ذکر خطبۂ جمعہ وغیرہ مانع ہُوئیں اور مَیں ایک ماہ کا وقت نہ نکال سکا۔ چنانچہ کراچی سے گھر واپس آ گیا۔

چند دِنوں بعد گوجرانوالہ کے نیک شخص میاں رحمت صاحب نے فی الفور بندوبست کر کے حج کی تیاری کر لی۔ اور بھی کافی احباب ساتھ تھے۔ جب مَیں حرمین الشریفین میں پہنچا تو حاجی رانا بشیر صاحب وہاں موجود تھے وُہ کہنے لگے مَیں رو رو کر دُعائیں کرتا تھا کہ آپ آجائیں۔ چنانچہ اللہ نے آپ کو پہنچا دیا۔ مجھے محسوس ہونے لگا کہ میاں رحمت صاحب اِتنا خرچ کر رہے ہیں، کاش! میرے پاس کچھ ہوتا تو حِصّہ بانٹ دیتا۔ کیا دیکھتا ہُوں کہ ایک صاحب تشریف لا کر فرمانے لگے کہ آپکے نام تیس ہزار روپے کا ڈرافٹ کسی غیر ملک سے آیا ہے اِس پر دستخط فرمادیں تو میں رقم نکلوا لاتا ہُوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی اس غیبی عطا پر مَیں حیران رہ گیا۔ اُس رقم کا کافی حِصّہ مَیں نے میاں رحمت صاحب کو دیا اور دُوسرے احباب کو بھی دیا ؏ خدا خود میرِ ساماں است اربابِ توکّل را

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۳ر اگست ۱۹۸۴ء)

ایک "علمی" گھرانے کی بے حجاب صاحبزادیاں

جب مَیں کراچی میں بزنس کرتا تھا تو ایک روز چند خواتین وہاں آئیں۔ بالکل بے حجاب اور عُریاں، بال کٹے ہُوئے اور فیشن اِس قدر کہ اللہ کی پناہ! — دُوسرے احباب نے مجھ سے کہا اِن خواتین کو جانتے ہو کون ہیں؟ مَیں نے کہا مجھے کیا معلوم، نہ ہی مَیں نے اِن کو دیکھا ہے — کہنے لگے یہ ہندوستان کے فلاں علمی گھرانے کی صاحبزادیاں ہیں۔ مَیں انگشت بدنداں کھڑا رہ گیا۔ نام لینے کی ضرورت نہیں ہے، صرف اصلاح کی غرض سے کہہ رہا ہُوں۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۳ر اگست ۱۹۸۴ء)

عشقِ رسُولؐ کی تڑپ نے ایک بے مایہ انسان کو دربارِ رسالتؐ میں پہنچا دیا

غلام رسُول نامی ایک بزرگ اب بھی مدینہ منوّرہ میں مسجدِ نبوی کے بابِ مجیدیہ کے بوّاب ہیں اور ہر سال مجھے تحائف بھجواتے رہتے ہیں جو میں تقسیم کرتا رہتا ہُوں۔ ابھی چند روز ہوئے انھوں نے بہت سی ٹوپیاں ارسال فرمائی ہیں۔ وُہ ایک بے مایہ شخص تھے مگر عشقِ رسُولؐ کے نشّہ سے سرشار تھے جو کشاں کشاں اُن کو دربارِ رسالتمآبؐ میں لے پہنچا اور وہیں کے ہو رہے ہیں۔ آج کل وہ "غلام رسُول بلّیوں والے" کے نام سے معروف ہیں انھیں خواب میں حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت نصیب ہُوئی۔ عرض کیا "مَیں دربارِ نبویؐ میں حاضر ہونے کا آرزومند ہُوں"۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا "چل پڑو، اللہ تعالیٰ اسباب

مہیّا فرما دیں گے"۔ بے چاروں کے پاس ٹکٹ کے پیسے نہیں تھے۔ پلیٹ فارم پر حیران و سرگردان کھڑے تھے کہ ایک ریلوے کے افسر آئے۔ پوچھا "کہاں جانا ہے؟" کہنے لگے "کراچی"۔ انھوں نے کہا "گاڑی کھڑی ہے، سوار ہو جایئے"۔ اندر جا کے بیٹھ گئے۔ کراچی پہنچ کر ریل گاڑی سے اتریں کہ بغیر ٹکٹ ہوں پکڑا جاؤں گا۔ دو سفید پوش سُوٹڈ بُوٹڈ آدمی آئے[1] اور پوچھا "آپ غلام رسُول ہیں؟" کہنے لگے "جی ہاں"۔ اُنھوں نے کہا "اُتر آیئے"۔ چنانچہ وہ باہر لائے، آگے کار کھڑی تھی، بٹھا دیا۔ اسی طرح ہوائی جہاز کا سبب بنا اور آپ حجازِ مقدس پہنچ کر سیدھے دربارِ نبویؐ میں حاضر ہوئے، سلام پیش کیا، رات کو حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پھر خواب میں زیارت ہوئی۔ پوچھا "غلام رسول! آ گئے ہو؟ عرض کیا "ہاں یا رسول اللہؐ! حاضر ہو گیا ہوں"۔ پھر خدمت پوچھی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا "مدینے کی بلّیاں بھُوکی رہتی ہیں، اِن کو کھلاؤ پلاؤ"۔ عرض کیا "حضورؐ! پیسہ دھیلا تو ہے نہیں، کہاں سے کھِلاؤں پلاؤں؟" فرمایا "قصائی گوشت رکھ کر اوجھڑیاں پھینک دیتے ہیں۔ ان کو اُٹھا لیا کرو اور صاف کر کے بلّیوں کو کھِلا دیا کرو"۔ چنانچہ اُنھوں نے یہی معمول بنا لیا اور "بلّیوں والے غلام رسُول" کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ آجکل حکومتِ سعودیہ نے اُن کو بڑے عہدہ پر بطورِ بوّاب متقرر کر رکھا ہے اور اچھی خاصی تنخواہ ملتی ہے جو وہ اسی طرح راہِ خُدا میں لُٹا دیتے ہیں۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۳ اگست ۱۹۸۴ء)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تین بیش قیمت وصیّتیں

ہمیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تین وصیّتیں فرمائی تھیں (۱) کسی کو قرض نہ دینا نہ کسی کی ضمانت دینا (۲) کیمیا گری کے پیچھے نہ پڑنا کہ اتنا پیتل اتنا تانبا ملاؤ تو سونا بن جائے گا (۳) عملیات میں نہ پڑنا —— چنانچہ ہم نے دیکھا کہ واقعی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات مبنی برحق تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مسلمان وہ ہے جو قرض لیکر نہ دے۔ اگر دے دے تو اُوپر سے مسلمان ہو گا اندر سے ہندو ہو گا۔ خود حضرتؒ کے زمانے میں بھی اور پھر ہمارے زمانے میں بھی محلّہ پڑوس کے لوگوں کے علاوہ بڑے بڑے علماء اور رہنماؤں نے ہم سے قرضے لیے مگر کسی نے بھی لَوٹا کر نہ دیئے۔ ہم نے بھی دیتے وقت قرض کی نیّت ہی نہیں کی تھی ورنہ ہم کہاں کہاں وصُولیوں کے چکّروں میں کچہریوں میں خوار ہوتے۔ مَیں نے نام کسی کا

---

[1] ان آدمیوں کو درصل خواب میں حکم ہُوا تھا۔

نہیں لیا مگر یہ ہے حقیقت۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۳ اگست ۱۹۸۴ء)

رُوسی عوام رُوسی نظام سے تنگ ہیں

ہمارے مُلک پر رُوسی بمباریوں کا سلسلہ بڑا خطرناک ہے۔ اللہ ہی رحم کرے۔ جو لوگ یہاں آج رُوسی نظام کی تعریفوں میں رطبُ اللّسان ہیں۔ اگر اُن کو اس کا مزا عملی طور پر چکھنا پڑا تو پھر توبہ توبہ پکار اُٹھیں گے۔ یہ تو بے چارے غیرت مند افغانوں ہی کا حوصلہ ہے جو اتنی بڑی طاقت سے نبرد آزما ہو گئے ہیں اور اتنے سالوں سے اُسے ناکوں چنے چبوا رہے ہیں۔ خدا نہ کرے ہمیں ظالم طاقت کے زیرِ تسلط آنا پڑے ورنہ بہت بُرا حشر ہو گا۔ آخر کوئی بات تو ہے جو کھلاڑیوں اور عوام میں سے اکثر لوگ سیاسی پناہ لینے پر مجبُور ہو جاتے ہیں۔ آج تک دیکھ لیجیے جہاں جہاں بھی اپنے مُلک سے بھاگ کر گئے ہیں رُوسی ہی گئے ہیں اور واپس جانے کا نام نہیں لیا۔ مگر کوئی امریکن بھی بھاگ کر رُوس گیا ہے؟ برلن میں دیکھ لیں، مشرقی اور مغربی جرمنی میں دونوں طرف دُو الگ الگ نظام رائج ہیں۔ مشرقی جرمنی میں روسی نظام ہے مگر اکثر وہاں سے لوگ بھاگ کر مغربی جرمنی چلے جاتے ہیں۔ مَیں جب بلغاریہ کے دَورے پر گیا تھا تو رُوس بھی جانے کا اِتّفاق ہُوا۔ انڈر گراؤنڈ ریلوے دیکھ کر مَیں حیران رہ گیا کہ کتنا بڑا کام کیا گیا ہے؟ پاکستانی سفیر میرے ہمراہ تھے۔ بتایا گیا کہ یہ لوگ اتنے ظالم ہیں، کہ ستّر ستّر سالہ بوڑھی خواتین سے بھی ڈنڈے مار مار کر دن رات کام لیتے ہیں اور روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں دیتے۔ اگر خدانخواستہ ہمارے ہاں یہ بدبخت منحوس نظام آ گیا یا رُوسی تسلط ہو گیا تو کیا ہماری ستّر ستّر سالہ خواتین اتنے کٹھن مراحل سے گزُرنے کی سکت رکھتی ہیں؟ اللہ ایسی حالت سے بچائے۔

ہماری مسجد میں ایک بے چارہ غریب و سادہ لوح شخص اذان دیا کرتا تھا۔ بھٹّو کے دورِ سیاہ میں بعض بدبخت اُسے کہا کرتے تھے "چند دن کی بات ہے، تم مولویوں کی ڈاڑھیاں صاف کر دی جائیں گی، سب کو سیفٹی ریزر دے دیے جائیں گے اور یہاں رُوسی اشتراکیت اور مساوات رائج ہو جائے گی" ظالموں کو خُدا جانے ایسا کہنے کی جُرأت کیسے ہُوئی؟ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۳ اگست ۱۹۸۴ء)

اِمام الہُدیٰ جانشینِ شیخ التفسیر حضرت مولانا عُبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ کا

آخری خطبۂ جُمعہ

چند یادگار اقتباسات

چہرے بدل گئے ہیں مُلک کی قسمت نہیں بدلی اور نہ اِسکی توقّع ہے

اس وقت ہمارے مُلک میں نئی قیادت مُلک کی باگ ڈور سنبھال چکی ہے۔ چہرے بدل گئے ہیں، مُلک کی قسمت نہیں بدلی اور نہ اِسکی توقّع ہے۔ اس لیے کہ تیس تیس لاکھ روپیہ خرچ کرکے اور اپنے حریفوں کو شکست دینے کے لیے ہر جائز و ناجائز ہتھکنڈے استعمال کرکے کامیاب ہونے والے لوگ اپنا آپ بنائیں گے یا مُلک و قوم کی سلامتی کی راہ میں بچھے ہُوئے کانٹے دُور کریں گے؟ کیا کریں گے کیا نہ کریں گے؟ نام تو اسلام ہی کا لیا جائے گا۔ پہلے لوگ بھی یہی کچھ کرتے رہے ہیں، یہ بھی اُنہی کی پیروی کریں گے۔ ریفرنڈم اسلام کے نام پر ہُوا، کامیاب لوگوں نے بھی اسلام کے نام پہ ووٹ مانگے۔

جس دین کے احکام و قوانین کا انھیں علم تک نہیں وہ اُسے نافذ و جاری کیسے کرلیں گے؟

آثار و اطوار سے جو کچھ دکھائی دے رہا ہے اُس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دین و ملّت اور مُلک کے مفاد میں کسی بڑی تبدیلی کی توقّع نہیں کی جاسکتی۔ کرسیوں اور عہدوں کے لیے محلّاتی جوڑ توڑ کی سیاست کا آغاز ہوچکا ہے۔ اربابِ اقتدار جب عوام کے رُوبرُو ہوں گے تو اسلام ہی کا نام لیں گے کیونکہ ان میں کُھلّم کُھلا مقابلہ کی ہمت نہیں ہے، لیکن یہ پاکستان اور اسلام کی دُہائی مُلک اور دین کے لیے نہیں اقتدار اور کرسی کے لیے ہوگی۔ عوام کی تکالیف اور دُکھوں کا ذکر بھی ہوگا، وعدوں کے ایفا کی

یقین دہانیاں بھی ہوتی رہیں گی مگر یہ سب کچھ وفا نہیں فریب ہی رہے گا۔ ۳۸ برس سے یہی ہو رہا ہے ۔

زمانہ دیتا ہے تجھ کو اگر فریبِ وفا فریب کھا کہ زمانے کا اعتبار نہیں

اِس لیے کہ جو لوگ سامنے آئے ہیں اُن کی غالب اکثریّت نے رُوسی اور امریکی لار توڑے ہیں لیکن اسلام کے قوانینِ عدل و مساوات کی اُنھیں خبر تک نہیں جس دین کے احکام و قوانین کا اُنھیں علم تک نہیں وہ اُسے نافذ و جاری کیسے کرلیں گے؟ اور وہ لوگ جو عُلمار کا مقابلہ کرکے اور دولت کی کشتی میں بیٹھ کر اقتدار کے ساحل تک پہنچے ہیں اُن کا وجُود دین اور غریب عوام کے لیے خدا کی رحمت کیسے بن سکتا ہے؟ جو دولت اور فریب کے بل بُوتے پر کامیاب ہوئے ہیں وُہ برسرِ اقتدار آنے کے بعد راتوں رات جُنید بغدادیؒ یا بایزید بُسطامیؒ نہیں بن سکتے۔ اقتدار اور اختیار حاصل کرنا بے شک مشکل کام ہے مگر اِسے انصاف کی راہوں پر چلانا اور عہدہ و منصب سے مخلوق اور دین کی خدمت کا کام لینا، دُنیا پرستوں کے لیے اِس سے بھی مشکل تر بلکہ ناممکن ہے اور جو حکمران عدل و انصاف کا دامن نہیں پکڑے گا وہ خدا کے غضب سے بھی نہیں بچ سکتا۔

اِقتدار کی مثال دُھوپ چھاؤں کی ہے، یہ ڈھلتا سایہ ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں

ہم مخالفت برائے مخالفت نہیں کرتے لیکن حکمرانوں کی ریاکاری اور کھوکھلے دعووں کا فریب بھی نہیں کھائیں گے۔ آنے والا وقت بتا دے گا کہ موجُودہ اربابِ بست و کُشاد اپنے زنبیل میں مُلک و قوم کے لیے کیا تحائف لے کر آئے ہیں۔ ؎

مُشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطّار بگوید

اُنھیں یہ بات آج ہی سے پلّے باندھ لینی چاہیے کہ اقتدار کی مثال دُھوپ چھاؤں کی ہے، یہ ڈھلتا ہُوا سایہ ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ، یہ دن لوگوں کے درمیان چلتے پھرتے ہیں اور اقتدار کے سبز باغ میں تو بُوئے وفا کا کہیں نام تک نہیں، پھر اس کی حیثیّت بھی کیا ہے؟ اسی لیے اقتدار کے بل بُوتے پر دُنیا بنانے اور اپنی آخرت خراب کرنے والا حکمران بدقسمت اور بدعقل ہے۔ لوگ کندھوں پر جنازہ اُٹھا کر قبر میں ڈال دیں گے، اقتدار بھی نہیں رہے گا، پھر پچھتاوے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا ۔

ع نہ خُدا ہی مِلا نہ وصالِ صنم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

اِس لیے باہر کی چکا چوند زندگی میں رنگ بھرنے کے بجائے قبر کی تاریکی میں کوئی عمل کا چراغ لے جاؤ، وہاں کوئی ساتھ نہ ہوگا۔ ماں کے پیٹ سے جب اِنسان اتنی بڑی دُنیا میں آتا ہے تو رونا شروع کر دیتا ہے اور جب اِس دُنیا کے رنگ رُوپ چھوڑ کر بہت بڑی اور ہمیشہ ہمیشہ کی دُنیا میں جائے گا، اگر عمل درست نہ ہوئے تو وہاں بھی روئے گا اور روتا ہی رہے گا۔ اگر دُنیا پرستی کی بجائے آخرت کی فِکر شروع کر دی جائے تو دُنیا اور آخرت دونوں سنور جاتی ہیں۔

دُعا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے۔ اگر یہ لوگ ہدایت کے قابل نہیں ہیں تو ہمیں اِن سے نجات عطا فرمائے۔ آمین

(حوالہ: خطبہ جُمعہ مطبوعہ خدّام الدین ۲۶ اپریل ۱۹۸۵ء)
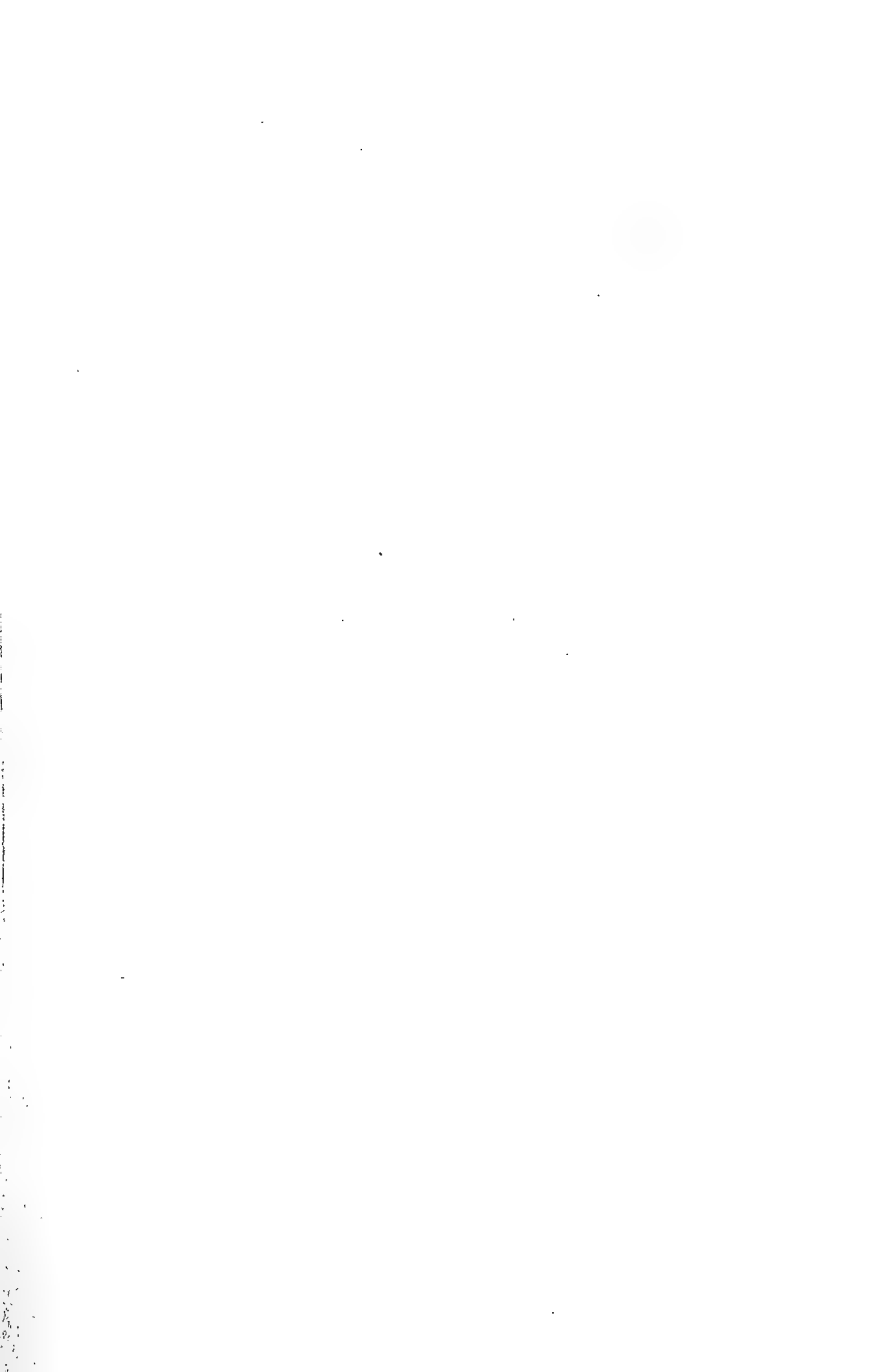
اہم واقعات

حضرت امام الہدیٰؒ کی عادت مبارکہ تھی کہ دورانِ تقریر اپنے بزرگوں کے اہم واقعات لوگوں کی اصلاح کے لیے نقل فرما دیتے تھے. ذیل کے ارشادات میں واقعاتی انداز جھلکتا ہے

جہاز کا بے نماز عملہ غرق ہوگیا

حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۴۶ء میں بحری جہاز سے حج کے لیے تشریف لے گئے۔ (اس کے بعد حضرتؒ کے جتنے بھی زیارتِ حرمین الشریفین کے اسفار ہوئے، سب بذریعہ طیارہ اور مع اہل وعیال ہوئے۔ ایک دفعہ اس سیاہ کار کو خدمت کے لیے ساتھ لے جاتے اور ایک مرتبہ حافظ حمید اللہ صاحبؒ ساتھ ہوتے) بحری جہاز کا عملہ، خصوصاً کھانا پکانے والا عملہ بے نماز تھا۔ اِس لیے حضرتؒ نے دورانِ سفر سات روز میں ایک دِن بھی اُن کے ہاتھ کا کھانا نہ کھایا اور محض پانی پر گزر اوقات کرتے رہے۔ جب بھی اُن لوگوں کو نماز پڑھنے کو فرماتے تو وہ کہہ دیتے "سائیں ہمارا کپڑا ناپاک ہے، آج دھوئے گا، کل پڑھے گا"۔ لیکن خدا کے بندوں نے ایک روز بھی نماز نہ پڑھی اور حضرت موصوفؒ نے ایک روز بھی اُن کا کھانا نہ کھایا۔

حضرتؒ نے لاؤڈ سپیکر پر جہاز کی مسجد میں سے ہر روز ظہر کی نماز کے بعد ایک گھنٹہ اُردو میں تقریر کرنا شروع کی۔ اِس جہاز میں سِندھی حضرات بھی کافی تھے۔ اُن کی فرمائش پر اُردو تقریر کے بعد نصف گھنٹہ سِندھی میں بھی تقریر کرنا پڑی۔ اسی طرح اِس جہاز میں افغانستان اور آزاد قبائل کے بھی کافی لوگ حج کے لیے جا رہے تھے۔ اِن لوگوں نے کہا ہم پشتو سمجھ سکتے ہیں یا فارسی، چنانچہ حضرتؒ نے نصف گھنٹہ فارسی میں بھی مسائلِ حج وغیرہ بیان کرنا شروع کر دیے۔ مقصد صرف یہ تھا کہ اللہ کا پیغام ہر کان میں پہنچ جائے، زبان چاہے کوئی بھی ہو۔ حضرتؒ چونکہ ابتدائی زندگی

میں دس پندرہ سال سندھ میں رہے ہیں اور اسی طرح آپؒ کو ایک عرصہ کابل میں بھی قیام کا موقع ملا ہے اس لیے حضرتؒ دونوں زبانوں یعنی سندھی اور فارسی میں یکساں تقریر کرنے پر قدرت رکھتے تھے۔

جہاز کے عملے نے ایک روز بھی نماز نہ پڑھی اور حضرتؒ نے سات روز تک سفر میں کچھ نہ کھایا۔ جدّہ کی بندرگاہ سے اُترتے ہی حضرتؒ نے تلی ہوئی مچھلی کھائی، چونکہ بھوک سے نڈھال تھے اور اتنے روز سے پیٹ خالی تھا اور شاید مچھلی تیل میں بنائی گئی تھی وہ کھاتے ہی حضرتؒ کو پیچش کی تکلیف ہوگئی۔ ڈاکٹروں نے تقریباً ایک ماہ علاج کیا مگر افاقہ نہ ہوا۔ آخر حضرتؒ نے تنگ آکر سب علاج چھوڑ دیے اور صرف زمزم شریف بطورِ دوا و غذا پینا شروع کر دیا جس سے بفضلہ تعالیٰ کامل شفاء حاصل ہوگئی۔

کچھ دنوں کے بعد خبر ملی کہ وہی جہاز کسی دوسری بندرگاہ کو گولہ بارود لے کر جا رہا تھا کہ دشمن نے اُس کو ڈبو دیا۔ سارا بے نماز عملہ بھی غرق ہوگیا اور جہاز راں کمپنی کو نقصان الگ ہوا،

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ (حوالہ: خدام الدین مطبوعہ، فروری ۱۹۶۴ء)

حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ کو والدہ مکرّمہ کی خدمت کا نادر موقع میسّر آیا

ایک مرتبہ مخدومہ مرحومہ محترمہ والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ مَیں سفرِ حج پر گیا۔ والدہ مرحومہ کافی کمزور تھیں۔ رات کو ہم ایسے وقت وہاں پہنچے کہ کوئی سواری کا انتظام نہ تھا۔

برادرِ مکرّم حضرت مولانا حبیب اللہ صاحبؒ نے "شیخ قطب" کا مکان لے رکھا تھا۔ جہاں ہم لوگوں کو جانا تھا۔ یہ مکان حرم شریف کی دوسری جانب واقع تھا اور درمیان میں کافی فاصلہ تھا۔ سواری کا کوئی انتظام نہ تھا۔ حضرتؒ نے فرمایا "اب انور ہی ہے جو اپنی والدہ کو اُٹھا کر مکان تک لے جائے۔ مولوی حبیب اللہؒ اس قابل نہیں ہے"۔ چنانچہ الحمدللہ مجھے خدا نے یہ سعادت بخشی کہ مَیں نے اُن کو اپنے کندھوں پر اُٹھا کر نہایت آسانی سے مکان تک پہنچا دیا۔

(حوالہ: خدام الدین مطبوعہ، فروری ۱۹۶۴ء)

بابو رحمت اللہ حضرتؒ کو قتل کرنے آئے اور مرید بن گئے

جب شروع شروع میں لاہور میں حضرتؒ نے

درسِ قرآن شروع کیا تو بعض لوگوں کی طرف سے بے حد مخالفت ہوئی۔ طرح طرح کے بہتان تراشے گئے۔ "وہابی" "وہابی" کا شور مچایا گیا۔ ایک شخص بابو رحمت اللہ صاحب کو حضرتؒ کے قتل پر آمادہ کیا گیا۔ اُن کو بتایا گیا کہ یہ شخص حضورؐ کا گستاخ اور بے ادب ہے۔ بابو رحمت اللہ صاحب نے کہا یہ تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، ابھی جا کر کام تمام کر آتا ہوں چنانچہ وہ حضرتؒ کے درس میں جا بیٹھے اور دل میں یہ سوچا کہ درس ختم ہوگا اور جب لوگ منتشر ہوں گے تو اُس وقت اپنا کام کروں گا اور کسی کو پتہ بھی نہ چلے گا۔ خدا کی قدرت کہ حضرتؒ کے درسِ قرآن نے اُن پر جادو کا اثر کیا اور درس سُنتے سُنتے اُس شخص کی اپنی حالت بدل گئی۔ یا وہ مخالف تھے یا پھر حضرتؒ کے زندگی بھر کے لیے جاں نثار بن گئے۔ حضورؐ کی تعریف اور محبّت کے کلمات سُن کر وہ بڑے متاثر ہوئے اور اپنے ارادے کو بدلنے پر مجبور ہو گئے۔ گھر جا کر یہ سوچتے رہے کہ یا الٰہی! یہ کیا ماجرا ہے؟ جس شخص کے بارے میں گستاخ اور بے ادب ہونے کا بہتان لگایا جاتا ہے وہ تو سراسر عشقِ خدا و رسولؐ میں ڈوبا ہوا ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ کے فضل سے بابو رحمت اللہ صاحب کے دل میں روشنی کی ایک کرن پھوٹی اور انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ اگر بے ادب ایسے لوگ ہوتے ہیں تو پھر با ادب کوئی بھی نہیں اور ارادہ کر لیا کہ اگر آج کے بعد حضرتؒ کے بارے میں کسی نے بھی مذموم ارادہ کیا تو میری گولی ہوگی، اور مذموم ارادہ کرنے والے لوگ۔ مخالفین نے مُنہ کی کھائی اور بابو رحمت اللہ صاحب حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ کہہ سُنایا۔ حضرتؒ یہ سارا ماجرا سُن کر بہت حیران ہوئے اور اسے قرآن کی صداقت قرار دیا۔

کچھ عرصہ کے بعد معاندین نے پھر قتل کا منصوبہ بنایا اور ایک گمنام خط حضرتؒ کو لکھا جس میں قتل کی دھمکی دی گئی تھی۔ حضرتؒ نے وہ خط کسی کو نہ دکھایا اور خاموشی سے اپنا کام کرتے رہے جناب بابو رحمت اللہ صاحب کو کہیں سے علم ہو گیا اور وہ اپنی شکار کی دونالی بندوق لے کر مسجد شیرانوالہ میں آ گئے اور صف کے نیچے رکھ کر حضرتؒ کے پیچھے بیٹھ گئے۔ حضرتؒ نماز ادا کر رہے تھے۔ جب دیکھا کہ پیچھے بابو رحمت اللہ صاحب بندوق لیے بیٹھے ہیں تو سوچا کہ شاید آج پھر ان کو ورغلانے والوں نے بھجوا دیا ہے اور شاید یہ دھمکی والے خط کا عملی ثبوت مہیا کرنے آئے ہیں۔ کافی دیر انتظار کرتے رہے مگر کوئی بھی جرأت نہ کر سکا تو پھر بابو رحمت اللہ صاحب حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا "حضرتؒ! آج مَیں باڈی گارڈ بن کر آیا تھا مگر کسی بزدل نے آپؒ پر حملہ کرنے کی جرأت ہی نہیں کی

ورنہ آج اُن کی خیر نہ تھی"۔

یہ بابو رحمت اللہ آج بھی زندہ ہیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے رُوحانی سلسلہ میں باقاعدہ داخل ہیں اور ان پر اللہ کی بڑی ہی رحمتیں ہیں۔ (حوالہ: خدام الدین مطبوعہ، رفروری ۱۹۶۴ء)

جنگلی سؤر اللہ تعالیٰ کا نام سُن کر حملہ نہ کر سکے

سندھ میں سؤر بہت ہوتے ہیں اور سؤر کی گردن میں ہڈی ہوتی ہے جس کی بنا پر وہ گردن پھرا نہیں سکتا اور مُنہ کے آگے دو نوک دار سینگ نُما دانت ہوتے ہیں جن سے وہ اکیلے دوکیلے انسان پر حملہ کر کے اُسے پھاڑ ڈالتے ہیں۔ اتّفاق سے ایک دفعہ حضرت مولانا عُبید اللہ سندھیؒ اور حضرت شیخ التفسیرؒ دونوں اُستاد شاگرد جنگل سے گزر رہے تھے کہ سؤروں کا ایک غول دھاڑتا ہُوا آ نکلا۔ حضرت سندھیؒ کو تجربہ تھا، وہ تو نہ گھبرائے مگر حضرت لاہوریؒ کا بچپن تھا، وہ گھبرا کر اور آنکھیں بند کر کے حضرت سندھیؒ سے لپٹ گئے۔ حضرت سندھیؒ نے اَللّٰهُ حَافِظِیْ، اَللّٰهُ حَاضِرِیْ، اَللّٰهُ نَاصِرِیْ، اَللّٰهُ نَاظِرِیْ، اَللّٰهُ مَعِیْ کا وظیفہ شروع کر دیا اور بے خوف وخطر کھڑے رہے۔ وہ سؤر بار بار حملہ کی نیّت سے دُور دُور سے دوڑ کر آتے مگر شان خدا کی کہ وہ اِن دونوں پر حملہ نہ کر پائے اور ان دونوں کو اللہ نے محفوظ رکھا۔ سؤر بالآخر واپس چلے گئے۔ (حوالہ: خدام الدین مطبوعہ، رفروری ۱۹۶۴ء)

جانشینِ امام الہُدیٰ حضرت اقدس مولانا محمد اجمل قادری صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی وجہ تسمیہ

اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے انگریز کو اِس مُلک سے نکال کر دوبارہ اسلامی سلطنت قائم کرنے کے سلسلے میں جو ہمارے بزرگ مسلسل جدّوجہد کرتے رہے ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اِس سلسلے میں یہ اسکیم سوچی کہ مسلمانوں کے دیندار طبقہ اور عُلماء اور اُدھر انگریزی خواندہ اور جدید تمدّن کے دلدادہ طبقہ، ان دونوں کو کسی طرح متّحد کر کے انگریز کے خلاف محاذ قائم کیا جائے۔ چنانچہ اِس غرض کے لیے انھوں نے جمعیۃ الانصار دارالعلوم دیوبند میں ایک جماعت کی " درجۂ تکمیل" کے نام سے بنیاد رکھی جس کے لیے یہ تجویز ہُوا کہ پانچ علیگڑھ یونیورسٹی کے گریجوایٹس اور پانچ فضلائے دارالعلوم دیوبند لیکر انھیں قرآن کی انقلابی تفسیر پڑھائی جائے۔ اِس کام کے لیے حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو تجویز فرمایا۔ چنانچہ پانچ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور پانچ علیگڑھ یونیورسٹی کے گریجوایٹس کی ایک جماعت

دیوبند میں جمع ہوگئی، اُن میں ایک حضرت والا بزرگوار مولانا احمد علیؒ بھی تھے۔ بد قسمتی سے اُس جماعت میں ایک صاحب جو انیس بی اے کے نام سے علیگڑھ کے گریجوایٹ تھے۔ انگریزوں کے آلۂ کار بن گئے اور یہ کلاس جو خفیہ تعلیم و تربیت حاصل کر رہی تھی اُن کے واسطے سے اس کی ایک ایک منٹ کی خبر وائسرائے ہند تک پہنچنے لگی۔ چنانچہ حکومتِ برطانیہ کب برداشت کر سکتی تھی اس قصّے کو کہ انگریز کو اِس مُلک سے نکال باہر کرنے کے لیے کوئی انقلابی جماعت تیار کی جائے اور اُن کے دِل و دماغ کو اِس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے قرآن سے منوّر کیا جائے۔ سو وائسرائے ہند نے کسی ذریعہ سے اُس وقت کے صدر مہتمم دار العلوم دیوبند حضرت مولانا حبیب الرحمٰنؒ جیسے زیرک اور علّامہ کو یہ کہلوایا کہ اگر اس کو ختم نہ کیا گیا اور عبید اللہ سندھیؒ کو دیوبند سے نہ نکالا گیا تو دار العلوم دیوبند پر بمبارڈمنٹ کر کے اُسے تباہ کر دیا جائے گا۔ مولانا حبیب الرحمٰنؒ بڑے ذہین اور متشدّد منتظم تھے، انھوں نے حکمتِ عملی سے کچھ ایسے مسائل پیدا کرائے کہ مولانا سندھیؒ سے دیوبند کو کسی طرح چھٹکارا حاصل ہو جائے۔ چنانچہ کسی نہ کسی طریقے سے حضرت شیخ الہندؒ سے عرض کیا گیا کہ مولانا سندھیؒ کا دیوبند میں رہنا ہمارے بہترین مفاد کے حق میں مُضر ہے۔ لیکن حضرت شیخ الہندؒ کو مولانا سندھیؒ سے بے انتہا محبّت تھی اور اُن کے صحیح معنوں میں قدر شناس تھے۔ چنانچہ انھوں نے صاف فرما دیا کہ "محمود دیوبند سے پہلے نکلے گا اور عبید اللہ بعد میں"۔ اِس سلسلے میں جب حضرت سندھی مرحوم کے کانوں میں بھنک پڑی تو وہ کب برداشت کر سکتے تھے کہ دار العلوم دیوبند کے مفاد کو اُن کی ذات کی وجہ سے کوئی نقصان پہنچے۔ چنانچہ انھوں نے حضرت شیخ الہندؒ کو مجبور کیا کہ وہ دیوبند سے زیادہ دہلی میں مفید کام کر سکتے ہیں۔ اِس پر حضرت شیخ الہندؒ آمادہ ہو گئے اور ایک رات دہلی جا کر حکیم اجمل خاں صاحبؒ اور ڈاکٹر انصاری مرحوم کو مولانا سندھیؒ کا تعارف کرایا اور فرمایا "ہماری درجۂ تکمیل کی جماعت دیوبند سے دہلی منتقل ہو رہی ہے، آپ دونوں حضرات اس کا انتظام و انصرام اپنے ذمّے لیں"۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ واپس تشریف لے آئے۔ اِن دونوں حضرات نے بیگم صاحبہ بھوپال کو اس بات پر آمادہ کیا کہ مسجد فتحپوری میں نظارۃ المعارف القرآنیہ کے جُملہ اخراجات خود برداشت کریں۔ بیگم صاحبہ نے نہایت خوشی سے اُسے قبول فرما لیا۔ سو جو جماعت دیوبند میں قرآنِ حکیم کی انقلابی تفسیر اور سیاسی تربیت حاصل کر رہی تھی، اب وہ دہلی میں اپنے کام میں مصروف ہو گئی، اور مولانا سندھیؒ کے کابل روانہ ہونے تک یہ کام بخیر و خوبی انجام پاتا رہا۔ جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ

اور جمعیتہ الانصار کے ذمّہ دار افراد نے حضرت سندھیؒ کو کابل کا مشن سونپا تو حضرت والد ماجد مرحوم کو حضرت سندھیؒ کی قائم مقامی کا شرف حاصل ہُوا۔ چنانچہ ریشمی خطوط کی سازش کے آؤٹ ہونے تک حضرتؒ اس کام کو بہ احسن طریق سرانجام دیتے رہے۔ چنانچہ جس روز ہمارے ہندوستان کے تمام بزرگوں کی ایک ہی وقت میں گرفتاریاں ہوئیں تو دہلی میں حضرتؒ کو انگریز سپرنٹنڈنٹ نے مسجد فتحپوری میں درسِ قرآن دیتے ہُوئے گرفتاری کی تعمیل کرائی، اُس وقت بیگم صاحبہ بھوپال کا نمائندہ اُس ماہ کے اخراجات پیش کرنے کے لیے بھی وہاں موجود تھا۔ چنانچہ آخری دفعہ حضرتؒ نے دستخط کیے اور رقم وصول کی اور جیل چلے گئے۔

جب حضرتؒ اور دوسرے بزرگوں پر مقدمات وغیرہ چلے اور اس سازش کی تحقیقات کے لیے رولٹ کمیشن بیٹھا — اُس دوران حضرتؒ کو شملہ، راہوں ضلع جالندھر اور لاہور وغیرہ مختلف مقامات پر رکھا گیا — اس دوران والدہ مرحومہ اپنے چھوٹے بھائی ڈاکٹر عبدالقوی لقمانؒ اور ہمارے چچا حکیم رشید احمد صاحب جو اُس وقت دونوں ہی خُردسال تھے، اُنھیں دہلی سے لیکر نواب شاہ (سندھ) آگئیں، جہاں حضرتؒ نے اپنے اور اپنے چھوٹے بھائیوں کے لیے زمین کے چند قطعات (اپنے مکانوں کے لیے اور مدرسے کی تعمیر کے لیے) خرید رکھے تھے — اس دوران شیخ عبداللہ مرحوم گھر کے سودے سُلف لاتے اور ہر طرح سے دیکھ بھال کے فرائض انجام دیتے رہے، حکیم اجمل خاں مرحوم وقتاً فوقتاً والدہ مرحُومہ کی خیریت معلوم کراتے اور خفیہ طریقے سے انکی ضروریات کا خیال رکھتے۔ پھر بعد میں جب رولٹ کمیٹی کی رپورٹ منظرِ عام پر آئی اور اپنی اپنی سزائیں بُھگتنے کے بعد سارے بزرگ رہا ہو گئے، بعد میں کہیں والدہ مرحومہ کو حضرتؒ کی اور حضرتؒ کو والدہ مرحومہ کی خیریت معلوم ہُوئی اور کون اس گرفتاری کے زمانہ میں کہاں رہا، اِس کا علم ہُوا اور جب حکیم صاحبؒ کی فرض شناسی کا حضرتؒ کو علم ہُوا تو حضرتؒ اس سے کافی متاثر ہُوئے۔ چنانچہ حکیم صاحبؒ اور حضرتؒ کے بعد میں بھی بڑے اچھے اور قریبی روابط رہے حتیٰ کہ جب میرا پہلا بچہ پیدا ہُوا تو حضرتؒ نے اُس کا نام اجمل تجویز فرمایا۔ دوسرے تیسرے دن بعض احباب کی مجلس میں حضرتؒ تشریف فرما تھے تو کسی نے حضرتؒ سے بچّے کا نام پوچھا تو حضرتؒ نے محمّد اجمل بتایا۔ میں نے حکیم اجمل خاں صاحبؒ کے اخلاق و کمالات اور ہم پر جو اُن کی خصوصی نوازشات تھیں، اُن کا تذکرہ کیا، تو حضرتؒ نے فرمایا۔ "نومولُود کا نام تجویز کرتے وقت حکیم صاحب مرحُوم ہی میرے پیشِ نظر تھے"۔

(حوالہ: خدام الدین مطبوعہ ۱۷ جولائی ۱۹۶۴ء)

حضرت شیخ التفسیرؒ کی ایک کرامت

ایک دفعہ اوکاڑہ جانے کا اتفاق ہوا۔ تاج المساجد میں جامعہ عثمانیہ کے سالانہ جلسے پر تقریر کر کے لاہور واپس آنے کے لیے قاضی عبد الرحمٰن صاحب اور دیگر احباب کے ساتھ اسٹیشن پر حاضر ہوئے تو گاڑی آنے میں کچھ وقت تھا۔ احباب اسٹیشن ماسٹر کے کمرے میں بیٹھنے کے لیے لے گئے۔ اسٹیشن ماسٹر صاحب کوئی حضرتؒ کے پرانے جاننے والے اور معتقد تھے۔ انھوں نے اپنا ایک خانگی واقعہ سنایا کہ وراثت کے معاملے میں آپس میں شکر رنجی اور تنازعے کی نوبت آگئی۔ میں نے حضرتؒ کو خط لکھا۔ حضرتؒ نے شریعتِ حقّہ کے مطابق وراثت کے بارے میں فیصلہ دیا اور اس سلسلے میں خلاف ورزی کرنے والوں کو کچھ تہدید و تلقین وغیرہ فرمائی گئی تھی اور یہ کہ اگر شرعی فیصلے کو رد کیا گیا تو قیامت کے دن احمد علی کا ہاتھ ہوگا اور تمہارا گریبان ہوگا اور نافرمانوں کو مالکِ یوم الدین کی عدالت میں پیش کر دوں گا۔ اسٹیشن ماسٹر صاحب فرمانے لگے کہ جھگڑے کے سلجھنے کی بظاہر کوئی توقع نہیں تھی لیکن حضرتؒ کی دعا برکت اور ان کی کرامت ہی کہیے کہ سب عزیزوں میں صلح صفائی ہوگئی۔ معاملہ بخیر و خوبی انجام پا گیا۔ سارے گلے شکوے ختم ہوگئے اور اسٹیشن ماسٹر صاحب اس کو حضرتؒ کی کرامت قرار دینے میں حق بجانب تھے ورنہ خدا معلوم بصورتِ دیگر کیا نتائج برآمد ہوتے۔

(حوالہ: خدام الدین مطبوعہ ۱۷ جولائی ۱۹۶۴ء)

حضرت امروٹیؒ کے ایک جملہ سے کمیونسٹ کو دولتِ ایمان مل گئی

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ سندھ میں ایک غالی اور متشدد کمیونسٹ اور دہریہ تھا اور کسی طرح خدا کو نہ مانتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت امروٹیؒ کی صحبت میں حاضر ہوا۔ حضرت امروٹیؒ نے فرمایا "پُٹر! رب آہے" (بیٹا! خدا ہے) بس اتنا کہنا تھا کہ اللہ نے اس کو دولتِ ایمان سے نواز دیا۔ حالانکہ حضرت امروٹیؒ کو کسی نے اس کے بارے میں اطلاع نہ دی تھی کہ یہ منکر ہے اور مرتد ہے۔ ایسا خدا کا قائل ہوا کہ وہ پھر خود لوگوں کو خدا کی تلقین کیا کرتا تھا۔ (حوالہ: خدام الدین مطبوعہ ۱۷ جولائی ۱۹۶۴ء)

اپنے اکابرؒ کا تفصیلی تذکرہ اور مفید معلومات

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد شیخ حبیب اللہ مرحوم کے گھر پہلی مرتبہ اولاد

کی اُمیدواری ہوئی تو اُنھوں نے اپنے بچّے کو خدمتِ دین کے لیے وقف (مُحرّرًا) فرمایا۔ اللہ نے حضرتؒ کو اس دُعا کی قبولیت کے طور پر اس عالمِ ناسوت میں بھجوایا۔ جب حضرتؒ تعلیم حاصل کرنے کے قریب ہوئے تو اُنھیں اپنے گاؤں سے کچھ دُور دوسرے گاؤں کے سکول میں داخل کرا دیا گیا۔ آپؒ ابھی چوتھی جماعت میں پڑھتے تھے کہ اُن کے خاندان کے ایک دوسرے بزرگ مولانا عُبیداللہ سندھیؒ نے اسلام قبول کر لیا۔ چنانچہ ایک دفعہ مولانا سندھیؒ کو اُن کی والدہ اپنے رشتے کے دوسرے بزرگ شیخ حبیبُ اللہ سے، جو اُن سے پہلے اسلام لا چکے تھے، مِلانے کے لیے لے گئیں، چنانچہ اس موقع پر حضرت شیخ حبیبُ اللہ مرحوم نے مولانا احمد علیؒ کا ہاتھ حضرت مولانا عُبیداللہ سندھیؒ کے ہاتھ میں دے دیا اور فرمایا کہ "آپ دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں، حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد ہیں، مَیں نے اِسے پیدائش سے قبل ہی خدمتِ دین کے لیے وقف کر دیا تھا، اِسے آپؒ لے جائیں اور علمِ دین پڑھائیں"۔ چنانچہ حضرت سندھیؒ اُنھیں لے کر امروٹ شریف آ رہے تھے کہ راستے میں دین پور شریف حضرت دین پوریؒ سے اپنا رُوحانی سبق لینے کے لیے اُترے اور اس دوران حضرتؒ والد بزرگوار مولانا احمد علیؒ حضرت دین پوریؒ کے قریب تشریف فرما تھے۔ اُس وقت آپؒ کی عُمر صرف نو برس کی تھی۔ حضرت دین پوریؒ نے انھیں اپنے پاس بُلایا اور از خُود بیعت فرما کر اُنھیں اسمِ ذات کی تلقین فرما دی۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ اُس وقت نہ مجھے بیعت کا پتہ تھا نہ ذِکر اذکار کا کوئی علم تھا، نہ اُس سے پہلے کبھی لطیفۂ قلب سُنا تھا۔ لیکن خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُنکے بتائے ہوئے سبق کو جو پڑھنا شروع کیا تو زِندگی کے آخری لمحہ تک اُسے نبھایا اور اُسے نبھانے کی خُدا نے توفیق عطا فرمائی۔ فرمایا امروٹ شریف جب جانا ہُوا تو حضرت امروٹیؒ کی شفقت کی بھی انتہا نہ تھی وہاں کئی سال طالب علمی کی زندگی گزاری۔ پھر مولانا سندھیؒ نے اپنا مدرسہ جب پیر جھنڈے میں منتقل کر لیا تو ہمیں وہاں اُن کے ساتھ جانا پڑا مگر میرا قلبی تعلق حضرت دین پوریؒ سے بدستور قائم رہا ــــ تعلیم کے بعد جب دہلی اور لاہور وغیرہ قیام کرنے کا اِتفاق ہُوا تو اکثر و بیشتر ان دونوں حضراتؒ کی خدمت میں کاسہ گدائی لے کر حاضر ہوتا۔ اِدھر سے جو خیر ملتی وہ بھی کاسہ گدائی میں ڈال لیتا، اُدھر سے جو خیر ملتی وہ بھی کاسہ گدائی میں ڈال لیتا۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ میری بیعت کے بعد میرے شیخ حضرت دین پوریؒ چالیس سال تک حیات رہے اور اس دوران اُنؒ سے استفادے کا، بلکہ اُن کی جُوتیوں کی خاک کو سُرمہ بنا کر آنکھوں میں ڈالنے کا موقع مِلتا رہا اور

جب بھی مجھ سے کوئی لاہور میں اللہ کا نام پوچھتا تو ان دونوں حضراتؒ ہی کی خدمت میں بھجوا دیتا۔ پہلے حضرت امروٹیؒ نے بار بار اصرار سے فرمایا کہ لاہور ہی میں اللہ کا نام بتلا دیا کرو یہاں نہ بھیجا کرو اور باقاعدہ خلیفۂ مجاز بنایا مگر پھر بھی ذی استطاعت حضرات آتے تو اُنھیں وہاں ہی بھجواتا مگر جو بیچارے اس قابل نہ ہوتے اُن کو اللہ کا نام لاہور ہی میں بتا دیتا۔ اِدھر کچھ عرصہ کے بعد حضرت دین پوریؒ نے بھی خلافت سے سرفراز فرمایا۔ مگر ان کے حین حیات میری کوشش یہی ہوتی تھی کہ ذی استطاعت حضرات حضرت دین پوریؒ کی خدمت میں پہنچیں۔ جب یہ دونوں بزرگ دُنیا سے چلے گئے تو پھر مجبوراً جو آتا اللہ کا نام اُسے حسبِ توفیق بتا دیتا۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے جب اپنے ذاتی مُطالعہ کے نتیجے میں اسلام قبول کر لیا اور پنڈت مولوی عبید اللہ کی کتاب "تحفۃ الہند" اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی کتاب "تقویۃ الایمان" کے نتیجے میں جب اسلام کی حقّانیّت کا یقین ہو گیا تو اپنا نام عُبید اللہ تجویز کیا اور خود ہی نماز یاد کر لی اور نماز کی ترکیب پڑھ لی اور اُس کے مطابق پانچ وقت نماز چھپ کر گھر میں پڑھنی شروع کر دی۔ ایک دن والدہ نے اُنھیں نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا۔ اُن کی پیدائش سے قبل ہی اُن کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ والدہ بڑی متشدّد واقع ہُوئی تھی اور یہ اُن کے اکلوتے بیٹے تھے۔ اُنھیں خطرہ تھا کہ والدہ اُن پر تشدّد کر کے اسلام سے رُوگردانی پر مجبُور کرے گی۔ اِس لیے انھوں نے جام پور ضلع ڈیرہ غازیخاں سے، جہاں اُن کے ماموں پٹواری تھے اور اُن کی والدہ اپنے بھائی کے پاس مولانا کے والد کے انتقال کے بعد رہتی تھی ـــــ نکل کھڑے ہُوئے اور پُوچھتے پُوچھتے سندھ میں حضرت حافظ محمّد صدّیق صاحبؒ کی خدمت میں بھرچونڈی شریف پہنچ گئے، جو اپنے وقت کے سیّد العارفین اور سیّد الطائفہ تھے۔ حضرت حافظ صاحبؒ کے ہاتھ پر مولاناؒ نے اسلام قبول کر لیا۔ حافظ صاحبؒ نے اُن کی سُنّتِ تطہیر ادا کرائی اور اُن کی والدہ کو تار بھجوایا۔ وہ جب آئیں تو واپس لے جانے کو کافی اصرار کیا مگر مولاناؒ کے پائے استقلال میں تزلزل نہ آیا۔ آخر مجبُور ہو کر والدہ اُن کے ساتھ ہی رہ پڑیں۔ اُن کے سوا اُن کی کوئی اولاد وغیرہ نہیں تھی۔ حضرت حافظ صاحبؒ نے اُن کے لیے دُعا کی کہ اللہ تعالیٰ کسی راسخ عالِم سے علمِ دین پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ سو حضرت سندھیؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حافظ صاحبؒ کی دُعا قبول فرمائی اور مجھے حضرت شیخ الہندؒ کی صحبت میں پہنچا دیا۔ حضرت حافظ صاحبؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ "عبید اللہ نے اپنے مذہب، خاندان اور ماں باپ کو اسلام کی خاطر

چھوڑا ہے، اب اُس کے ماں باپ کے فرائض ہم ادا کریں گے"۔ اُس مجلس میں حضرت خلیفہ غلام محمّد دین پوریؒ اور حضرت مولانا سیّد تاج محمود امروٹیؒ دونوں موجود تھے۔ چنانچہ حضرت سندھی مرحوم جب دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر واپس سندھ تشریف لائے تو حافظ صاحبؒ کا اُس سے آٹھ دن قبل وصال ہو چکا تھا —— دونوں خلفاء کو اپنے شیخؒ کا وہ فرمان یاد تھا کہ "عبید اللہ کے ماں باپ کے فرائض ہم انجام دیں گے"۔ دونوں نے زندگی بھر اس فرمان کو پُورا کرنے کی کوششیں جاری رکھیں اور حضرت امروٹیؒ نے پیش قدمی کر کے سکھّر کے ایک سکول ماسٹر محمّد عظیم صاحب کی لڑکی سے اُن کی شادی کرا دی۔ اُس سے آگے چل کر دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ مولاناؒ کی نرینہ اولاد کوئی زندہ نہ رہی۔ اپنی بڑی لڑکی مریم بی بی جب وہ جوان ہوئیں تو حضرت لاہوریؒ سے اُن کا عقد کر دیا۔ تقریباً سال بھر بعد اُن سے ایک لڑکا تولّد ہُوا جس کا نام حسن رکھا گیا۔ اللہ کی تقدیر کہ ایک ہفتے کے بعد اُس کا انتقال ہو گیا۔ اُس کے چند دن بعد حضرتؒ کی اہلیہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ (خدّام الدین، ۷ اجولائی ۶۴ء)

حضرتِ اقدسؒ کی والدہ

کچھ عرصہ کے بعد حضرت سندھیؒ کے زمانۂ تعلیم دیوبند و گنگوہ کے شریکِ درس حضرت مولانا حافظ ابُو محمّد احمد چکوالی کا لاہور سے اُنھیں خط مِلا کہ میری بچّی جوان ہے اور آپ اپنے لڑکے مولانا احمد علیؒ کے لیے اگر پسند کریں تو ہم نکاح کے لیے تیاری کریں۔ حضرت سِندھیؒ نے اثبات میں جواب دیا اور حضرت شیخ الہندؒ کے مبارک ہاتھوں سے رسمِ نکاح کی دار العلوم دیوبند کی مسجد میں تکمیل ہُوئی[1]۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے جب نکاح کے خیال سے مجھے دیوبند مولانا سِندھیؒ پیر جھنڈے سے لے گئے تو دُور دراز سفر کی وجہ سے میرے کپڑے سخت مَیلے ہو گئے تھے۔ نہ اُنھوں نے مجھے اطّلاع دی تھی کہ تمھارے نکاح کے لیے تمھیں لے جا رہے ہیں۔ میرے پاس کپڑے دھونے کے لیے پیسے بھی نہ تھے۔ وہ ان چیزوں سے بے نیاز تھے۔ اور انھوں نے اس طرف توجّہ بھی نہ دی، تو نکاح کے وقت سب سے میلے کپڑے میرے ہی تھے۔ اور جب واپس نواب شاہ آئے تو ہمارے گھر میں کوئی چارپائی بھی نہ تھی، سو کرائے پر چارپائی لایا اور گھر میں کوئی پکانے کے برتن وغیرہ بھی نہ تھے۔ جمُعے کے روز کپڑے دھو کر اپنی سُوتی ٹوپی کو جست کے ایک کالب پر کلف لگایا کرتا تھا، اُس میں روزانہ بکری کا دُودھ لے آتا جو سِندھ میں روٹی کے ساتھ کھانے کا عام رواج تھا۔ اور فرمایا کرتے تھے تمھاری والدہ تو لاہور کی رہنے والی تھیں جہاں سالن کے ساتھ روٹی کھانے کا رواج تھا۔

بہر حال سندھ کے دیہاتی دن کو لسی سے روٹی اور رات کو بکری کا دودھ اور جوار کی روٹی استعمال کرتے تھے، میں بھی اُسی کا عادی تھا۔ تمھاری والدہؒ مجھے مجبور تو نہ کرتی تھی سالن کے لیے مگر دودھ سے کھانے کی عادی نہ تھی، اس لیے میں خود دونوں وقت بازار سے ایک ایک پیسے کا پکا ہوا سالن لے آیا کرتا تھا۔ فرمایا کرتے تھے میری دین کی خدمت کے سلسلے میں تمھاری والدہؒ نے سب سے زیادہ مدد کی۔ اُس نے کبھی مجھے کھانے، پہننے اور روپے پیسے کے بارے میں تنگ نہیں کیا۔ جو اللہ نے دیا اُسے دے دیا، جو خُدا نے عطا فرمایا اُسے کھلا دیا اور جو خدا نے پہننے کو دیا پہنا دیا۔ اور لاہور کے زمانے میں تو ابتدا میں فاقہ کشی کی نوبتیں بھی آئیں اور اُس کے زیور بیچ بیچ کے مکان کا کرایہ دیتے رہے مگر وہ کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لائی۔ اِس لیے میں خدا کا بڑا ہی شکر ادا کرتا ہوں کہ خُدا نے مجھے ایسا ساتھ دیا جس نے مجھے دُنیا کے لیے کبھی تنگ نہ کیا اور خُدا نے اس کا بدلہ یُوں چکایا کہ اُس کے خاندان میں کسی کو یہ شرف حاصل نہیں کہ سات آٹھ مرتبہ حج اور عمرے نہایت آرام سے بذریعہ ہوائی جہاز کیے اور پھر مزید اس کی خوش بختی ہے کہ اُس کا ایک بیٹا آج مدینہ منورہ میں عربی زبان میں درسِ حدیث و قرآن دیتا ہے اور اُس کے دو بیٹے لاہور میں خدمت قرآن میں مصروف ہیں۔ در اصل اس میں بھی اُس کے دینی ذوق و شوق کو بہت بڑا دخل ہے۔ اگر وہ مجھے اپنے بیٹوں کی دُنیاوی تعلیم کے لیے مجبور کرتی، عام عورتوں کی طرح کہتی اگر یہ سکول کی تعلیم نہ حاصل کریں گے، انگریزی نہ پڑھیں گے تو کہاں سے کھائیں گے؟ مُلّا رہ جائیں گے اور ان کے شادی بیاہ کیسے ہوں گے؟ بلکہ یہ تو دینی تعلیم میں مجھ سے بھی دو ہاتھ آگے تھی۔ چنانچہ میرے متعلق فرمایا کرتے کہ تمھیں نو برس کی عمر میں بڑے بھائی مولوی حبیب اللہؒ کے ساتھ تعلیم کے لیے دیوبند بھجوا دیا۔ اور جب حافظ حمید اللہؒ ابھی چھٹی کلاس سکول میں پڑھتا تھا اور تمھارے ساتھ اُسے بھی دیوبند اس لیے بھجوا دیا کہ سکول کا ماحول اچھا نہیں اور یہاں کے بچے سارا دن بازاروں اور گلیوں میں پھرنے، مغلظات بکنے اور کھیل تفریح میں وقت ضائع کرنے کے سوا کچھ نہیں کرتے۔ سو میں نے اُس کی بات مان کر حافظ حمید اللہؒ کو تمھارے ساتھ بھجوا دیا۔ اُس وقت تمھاری والدہؒ نے میرے اس کہنے پر کہ کم از کم چھٹی جماعت پاس تو کر لینے دو، درمیان میں نہ اُٹھایا جائے تو تمھاری والدہؒ کہنے لگی کہ ابھی کل کو اسے ڈاڑھی آگئی اور اُس کے ساتھیوں نے اگر ڈاڑھی کا مذاق اُڑانا شروع کیا اور اُس نے ڈاڑھی مُنڈا دی تو پھر آپ کیا کریں گے؟ لہٰذا چھٹی جماعت پاس کرائے بغیر اُسے دیوبند انورؒ کے

ساتھ روانہ کر دو۔ سو مَیں نے ایسا ہی کیا۔ اب الحمدللہ مَیں اپنے تینوں بیٹوں اور اپنی بیوی کی طرف سے آنکھیں ٹھنڈی لیے جا رہا ہوں اور اس میں خدا کے شکر کے بعد تمھاری والدہ کا بھی شکرگزار ہوں جس نے دین کے معاملے میں میرے ساتھ پورا پورا تعاون کیا اور انشاء اللہ ہمارے بچّوں کی خدمتِ اسلام اور خدمتِ دین میں اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اجر عطا فرمائیں گے۔

(حوالہ: خدّام الدین مطبوعہ ۲۴ر جولائی ۱۹۶۴ء)

جنّت کا ٹکٹ

دیوبند داخلے کے لیے حضرت مولانا سندھیؒ نے مولانا حبیب اللہ صاحبؒ کے ساتھ مجھے دہلی بھیجا اور اپنے وزٹنگ کارڈ کی پُشت پر اپنے قلم سے لکھا "عزیزی محمّد طیبؒ! حبیب اللہؒ کے ساتھ انورؒ کو دیوبند بھیج رہا ہوں، اسے دارالعلوم میں داخل کرلیں"۔ مولانا طیب صاحبؒ کی خدمت میں ملنے کے لیے گئے تو وہ اُس وقت دارالمشورہ (کوٹھی) میں تشریف فرما تھے۔ اُن کی خدمت میں کارڈ پیش کیا گیا۔ اُنھوں نے پہلے آنکھوں سے لگایا اور پھر جیب میں رکھ لیا اور فرمایا کہ "یہ تو ہمارا ٹکٹ ہے جنّت کا"

(حوالہ: خدّام الدین مطبوعہ ۲۴ر جولائی ۱۹۶۴ء)

حضرت رائپوریؒ کی شفقت کا تذکرہ

جب مَیں سہارنپور پڑھتا تھا تو مظاہر العلوم میں حضرت رائے پوریؒ اکثر آیا کرتے تھے اور مَیں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ جب لاہور کراچی وغیرہ آتے تو بھی اُن کی زیارت کے لیے حاضر ہوتا۔ کراچی میں جب مَیں تنہا تھا تو رات کو اکثر اُنہی کی قیام گاہ پر سویا کرتا تھا۔ جب مَیں صُبح واپس آتا تو مجھے بہت ساری مٹھائی اپنے خادمِ خاص سے دلوا دیتے۔ مَیں بہت شرمندہ ہوتا مگر مجبوراً لے لیتا۔ تقریباً روز ہی یہ واقعہ پیش آتا۔ مجھے پھر جاتے ہوئے جھجک اور شرم بھی محسوس ہوتی کہ کیا کہیں گے مٹھائی لینے آجاتا ہے؟ مگر مَیں اپنے نفس کو سمجھاتا کہ شیطان اُن کی خدمت میں جانے سے روک رہا ہے۔ پھر چلا جاتا اور وہی صُورت پیش آجاتی۔[1] (حوالہ: خدّام الدین مطبوعہ ۲۴ر جولائی ۱۹۶۴ء)

اہلحدیث مسجد کے مؤذّن کو سانپ کا ڈسنا اور حضرتؒ کے دم سے فوری آرام آنا

ایک دفعہ مسجد

---

[1] حضرت اقدسؒ حضرت رائپوریؒ سے بھی مجازِ بیعت تھے۔

لسوڑے والی جو ہمارے گھر کے قریب ہی چونے منڈی کی طرف ہے ___ اُس کے مؤذّن کو، جو فجر کی نماز کی اذان دینے کے لیے سیڑھیوں پر چڑھ کے جارہا تھا، سانپ نے کاٹ لیا۔ حضرتؒ کے پاس سانپ کے کاٹے کا عمل تھا۔ وہ فوراً حضرتؒ کے مکان پر آگیا۔ حضرتؒ نمازِ فجر کے لیے نیچے اُتر رہے تھے۔ اُسے یہاں آنے کی وجہ پوچھی۔ اُس نے بتایا کہ "مجھے پنڈلی پر سانپ نے کاٹ کھایا ہے" حضرتؒ نے گھر سے فوراً نمک منگوا کر دم کر کے دیا۔ اُس کے چاٹنے اور زخم پر لگانے سے خدا نے فوراً شفا دے دی۔ باباجی نے جاکر اذان دی، نماز پڑھی اور پھر آئے اور پوچھا کہ "اب مجھے کیا کرنا ہے"؟ حضرتؒ نے فرمایا "کسی علاج کی ضرورت نہیں"۔ پھر وہ کافی عرصہ تک اسی مسجد میں قیام پذیر رہا۔ (حوالہ: خدام الدین مطبوعہ ۲۴ر جولائی ۱۹۶۴ء)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تبلیغی جلسوں میں شرکت کا مشروط وعدہ کرنے اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے غیبی سامان مہیا فرمانے کا ایک عجیب و غریب واقعہ

اوکاڑہ شہر کے وسط میں اللہ کے فضل و کرم سے ایک نہایت دیدہ زیب اور عظیم الشّان مسجد تاج المساجد کے نام سے ابھی زیرِ تعمیر ہے۔ اُس کے ساتھ ہی جامعہ عثمانیہ قائم ہے اور اس مسجد کے نیچے مسجد اور مدرسے کے اخراجات کے لیے سینکڑوں دُکانیں ہیں۔ یہ مسجد حضرتؒ کے ایک جانثار مُرید قاضی عبدالرحمٰن صاحب کے خواب کی نہایت پاکیزہ تعبیر ہے۔ قاضی صاحب موصوف نے حضرتؒ کے وصال کے بعد اس ناچیز کو اس مسجد اور مدرسے کے سالانہ اجلاس کے موقعہ پر اوکاڑہ بُلایا۔ یہ مسجد اور مدرسہ حضرتؒ کی سرپرستی اور ڈپٹی کمشنر کی صدارت میں تکمیلی مراحل طے کر رہا ہے۔ پانچ سو روپے سے اس مسجد کی قاضی صاحب نے ابتداء کی تھی۔ اب لاکھوں روپے اس پر صَرف ہو چکے ہیں۔ اور لاکھوں ہی اس پر صَرف ہونا باقی ہیں۔ قاضی صاحب موصوف اس کو حضرتؒ ہی کی کرامت شمار کرتے ہیں۔ اس موقعہ پر انھوں نے ایک گزشتہ اجلاس کا عجیب و غریب واقعہ سُنایا۔ اُنھوں نے فرمایا کہ جب مَیں نیا نیا اوکاڑے میں آیا تو یہاں ہمارے ہم خیال کم تھے۔ مَیں نے ایک عظیم الشّان جلسے کے انعقاد کا اہتمام کیا اور حضرتؒ کے علاوہ کچھ اور مقررین کو شرکت کی دعوت دی۔ حسبِ عادت حضرتؒ نے شرکت کا مشروط وعدہ فرمایا کہ ہم اگر اللہ کو منظور ہُوا تو حاضر ہوں گے۔ مطلب یہ

تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے وقت پر کرایہ مہیّا فرما دیا تو انکار نہیں۔ اگر کرایہ نہ بھجوایا تو پھر مجھے معذور سمجھیں۔ دراصل حضرتؒ کی عادت مبارک یہ تھی کہ وہ تبلیغی اجلاس اور مدارسِ دینیہ کے سالانہ اجتماعات وغیرہ سے کبھی آمد و رفت کا کرایہ نہیں لیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ منتظمین کو اس کی قطعاً اجازت نہیں کہ وہ اشارے کنائے سے کسی کو کہہ کہلا کر مجھے کرایہ بھجوا دیں۔ چنانچہ جہاں بھی جاتے اپنے کرائے سے جاتے۔ اگر بعض اوقات مدارسِ عربیہ اور دینی اور تبلیغی اجتماعات پر بلانے والے اور منتظمین کرایہ بہ اصرار پیش کرتے تو حضرتؒ یہی ارشاد فرمایا کرتے کہ مدارسِ دینیہ کی اور کوئی مدد نہیں ہو سکتی تو کم از کم اپنا بوجھ تو خود اُٹھا لیں اور محض رضائے الٰہی اور نجاتِ آخرت کے خیال سے شرکت اور اجتماعات میں بعض اوقات تقریر فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ قاضی صاحب سے بھی اسی طرح مشروط وعدہ کیا اور اُن کے اس کرایہ کے اصرار پر سختی سے روک دیا کہ نہ تو خود کرایہ کے لیے بندوبست کریں، نہ کسی سے اشارے کنائے سے دلوائیں۔ اگر کرایہ ملیسّر آ گیا تو خود ہی حاضرِ خدمت ہو جاؤں گا۔ قاضی صاحب فرمانے لگے کہ مَیں جلسہ شروع کرا کے لوگوں کے بار بار حضرتؒ کے متعلق پُوچھنے سے کہ آئے ہیں یا نہیں آئے ہیں سخت پریشان ہو گیا کہ حضرتؒ تو تشریف لائے نہیں اور دُنیا مجھے چھوڑے گی نہیں۔ پروپیگنڈا مَیں نے کافی کیا ہُوا تھا۔ چنانچہ مجھے خیال گزرا کہ حضرتؒ مشروط وعدہ فرمایا کرتے ہیں اور شاید کوئی کرایہ نہ ہونے کی وجہ سے تشریف نہ لائے ہوں، مَیں جلسہ شروع کرا کے لاہور روانہ ہو گیا کہ دوبارہ اُنھیں منّت سماجت کروں اور اپنے ٹکٹ سے لے آؤں۔ مجھے اُن کے شاگرد ہونے کا فخر حاصل تھا اس لیے مَیں نے کہا کہ آپؒ مجھ پر خصوصی کرم فرمایا کرتے تھے، اس لیے میں مجبور کروں لیکن جب مَیں لاہور پہنچا تو حضرتؒ مکان پر تشریف فرما تھے۔ جب دستک دینے پر باہر تشریف لائے تو مَیں نے عرض کیا "حضرتؒ! جلسہ شروع ہو چکا ہے، اوکاڑہ میں ایک دُنیا آپؒ کا انتظار کر رہی ہے، آپؒ یہاں ہیں، تشریف لے جانے کا کوئی خیال ہے یا نہیں"۔ تو جواب میں انھوں نے فرمایا کہ "آپ کو میری شرط تو یاد ہی ہو گی؟ وہ شرط اگر پُوری ہو گئی ہوتی تو مَیں آپ کے پاس ہی ہوتا۔ ان حالات میں اپنے اصُول کی بنا پر مجبور ہُوں"۔ قاضی صاحب کہتے ہیں کہ مَیں نے بڑا ہی اصرار کیا کہ "حضرتؒ! اس دفعہ میرے ٹکٹ پر تشریف لے چلیں، وہاں دُنیا آپؒ کے نام پر جمع ہے، لوگ مجھ پر اعتراضات کی بُوچھاڑ کر رہے ہیں، مَیں اُنھیں کس طرح مُنہ دکھاؤں؟ اس دفعہ جیسا بھی ہو آپؒ تشریف لے چلیں، پھر دیکھی جائے گی"۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ "مَیں کسی کے کہنے پر اپنے اصُول سے رُوگردانی نہیں

کیا کرتا۔ آج آپ کے کہنے سے اپنے اصول نظر انداز کر دوں، کل دوسروں کو پھر کس طرح جواب دے سکوں گا؟ یہ بات ہونی بڑی مشکل ہے۔" قاضی صاحب کہتے ہیں کہ مَیں بڑا ہی پریشان اور مایوسی کی تصویر بنا کھڑا تھا اور اوکاڑے واپس جانے کی مجھے ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ اِسی اثنا میں ایک شخص نے آتے ہی حضرتؒ سے مصافحہ و معانقہ کیا اور کچھ اُن کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے کہا، "حضرتؒ! یہ جناب کے کسی تبلیغی دَورے میں خرچ کرنے کے لیے ہے۔" کہتے ہیں مَیں بڑا حیران ہُوا اِس واقعہ کو دیکھ کر کہنے لگے کہ وہ آدمی یہ کہہ کر چلا گیا۔ حضرتؒ نے مُسکرا کر وہ رقم میرے ہاتھ میں تھما دی اور مجھے کہا کہ "مَیں سٹیشن پہ آتا ہوں، تم چل کے ٹکٹ لو۔" قاضی صاحب موصوف کا بیان ہے کہ میری خوشی کی کوئی اِنتہا نہ رہی، مارے خوشی کے آنسو بہ نکلے اور مَیں خوشی خوشی اسٹیشن پہنچا۔ اپنا اور حضرتؒ کا ٹکٹ لے کے گاڑی میں جگہ محفوظ کرنے کے لیے آگیا اور پھر بڑی بے چینی سے حضرتؒ کا اِنتظار کرنے لگا، مگر انتظارِ بسیار کے باوجود حضرتؒ تشریف نہ لائے اور گاڑی لاہور اسٹیشن سے چل دی۔ میرا ایک قدم گاڑی کے اُوپر، ایک قدم نیچے، سخت اضطراب میں تھا، نہ گاڑی پہ سوار ہونے کی جُرأت ہوتی تھی نہ اُترنے کی ہمّت پڑتی تھی۔ قاضی صاحب کہتے ہیں کہ آخر گاڑی لاہور کے اسٹیشن سے چل کر باہر شیڈ کے پاس نہ معلوم کس وجہ سے چند منٹ کے لیے رُک گئی۔ مَیں پھر گاڑی سے اُتر اُتر کے اسٹیشن کی طرف نظریں دَوڑا رہا تھا کہ اتنے میں دُور سے تیز تیز قدم اُٹھاتے ہُوئے حضرتؒ آتے ہُوئے دِکھائی دیے۔ قاضی صاحب کہتے ہیں میری اُس کیفیتِ مسرّت و انبساط کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ حضرتؒ نے گاڑی پہ قدم رکھا کہ گاڑی چھوٹ گئی اور اس طرح منزلِ مقصود پہ جب پہنچے تو رات کے نَو دس بجے کا وقت تھا اور گرمیوں کی راتیں تھیں۔ جلسہ بڑی کامیابی سے ہو رہا تھا کہ حضرتؒ کے پہنچتے ہی لوگوں کی بھی خوشی کی حد نہ رہی، جو بے چارے کس وقت سے تصویرِ انتظار بنے بیٹھے تھے۔ حضرتؒ کا جلسہ گاہ میں پہنچنا تھا کہ لوگوں نے اُن کی تقریر کا مطالبہ شروع کر دیا۔ حضرتؒ نے کھدّر کی دستارِ مُبارک اُتار کے میز پر رکھ دی اور کھدر کی ٹوپی پہن کر تقریر کا آغاز فرمایا اور صُبح کی اذان تک یہ سلسلۂ تقریر جاری رہا۔ لوگ دَم بخود بیٹھے محوِ لذّتِ تقریر تھے اور صبح کو جہاں ہمارا کوئی کوئی ہم خیال تھا سارے شہر ہی کا پانسہ پلٹا ہُوا تھا۔ اب چاروں طرف ہمارے ہی ہمنوا اور ہم خیال نظر آتے تھے۔ قاضی صاحب موصُوف سرد آہ بھر کے کہنے لگے "میرے اور حضرتؒ کے درمیان اِس طرح کے تعلقات تھے کہ اب اُن کی یاد سے عجیب کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ آنکھیں

تر ہو جاتی ہیں اور کلیجہ مُنہ کو آتا ہے۔ (حوالہ: خدام الدین مطبوعہ ۳۱ر جولائی ۱۹۶۴ء)

حضرتؒ نے اپنی اہلیہ کے سوال کا جواب کیسی عمدہ مثال کے ساتھ عطا فرمایا!

حضرتؒ سے ہماری والدہ نے شادی کے کچھ عرصہ بعد ذریعۂ معاش پُوچھا اور یہ کہ کیا تنخواہ ملتی ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا "ہمارا نہ کوئی ذریعۂ معاش ہے، نہ تنخواہ ہے، اللہ تعالیٰ رزاق ہے، مسبّب الاسباب ہے، اُس نے جس کو پیدا کیا ہے اُس کی روزی اپنے ذمّہ لی ہے: وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللہِ رِزْقُھَا (اور زمین پر کوئی چلنے والا نہیں مگر اُس کی روزی اللہ پر ہے) آپؒ نے فرمایا کہ "ہم دین کی خدمت محض رضائے الٰہی کے لیے اور نجاتِ آخرت کے لیے کرتے ہیں، اس لیے کوئی دُنیوی غرض وابستہ نہیں ہے۔ لیکن ہماری مثال یُوں سمجھی جا سکتی ہے کہ کِسان گندم بوتا ہے گیہوں حاصل کرنے کے لیے جو اُسے حاصل ہو جاتی ہے لیکن گائے، بیل، بھینس وغیرہ کے لیے بھُس وغیرہ از خود حاصل ہو جاتا ہے۔ کِسان بھُس نہیں کھاتے ___ گیہوں کی کاشت، اُس کی آبیاری اور دیکھ بھال بھُس کی خاطر نہیں کرتا، اُسے تو گیہوں بو کے گیہوں کاٹنا مقصود ہے۔ لیکن اللہ کی قدرت! کہ اُس سے اُس کی اپنی غرض بھی پُوری ہو جاتی ہے اور جانوروں کی غذا سال بھر کے لیے مُفت ہاتھ آ جاتی ہے۔ بعینہٖ ہم تو خدمتِ دین خالصۃً لوجہ اللہ نجاتِ آخرت کے خیال سے کرتے ہیں مگر روزی رساں رِزق از خود عطا فرما دیتے ہیں۔ حضرتؒ پنجابی میں فرمایا کرتے تھے "میں کدی دُنیا دِی خاطر ککھ بھَن کے دُوہرا نہیں کیتا" (یعنی ایک ذرہ برابر دُنیا کمانے کے لیے کوئی کام نہیں کیا) مگر یہ اللہ کے نام کی برکت ہے اور خدمتِ قرآن کا ثمر ہے، ___ اللہ تعالیٰ نے کبھی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہیں رکھا۔ بلکہ ضرورت بعد میں پیش آتی ہے ___ اور اللہ تعالیٰ اسباب پہلے ہی مہیا فرما دیتے ہیں۔ یہ اُس کی رُبوبیت کا تقاضا ہے کہ انسان کو بھُوک بعد میں لگتی ہے، گھروں میں اور ہوٹلوں اور نانبائیوں کی دُکانوں پہ روٹی پہلے تیار رکھی ہے۔ کپڑے بعد میں پھٹتے ہیں اور بزازوں کی دُکانوں پہ پہلے سے موجود ہوتے ہیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس دُوسری چیزیں، کہ مالک پیاس بعد میں لگاتا ہے اور پانی بافراط پہلے ہی ہر جگہ موجُود ہے"۔

(حوالہ: خدام الدین مطبوعہ ۷ر اگست ۱۹۶۴ء)

مرحوم جسٹس منیر کے بیت الخلاء سے حضرتؒ پیشاب سے فارغ ہوئے بغیر ہی واپس تشریف لے آئے

۱۹۵۳ء میں جب ختمِ نبوّت کی تحریک میں "تحقیقاتی عدالت" کے سامنے بیان دینے کے لیے حضرتؒ کو جیل سے لایا گیا تو اس اثناء میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ حضرتؒ، جو اُس وقت جیل میں بیمار اور پیرانہ سالی کی وجہ سے سخت نڈھال تھے، عدالت میں تشریف فرما تھے کہ اُنھیں پیشاب کی ضرورت ہوئی۔ اُنھوں نے چپڑاسی سے پیشاب گاہ کے لیے استفسار فرمایا۔ چپڑاسی جسٹس منیر کے کمرے کی طرف لے گیا کہ یہاں پیشاب کر لیں۔ حضرتؒ نے جگہ تلاش کی، پانی وغیرہ ڈھونڈا مگر کوئی بھی چیز نہ تھی۔ آخر پھر اُسی چپڑاسی کو بُلایا اور اُس سے جگہ بتلانے کو کہا۔ اُس نے آکر ایک کمرے میں ایک اِسٹول پہ ایک چینی کا پیالہ رکھا تھا، اُس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اِس میں پیشاب کرو"۔ حضرتؒ نے لوٹے پانی وغیرہ کے لیے دریافت کیا تو اُس نے صاف جواب دیا کہ "صاحب ہمیشہ اِسی طرح پیشاب کر لیتے ہیں، یہاں تو کوئی اور چیز ہے نہیں"۔ حضرتؒ کیسے اپنے بدن اور کپڑوں کو ناپاک کرتے؟ مجبوراً پیشاب کیے بغیر واپس اپنی کُرسی پہ آگئے۔ اِس تکلیف و پریشانی کا وُہی اندازہ کر سکتا ہے جس کسی کو اِس طرح کے حالات سے سابقہ پڑے۔ اور حضرتؒ مغربی تمدّن کی جہاں اور بُرائیاں بیان کیا کرتے تھے، ایک مسلمان کی حیثیّت سے اِس واقعہ کا بھی بڑے سوز اور گداز سے تذکرہ فرمایا کرتے تھے کہ جسٹس کیانی اور جسٹس مُنیر نے جو "تحقیقاتی رپورٹ" مرتّب کی ہے اُس میں لکھا ہے کہ عُلماءِ اسلام، "اسلام" کی تعریف ہی نہیں کر سکتے اور "اِسلام" کی تعریف و تعبیر ہی میں اُن کا اتّفاق نہیں۔ حالانکہ الفاظ مختلف ہو سکتے ہیں اور تعبیر میں بھی معمولی فرق، مگر یہ کہ وہ "اسلام" کی تعریف ہی نہیں کر سکتے؟ یہ کِس قدر ناروا پروپگنڈا ہے!! خود تو ان "چیف جسٹسوں"، ججوں اور بیرسٹروں کو طہارت و پاکیزگیٔ لباس و بدن کی بھی ابھی تک تمیز نہیں، اور یہ علماء کو بدنام کرتے ہیں اور اسلام کے آڑے آتے ہیں۔ (حوالہ: خدام الدین مطبوعہ، اگست ۱۹۶۴ء)

ایک پابندِ نماز ریلوے گارڈ صاحب کا ایمان افروز واقعہ

ایک ریلوے آفیسر نے دورانِ سفر ایک دفعہ بتایا

کہ انگریز کے زمانے میں ایک گارڈ صاحب نماز کے وقت نماز کے لیے گاڑی روک لیا کرتے تھے۔ بعض مخالفوں نے اُن کی شکایت کی تو انھوں نے کہا کہ گاڑی یہاں سے روانہ ہوتی ہے اور جہاں منزلِ مقصود پر پہنچنا ہوتا ہے، آپ ہمارا کیس اُٹھا کر دیکھ لیں کہ کیا گاڑی ٹھیک وقت پر روانہ ہوتی اور منزلِ مقصود پر صحیح وقت پر پہنچتی ہے یا نہیں؟ مگر مخالفوں نے پھر بھی اُن کا پیچھا نہ چھوڑا اور حکّام سے کہا کہ چوری چھپے اِس کا پیچھا کیا جائے اور دیکھا جائے کہ یہ گاڑی کھڑی کرتا ہے یا نہیں؟ تحقیق کرنے پر بات صحیح ثابت ہوئی۔ ایک دفعہ اُس کے مخالفوں نے گاڑی کو نقصان پہنچانے کے خیال سے لائن کی پٹری اُکھاڑ دی، مگر اُس شخص کا بیان تھا کہ اِس کے باوجود گاڑی صحیح سالم گزر گئی اور اُس کے بعد جو دُوسری ٹرین آئی اُس کو کافی نقصان پہنچا۔ اس کے بعد اُس کے آفیسر اور مخالف وغیرہ سب اُس سے ڈرنے لگے اور وہ مزے سے اپنے فرائض انجام دیتا رہا۔

(حوالہ: خدّام الدین مطبوعہ، ۷ اگست ۱۹۶۴ء)

مئے وحدت کا مستانہ مجذوب

حضرت امروٹیؒ کے ہاں ایک مجذوب رہتا تھا۔ جس کا نام سائیں گولا تھا۔ وہ ہر وقت عشقِ الٰہی میں غرق رہتا تھا۔ "وحدت" کا تخیّل اِس قدر راسخ کہ اکائی کے سوا دُوسرا کوئی عدد بھی سُننا وہ گوارا نہ کرتا۔ دیہات کی عورتیں دِن بھر اُس سے پانی کے گھڑے بھرواتیں اور کہتیں "یہ لو ایک گھڑا بھر لاؤ"، اور وہ "ایک" کے نام پر گھڑے بھرتا رہتا۔ اگر کوئی عورت یہ کہہ دیتی کہ "دو گھڑے بھر لاؤ تو وہ دونوں گھڑے زمین پر دے مارتا اور گھڑے چکنا چُور ہو جاتے۔ ایک ایک کر کے چاہے سارا دِن گھڑے بھرواتیں تو وہ نہ تھکتا۔ (حوالہ: خدّام الدین مطبوعہ، ۷ اگست ۱۹۶۴ء)

لاہور کے گوجروں کی "گیارہویں"

لاہور میں عام طور پر رواج ہے کہ گیارہویں والے دِن (یعنی ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو) دُودھ نہیں مِلتا۔ مَیں نے گوالوں سے پوچھا کہ "یہ کیا معاملہ ہے؟" تو انھوں نے بتایا کہ "ہمیں یہ مسئلہ بتایا گیا ہے کہ اگر تم ہر مہینے کی گیارہ تاریخ کو دُودھ کی کھیر پکا کر نہ دوگے تو تمھاری بھینسوں کے تھنوں میں کیڑے پڑ جائیں گے۔" حالانکہ یہی گوجر بھینسوں کے بچھڑوں پر اِس قدر ظلم کرتے ہیں کہ اُن کو اُن کی خوراک کا پورا دُودھ بھی نہیں دیتے اور وہ بچارے بھُوک سے چِلاّتے رہتے ہیں۔ مگر بھلا ہو اِن کے "مولویوں" اور "پیروں" کا جو اُن

سے مہینے میں ایک دفعہ "گیارہویں" دِلوا دیتے ہیں اور اُن کے سب گناہ "بخشوا" دیتے ہیں۔

"ختم شریف" کا عجیب لطیفہ

علّامہ حسین میر ایک اہلحدیث بزرگ تھے جو روزنامہ "زمیندار" وغیرہ میں عرصہ دراز تک ملازم رہے۔ بڑے ظریف الطبع انسان تھے۔ اُن کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ امرتسر میں اُن کے محلّے کے "ختم" پڑھنے والے مُلّاؤں نے اُنھیں والدہ کا "ختم" کرانے کے لیے بار بار اصرار کیا۔ علّامہ صاحب نے کہا "بہت اچھا! صُبح آجاؤ سارے"۔ چنانچہ وہ سیپارے اور قرآن بغل میں دبا کے صُبح ان کے مکان پر آ گئے ——— علّامہ صاحب نے بیٹھک میں اُنھیں بٹھا دیا۔ وہ قرآن پڑھنے لگ گئے گھر میں بچّوں کو کہہ دیا کہ ذرا تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد دیگچے میں چمچہ ہلاتے رہنا اور خود ڈیوٹی پر لاہور آ گئے، وہ بچارے "قرآن خوان" پڑھتے پڑھتے جب اُکتا گئے تو گھر والوں کو بُلا کر کہنے لگے کہ "علّامہ صاحب کہاں ہیں"؟ انھوں نے کہا "وہ تو لاہور ڈیوٹی پہ چلے گئے ہیں"۔ انھوں نے کہا "اچھا، جو کچھ ہے لے آؤ"۔ اُن بچّوں نے کہا "کیا لے آئیں"؟ انھوں نے کہا "جو پک رہا ہے"۔ اُن بچّوں نے کہا کہ "جی پکا تو کچھ نہیں"۔ انھوں نے کہا کہ "پکنے کی اور چمچے چلنے کی آوازیں جو آ رہی تھیں"؟ بچّوں نے کہا "وہ تو علّامہ صاحب ہمیں کہہ گئے تھے کہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد دیگچی میں چمچہ چلاتے رہنا، پکا پکایا تو کچھ نہیں"۔ اِس پہ اُنھوں نے کہا کہ "سب کے سب اپنی اپنی ماں کو بخشو، علّامہ کی ماں کو کوئی نہ بخشے اور چلو!" (حوالہ: خدام الدین مطبوعہ، اگست ۱۹۶۴ء)

حضرتؒ کے دَم سے کینسر سے اللہ تعالےٰ نے شفاء دے دی

جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات "مردِ مومن" اور "انوارِ ولایت" چھپ گئیں اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں تو ایک دفعہ محمود خاں صاحب لغاری مرحوم کی اہلیہ محترمہ کسی کام سے مِلنے کے لیے آئیں اور کہنے لگیں، کہ "دونوں سوانحعمریوں میں میرا واقعہ تو آیا ہی نہیں"؟ میں نے کہا "آپ اپنا واقعہ بیان فرما دیں، آئندہ کبھی آ جائے گا"۔ انھوں نے بیان کیا کہ "میرے پیٹ میں سخت تکلیف ہو جاتی، ڈاکٹروں سے اِس بارے میں مشورہ وغیرہ کیا تو پتہ چلا کہ یہ کینسر کا مرض ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر امیر الدین صاحب سے آپریشن کے لیے دِن اور وقت طے ہُوا اور میو ہسپتال میں کمرے کا انتظام وغیرہ ہو گیا۔ جس دِن صُبح آپریشن کا وقت تھا سخت پریشانی کی حالت میں محمود صاحب کو لے کر میں حضرتؒ کی خدمت میں

صُبح کے درس کے بعد حاضر ہوئی اور دُعا کے لیے درخواست کی۔ حضرتؒ نے اس اضطراب اور پریشانی کی وجہ پُوچھی تو مَیں نے تکلیف کا اور آپریشن کا یہ سارا ماجرا بیان کیا اور آپریشن کے معاملے میں اپنے اضطراب اور پریشانی وغیرہ کا اظہار کیا، حضرتؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شفاء دینے والے ہیں، آپریشن سے یا آپریشن کے بغیر بھی شفاء عطا فرما سکتے ہیں، اس اضطراب اور پریشانی کی کیا ضرورت ہے؟ یہ سُن کر مَیں نے عرض کیا کہ حضرتؒ! مجھے کوئی دَم کر دیں اور تعویذ وغیرہ یا کچھ پڑھنے کے لیے بتلائیں جس سے اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرما دیں، مجھے آپریشن سے بہت ڈر لگتا ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا اللہ کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں، وہ ہر طرح شفاء عطا فرما سکتے ہیں۔ اللہ کو آپریشن کی کوئی ایسی ضرورت نہیں۔ میرا آپریشن کی طرف سے خیال ہٹ گیا اور اللہ کے نام پر مزید اعتماد بڑھ گیا اور حضرتؒ کے دَم کرنے اور اطمینان دلانے کی وجہ سے فی الحال آپریشن کا خیال ترک کر دیا اور اطمینان سے گھر چلی گئی۔ آہستہ آہستہ درد کم ہونا شروع ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے بار بار اصرار کیا مگر مَیں نے جواب میں یہی کہا مَیں فی الحال آپریشن کرانے کا ارادہ نہیں رکھتی۔ مجھے اللہ کے نام کی برکت سے کچھ آرام محسوس ہو رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ آپ علاج اور آپریشن کی طرف سے غفلت نہ برتیں معاملہ ہمارے اختیار سے باہر نہ ہو جائے۔ غرض کچھ دنوں بعد مرض بالکل جاتا رہا اور قطعی طور پہ آرام آ گیا، جس پر ڈاکٹر، معالج اور دیگر احباب متعجب ہُوئے۔" (حوالہ: خدام الدین مطبوعہ ۷ راگست ۱۹۶۴ء)

سُورۂ والضُّحیٰ پڑھنے سے گمشدہ اونٹ مل جانے کا عجیب واقعہ

والدہ مرحومہؒ فرمایا کرتی تھیں کہ مَیں اپنے والدؒ سے قرآن وغیرہ پڑھ چکی تھی تو انھوں نے مجھے "بہشتی زیور" اور "بنات النعش" وغیرہ ڈپٹی نذیر احمد کی کتابیں پڑھائیں۔ پھر مجھے "بہشتی زیور" سے زیادہ اُنس ہو گیا وہ بڑی جامع مانع کتاب تھی۔ دین دُنیا کی کوئی ایسی بات نہیں جو اس میں بیان نہ کر دی گئی ہو۔ مجھے حضرت تھانویؒ کی دُوسری کتابوں کے پڑھنے کا شوق ہُوا۔ اس دوران خیال ہُوا کہ حضرت تھانویؒ سے خط و کتابت کروں۔ سو مَیں نے اپنے والد بزرگوارؒ سے اجازت لے کر بعض مسائل بذریعہ خط اُن سے دریافت کیے، جن کا انھوں نے جواب دیا۔ بعض اوقات گھر میں کچھ اشیاء گم ہو جاتیں اور تلاش سے بھی نہ ملتیں اور کبھی مل بھی جاتیں، تو مَیں نے حضرت تھانویؒ کی خدمت میں اس مقصد سے ایک خط لکھا۔ انھوں نے گم شدہ چیزوں کی تلاش کے لیے سُورۂ والضُّحیٰ پڑھنے کو فرمایا۔ والدہ

مرحومہ فرمایا کرتی تھیں کہ جب سے مَیں نے اُسے پڑھنا شروع کیا کوئی چیز نہ تھی جو گم ہوئی اور نہ ملی۔ چنانچہ اس کی زبردست تاثیر دیکھ کر مجھے یہ خیال آیا کیوں نہ حکیم الامّت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے حصولِ مقصد کے لیے کوئی وظیفہ پُوچھ لوں۔ چنانچہ میرے خط کے جواب میں دوبارہ حضرت تھانویؒ نے اِسی سُورۃ والضحیٰ کی تلقین فرمائی چنانچہ جب کسی چیز کی ضرورت ہوتی یا کوئی چیز گُم ہوجاتی تو والدہ مرحومہ خود بھی سُورۃ والضحیٰ پڑھتیں اور ہم بچّوں سے بھی پڑھواتیں۔ اس کے نتیجے میں ہمیں بھی اِس عمل پر غیر معمولی اعتماد ہو گیا۔ چنانچہ جب کوئی چیز کھو جاتی تو اِسے پڑھنا، ہاتھوں پر سرسوں جمنے والی مثل صادق آجاتی ــــ ۱۹۳۹ء میں حضرت مولانا سِندھیؒ کو بڑی کوششوں اور کانگریس لیگ کی جدوجُہد کے نتیجے میں ہندوستان واپس آنے کی اجازت ملی اور وہ مارچ ۱۹۳۹ء میں ہندوستان آگئے ــــ حضرت والدِ بزرگوارؒ نے برادرِ معظم مولانا حبیبُ اللہؒ کو اُن کی خدمت کے لیے اُن کے ساتھ کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد یہ قرعۂ فال میرے نام پڑا اور مَیں اُن کی خدمت کے لیے ہر جگہ سفر میں ساتھ رہتا۔ ایک مرتبہ مَیں پیر جھنڈے میں تھا۔ مولانا سِندھیؒ چند روز کے لیے کراچی تشریف لے گئے اور مجھے پیر جھنڈے میں چھوڑ گئے ــــ جس تاریخ کو اُنھوں نے واپس آنا تھا مجھے خیال ہُوا کہ سعید آباد سٹیشن پر رات کے وقت شاید اُنھیں کوئی سواری میسر نہ آئے تو پیر صاحب سے اُن کا ایک اُونٹ مانگ کر ساتھ لیتے گئے۔ چنانچہ مَیں نے اور پیر صاحب کے ملازم محمّد اکبر نے اُونٹ کو سٹیشن کے باہر باندھ دیا اور خود اُن کے استقبال کے لیے پلیٹ فارم پر چلے گئے۔ ایسا ہُوا کہ جب گاڑی آئی تو مولانا سِندھیؒ گاڑی سے نہ اُترے۔ ہم مایوس باہر آئے تو دیکھا اونٹ رسّی تڑوا کر کہیں بھاگ گیا ہے۔ درصل انجن کی آواز اور اس کی ہیئت دیکھ کر اونٹ بھاگ گیا تھا ہم بہت سخت پریشان ہُوئے کہ رات کا وقت ہے، چاروں طرف اندھیرا چھایا ہُوا ہے، خُدا جانے اونٹ مشرق کی طرف گیا ہے یا مغرب کی طرف؟ شمال کی طرف گیا ہے یا جنوب کی طرف؟ رات اتنی تاریک تھی، کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ اُس وقت سعید آباد کی آبادی بڑی مختصر سی تھی۔ لوگوں سے پُوچھ گچھ کی مگر کوئی پتہ نہ چلا۔ آخر مجبور ہو کے گوٹھ پیر جھنڈا کی طرف چل پڑے۔ مجھے راستے میں وَالضُّحیٰ یاد آئی۔ مَیں نے اکبر سے کہا کہ "آپ بھی پڑھیں، مَیں بھی پڑھتا ہُوں" ــــ وہ کہنے لگا، "سائیں! مجھے تو آتی نہیں"۔ مَیں نے خود ہی پڑھنی شروع کر دی اور میرے پیچھے محمّد اکبر نے تلاوت شروع کر دی۔ پیر جھنڈے کے قریب دو اڑھائی فرلانگ کا فاصلہ باقی ہو گا کہ جنگل میں ایک اونٹ

سے جا ٹکرائے اور محمد اکبر نے جلدی سے اُونٹ کو تھام لیا۔ میں نے اُس کو کہا "یہ کس کا اُونٹ ہے؟" وہ کہنے لگا "یہ ہمارا ہی اُونٹ ہے"۔ میں نے اُسے مذاق سمجھا مگر جب اُس نے بار بار اِصرار کیا کہ ہمارا اُونٹ ہے تو میں نے کہا "ہو گا"۔ اور ہمیں انکار کرنے کی ضرورت نہیں اُس وقت رات کا اندھیرا تھا، صحیح طور پر میں اندازہ نہ کر سکا۔ بہرحال اُونٹ پر دونوں سوار ہُوئے اور پیر جھنڈے اُتر گئے۔ صبح کی نماز کے بعد دیکھا تو واقعی وہ اپنا ہی اونٹ تھا۔ خُوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ اگر خُدانخواستہ وہ اُونٹ نہ مِلتا تو بڑی پریشانی ہوتی، شرمساری ہوتی۔ پیر ضیاء الدین شاہ صاحبؒ حضرت مولانا عُبید اللہ سِندھیؒ کے شاگرد اور حضرت لاہوریؒ کے درسِ نظامی کے شریکِ درس تھے۔ وہ ہم سے اُس کا معاوضہ بھی کبھی قبول نہ فرماتے۔ جب اِس بات کا خیال آتا تو اور بھی پریشانی ہوتی۔ اُس سے پہلے بھی کئی دفعہ سُورۃ والضُّحٰے کے کافی اثرات کا مشاہدہ کر چکا تھا اسلیے مجھے اونٹ ملنے سے پہلے ہی کافی حد تک اللہ کے کلام پر اعتماد تھا لیکن اونٹ مِل جانے کے بعد تو اللہ کے کلام اور اُس کے اثرات پر حد سے زیادہ یقین بڑھ گیا اور اس کے بعد مسلسل بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ جب یہ واقعہ میں نے حضرت والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ اور والدہ مرحومہؒ کے سامنے ذِکر کیا تو انھوں نے فرمایا "تمھیں پکڑ کر فرشتے لے گئے اور اُونٹ پر جا گرایا"۔
اور اُنھیں بھی اِس واقعہ سے بڑی خوشی ہُوئی۔ (حوالہ: خدام الدین مطبوعہ، اگست ۱۹۶۴ء)

سُورۃ والضُّحیٰ کے پڑھنے سے گُمشدہ بٹوہ مِل جانے کا حیرت انگیز واقعہ

۱۹۶۲ء میں وفاق المدارس العربیّہ کے دَورۂ حدیث شریف کے امتحان کے لیے ہمارا مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ لاہور سنٹر تجویز ہُوا۔ امتحان کے پہلے روز پرچے مُلتان بھیجنے کے لیے کاغذ کے لفافے لینے کیلیے میں مسجد وزیر خاں کے دروازے کے نیچے ایک لفافوں والی بڑی دُکان پر گیا۔ لفافے لے کر واپس آ گیا اور پرچے ڈال کر رجسٹری کر کے بھیج دیے۔ شام کو کسی ضرورت سے جیب میں ہاتھ ڈالا تو بٹوہ نہیں تھا۔ خیال کیا کہ گھر میں ہو گا۔ دُوسرے دِن صبح گھر میں دیکھا تو وہاں بھی کوئی پتہ نہ چلا آخر سوچا تو یہ یاد آیا کہ کل جو لفافے لیے تھے اُس کے بعد سے بٹوہ نہیں مِل رہا۔ سُورۃ والضُّحیٰ پڑھتے ہُوئے اِس خیال سے اُس دکان پر چلا گیا کہ اللہ کی نعمت ضائع کرنا بھی اچھا نہیں۔ اگر تلاش کرنے سے مِل جائے تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی۔ وہاں گیا، اُن سے بھی کہا کہ "بٹوہ میرا کل سے نہیں

مِل رہا۔ آپ کے ہاں لفافے خریدنے آیا تھا، اُس کے بعد سے نہیں مِل رہا۔ اگر آپ کے عِلم میں ہو تو مجھے بتا دیں"۔ دُکاندار نے کہا "بٹوہ آپ کا بازار میں گرا ہے، یہاں نہیں، یہ ہمارے پاس یتیم بچہ بیٹھا ہُوا ہے کام سیکھنے کے لیے، یہ اتفاقاً بازار میں گیا تو بٹوہ کسی لڑکی کو اُٹھاتے ہوئے دیکھا تو اِس نے زبردستی چھین لیا کہ بٹوہ مولوی صاحب کا ہے جو ہمارے ہاں سے لفافے لے کے گئے ہیں وہ لڑکی اپنے باپ وغیرہ رشتہ داروں کو بُلا لائی ــــ کافی تکرار اور بحث مباحثے کے بعد دُوسرے دُکانداروں نے فیصلہ کیا کہ جب کہیں مالک مِل جائے، اُس وقت فیصلہ کریں گے۔ لڑکی نے چونکہ بٹوہ اُٹھایا تھا اِس لیے لڑکی والوں کے پاس ہی رہنا چاہیئے"۔ چنانچہ دوسرے دن میں پہنچ گیا۔ قریب ہی لڑکی والوں کا مکان اور سلائی کی مشینوں کی دُکان تھی۔ جب مَیں نے مطالبہ کیا تو اُن لوگوں اور دُکانداروں سب نے مِل کر پُوچھا کہ "کوئی نشانی بتائیں۔ اُس میں کتنے روپے تھے؟ مَیں نے چونکہ گِن کے رکھے ہُوئے نہیں تھے اِس لیے اندازاً مَیں نے کہا کہ "پچاس سے کم نہیں، سو سے زیادہ نہیں"۔ اُنھوں نے کہا "یہ تو کوئی صحیح نشانی نہیں ہے"۔ مجھے یاد آگیا کہ اُس میں سعودی عربیہ کا دس ریال کا نوٹ رکھا ہے۔ سو اِس پہ اُن لوگوں نے بٹوہ میرے حوالے کر دیا کیونکہ یہ نشانی ایسی پکّی تھی کہ اَوروں کے پاس لاہور میں سعودی عربیہ کے نوٹ کہاں ہو سکتے ہیں؟ چنانچہ سُورۃ والضّحٰی کے اِس قسم کے بیسیوں واقعات پیش آئے۔ (حوالہ: خدام الدین مطبوعہ، اگست ۱۹۶۴ء)

گمشدہ سائیکل سُورۃ والضّحٰی کے پڑھنے سے مِل جانے کا عجیب واقعہ

ایک دفعہ پُرانی انارکلی سے میری سائیکل چوری ہوگئی۔ کافی تلاش کے بعد مایُوس ہو کے گھر لوٹ آیا اور پرانی انارکلی کے تھانے والوں کو اِس کی اطّلاع دی اور درمیان میں والضّحٰی پڑھتا رہا۔ دو تین دِنوں کے بعد سائیکل چُرانے والا کسی سائیکلوں والے کے پاس گیا۔ اُس نے کہا "ہم سائیکل نہیں خریدتے، بعض سائیکلیں چوری کی ہوتی ہیں"۔ اُس نے کہا "مَیں تو اپنی ضرورت کی وجہ سے بیچ رہا ہوں، آپ لے لیں، مہربانی ہوگی"۔ دُکاندار نے کہا "اگر تھانے والے ضمانت دے دیں کہ سائیکل چوری کی نہیں تو پھر لے لیں گے"۔ اُس نے کہا "بے شک تھانے چلو"۔ دُکان والا سائیکل تھامے ہُوئے تھانے کی طرف جا رہا تھا کہ یہ پیچھے سے کھسک گیا۔ غرض اُنھوں نے مجھے اطّلاع دی کہ "اپنی سائیکل لے جاؤ"۔ وہاں اور بھی کچھ سائیکلیں پڑی ہُوئی تھیں۔ مَیں نے جا کے دیکھا تو سائیکل میری ہی

تھی۔ اِس دوران میں اکثر سورۃ والضحٰی پڑھتا رہا اور خدا کا کرنا کہ سورۃ والضحٰی کی برکت سے سائیکل مل گئی۔ (حوالہ: خدام الدین مطبوعہ ۷ اگست ۱۹۶۴ء)

سورۃ والضحٰی کے پڑھنے سے ایک کے بدلے اکیس ۲۱ سائیکلیں برآمد ہو گئیں

اسی طرح حاجی بشیر احمد صاحب کی سائیکل، جو وہ کرائے پر لائے تھے، کھو گئی۔ کافی تلاش کرنے کے بعد نہ ملی۔ دکاندار کو سائیکل کی قیمت کا اکثر حصّہ بھی ادا کر دیا۔ ابھی پوری قیمت ادا نہیں کی تھی۔ اِس دوران والضحٰی پڑھتے رہے۔ خدا کا کرنا کہ چوروں کا ایک گروہ پکڑا گیا جس سے حاجی صاحب کی سائیکل سمیت اکیس ۲۱ سائیکلیں چوری کی برآمد ہوئیں۔ (حوالہ: خدام الدین مطبوعہ ۷ اگست ۱۹۶۴ء)

سورۃ والضحٰی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے بھینس عطا فرما دی

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور اپنے کلام کی برکت سے ہمیں دُنیا کی ہر نعمت دی۔ متعدد مرتبہ گھر کے ہر فرد کو اللہ نے حج کا شرف عطا فرمایا۔ اِسی طرح اللہ نے اپنے فضل سے مکان اور بھینس تک عطا فرمائی اور اُس کو چارہ ڈالنے، پانی پلانے وغیرہ کی ڈیوٹی میری لگی ہوئی تھی۔ کافی عرصہ تک رہی۔ اُس کے بعد پھر کسی کو دے دلا دی۔ والدہ مرحومہؒ فرمایا کرتی تھیں کہ میرے پاس ایک ہتھیار ہے اور وہ تسبیح اور اللہ کا ایک کلام ہے جس کی تاثیر کا ہمیشہ مشاہدہ کیا اور وہ ہے سورۃ والضحٰی۔ جس مقصد کے لیے جب پڑھی، گمشدہ چیز کے لیے یا کسی چیز کے اللہ سے حاصل کرنے کے لیے، اللہ نے کبھی مایوس نہیں کیا اور جلد عطا فرمائی۔ ایک دفعہ صبح حضرتؒ درس دے رہے تھے کہ کسی شخص نے اندر کہلا بھیجا کہ درس کے بعد باہر تشریف لائیں۔ حضرتؒ باہر تشریف لائے۔ اُس نے کہا مَیں بھینس لایا ہوں، قبول فرما لیں۔ حضرتؒ نے پوچھ گچھ بھی کی کہاں سے لائے ہو؟ کیوں لائے ہو؟ اُس نے کہا اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا اور مَیں اپنی بھینس لے کر آیا ہوں، آپ اِس کو قبول فرما لیں۔ حضرتؒ نے قبول فرما لی اور چلا گیا۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون تھا۔ (حوالہ: خدام الدین مطبوعہ ۷ اگست ۱۹۶۴ء)

بیگم حاجی مولابخش سومرو کا روپوں، سونے اور زیورات سے بھرا ہوا گمشدہ پرس ملنے کا عجیب واقعہ

حاجی مولابخش صاحب سومرو، سابق مرکزی وزیر

بحالیات نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرتبہ سُنایا کہ حضرتؒ! ایک عجیب واقعہ میرے ساتھ پیش آیا ہے۔ اور فرمایا کہ میرے بچوں اور بڑے بھائی خان بہادر حاجی اللہ بخش، سابق وزیرِ اعظم سندھ کے بچوں کی شادی تھی۔ میرے گھر کے لوگ مری پہاڑ پر جاتے ہوئے لاہور میں کچھ زیور بننے کے لیے دے گئے۔ بڑے بھائی مرحوم کے ہاں کسی کی وفات ہو گئی تو میں نے اپنے گھر والوں کو تار دیا کہ مری سے جلد واپس آئیں۔ جب واپسی کے لیے لاہور اُترے اور زیورات والی دُکان پر گئے تو اُس سے کہا جس قدر زیور بن چکے ہیں وہ ہمیں دے دیں اور بقیہ ہمارا سونا ہمیں واپس کر دیں۔ چنانچہ سونا، زیور اور جو اُن کے پاس نقدی تھی وہ میری بیوی کے پرس میں رکھی ہُوئی تھی اور وہ کوئی چیز خریدنے کے لیے انار کلی گئے، وہاں خدا کی قدرت! کہ بیوی کا پرس (بٹوہ) گر گیا۔ انار کلی میں کوئی چیز خریدنے کے بعد میری بیوی کار میں بیٹھی اور اُس نے اپنی رانوں پر پرس رکھا اور کار کا دروازہ بند کیا۔ نرم کپڑوں کی وجہ سے پرس نیچے گرتے ہُوئے پتہ نہ چلا اور کار چل پڑی۔ آگے جا کر جب دیکھتے ہیں کہ پرس نہیں ہے تو بڑی پریشانی ہُوئی، کہ سب پیسہ، سونا، زیور وغیرہ اُسی میں تھا۔ چنانچہ لاہور کے ایک بہت بڑے نامی گرامی ہندو وکیل کی لڑکی کا پاؤں اُس پر پڑا اور اُس نے اُٹھا لیا اور گھر جا کر اپنی والدہ کو بٹوہ دیا اور یہ واقعہ سُنایا۔ اُس کی والدہ نے کہا شام کو تمھارے پتا جی آئیں گے تو وہ کھولیں گے، ہم نہیں کھولتے۔ چنانچہ رات کو وکیل صاحب گھر آئے تو انھوں نے پرس کو کھولا۔ اُس میں سونا، زیورات اور سَو سَو روپے کے کافی تعداد میں نوٹ تھے۔ اُن کے ساتھ ایک تار بھی رکھا تھا جو حاجی صاحب نے شکار پور سے اپنے گھر والوں کو واپس بُلانے کے لیے مری بھیجا تھا۔ اُس میں لکھا تھا "COME BACK" اور نیچے لکھا تھا "مولا بخش شکار پور"۔ وکیل صاحب نے اسی پتہ پر یعنی "مولا بخش شکار پور" تار دے دیا کہ پرس ہمارے پاس محفوظ ہے۔ حاجی صاحب نے فرمایا کہ مولا بخش شکار پور میں کئی ہیں، مگر خدا کا کرم یہ ہُوا کہ وہ تار مجھے ہی مِلا۔ حاجی صاحب فرماتے تھے کہ میرے بیوی بچے میرا مذاق اڑاتے رہتے کہ بابا ہمیں بٹھا کر یہ تلقین کیا کرتے تھے کہ جو خُدا کا حق نہ رکھے یعنی زکوٰۃ وغیرہ ادا کرے اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اب اللہ نے ایسا کیا کہ تار میرے ہی پاس پہنچ گیا اور میں بچوں کو سٹیشن پر لینے کے لیے گیا تو پوچھا کہ "پرس کہاں گیا؟" میری بیوی اور بچے گلے پڑ گئے کہ "پرس تو آپ کے پاس ہے"۔ مَیں نے اُن سے کہا "مجھے یہ تو بتاؤ کہ بات کیا ہُوئی ہے؟" انھیں کچھ پتہ نہیں تھا۔

یہی کہا کہ "لاہور میں پرس کہیں گر گیا ہے"۔ حاجی صاحب نے جوابی تار ہندو وکیل کو بھیج دیا کہ "پرس محفوظ رکھیں، ہم منگوالیں گے"۔ حاجی صاحب کہنے لگے بیوی بچّوں کو میں نے تار دکھایا کہ جو خدا کا حق زکوٰۃ، صدقات وغیرہ ادا کر دے اُس کی رقم ضائع نہیں ہوتی۔ پہلے وہ میرا مذاق اُڑاتے رہے، پھر مَیں نے جی بھر کے اُن کو شرمندہ کیا اور کہا کہ ہم لوگ زکوٰۃ چونکہ ادا کرتے ہیں اس لیے ہمارا کچھ گُم نہیں ہوگا۔ سو پرس ہمیں ساری چیزوں سمیت بسلامت مِل گیا۔

(حوالہ: خدام الدین مطبوعہ ۱۴ اگست ۱۹۶۴ء)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی دُعا سے حاجی شفیع اللہ صاحب کی گمشدہ کار پہلے سے اچھّی حالت میں واپس مِل گئی

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ایک فدائی اور مخیّر انسان حاجی شفیع اللہ صاحب کراچی میں رہتے ہیں۔ اُنھوں نے واقعہ سُنایا کہ میری کار کچھ لوگ کرائے پر لے گئے اور حیدر آباد پہنچ کر میرے ملازم ڈرائیور کو کسی بہانے سے نیچے اُتارا اور خود کار بھگا کر لے گئے۔ مَیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لاہور پہنچا اور دُعا کی درخواست کی۔ حضرتؒ نے دُعا فرمادی اور مَیں پولیس کے پاس رپورٹ درج کرا کے خاموش ہوگیا۔ خدا کا کرنا کہ ۱۴ ماہ بعد (جب حضرتؒ کا وصال ہو چکا تھا) مجھے اطّلاع آئی کہ آپ کی کار مِل گئی ہے، آ کے لے جائیے۔ مَیں نے جب کار دیکھی تو وہ پہلے سے بھی اچھّی حالت میں تھی۔ دراصل جن لوگوں نے وہ کار ہتھیائی تھی، انھوں نے کافی عرصہ اُسے غائب رکھّا اور اُس کے ٹائر ٹیوب بھی نئے ڈال دیے۔ بعض گھسے ہُوئے پُرزے بھی بدل دیے۔ اور اِتنا عرصہ گزرنے کے بعد ابھی کار گیراج سے نکالی ہی تھی کہ پولیس نے پکڑ لی اور مجھے پہلے سے بھی اچھّی حالت میں کار واپس مِل گئی۔ (حوالہ: خدام الدین مطبوعہ ۱۴ اگست ۱۹۶۴ء)

"فیروز سنز" لاہور کا چوری شدہ روپیہ واپس مِل جانے کا عجیب واقعہ

ایک دفعہ مَیں نے اخبار میں پڑھا کہ "فیروز سنز" والوں کے ہاں ایک بڑی رقم چوری ہوگئی اور اُن کا گھریلو ملازم چوری کر کے اپنے وطن فرنٹیر کی طرف چلا گیا۔ وہاں وہ سالم ٹیکسی لے کر اپنے گاؤں کی طرف جانے لگا تو اُس کی حیثیّت وغیرہ دیکھ کر پولیس مَین کو شک ہُوا۔ اُس نے پُوچھ گچھ کی اور ذرا دھمکی دی، تو اُس نے صاف بتلا دیا کہ مَیں نے فیروز سنز لمیٹڈ لاہور سے یہ رقم چوری کی ہے۔ رقم غالباً چالیس

پینتالیس ہزار روپیہ تھی۔ تفصیل اُس کی یہ لکھی ہوئی تھی کہ اُن کا گھریلو ملازم جو روزانہ دفتر سے نیچے سے چابیاں لاکر منیجر صاحب کے تکیے کے نیچے رکھ دیا کرتا تھا اور صبح جاکر دفتر والوں کو دے دیا کرتا تھا۔ ملازم پرانا اور معتمد تھا اس لیے کبھی اُس سے بے اعتمادی کا خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا اُس کی نیّت جو بگڑی، اُس نے مالکوں سے گھر جانے کی چھٹی مانگی۔ اُنھوں نے کہا کام کون کرے گا؟ تو اُس نے کہا میں اپنی جگہ ایک آدمی دے جاؤں گا۔ ایک رات چابیاں اُس نے اپنے پاس ہی رکھیں اور تجوری میں سے ساری رقم نکال کر سوٹ کیس میں بھرلی۔ اُس نے اپنے گھر جانے کے لیے ٹیکسی لی ہی تھی کہ کسی پولیس مین کو شک گزرا تو اُس نے پکڑ لیا۔ بعد میں اپنے ہیڈ کوارٹر لے گیا۔ انھوں نے نوکر سمیت یہ ساری رقم اپنے کسی معتمد افسر کے ہاتھ لاہور بھجوائی۔ اُس افسر نے جاکر "فیروز سنز" والوں سے پوچھا "آپ کی کوئی رقم چوری ہوئی ہے"؟ تو انھوں نے انکار کر دیا۔ پولیس افسر نے پھر کہا کہ "آپ تحقیق تو کریں"؟ تو انھوں نے کہا "نہیں، ہماری کوئی چوری نہیں ہوئی" جب نوکر لاکر سامنے پیش کیا تو انھوں نے کہا "نوکر تو ہمارا ہی ہے"۔ اور جب انھوں نے سیف کھول کر دیکھا تو واقعی رقم اُس میں تھی ہی نہیں اور اِدھر در کھلنے سے پہلے اُدھر وہ گرفتار ہو گیا۔ جو لوگ اللہ اور رسولؐ کے حکم کے مطابق زندگی گزارتے ہیں اور زکوٰۃ صدقات ہمیشہ دیتے رہتے ہیں انھیں کسی قسم کا ڈر یا نقصان نہیں ہوتا۔ (حوالہ: خدام الدین مطبوعہ ۱۴ اگست ۱۹۶۷ء)

حضرتؒ کی دعا سے ایک آدمی کا گمشدہ بیٹا مل جانے کا واقعہ

ایک آدمی کہیں دور دراز سے حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس نے ملنے کی خواہش ظاہر کی اور ہم نے ملا دیا۔ اُس نے عرض کی کہ "میرا بیٹا دو ڈھائی برس سے نہیں مل رہا، خدا معلوم زندہ ہے یا مر گیا۔ آپؒ مجھے یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ زندہ ہے کہ نہیں؟ حضرتؒ نے تھوڑی دیر توقف فرمانے کے بعد فرمایا کہ "زندہ ہے"۔ اُس نے پوچھا کہ "حضرتؒ! میں اُسے کس طرف تلاش کرنے کے لیے جاؤں؟ آیا پشاور کی طرف یا کراچی کی طرف یا کوئٹہ کی طرف"؟ حضرتؒ نے تھوڑی دیر مراقبے کے بعد ارشاد فرمایا "کراچی کی طرف" چنانچہ وہ بے چارا چلا گیا اور پانچ روز کے بعد اپنے بیٹے کو لے کر صبح درس کے بعد حاضر ہوا اور اُس نے بتایا کہ "میں جب کراچی جا رہا تھا تو حیدر آباد سٹیشن پر نیچے اُترا وہاں اتفاقاً مجھے ایک دکان پہ مل گیا اور میں وہیں سے اسے واپس لے آیا ہوں۔ اب آپؒ دعا فرمائیں اور اس کو بھی تلقین

فرمائیں کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرے۔" (حوالہ : خدام الدین مطبوعہ ۱۴ اگست ۱۹۶۴ء)

حضرت لاہوریؒ کا مدینہ منورہ میں ایک شخص کے قدموں کے نشان پر توجہ دینے کا عجیب واقعہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ والوں کے جوتوں کی خاک میں وہ موتی ملتے ہیں جو دنیا کے بادشاہوں کے تاجوں میں نہیں مل سکتے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ کے نام کی برکت اور توجہ دینے سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ اس چیز میں نور ہے یا ظلمت، یہ حلال ہے یا حرام؟ اور یہ بھی کہ فلاں شخص کے دل میں ایمان ہے؟ کس درجے کا؟ اور اگر کفر ہے تو کس درجے کا؟ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے نام کی بڑی برکات ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ بھی اللہ نے نعمت عطا فرمائی ہے کہ اگر کسی کافر کی شکل وصورت، لباس، وضع قطع مسلمان کی بنا دی جائے تو میں بتلا سکتا ہوں کہ ھٰذا کافِرٌ حقًّا۔ یہ بے ایمان ہے۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے ہمیں کسی کی وضع قطع اور ظاہری لباس دھوکے میں مبتلا نہیں کر سکتا۔ ہم حقیقت کا اندازہ اللہ کے نام کی مدد سے کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر فرماتے تھے کہ اگر کسی کافر کو داڑھی رکھا کر، مونچھیں کٹا کر، کُلاہ اور دستار پہنا کر صرف فوٹو میرے سامنے رکھ دیا جائے تو میں انشاء اللہ بتا دوں گا کہ ھٰذا کافِرٌ حقًّا۔ اسی طرح اگر کسی مومن مسلمان کی وضع قطع شکل وشباہت کافر کی بنا دی جائے مثلاً داڑھی منڈا دیں، چٹیا یا اُس کے سر پر سکھوں والے کیس اور بال یا ہیٹ، کوٹ، ٹائی وغیرہ لگا کر صرف تصویر مجھے دکھلا دی جائے تو میں خدا کے فضل وکرم اور اُس کے نام کی برکت سے ایک سیکنڈ سے پہلے بتلا دوں گا کہ ھٰذا مُؤمِنٌ حقًّا۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ کسی چیز کی حلت و حُرمت اور نور وظلمت معلوم ہونے کا تعلق علمِ غیب سے نہیں۔ یہ تو محض خدا کا فضل وکرم ہے، چالیس سال شیخ کی صحبت میں بیٹھنے، محنت، ریاضت، مجاہدہ وغیرہ کوششوں کے بعد اگر اللہ تعالیٰ اپنے نام کی برکت سے کوئی نعمت عطا فرما دیں تو یہ علمِ غیب نہیں ہو جائے گا۔ علمِ غیب کی تعریف یہ ہے کہ بلا حیلہ، بلا وسیلہ، بلا ذریعہ جو چیز حاصل ہو اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے اور ہمیں اللہ تعالیٰ جو کچھ خبر دیتے ہیں وہ وسائل، ذرائع، محنت، ریاضت سے یہ چیز حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ مدینہ منورہ میں جہاں عارضی طور پر قیام تھا وہاں سے مسجد نبویؐ جا رہے تھے۔ راستے میں کچھ آدمیوں کے پاؤں کے آثار نظر آئے۔ اُن سے

ذرا پیچھے ایک اور شخص کے پاؤں کے نشانات دِکھائی دیے۔ حضرتؒ نے اُس اثرِ قدم پر توجّہ دینے کے بعد فرمایا کہ "اِس شخص کے قلب میں ایمان نہیں"۔ مجھے ذرا شک اور تردّد ہُوا۔ یہاں تو سب حاجی آتے ہیں جن کے گناہ حج کرنے کے ساتھ ہی معاف ہو جاتے ہیں۔ اِس لیے دل کو تشویش ہُوئی تو حضرتؒ کو مسجد میں چھوڑ کر مَیں نے اُن آثارِ قدوم کا پیچھا کیا تو وہ لوگ جنت البقیع کی جانب جا رہے تھے۔ مَیں اُن کے پیچھے پیچھے خود بھی جنت البقیع میں پہنچا۔ وہاں جا کے کیا دیکھتا ہُوں، کہ چار پانچ ایرانی ایک طرف کھڑے کچھ پڑھ رہے تھے اور ایک ایرانی اُن سے علیحدہ کھڑا ہے۔ وُہ قدم جو پیچھے دِکھائی دے رہا تھا وہ اِسی کا تھا جس کے متعلّق حضرتؒ نے فرمایا تھا کہ اِس کے قلب میں ایمان نہیں ہے۔ مَیں نے دیکھا کہ وہ شخص فارسی میں نیم بلند آواز میں حضرتِ فاطمہؓ، حضرتِ علیؓ کو دُعائیں دے رہا ہے اور ساتھ ہی حضرتِ حسنؓ اور حضرتِ حسینؓ کے حق میں بھی اسی طرح والہانہ محبّت کا اظہار اور اُن کی شان میں بھی بڑے اچھّے کلمات کہہ رہا ہے۔ مگر ساتھ ساتھ حضرتِ ابوبکرؓ، حضرتِ عُمرؓ اور حضرتِ عثمانؓ کو غاصب کہے رہا ہے اور نہایت نازیبا جُملے اور گستاخانہ کلمے کہہ رہا ہے۔ (حوالہ: خدام الدین مطبوعہ ۱۴ اگست ۱۹۶۴ء)

اللہ والوں کی وائرلیس میں ایک منٹ بھی خرچ نہیں ہوتا اور فوراً جواب آ جاتا ہے

ایک دفعہ حج میں گرمی کی وجہ سے میدانِ عرفات میں کثرت سے اموات واقع ہوئیں۔ والدہ مرحومہؒ نے جب یہ اخباری خبر سُنی تو اُنھیں مولانا حبیبُ اللہ صاحبؒ کی سخت فکر لاحق ہُوئی۔ اتنی زیادہ کہ کھانے پینے اور آرام وغیرہ کو ترک کر دیا۔ لیکن حضرتؒ پورے طور پر مطمئن تھے۔ ہماری والدہؒ نے ایک روز عشاء کی نماز کے بعد جو آئے تو اُن سے کہا کہ "مجھے اتنی پریشانی ہے اور آپؒ آرام کرتے کھاتے پیتے اور بڑے مطمئن نظر آتے ہیں"؟ حضرتؒ نے فرمایا "ہمیں اللہ نے اطمینان بخشا ہے، کیوں نہ آرام کریں اور کھائیں پئیں"؟ والدہؒ نے کہا کہ "مجھے بھی مطمئن کرو اور میرے رنج و غم کو کم کرو"۔ حضرتؒ نے فرمایا "کس طرح تمھیں اطمینان ہو سکتا ہے"؟ انھوں نے کہا کہ "جوابی تار بھی دیا ہے، اُس کا ابھی تک کوئی جواب نہیں اور مجھے تو فکر ہونا ہی چاہیئے۔ کم از کم مجھے یہ تو پتہ چلے کہ وہ زندہ ہے یا نہیں"؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ "الحمدللہ زندہ ہے"۔ انھوں نے پُوچھا، کہ "اِس وقت کیا کر رہا ہے"؟ حضرتؒ نے توجّہ دے کر فرمایا کہ "اِس وقت آرام کر رہا ہے"۔ اور

اسی طرح دُوسرے دن عشار کی نماز کے بعد والدہؒ نے پُوچھا کہ "کیا کر رہا ہے"؟ حضرتؒ نے پھر توجہ دے کر ارشاد فرمایا کہ "اس وقت فلاں کام میں مصروف ہے" علیٰ ہٰذا القیاس اکثر و بیشتر پوچھتی رہتیں۔ حضرتؒ اُنھیں فرماتے رہتے۔ ڈھائی تین ماہ بعد جب عمرے پر جانے کا اتّفاق ہُوا، تو مَیں نے دِن اور تاریخیں نوٹ کی ہُوئی تھیں اور اُن سے یہ تبلائے بغیر اُن دِنوں کے اُس وقت کے مشاغل وغیرہ معلوم کیے تو وہ سب باتیں اُسی طرح ٹھیک نکلیں جس طرح حضرتؒ نے فرمائی تھیں۔ بعد میں ہم نے اُن کو بتایا کہ یہ صُورتِ حال پیش آئی اور اِس میں حضرتؒ نے فلاں فلاں دن یہ یہ باتیں بتلائی تھیں جن کی آپ کی زبان سے تصدیق ہو گئی ہے۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ "ہماری جو رُوحانی وائرلیس ہے وہ تمھاری اِس وائرلیس سے بہت زیادہ تیز ہے۔ اِس میں تو کچھ وقت صَرف ہوتا ہے مگر ہماری وائرلیس میں ایک منٹ بھی خرچ نہیں ہوتا اور فوراً جواب آجاتا ہے۔" (حوالہ: خدام الدّین مطبوعہ ۱۴ راگست ۱۹۶۴ء)

حضرت میاں اصغر حسین صاحبؒ کے دم سے ایک ہندو بنگالی عورت سے جادُو کا اثر زائل ہو گیا

ہمارے بزرگانِ دین، ماہرینِ تصوّف اہل اللہ اور حضرات صُوفیائے کرام نے خلقِ خدا کی خدمت دلجوئی، محبّت، مروّت اور اخلاقِ فاضلہ کے ہتھیاروں سے ہندوستان اور دیگر ممالک میں اسلام کو پھیلایا۔ اُن لوگوں کے پاس کوئی سپاہ، فوج، اسلحہ وغیرہ کچھ نہ تھا۔ نہ وہ اس کے قائل تھے بلکہ دِل بُرا بدل رہبیت، وہ تو دِل سے دِل کو اور محبّت سے محبّت کو جیتنا جانتے تھے۔ پچھلے دَور کے بزرگوں کے حالات و واقعات کی اگر تحقیق کی جائے تو یہ حقائق کُھل کے سامنے آجاتے ہیں۔ اس گئے گُزرے زمانہ میں بھی حقیقت پسند صُوفیائے کرام اور سالکین راہِ طریقت نے اپنے بزرگوں کی روشن کی ہُوئی مشعل کو بُجھنے نہ دیا۔ چنانچہ بعض بزرگوں کے حالات تو سُنے اور آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ اُن میں سے مُشتے نمونہ از خروارے کے طور پر میاں اصغر حسین صاحبؒ کا ایک واقعہ انسانیت و انسان دوستی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو "میاں صاحب" کے نام سے دیوبند اور دُور دراز مقامات پر شہرت رکھتے تھے۔ آپؒ کے خاندان میں ہمیشہ ایک نہ ایک مادر زاد ولی اللہ ہوتا ہے۔ چنانچہ جہاں وہ خدمتِ علم اور علمار کے فرائض انجام دے رہے تھے وہاں وہ عوام کی بے پایاں خدمات کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے۔

حضرت میاں صاحبؒ تعویذات اور رُوحانی علاج کے سلسلے میں بہت مشہور تھے چنانچہ ایک دفعہ برادرِ معظم حضرت مولانا حبیبُ اللہ صاحبؒ حضرت والدِ مرحومؒ کو یہ واقعہ سُنا رہے تھے میں بھی پاس بیٹھا سُن رہا تھا۔ ایک دفعہ ایک ہندو بنگالی عورت، جس پر جادُو کیا ہُوا تھا، دیوبند لائی گئی۔ وہ بچاری بولنے چالنے، چلنے پھرنے سے معذور تھی، مگر ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ نبضیں ابھی نہیں چھُوٹیں اور دِل کی حرکت باقی ہے۔ میاں صاحبؒ نے تربُوز لانے کو کہا۔ موسم نہ ہونے کی وجہ سے وہاں نہ مِل سکا۔ کسی دُور دراز مقام سے بہرحال منگایا گیا۔ میاں صاحبؒ نے کوئی کلامِ الٰہی پڑھ کے اپنے ہاتھ پر پھُونک کر سر سے پاؤں تک جس کپڑے میں اُسے لِٹایا ہُوا تھا اُس پر پھیر دیا۔ اور متعدد بار ایسے ہی کیا۔ اِدھر ہاتھ عورت کے کپڑے پر پھیرتے اور پھر وہی ہاتھ تربُوز پر پھیرتے۔ چنانچہ تربُوز سیاہ ہوتا گیا اور عورت سفید ہوتی گئی۔ آخر میاں صاحبؒ نے فرمایا اس تربُوز کو جلدی لے جاکر قبرستان میں دفنا دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور جو عورت مُردہ حالت میں آئی تھی صحت و تندرستی کے ساتھ بعافیت واپس ہوئی۔ (حوالہ: خدام الدین مطبوعہ ۲۱ اگست ۱۹۶۴ء)

حضرت مدنیؒ کی اہلیہ — حضرتِ اقدسؒ کی مُحسنہ مشفقہ

حضرت والد بزرگوارؒ فرمایا کرتے تھے "تمھاری والدہؒ دین کے معاملے میں اور تم بھائیوں کی تعلیم و تربیت کے معاملے میں مجھ سے بھی زیادہ سخت ہیں"۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمھاری والدہؒ انگریزی تعلیم دلانے کے لیے مجھے مجبُور کرتیں تو مجھے پریشانی ہوتی۔ مگر وہ تو اِس میں مجھ سے بھی زیادہ سخت واقع ہُوئیں۔ چنانچہ میرے بڑے بھائی مولانا حبیبُ اللہ صاحبؒ جب دیوبند میں تعلیم حاصل کر رہے تھے تو میری عمر نو برس کی تھی۔ والدہ صاحبہؒ نے مجھے بھی اُن کے ساتھ بھیج دیا۔ کم عمر ہونے کی وجہ سے چونکہ مدرسے میں بڑی عمر کے طلبہ ہی کا انتظام تھا یا پھر چھوٹی عمر کے شہر کے مقامی بچّے وہاں پڑھا کرتے تھے جو تعلیم کے بعد دوپہر کو، اور شام کو اپنے گھر چلے جاتے تھے۔ چنانچہ اِسی وجہ سے مجھے حضرت مدنیؒ زیادہ اپنے گھر ہی رکھتے۔ حضرت مدنیؒ کے صاحبزادے بھائی اسعد میاں صاحب میرے شریکِ درس تھے اور گھر میں اُنکی والدہ مرحُومہؒ جو سلوک اسعد میاں کے ساتھ کھانے پینے اور دوسرے معاملات میں کرتیں وہی میرے ساتھ روا رکھتیں۔ جو اُنھیں کھِلاتیں وہی مجھے کھلاتیں۔ جب انھیں کوئی پیسے ویسے دیتیں، تو مجھے بھی برابر دیتیں۔ جس طرح اُن کے کپڑے دھوتیں وہی معاملہ میرے ساتھ کرتیں بلکہ بھوپال کا

ایک یتیم لڑکا ارشد ہمارے ساتھ پڑھتا تھا اُس کے ساتھ بھی یہی سلوک کرتیں، حالانکہ اس سے کوئی اور واسطہ تعلق وغیرہ نہ تھا سوائے اِس کے کہ وہ ہمارا شریک درس تھا اور دیو بند میں پڑھنے کی غرض سے آیا ہُوا تھا۔ اُس کے بھی بڑے بھائی عطرت حسین دیو بند میں پڑھتے تھے مگر حضرت مدنیؒ کی اہلیہ ہم تینوں کے ساتھ یکساں سلوک کرتیں۔ مَیں اُن کے برتاوے کو دیکھ کر یہ سمجھتا تھا کہ دُنیا کی ہر عورت بچّوں پر یُوں ہی مہربان ہُوا کرتی ہے۔ یہ تو بعد میں جا کے پتہ چلا کہ اگر کسی کی بیوی وفات پا جائے اور اُس سے کوئی اولاد وغیرہ بھی ہو تو دُوسری بیوی اپنے خاوند کی پہلی اولاد سے کتنا بُرا سلوک کرتی ہے! مجھے بہت چھوٹی عمر میں جب دیو بند بھیجا تو حضرت مدنیؒ کی اہلیہ اور دُوسری بعض عورتیں کہا کرتیں " اس کی ماں کا کتنا بڑا جگر ہو گا جس نے اس عمر میں دیو بند تعلیم کے لیے بھیج دیا"! اِسی لیے وہ ہم بچّوں پر نہایت مہربانی فرماتیں اور اپنے حقیقی بیٹے کے ساتھ جو برتاؤ کرتیں وہی ہمارے ساتھ بھی روا رکھتیں، مگر بُرا ہو دُنیا کا کہ اُس نے کسی کو نہ بخشا۔ حضرت مدنیؒ پر کسی نے جادُو کرنا چاہا۔ اُن پر تو اثر نہ ہُوا مگر کسی ظالم نے اُن کی اہلیہ پر جادُو کر دیا۔ چنانچہ میں نے یُوں سُنا تھا کہ کسی نے آسام یا سلہٹ سے اُن پر جادو کر دیا اور ایک کوّا وہاں سے اُڑا اور اُنکے مکان پر دیو بند آ بیٹھا۔ اُن کے گھر کی خادمہ نے اُسے بہت اُڑایا مگر وہ ایک طرف سے اُڑ کر دُوسری طرف جا بیٹھتا۔ غرض وہ شور مچاتے کائیں کائیں کرتے مکان میں آ گرا۔ اِدھر اُن پر اثر ہو گیا جب کوّا مر گیا تو اُسے اُٹھا کر دیکھا تو اُس کے پَروں میں عمل کر کے سُوئیوں کے ساتھ پَروں کے اندر کی طرف ناپاک خُون سے جادُو لکھ کر بنگلہ زبان میں تعویذ کی طرح کا عمل کر کے اُس کے پَروں پر چھبویا گیا تھا۔ غرض اِسی تکلیف کی بنا پر بالآخر اُن کا اِنتقال ہو گیا۔

(حوالہ: خدام الدین مطبوعہ ۲۱ اگست ۱۹۶۴ء)

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت

شیخ العرب والعجم حضرت مدنیؒ نے ایک ماڈرن تہذیب یافتہ آدمی کو کیسے متاثر کیا؟

حضرت والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ دورانِ تقریر فرمایا کہ حضرت مدنیؒ جیسی جامع کمالات شخصیتیں روز روز نہیں پیدا ہو سکتیں۔ اُن کے علم و فضل، خلوص و للّٰہیت، تقوٰے اور طہارت غرض کسی معاملے میں شاید ہی کوئی اُن کی مثال پیش کی جا سکے۔ اس پر انسانی ہمدردی

اور خدمتِ خلق کا بے پناہ جذبہ ایک چھوٹے سے واقعہ سے بخوبی ظاہر ہو سکتا ہے۔ پیر عارف شاہ صاحب جھنگ کے گدی نشین بزرگ ہیں۔ حضرتؒ کی خدمت میں بیعت کے لیے تشریف لائے، حضرتؒ نے اُن کو حضرت مدنیؒ کی طرف بھیج دیا اور پیر صاحب بیعت کے لیے دیوبند حاضر ہوئے حضرت مدنیؒ اتفاق سے کہیں سفر پر تشریف لے جا رہے تھے اور پیر صاحب بھی ساتھ ہو لیے پیر صاحب کا بیان ہے کہ ایک دن گاڑی میں حضرت مدنیؒ ایک تھرڈ کلاس کمپارٹمنٹ میں آرام فرما رہے تھے کہ ایک بوڑھی دیہاتی عورت بیت الخلاء میں گئی اور اُس کے واپس آنے پر ایک سُوٹڈ بُوٹڈ "صاحب" اندر تشریف لے گئے اور اُلٹے پاؤں واپس آگئے اور بُرا بھلا کہنے لگے کہ لوگ کیسے بدتمیز ہیں جنھیں پیشاب پاخانے کی بھی تمیز نہیں۔ گھر سے سفر کو چل دیتے ہیں، کوئی عقل وقل ہے نہیں۔ اتنے میں حضرت مدنیؒ بیدار ہو گئے اور انھوں نے بابو صاحب کے کچھ الفاظ سُن لیے۔ کچھ دیر کے بعد حضرتؒ اُٹھے اور اپنا بھرا ہُوا لوٹا جو پاس رکھا ہُوا تھا، اُٹھایا۔ قریب ہی سگریٹ کی خالی ڈبیہ پڑی ہُوئی تھی اُسے اُٹھا کے ساتھ لیتے گئے اور کچھ دیر کے بعد لیٹرین سے باہر تشریف لائے۔ لوٹا خالی تھا اور بابُو صاحب کے پاس جا کے ہلکی سی آواز میں اُن سے کہنے لگے، "آپ اندر تشریف لے جائیے، آپ کو ایسے ہی خیال گزرا ہے، اندر جا کر دیکھئے تو سہی" پھر انھیں بہ اصرار بھیج دیا۔ وہ کچھ دیر کے بعد فارغ ہو کر اپنی جگہ پر شرمندہ سے ہو کر بیٹھ گئے۔ ہمارے حضرتؒ نے فرمایا، آپ اندازہ لگائیے کہ اِس درجے کا معمولی آدمی بھی جو خدمتِ خلق اور انسانی ہمدردی کے بڑے دعاوی رکھتا ہو اِس حد تک اپنی ہستی فنا کر سکتا ہے؟ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے ؎

صدقے میں تیرے ساقی مشکل آسان کر دے
ہستی مری مٹا دے خاکِ بے جان کر دے

کہنے کو سبھی کہتے ہیں ؎

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

مگر زبانی جمع خرچ تو سب کر لیتے ہیں، کوئی اِس کردار اور سیرت کا جواب پیش کر سکتا ہے؟ فرمایا کرتے تھے یہ تو اُن کی زندگی کا ایک بہت ہی معمولی واقعہ ہے۔ اِس سے بھی عجیب و غریب واقعات اُن کی سیرت میں بے شمار مل جائیں گے۔ (حوالہ: خدام الدین مطبوعہ ۲۱ اگست ۱۹۶۴ء)

باوجود حقّے سے نفرت کے حضرت مدنیؒ نے مولانا ظفر علی خاں مرحوم کی حقّے سے تواضع کی۔

حضرت والد بزرگوارؒ نے فرمایا کہ حضرت مدنیؒ سے بڑھ کر تمباکو نوشی، سگریٹ، سگار، حقّہ، پائپ اور چرٹ کا کون دشمن ہو سکتا ہے؟ مگر ذرا مہمان نوازی کے اس واقعہ پر غور کیجیے کہ ایک دفعہ مولانا ظفر علی خاں مرحوم حضرت مدنیؒ سے ملنے کے لیے دیوبند تشریف لے گئے، رات وہیں قیام کیا حضرت مدنیؒ کو پتہ تھا کہ مولانا ظفر علی خاں کس درجہ حقّہ کے رسیا تھے۔ چنانچہ سحری کے وقت اپنے ایک محلے دار حکیم صفت احمد صاحب کے یہاں سے حقّہ مانگ کر لائے اور شاید رات کو ہی تمباکو منگا رکھا تھا سحر کے وقت اپنے پڑوس میں مولانا عزیر گل صاحب کے ہاں گئے۔ وہ سحری کے وقت نمازِ فجر سے قبل چائے پیا کرتے تھے۔ حضرت مدنیؒ نے جا کر اُن کے دروازے پر دستک دی۔ مولانا عزیر گل صاحب نے پوچھا "ابے اتّی سویرے کون ہے یہاں؟ اور کسے پوچھتا ہے؟" حضرتؒ نے فرمایا "حسین احمد"۔ مولانا عزیر گل صاحب نے جلدی سے دروازہ کھولا اور معافی مانگی کہ "حضرت! آپ نے کیوں آنے کی زحمت گوارا فرمائی؟ اور اتنی سویرے؟" حضرتؒ نے فرمایا "کچھ نہیں، ذرا سی آگ چاہیے۔ آپ چونکہ سحری کے وقت چائے پیتے ہیں اس لیے ذرا آگ کی چنگاری لینے حاضر ہو گیا"۔ چنانچہ اُنھیں مقصد بتلائے بغیر آگ لے آئے۔ انھوں نے بہتیرا کہا کہ "حضرت! چائے پی لیجئے، اور آگ ہم بھیج دیتے ہیں، آپ نے کسی کے ہاتھ منگوائی ہوتی یا میں ہی کسی کے ہاتھ بھیج دیتا۔ آپ نے کیوں تکلیف فرمائی؟ آپ چائے پی لیجئے! حضرتؒ نے چائے بھی نہ پی اور کچھ بتلائے بغیر معذرت کر کے تشریف لے آئے۔ اور حقّہ تازہ کر کے مولانا ظفر علی خاں صاحب کے پاس رکھا۔ وہ گڑگڑانے لگ گئے اور متعجب ہوئے کہ حضرت مدنیؒ کے ہاں خلافِ توقع یہ حقّہ پتہ نہیں کس نے لا رکھا تھا؟ اُن کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ حضرت مدنیؒ کا جذبہ مہمان نوازی اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ خلافِ طبیعت باتوں کو بھی مہمان نوازی میں کر گزرتے ہیں۔

(حوالہ: خدام الدین مطبوعہ ۲۱ راگست ۱۹۶۴ء)

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ حضرت مدنیؒ کے ہاں مہمان ٹھہرے تو عجیب واقعہ پیش آیا

ایک دفعہ حضرت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے حضرت والد بزرگوارؒ کو سُنایا کہ میرا اور حضرت

مدنیؒ کا کہیں اتّفاقاً ساتھ ہو گیا۔ مَیں تقریر کر کے رات کو دیر سے سویا۔ صبح کے قریب مجھے نہایت نرم نرم ہاتھوں سے کسی نے دبانا شروع کیا اور مَیں نیند میں اور محو ہو گیا۔ دبانے والے نے اور بھی گرم جوشی اور نرم اور گداز ہاتھوں سے دبانا شروع کیا۔ اِس دوران مجھے خیال ہُوا ذرا دیکھیں تو سہی یہ کون مجھ پر اس قدر مہربان ہے؟ جو مَیں نے نگاہ اُٹھا کے دیکھا تو میری حیرت کی حد نہ رہی اور مَیں دم بخود رہ گیا کہ مجھے حضرت مدنیؒ دبا رہے ہیں! مَیں نے کہا "حضرت! یہ کیا غضب فرما رہے ہیں؟ مَیں تو پہلے ہی جہنّم میں ہُوں اور آپ ہیں کہ مجھے اور جہنّم میں دھکّے دے رہے ہیں؟ بھلا آپ نے مجھے کیوں نہ سیدھا اُٹھا دیا؟" بڑے نرم اور محبّت آمیز لہجے میں فرمانے لگے "کوئی بات نہیں، کوئی حرج نہیں، مَیں نے خیال کیا کہ آپ رات بھر تقریر فرمانے کے بعد تھک کر ذرا سستانے کے لیے پڑ گئے ہیں۔ مَیں مُٹھی بھر دُوں تاکہ آپ کی تکان دُور ہو جائے اور نماز سہولت سے باجماعت ادا فرما سکیں، اور کوئی بات نہیں۔"

(حوالہ: خدام الدین مطبوعہ ۲۱ر اگست ۱۹۶۴ء)

خوشبوئے گل

کے عنوان سے حضرت امام لاہوریؒ کے ارشادات اکثر انہی
کے الفاظ میں حضرت امام الہدیٰؒ نے نقل فرمائے. ذیل کے
انتخاب میں انھیں خصوصیت کی وجہ سے مستقل عنوان کے تحت
پیش کیا جا رہا ہے

فقیر محمدؐ اکمل عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتخاب از خطباتِ جمعہ و تقاریرِ مجالسِ ذکر

بہترین مجلس

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے یہ مجلس ہزاروں مجلسوں سے بہتر ہے کیونکہ ہم فقط اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے مسجد میں بیٹھ کر سکون اور طمانیتِ قلب کے ساتھ ذکرِ الٰہی کرتے ہیں۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہماری یہ تھوڑی سی محنت قبول فرمالے۔

(حوالہ : مجلسِ ذکر ۷ ، جون ۱۹۶۲ء)

کامیابی کا اصلی وقت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے "جمعہ پڑھ کر یہ نہ سمجھ لینا کہ کامیاب ہو گئے۔ کامیابی کا پتہ قبر میں جا کر ہو گا۔ وہاں معلوم ہو گا کہ آیا نماز قبول ہوئی یا نہیں ؟"

(حوالہ : مجلسِ ذکر ۱۶ اگست ۱۹۶۲ء)

شیطان بزرگانِ دین کی اولاد سے بدلہ لیتا ہے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے شیطان اولیائے کرام اور علمائے دین کا بدلہ اُن کی اولاد سے لیتا ہے۔ شیطان اُن کی اولاد در اولاد کو گمراہی کے راستے پر ڈال کر خوش ہوتا ہے۔ آج جن بزرگانِ دین کے مزارات پر غیر اسلامی رسومات وغیرہ ہوتی ہیں کیا یہ اُن کی تعلیمات کا نتیجہ ہیں ؟ آج خلافِ شرع اشعار، طبلے، سارنگیاں، اور تالیاں بجتی ہیں اور اس کو دین قرار دیا جاتا ہے، اور جو کوئی اس کی مخالفت کرے اس کو وہابی اور کافر کہا جاتا ہے۔ اے مسلمانانِ لاہور! بزرگانِ دین کے مزارات پر خلافِ اسلام حرکات کے مرتکب ہونے والو! اور اُن کی قبروں پر سجدے کرنے والو! کیا صحابۂ کرامؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضۂ اقدس پر سجدے کیا کرتے تھے ؟ کیا حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ طبلے سارنگیاں اور تالیاں بجایا کرتے تھے ؟ کچھ تو خوفِ خدا کرو آخر تمہیں بھی خدا کے ہاں جانا ہے وہاں جا کر ان سب چیزوں کا جواب دینا ہو گا۔

(حوالہ : مجلسِ ذکر ۱۸ اکتوبر ۱۹۶۲ء)

اللہ کے فضل کے بغیر تو ایمان بھی باقی نہیں رہتا

حضرت رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرمایا کرتے تھے کہ ذکر و شغل اور نیکی کی توفیق تو ایک طرف رہی اللہ کے فضل کے بغیر تو ایمان بھی باقی نہیں رہتا۔ اللہ جلّ شانہٗ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو باطن کی بینائی بدرجہ اتم عطا فرما رکھی تھی، آدمی کے قلب پر صرف ایک نظر ڈال کر فرما دیتے کہ صاحبِ ایمان ہے یا ایمان سے خالی ہے۔ یہ اللہ کی دین ہے جسے چاہے اپنے خصوصی انعامات سے نوازے۔ بہر حال حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میرا ستّر پچھتّر سالہ تجربہ ہے کہ ایمان بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہے۔ میں نے بڑے بڑے علماء، جن کا نام سُن کر لوگوں کے سر عقیدت سے جُھک جاتے ہیں، اُن کا ایمان چھنتے دیکھا ہے۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۷، دسمبر ۱۹۶۲ء)

نازک مزاج محبوب

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نازک مزاج محبوب ہے کہ اُس کی طرف سے نظر ہٹتی نہیں اور دِلوں کے دِیے بجھتے نہیں۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۷، دسمبر ۱۹۶۲ء)

جنّت کا تمغہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجلسِ ذکر میں شامل ہونے والے اشخاص کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور وہ جنّت کا تمغہ لے کر واپس لوٹتے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات بے بُنیاد نہ تھی۔ کتابُ اللہ، فرمانِ نبویؐ اور اپنی بصیرت کی روشنی میں وہ یہ بات کہا کرتے تھے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۳، جنوری ۱۹۶۳ء)

اللہ ھُو کا وِرد

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "بیٹا! چلتے وقت دائیں پاؤں پر اَللہ اور بائیں پاؤں پر ھُو پڑھا کرو۔ جب سانس اندر لو تو اَللہ کہو اور جب باہر کرو تو ھُو پڑھو۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۴، اپریل ۱۹۶۳ء)

صحبتِ نیک اور صحبتِ بد کی عجیب مثال

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم عطر والے کی دوکان پر بیٹھو گے تو عطر کی خوشبو آئے گی۔ اگر تم کوئلے والے کی دوکان پر بیٹھو گے

تو کپڑے کالے ہوں گے۔ بالکل اسی طرح نیک اور بد صحبت کا اثر ہوتا ہے۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۵ اپریل ۱۹۶۳ء)

بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر آم لینے جائیں تو ٹوکرے میں نیچے چھوٹے اور ادنیٰ قسم کے آم اور اُوپر بڑے اور اعلیٰ قسم کے آم ہوتے ہیں لیکن سب لینے پڑتے ہیں۔ اسی طرح بُرے بھی نیکوں کے ساتھ بخش دیئے جائیں گے۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۳ مئی ۱۹۶۳ء)

اللہ تعالیٰ کے تین احسانات

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انسان کو یہ خیال پیدا ہو جائے کہ میری اصلاح ہو۔ دُوسرا احسان یہ ہے کہ اُس کو ہادی، رہبر، رہنما مل جائے۔ تیسرا بڑا احسان یہ ہے کہ اُس کو ذکر اللہ کی توفیق ہو جائے اور صحیح زندگی گزارنی شروع کر دے۔ اِس کو سمجھانے کے لیے ایک مثال عرض کرتا ہوں کہ ایک بیری کے درخت کو بیر کے پھُول لگے اور جھڑ گئے۔ بعض کچّے بیر ہوا کے جھونکے سے گر پڑے اور بعض بیر بالکل پک گئے۔ اِسی طرح جن کے دِل میں اپنی اصلاح کا ارادہ پیدا ہُوا اور اس کی تکمیل نہ ہوئی یعنی کوئی ہادی نہ ملا، اُن کی مثال اُس بیر کے پھول کی طرح ہے جو جھڑ جاتا ہے۔ دوسرے وہ جن کو ہادی مِلا لیکن اُس سے کچھ حاصل نہ کیا، اُس کے حکم کے مطابق کام نہ کیا، تو اُن کی مثال کچّے بیروں کی طرح ہے جو گر جاتے ہیں۔ تیسرے وہ کامل لوگ ہیں جن کو ہادی مِلا اور انھوں نے اپنی اصلاح کر لی، ذکر اللہ کی زیادتی کی، سُنّتِ نبویؐ پر عمل کیا، شرک و بدعات کے قریب نہ پھٹکے۔ یہ پکّے اور پختہ بیروں کی مانند ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (مَیں نے جنّوں اور انسانوں کو فقط اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے) ہماری زندگی کا اصل مقصد اللہ کی یاد ہے۔ اگر ہم نے کسی ہادی سے تعلق جوڑا، اُس کی بیعت کی لیکن نہ کوئی ذکر کیا، نہ نماز پڑھی، تو ہمارا حال کچّے بیروں کی طرح ہو گا جن کا کوئی فائدہ نہیں۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۳۰ مئی ۱۹۶۳ء)

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ صحیح محبت کا ٹسٹ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ (اللہ اُن کی قبر کو نُور سے بھرے اور کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے) فرمایا کرتے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ

والسّلام سے صحیح محبّت کرنے کا پتہ اُس وقت چلتا ہے جب نفس اور اللہ کا مقابلہ ہو، شیطانی کام اور رحمانی کام میں تصادم ہو تو انسان اپنی طبیعت اور نفس کے تقاضے کو چھوڑ کر اللہ اور اُس کے رسُول کے حکم کو مقدّم رکھے تب تو محبّت کامل ہے ورنہ نہیں۔ لیکن اگر انسان صرف زبانی جمع خرچ کرتا رہے اور کام سب اپنی طبیعت اور نفس کی خواہش کے مطابق کرے، تو یہ مکّار اور دھوکہ دینے والی محبّت باعثِ عذاب ہو گی۔ (حوالہ : مجلس ذکر ۱۸ رجولائی ۱۹۶۳ء)

دُنیا کے کتّے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اکثر صحیح مسلمان شادی کے پہلے دِن ہی شیطان کے پھندے میں پھنس جاتے ہیں۔ من گھڑت رسُومات، بدعات، خلافِ سنّت کام کرتے ہیں اور جب اُن سے اس کے متعلق پوچھا جائے تو کہتے ہیں کہ " صاحب ! ہم تو دُنیا کے کتّے ہیں۔ کہاں ہم اور کہاں صحابہ کرامؓ ؟ ہم گنہگار اُن کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں "؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اے مسلمانو! یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے جنّت کتّوں کے لیے نہیں بنائی، انسانوں کے لیے بنائی ہے۔ اِس قسم کے لوگ منافق ہیں اور خطرہ ہے کہ یہی بد عملی انہیں جہنّم میں نہ لے جائے۔ (حوالہ : مجلس ذکر ۱۸ رجولائی ۱۹۶۳ء)

حق داروں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کا خلاصہ یہ ہے کہ حق داروں کا حق ادا کرو۔ تم پر اللہ تعالیٰ، رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم، نفس، جسم، بیوی بچّوں، بیوگان، محتاجوں، مسکینوں اور ہمسایوں کے حقوق ہیں، ان سب کو ادا کرنے سے نجات ملے گی۔ (حوالہ : مجلس ذکر ۱۸ رجولائی ۱۹۶۳ء)

جنّتی یا جہنّمی (کون ہے)

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جنّتی اور جہنّمی آخرت کو تیار نہیں کیے جائیں گے، اسی زندگی میں تیار ہوں گے اور ہر روز، ہر آن تیار ہو رہے ہیں۔ وہاں تو فقط چھانٹ ہو گی۔ اگر جنّتی یا جہنّمی کی شناخت کرنی ہو تو یہیں قرآن اور سنّت کے شیشہ میں اپنی یا دوسرے کی شکل دیکھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کون جنّتی ہے اور

کون جہنمی ؟ (حوالہ: خطبۂ جمعہ ۲۳ر اگست ۱۹۶۳ء)

احقر الانام

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے نام کے ساتھ "احقر الانام" لکھا کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں سب سے زیادہ حقیر، یہ ہے عاجزی و انکساری کہ غرور اور تکبّر کا نام و نشان نہیں۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۴ر نومبر ۱۹۶۳ء)

خوفِ خدا نکل جانے کا نتیجہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ ساری عداوتیں، چوری، ڈکیتی، قتل وغیرہ اس لیے ہیں کہ خوفِ خدا نکل گیا ہے۔ جب انسان کے دل سے خوفِ خدا نکل جائے تو یہ درندوں سے بھی بڑھ کر ظالم بن جاتا ہے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۱ر نومبر ۱۹۶۳ء)

حضرتؒ کی دُعا

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ دُعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ! مجھے کسی کا محتاج نہ بنانا۔ اِس دُنیا سے چلتا پھرتا اور قرآن کی خدمت کرتا ہُوا اُٹھانا۔
(حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۸ر نومبر ۱۹۶۳ء)

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا اصلی مدفن

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مَیں اولیاء اللہ کی توہین کر کے جہنّم میں کیوں جاؤں ؟ اُن کو اللہ تعالیٰ نے کشف کی دولت سے مالامال کیا تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ لاہور کے شاہی قلعہ میں حضرت علی ہجویریؒ مدفون ہیں اور اللہ کے فضل سے میری آنکھوں میں تمام نقشہ صاف طور پر ہے۔ انوار نظر آتے ہیں اور مَیں بفضلِ تعالیٰ جگہ کا بھی تعین کر سکتا ہوں کہ کہاں آپؒ کے پاؤں مبارک ہیں ؟ اور کہاں سر مُبارک ہے ؟ عوام کو نہ سہی خواص ہی کو بتا دوں مگر ڈرتا ہوں کہ لوگ ان کی قبر کو سجدہ گاہ بنا لیں گے اور اللہ تبارک و تعالیٰ مجھ سے پوچھیں گے کہ ہم نے اپنے ایک نیک بندے کو جاہل لوگوں سے مخفی رکھا اور ان کی قبر کو سجدہ گاہ بننے سے بچایا ہوا تھا، تم نے کیوں لوگوں کو بتا دیا ؟
(حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۶ر دسمبر ۱۹۶۳ء)

توکّل کا مفہوم

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مَیں نے اپنے بچّوں کو دین سکھایا

روزی رساں خُدا ہے، مجھے معلوم نہیں میرا رزق کہاں سے آئے گا؟ کتنا آئے گا؟ کب آئیگا؟ تھوڑا تھوڑا آئے گا؟ یا یکبارگی آئے گا؟ خدا کے فضل سے اُنؒ کو کافی رزق ملا اور بار بار زیارتِ حرمین الشریفین کی توفیق بھی میسّر آئی، کئی مساجد بنوائیں اور دیگر امورِ خیر پر اللہ کا دیا ہُوا مال صرف کرتے رہے۔ توکّل کا یہ مفہوم نہیں ؎ لگے دم مٹے غم کمائے گی دنیا کھائیں گے ہم توکّل بڑی اونچی چیز ہے۔ یہ اللہ والوں کو ہی نصیب ہوتا ہے۔ (حوالہ، مجلس ذکر ۲۶ ردسمبر ۱۹۶۳ء)

جتنے زیادہ مالدار اُتنے زیادہ دُکھی

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جتنے بڑے بڑے مالدار اور دولت مند ہیں اُتنے ہی زیادہ دُکھی اور بے چین ہیں۔ اگر تم اُنکے دوست بن جاؤ اور تمھاری بیوی اُن کی بیوی کی سہیلی بن جائے تو پھر اندر کے حالات پتہ کرنے پر دیکھو گے کہ چھلنی میں چھید کم ہوں گے مگر ان کے دلوں میں غموں کے چھید زیادہ ہوں گے —— پہلے تو مَیں حضرتؒ کی زبانی سُن کر یقین رکھا کرتا تھا لیکن اب مجھے دولت مندوں سے واسطہ پڑتا ہے اور عملی طور پر مجھے تجربہ ہو گیا ہے کہ جتنی دولت زیادہ ہے اُتنے ہی زیادہ دُکھ اور مصیبتیں ہیں۔

(حوالہ، مجلس ذکر ۱۶ راپریل ۱۹۶۴ء)

بچّوں کو دینی تعلیم دِلوانے کی تاکید

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ والدین کی نافرمانی کا سب سے بڑا سبب بے دینی اور دینی تعلیم سے ناواقفیّت ہے، وہ فرماتے تھے کہ مَیں موجُودہ تعلیم کا مخالف نہیں ہوں بلکہ اس طریقِ تعلیم کا مخالف ہُوں۔ چنانچہ اس تعلیم کے زہریلے اثرات سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں دونوں کو قرآن کی تعلیم دی جائے۔ اگر آپ نے اپنے بچّے اور بچّیوں کو دینی تعلیم نہ دِلوائی تو یاد رکھو تمھاری دُنیا بھی برباد ہو جائے گی اور آخرت میں بھی جُوتے پڑیں گے اور یہی اولاد تمھارے لیے زیادہ عذاب کا مطالبہ کریگی۔

(خطبہ جمعہ یکم مئی ۱۹۶۴ء)

بیوی بچّوں کو دین نہ سِکھانے کا ایک عبرت ناک واقعہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے ایک دوست تھے، وہ تاجر پیشہ تھے اور اُن کی تجارت لندن سے ہوتی تھی۔ وہ میرے درس میں باقاعدہ تشریف لاتے تھے جس کی وجہ سے بحمد اللہ تعالیٰ اُن کے خیالات

صاف ہو گئے۔ لیکن اُن کے بیوی بچّے درسِ قرآن میں نہیں آتے تھے جس کی وجہ سے اللہ کے دین کی آواز اُن کے کانوں تک نہ پہنچی اور وہ کتاب وسُنّت کی تعلیمات سے بے بہرہ رہے، آخری عمر میں وہ فالج میں مبتلا ہو گئے۔ مَیں اُن کی بیمار پُرسی کے لیے گیا تو انھوں نے مجھے بتلایا کہ میری بیوی کہتی ہے کہ تُو ہر وقت دین کی باتیں کرتا رہتا ہے، نماز روزے کے پیچھے پڑا رہتا ہے، حلال حرام کی گفتگو چھیڑے رکھتا ہے، تُو وہابی ہے، اِس لیے تجھ کو دُوسری منزل میں کھانا نہیں بھیجوں گی، نیچے آکر کھاؤ۔ یہی حال لڑکوں کا تھا۔ وہ بھی باپ کی پروا نہ کرتے اور اُسے ہر وقت ڈانٹتے ڈپٹتے رہتے۔ یہ واقعہ بیان فرما کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ ہر کام کی وقت سے پہلے تیاری کی جاتی ہے۔ اگر آپ نے ابتدا میں بیوی بچّوں کو دین نہ سِکھلایا تو جب دین اور بے دینی میں ٹکّر ہو گی تو وہ دین کی حمایت نہیں کریں گے بلکہ بے دینی کو پسند کریں گے اور تمھاری آخری زندگی کس مپرسی کی حالت میں گزرے گی۔ (حوالہ: خطبہ جمعہ یکم مئی ۱۹۶۴ء)

اسلام ہر عبادت میں اجتماعیّت کی دعوت دیتا ہے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے اسلام کی ہر عبادت اجتماعیّت کی طرف دعوت دیتی ہے۔ روزانہ نماز اکٹھے مل کر پڑھی جاتی ہے، روزے ساری دُنیا میں ایک مخصوص مہینہ میں رکھے جاتے ہیں، حج سب مل کر اکٹھے کرتے ہیں۔ اِسی طرح اگر ہم اکٹھے مل کر اللہ کا ذِکر کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت زیادہ نازل ہو گی اگر کِسی ایک کا ذکر قبول ہو گیا تو اُس کے صدقے دوسروں کا بھی قبول ہو جائے گا۔

(حوالہ: مجلس ذکر ۱۲ مئی ۱۹۶۴ء)

اِنسان نہیں بلکہ حیوانات سے بھی گئے گزرے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ اپنے پیدا کرنے والے رب کو نہیں پہچانتے، اس کی بارگاہ سے بے انتہا نعمتیں حاصل کرنے کے باوجود بندگی کا حق ادا کرنے سے انکار کرتے ہیں، بندگی کے فرائض اور آداب سمجھانے کے لیے حق تعالیٰ شانہٗ کے بھیجے ہُوئے پیغمبروں کی تصدیق نہیں کرتے، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت سے بیزار ہیں اور مالک الملک کے فرمانِ شاہی یعنی قرآنِ عزیز کے تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں، حقیقۃً انسان نہیں ہیں بلکہ حیوان ہیں۔ نہیں نہیں، بلکہ حیوانات سے بھی گئے گزرے

ہیں اور ان کو انسان کہنا انسانیّت کی توہین ہے۔ (حوالہ : خطبۂ جمعہ ۳ر جولائی ۱۹۶۴ء)

آخرت کی فکر ضروری ہے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آخرت کی فکر اور موت کا خیال بالکل ختم ہو گیا ہے، خوفِ خدا بالکل نہیں رہا، اِس کی وجہ یہ ہے کہ دُنیا محبوب، دُنیا مطلوب اور دُنیا مقصود ہے۔ (حوالہ : مجلسِ ذکر ۳۰ر جولائی ۱۹۶۴ء)

بے طمع کے دوست

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بے طمع کے دوست فقط اللہ والے ہیں باقی سب طمع اور غرض کے یار ہیں۔ (حوالہ : خطبۂ جمعہ ۳۱ر جولائی ۱۹۶۴ء)

ایمان اور اسلام

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ اور اللہ کے رسُولؐ کے سارے احکامات (قرآن وحدیث) کو دِل سے سچّا اور برحق ماننا ایمان ہے اور ان کو مان کر عملی جامہ پہنانا اسلام ہے۔ (حوالہ : مجلسِ ذکر ۱۳ر اگست ۱۹۶۴ء)

ریا نیکی کو پھاڑ کھاتی ہے

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بھیڑیا اگر بکری کو پھاڑ جائے تو وہ ہمارے کام کی نہیں رہتی۔ اسی طرح ریا نیکی کو پھاڑ کر کھا جاتی ہے اور وہ نیکی ہمارے کسی کام کی نہیں رہتی۔ (حوالہ : مجلسِ ذکر ۱۰ر ستمبر ۱۹۶۴ء)

عاجزی اور انکساری

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے دونوں مربّیوں[1] نے میرے اندر سے انانیت کا کانٹا نکال دیا ہے۔ مَیں اپنے آپ کو سب سے زیادہ گنہگار اور ذلیل سمجھتا ہُوں۔ یہ ہے عاجزی اور انکساری۔ (حوالہ : مجلسِ ذکر ۱۷ر ستمبر ۱۹۶۴ء)

نیک اور صالح اولاد کے لیے دُعا مانگا کرو

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے

---

[1] حضرت دین پوریؒ اور حضرت امروٹیؒ

کہ صرف اولاد کی دُعا رنہ مانگا کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے نیک اور صالح اولاد کی دُعا رمانگا کرو جب اللہ تعالیٰ اولاد دے تو اس کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دو، اُن کو آوارہ اور بُرے لڑکوں کی سوسائٹی سے محفوظ رکھو، اُن کی طرف سے بالکل بے پروا نہ ہو جاؤ۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۲ر نومبر ۱۹۶۴ء)

بندگانِ خدا نایاب نہیں کم یاب ضرور ہیں

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اِس قسم کے بندگانِ خدا نایاب نہیں مگر کمیاب ضرور ہیں۔ لاکھوں میں نہیں بلکہ اربوں میں کوئی بندہ خدا کامل ہوتا ہے۔ لیکن جہاں تک بہروپیوں کا تعلق ہے اُن کا کوئی شمار نہیں، ہر اینٹ کے نیچے سے بناوٹی پیر نکل آتا اور لوگوں کے ایمانوں پر ڈاکے ڈالتا پھرتا ہے۔ ایسے پیروں کی صحیح حالت کا صرف اُنہی خوش نصیبوں کو پتہ چلتا ہے جنھیں خُدا نے باطن کی بینائی عطا کر رکھی ہے اور یا جن کے ہاتھ میں کتاب وسُنّت کی کسوٹی ہے ورنہ عوام اُن کے دھوکہ اور فریب میں مُبتلا ہو کر ایمان کی دولت گنوا بیٹھتے ہیں۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۷ر دسمبر ۱۹۶۴ء)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تلقین

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو اپنے اعمال پر ناز نہ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اُن کا اپنا معاملہ نفس کے ساتھ یہ تھا کہ اپنے آپ کو حقیر تر خیال فرماتے کبر وغرور، عُجب اور نخوت کا نام ونشان بھی اُن میں موجود نہ تھا۔ فرماتے تھے میرے بزرگوں نے (اللہ تعالیٰ اُن کی قبروں پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے) کبر وغرور کا تخم میرے اندر سے نکال کر رکھ دیا ہے۔ چنانچہ آپ حضرات نے اکثر اُن کی زبان سے سُنا ہوگا کہ وہ خود کو بھی گنہگار کہتے اور کبھی اپنے آپ کو سیاہ کار کے الفاظ سے یاد کرتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں تمام ظاہری وباطنی خوبیوں سے بدرجہ اتم نواز رکھا تھا اور وہ اِس قدر بلند مقامِ ولایت پر فائز تھے کہ ان کی نظیر ساری دُنیا میں موجود نہ تھی۔ پھر بھی حال یہ تھا کہ ایک پل تو کیا ایک سانس بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ جانے دیتے ہمیں بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ یہی تلقین فرماتے کہ رزق اور دُنیا کی کسی چیز کی فکر نہ کرنا، اللہ جلّ شانہٗ کی یاد کثرت سے کرنا اور دین کی خدمت اخلاصِ نیّت اور استقامت سے کرتے رہنا، اللہ تعالیٰ تمھیں کسی چیز سے محروم نہیں رکھے گا اور اپنے فضل اور اپنی رحمت کے دروازے تم پر کھول دے گا۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۸ر فروری ۱۹۶۵ء)

اسلام اور قرآن کی صریح مخالفت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ سچ فرمایا کرتے تھے کہ تم کہتے ہو بینا سارے اندھا کوئی کوئی اور عقلمند سارے پاگل کوئی کوئی لیکن میں کہتا ہوں اندھے سارے بینا کوئی کوئی اور پاگل سارے عقلمند کوئی کوئی۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ آج حکومت کی طرف سے رقص و سرود کے "ثقافتی" گروپوں کو غیر ممالک میں بھیجنے کے لیے اُن کو امداد دی جاتی ہے لیکن جو مسلمان حج اپنے خرچ پر کرنا چاہے اُن کو رکاوٹ ہے۔ کیا یہ قرآن اور اسلام کی صریح مخالفت نہیں ہے؟

(حوالہ، مجلس ذکر ۶ مئی ۱۹۶۵ء)

رُوحانی امراض کے مریض

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لاہور کی آبادی میں تقریباً سارے رُوحانی اعتبار سے بیمار ہیں۔ کوئی لنگڑا ہے، کوئی لُولا ہے، کوئی بہرہ ہے اور کوئی اندھا غرض ہر ایک میں کوئی نہ کوئی عیب ضرور ہے۔ اگر کوئی نماز پڑھتا ہے تو اُس کے تعلقات ٹھیک نہیں ہیں۔ اگر کوئی بڑے اخلاق اور محبّت سے پیش آتا ہے تو وہ نمازی نہیں۔ اگر کوئی نمازی ہے تو وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ اگر کوئی زکوٰۃ دیتا ہے تو وہ حج ادا نہیں کرتا۔ اگر کوئی حقوق اللہ ٹھیک ادا کرتا ہے تو وہ حقوق العباد میں کمزور ہے۔ کوئی حسد کرتا ہے اور کوئی غیبت میں مُبتلا ہے۔ کسی میں عُجب ہے، کسی میں جھُوٹ بولنے کا مرض ہے اور کسی کو دھوکہ دہی اور فریب دینے کی عادت ہے غرض ہر ایک میں کوئی نہ کوئی مرض ضرور ہے۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۲۲ جولائی ۱۹۶۵ء)

ذکر اللہ اور عبادات کو مقدّم رکھنا چاہیئے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے، کہ اگر آپ یہ سوچتے رہے کہ وقت ملے گا، کاروبار اور گھریلو کاموں سے فرصت ہوگی تو یادِ الٰہی کریں گے، یاد رکھو! کہ ایسا وقت کبھی نہیں آئے گا۔ آپ اس کو کوئی فضول اور معمولی چیز تصوّر نہ کریں کہ کوئی بات نہیں، وقت ملا تو ذکر اللہ کر لیا، وقت نہ ملا تو نہ سہی۔ ہم پر فرض ہے کہ اپنے پروگرام میں حقوق اللہ کو سب سے مقدّم رکھیں، اِس کو سب سے زیادہ اہمیّت دیں۔ دُوسرے کام چھُوٹتے ہیں تو چھُوٹ جائیں لیکن اِس میں کوئی کوتاہی یا غفلت نہ آنے پائے۔ اللہ کی یاد اور عبادت کے لیے جگہ اور وقت کا تعیّن بہت ضروری ہے کہ روزانہ اتنی قرآنِ پاک کی تلاوت کرنی ہے، اتنا ذکر اللہ

کرنا ہے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۹ر جولائی ۱۹۶۵ء)

میرا بھروسہ اللہ کی ذات پر ہے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بغیر تنخواہ اور لالچ کے اللہ کے دین کی خدمت کرنا نبوّت کا طریقہ کار ہے۔ جو اللہ پر توکّل کرتے ہیں اللہ اُن کو دوسروں کی نسبت بہت زیادہ دیتے ہیں۔ ایک صاحب نے تذکرہ کیا کہ ایک مولوی صاحب کہتے تھے کہ حضرتؒ کا ذریعہ معاش کتب فروشی تھا اِس لیے وہ تنخواہ نہیں لیتے تھے۔ اِصلاحِ حال اور غلط گمان کے ازالہ کے لیے عرض کرتا ہُوں کہ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ مطبوعاتِ انجمن خدام الدین کی کمائی میں سے میرے اور میرے بیوی بچّوں کے لیے ایک پائی بھی لینا حرام ہے۔ میرا بھروسہ اللہ کی ذات پر ہے، وہ خزانۂ غیب سے میری مدد فرماتا ہے۔ جس طرح نبیوں کو اللہ تعالیٰ رِزق پہنچاتا ہے اسی طرح مجھے نہیں پتہ ہوتا کہ میرا رِزق کہاں سے آئے گا اور کیسے آئے گا۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۵ر اگست ۱۹۶۵ء)

اللہ تعالیٰ کا خط

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی دوست کا خط یا تار آ جائے، اگر خود نہیں پڑھ سکتے تو دُوسروں سے اس کو پڑھواتے ہیں کہ اس میں کیا لکھا ہے؟ اور اس کے مطابق عمل کر کے اُس کو جواب دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآنِ مجید ایک خط کی شکل میں ہمارے تک ہدایت و رُشد کا پیغام آیا ہے لیکن افسوس ہے ہم مسلمانوں پر کہ ہم نے اس کتاب کو خوبصورت غلاف میں لپیٹ کر اونچی جگہ رکھ دیا ہے۔ خود تو پڑھ سمجھ سکتے نہیں کبھی کسی دُوسرے سے اس کو سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ یہ ہماری بہت بڑی کوتاہی ہے۔ ہم لوگ ڈاکٹر کے نسخے پر عمل کرتے ہیں، پرہیز بھی کرتے ہیں لیکن کتابُ اللہ کے نسخے پر کبھی عمل نہیں کیا، اور نہ ہی گناہوں، بے حیائی کے کاموں اور لایعنی گفتگو سے پرہیز کرتے ہیں۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۸ر اکتوبر ۱۹۶۵ء)

مجلسِ ذکر فرض، واجب یا سنّت نہیں ہے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ یہ مجلسِ ذکر فرض، واجب یا سُنّت نہیں ہے اور نہ ہی ہم کسی شخص پر اسے لازم قرار دیتے ہیں کوئی شخص اس میں شریک ہو جائے تو چشمِ ما روشن دلِ ما شاد۔ اگر نہ شریک ہو تو ہم اسے مجبور نہیں کرتے

لیکن جو انسان بھی اِس مجلسِ ذکر میں محض اللہ کی رضا کے حصول کے لیے شامل ہوتا ہے، خالی ہاتھ نہیں لوٹتا بلکہ اللہ کی رحمت سے جھولیاں بھر کر واپس ہوتا ہے۔ اکٹھے ہو کر ذِکر کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ نیکوں کے ساتھ بدوں کی بھی قبولیت ہو جاتی ہے اور اُنھیں آئندہ کے لیے نیکی کی توفیق مِل جاتی ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ مجلسِ ذکر موقوف کر دی تھی اور اپنی بیماری اور بڑھاپے کا عُذر پیش کیا تھا حالانکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزاج یہ تھا کہ انھوں نے کسی بھی حالت میں درسِ قرآن کا ناغہ نہیں کیا۔ انھیں بڑی بڑی سخت تکلیفیں آئیں حتیٰ کہ گھر میں اموات بھی ہو گئیں لیکن انھوں نے کبھی درسِ قرآن کا ناغہ نہیں فرمایا۔ مجلسِ ذکر کو موقوف کرنے کا ارادہ محض اس لیے ظاہر فرمایا تھا کہ لوگ اس کو فرض یا واجب نہ سمجھنے لگ جائیں، اور دوسرے لوگوں کے اشتیاق کا امتحان مقصود تھا۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ لوگ مجلسِ ذکر میں خوشی خوشی، اپنی مرضی سے اور اللہ کی رضا کی خاطر آتے ہیں یا ویسے ہی آتے ہیں؟ جب لوگوں نے اس کو جاری رکھنے کا اِصرار کیا اور اپنے حد سے زیادہ بڑھے ہوئے اشتیاق کا اظہار کیا تو حضرتؒ نے دوبارہ مجلسِ ذکر کرانا شروع کر دی اور خوش ہوئے کہ لوگوں میں یہ جذبہ موجود ہے کہ وہ ثواب سے محروم نہیں رہنا چاہتے۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۰ فروری ۱۹۶۶ء)

السلام علیکم ـ وعلیکم السلام

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے مکّہ میں شریف کے زمانہ میں ڈاکوؤں کے گروہ حاجیوں کے قافلوں کو لُوٹا کرتے تھے۔ حاجی لوگ اُن ڈاکوؤں کو سلام کرتے تو وہ جواب نہ دیتے تھے لیکن اگر ڈاکو حاجیوں کے سلام کے جواب میں وعلیکم السلام کہتے تو پھر اُس قافلے کو نہ لُوٹتے، اور اگر لُوٹنے کے بعد سلام کا جواب دیتے تو لُوٹا ہوا مال واپس کر دیتے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ وہ السلام علیکم اور وعلیکم السلام کا مطلب و معنی سمجھتے تھے جس کے لیے وہ زبان سے سلامتی کے الفاظ کہہ دیتے، اس کی جان و مال کی ہر قسم کی حفاظت کرتے۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر، اپریل ۱۹۶۶ء)

دُنیا داروں کا حال

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی دُنیا میں کروڑپتی ہو، بیوی اُس کی ایم اے ہو اور اولاد اس کی ایم اے، بی اے ہو لیکن اگر اُس کے گھر میں وضوء کرنے کے لیے لوٹا نہیں اور نماز پڑھنے کے لیے چٹائی نہیں تو آپ اُس کے دوست بن جائیں اور

آپ کی بیوی اُس کی بیوی کی سہیلی بن جائے اور پھر اُن کے اندرونی حالات کا پتہ لگائیں تو مَیں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ چھلنی میں چھید کم ہوں گے مگر اُن کے دِلوں میں غموں کے چھید زیادہ ہوں گے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۵ رمئی ۱۹۶۶ء)

آپ ایک گُر پلّے باندھ لیں

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آپ ایک گُر پلّے باندھ لیں۔ وہ یہ کہ ہر کام کرنے سے پہلے یہ سوچ لیں کہ اللہ اس میں راضی ہے یا نہیں؟ اگر اللہ کی رضا ہو تو بصد شوق کریں۔ اگر اللہ کی اِس کام میں ناراضگی ہے تو آپ اس کے قریب تک نہ بھٹکیں۔ پھر دیکھیں آپ کو سکون و چین نصیب کیسے ہوتا ہے۔ شروع شروع میں یہ عمل مشکل معلوم ہوگا لیکن بعد میں بہت آسان ہو جائے گا۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۵ رمئی ۱۹۶۶ء)

ہدایت کے بعد ضلالت کا ایک عبرت ناک واقعہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میرا پچھتّر سالہ تجربہ ہے کہ ایمان اللہ تعالیٰ کے فضل سے نصیب ہوتا ہے اور اللہ کے فضل ہی سے باقی رہتا ہے۔ وہ فرماتے کہ میرے شاگردوں میں سے اکثر نے بڑے بڑے لقب پائے لیکن سرکار کی نوکری کی تو پہلے نماز باجماعت سے گئے پھر اللہ کی یاد سے گئے اور بالآخر قطعی بے عمل بن گئے۔ مولوی منوّر الدین ایک بہت بڑے بزرگ سے وابستہ اور بہت بڑا مناظر اور عالم تھا۔ اُس کے بہت زیادہ مُرید تھے۔ لیکن کسی گناہ کی پاداش میں مُرتد ہو گیا اور ساتھ مُریدوں کو بھی مرتد کیا۔ آخر عُمر میں توبہ کر لی تھی لیکن اُس کے مُرید مُرتد کے مُرتد ہی رہے اور اس کے لیے یقیناً آخرت کی بربادی کا باعث بنیں گے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۳۰ رمارچ ۱۹۶۷ء)

اصلاحِ نیّت پر جنّتی ہونے کی بشارت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آپ یہاں تقریر کا مزا یا لُطف لینے کی نیّت سے نہ آئیں بلکہ اصلاح کی نیّت سے آئیں اور جو احمد علیؒ کہے اُس پر عمل کریں۔ اگر میرا ایک سبق آپ یاد کر لیں اور اُس کو پکا لیں تو مَیں دعوے سے کہتا ہوں کہ آپ جنّتی ہیں۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۱۳ راپریل ۱۹۶۷ء)

دُنیا گزارنے کا اصُول

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دُنیا گزارنے کا ایک ہی اصُول ہے۔ وہ یہ کہ اپنا حق مانگے نہ اور دوسرے کا حق رکھے نہ۔

(حوالہ: مجلس ذکر ۲۷ اپریل ۱۹۶۷ء)

حضرت لاہوریؒ کا کشف

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک پورے کافر کی تصویر اسلامی وضع قطع میں میرے سامنے لے آؤ اور اسی طرح ایک پکّے مومن کی تصویر کافر کا لباس پہنا کر بنوا لاؤ، مَیں انشاء اللہ ظاہری لباس دیکھ کر بتا دوں گا کہ فلاں کافر ہے اور فلاں مومن ہے۔ فرمایا کرتے تھے یہ عیب دانی نہیں ہے بلکہ میں نے اپنے شیوخ کے پاؤں کی مٹی کا سُرمہ انکھوں میں لگایا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ بصیرت کی آنکھیں عطا فرما دیں۔

(حوالہ: مجلس ذکر ۶ جولائی ۱۹۶۷ء)

رُوحانی کرنٹ

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر بجلی کے تار میں کسی جگہ خرابی ہو تو کرنٹ آگے گزرنے کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ والوں کا سلسلہ بھی جہاں ٹوٹ جاتا ہے وُہیں سے سلسلے کی برکات منقطع ہو جاتی ہیں اور رُوحانی کرنٹ آگے گزرنا رُک جاتا ہے۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۱۴ ستمبر ۱۹۶۷ء)

وَڈّا کھلاون تے وَڈّا دُکھ پاون

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے جو اللہ کے ذِکر سے مُنہ موڑتے ہیں اور عبادت نہیں کرتے، اور دولت اور کوٹھیوں کے گھمنڈ اور نشے میں بدمست ہیں اُن کے اندر کے حالات معلوم کریں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ چھلنی میں چھید کم ہوں گے لیکن ان بادشاہوں اور اُمراء کے دِلوں میں غموں کے چھید زیادہ ہوں گے۔ دِلوں کا اطمینان، سکون اور چَین صرف اور صرف ذِکر اللہ میں ہے۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے:

وَڈّا کھلاون تے وَڈّا دُکھ پاون (حوالہ: مجلس ذکر ۲۸ ستمبر ۱۹۶۷ء)

ہمارے دادا پیر حضرت امروٹیؒ کے ایک خادم کا کشف

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا

کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ جس کو چاہیں نواز دیتے ہیں اور حقیقت کا کشف عطا فرما دیتے ہیں۔ حضرت امروٹیؒ کا ایک خادم تھا۔ اُس پر کشف اس قدر غالب تھا کہ وہ بیچارہ بول و براز کے لیے جنگل میں جاتا تو اُسے ایک ایک پتہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول نظر آتا تھا تو وہ ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو جاتا کہ میں تنگ آگیا ہوں، سارے جنگل میں مجھے کوئی ایسی جگہ نہیں ملتی جہاں نباتات ذکر میں مشغول نہ ہوں اور میری غیرت گوارا نہیں کرتی کہ میں اس حال میں ہوں اور آپ اللہ کی یاد میں ہوں۔ تھوڑی دیر کے لیے آپ زبان بند کریں، خاموش رہیں تاکہ میں اپنی حوائج سے فارغ ہو کر چلا جاؤں۔ غور فرمایئے اِس حد تک، اِس زمانے میں لوگ موجود تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے حقیقت بین نگاہ عطا کر رکھی تھی۔ یہ اللہ والوں کی صحبت ہی کا تو نتیجہ ہے۔ یہ نعمتیں اُن لوگوں کی صحبت میں رہ کر حاصل ہوتی ہیں جن کی نشست و برخاست کا قرآن نے حکم دیا ہے۔ یہ تو ایک خادم کا حال تھا، اور مخدومؒ کے کشف کے تو کیا ہی کہنے ہیں۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۸ ر فروری ۱۹۶۸ء)

اللہ تعالیٰ کو راضی کیجیے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اِس دُنیا کے اندر عام طور پر دُنیا بھر کے عقلاء، فلاسفر، بڑے بڑے ڈاکٹر، ماہرینِ فنون اور موجد دُنیا کے معاملے میں جتنی عقل صرف کرتے ہیں اس کا عشرِ عشیر بھی اگر دین کے لیے صرف کرتے تو یقیناً خُدا کو راضی کر پاتے۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۸ ر فروری ۱۹۶۸ء)

کہلاتے مُسلمان ہیں اور عمل سراسر اسلام کے خلاف ہے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اکثر و بیشتر فرمایا کرتے تھے کہ ہندو بچہ کسی گاؤں یا قصبے میں کوئی دھندا شروع کرتا ہے تو لاکھوں روپے کما لینے پر بھی ادنیٰ ضروریاتِ زندگی پر ہی اکتفا کر لیتا ہے اور عیاشی اور بدمعاشی میں اپنی دولت کسی صُورت ضائع نہیں کرتا۔ اس کے برعکس ہمارا مُسلمان دو کماتا ہے تو چار کھاتا ہے، جس کی تنخواہ ۱۰۰ ہے وہ ضرور ۵۰، ۶۰ روپے کا مقروض ہی رہتا ہے۔ ایسا ہی ۵۰۰ کمانے والا بھی اپنی ضروریات کے لیے شاکی ہی رہتا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔ کہلاتے مسلمان ہیں اور عمل سراسر اسلام کے خلاف۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۱۵ ر فروری ۱۹۶۸ء)

ذکر کی قبولیت کے لیے پرہیز شرط ہے

حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ امراضِ روحانی کے لیے بلاشبہ ذکر اللہ ایک شافی اور مکمّل علاج ہے لیکن جیسے دوا بغیر پرہیز کے مؤثر نہیں ہوسکتی اسی طرح اذکار و اوراد چاہے جس قدر کمائیں اگر اس کے ساتھ رزقِ حلال کا پرہیز نہ کریں تو یہ علاج ناکارہ اور ناتمام ہو کے رہ جائے گا۔ (حوالہ مجلسِ ذکر ۶ جون ۱۹۶۸ء)

حضرت مولانا عُبیداللہ سندھیؒ کا اپنی کافرہ ماں کا ادب

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا عُبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی ماں سکھنی تھی۔ ذرا ذرا بات پر اُن کو لہولہان کر دیتی تھی۔ جب وہ راضی ہوتی تھی تو اُس کو فرمایا کرتے" اِک دفعہ بے بے کلمہ تے پڑھ لَے" (امّاں جان! ایک مرتبہ کلمہ طیّبہ تو پڑھ لیجئے) بس جناب اُس کی خوشی کافور اور مار مار کر بُرا حال کرتی۔

حضرت سِندھیؒ نے پیر جھنڈے میں تقریر کی اور اپنی ماں کا واقعہ سُنایا کہ ایک بار اُس نے آپؒ کو نمک لینے کے لیے بازار بھیجا۔ آپؒ راستے میں نماز میں شریک ہو گئے۔ وہ ساری زندگی حضرت سِندھی رحمۃ اللہ علیہ کو "بُوٹا سِنگھ" ہی کہتی رہی کیونکہ قبولِ اسلام سے پہلے آپؒ کا یہی نام تھا اور لُطف یہ کہ اگر کوئی دُوسرا اُن کو "بُوٹا سنگھ" کہتا تو لڑ پڑتی تھی کہ تم "مولانا صاحب" کہو اور خُود "بُوٹا سنگھ" ہی کہتی۔ "بُوٹیا! کتھے گیا سَیں"؟ (بُوٹا سنگھ! کہاں گئے تھے؟) حضرت سندھیؒ نے فرمایا "بے بے! جماعت کھلوتی ہوئی سی، مَیں وی نماز وِچ شریک ہو گیا" (امّاں جان! جماعت کھڑی ہو چکی تھی، مَیں بھی نماز میں شریک ہو گیا)۔ بس جُوتا لے کر مارنا شروع کر دیا اور جُوں عصر سے مارنا شروع کیا مغرب تک چھوڑا ہی نہیں ــــ "مَیں لُون لین گھلنی آں تے توں نماجاں پڑھن لگ پَینا ایں"؟ (مَیں نمک لینے بھجواتی ہُوں اور تُو نمازیں پڑھنے لگ جاتا ہے؟) بس مار مار کر بُرا حال کر دیتی۔ حضرت سِندھیؒ بیٹھے رہتے اور مار کھاتے رہتے۔ جب تھک گئی، چھوڑا تو حضرت سِندھیؒ ہنس کے فرمانے لگے "بے بے! جُتّی پکڑاواں کہ تھک پئی ایں"؟ (امّاں! جُوتا پکڑاؤں، یا تھک گئی ہو؟)۔ اِس کے بعد دُوسرے دِن جمعے کی نماز تھی، نماز سے قبل تقریر میں فرمایا:

"دیکھو! مجھے یہ زخم ہیں، ماں نے مارا ہے۔ اکیلا دوکیلا میں ہی ہوں، میرا باپ میری ولادت سے تین چار مہینے پہلے ہی وفات پاگیا۔ کوئی بھی اس بے چاری کا نہیں ہے سوائے میرے اور اسے دُکھ ہے کہ میں سب کچھ چھوڑ چکا ہوں اور اُسے میری وجہ سے سب کچھ چھوڑنا پڑ گیا۔ اسلام اُس نے قبول نہیں کیا، جبر و اکراہ اسلام میں جائز نہیں، لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ، زبردستی نہیں کرسکتے تھے کہ کلمہ طیّبہ پڑھاتے۔ اخیر تک کافر کی کافر مری۔ اسلام اُس کے نصیب میں نہ تھا، وہ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ کی مجسّم تصویر تھی۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ کی مصداق وہ نورِ بصیرت گم کر چکی تھی، ممسوخ الفطرت، لیکن اُس کی خدمت کر کے مولانا سندھیؒ نے فرمایا کہ قرآن میں اللہ نے تعلیم دی ہے فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ، ماں باپ کے سامنے اُف بھی نہ کرو چاہے بظاہر وہ تم پر ظلم اور زیادتی کریں۔"

کوئی بھی ماں باپ بچّوں پر ظلم نہیں کرتا لیکن تادیب کے لیے اگر ماں باپ سزا نہ دیں معمولی سی بھی سرزنش نہ کریں تو بچّہ کبھی انسان نہیں بن سکتا۔ سب سے بڑی محسنہ ماں ہے اور اس کے بعد بڑا محسن باپ اور استاد ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے نو برس کی عمر میں پڑھنے کے لیے دیوبند بھیجا۔ روانگی کے وقت آپؒ نے ایک ہی نصیحت کی۔ فرمایا "جورِ اُستاذ بہ زمہرِ پدر" بس وہ جملہ میرے دل پر نقش ہوگیا۔ اگرچہ اُستاد کی سزا کو تم بظاہر "ظلم" بھی سمجھو لیکن درحقیقت وہ تمھارے باپ کے پیار اور شفقت سے بدرجہا بہتر ہے کیونکہ یہ انسان بناتا ہے۔ انسان اور حیوان میں فرق تو علم ہی کا ہے۔ کائنات میں انسان کو ساری مخلوقات پر فوقیّت اللہ تعالیٰ کی عظیم المرتبت صفت علم ہی کی بنا پر تو ہے۔ اس لیے اگر لبا اوقات مار بھی لیتا ہے تو وہ آپ کی بہتری اور بھلائی ہی کے پیشِ نظر ایسا کرتا ہے ورنہ کوئی دشمن تھوڑا ہی ہے۔ دشمن ہوتا تو کیوں پڑھاتا؟ اُستاد ہی فرض کیا باپ بھی ہے، حضرتؒ نے ہمیں جھڑکا بھی نہیں کبھی لیکن حق رکھتے تھے اور یہی حق اُنھوں نے جتایا کہ "اُستاد کی خدمت کرو، اُن کے جوتے سیدھے کرو، اُن کے سامنے آنکھ نہ اُٹھاؤ، سبق پڑھ کر کے مطالعہ کرو، پھر تکرار کرو، ضرورت پیش آئے تو دوبارہ سہ بارہ اُستاد ہی سے دریافت کرو، لیکن اُن کے کام کرو، دباؤ (مُٹھّی چاپی کرو) پانی بھر کے دو۔" یہ حضرتؒ نے ہمیں تعلیم دے کر بھیجا نیز فرمایا خدانخواستہ اگر دو اُستادوں میں کسی بات پر اختلافِ رائے بھی ہو جائے تو تم بالکل الگ رہو۔

کبھی اِس بات کی پروا نہ کرو بلکہ دونوں کا ادب برابر ملحوظ رکھو اور ہر دو کی خدمت برابر جاری رکھو۔ اگر کوئی طالب علم ساتھی کسی مخصوص پارٹی میں شامل ہونے کو کہے تو کہہ دو کہ ہمیں اپنے والد صاحب کی ہدایت ہے کہ کسی اُستاد کے خلاف کسی پارٹی میں کبھی شامل نہ ہونا۔ سب ہمارے بزرگ ہیں، ہم کسی اُستاد کے جُوتے کی خاک برابر بھی نہیں ہیں۔ اس لیے ہمیں کسی استاد کے خیالات کی مخالفت کا کیا حق پہنچتا ہے؟ ہم تو صرف تحصیلِ علم کے لیے یہاں آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تکمیلِ علم کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہمیں اِس پارٹی بازی سے بچائے۔

حضرت سِندھی رحمۃ اللہ علیہ کی بات سُنا رہا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ حضرت سِندھیؒ کا قول نقل کرتے تھے کہ اُنھوں نے فرمایا "مَیں جوان، وہ بُڑھیا، مَیں دھکّا دے دوں تو وہ اُٹھ نہ سکے، تھپّڑ رسید کر دُوں تو بتّیس کے بتّیس دانت باہر آجائیں، ستّر اسّی سال کی بُڑھیا، لیکن غُصّے کے مارے مجھے مار مار کے بُرا حال کر دیتی ہے تو مَیں یہ سمجھتا ہُوں کہ اگر ماں چند جُوتے مار لے اور اس کے بدلے میں اگر اللہ تعالیٰ جنّت نصیب فرما دے تو یہ کوئی مہنگا سودا ہے"؟ حضرت سِندھیؒ فرمایا کرتے تھے: "اگر مَیں اسلام نہ لایا ہوتا اور غیر مسلم ہی رہتا تو اس طرح کسی بوڑھے ماں باپ کی بار بار زدو کوب اور اذیّت و ملامت کب تک اور کس طرح برداشت کرتا؟ یہ صرف قرآن اور اسلام کی تعلیمات ہی کی برکت ہے کہ مَیں اپنی ماں کا اِس قدر ادب ملحوظ رکھتا ہوں —— کیونکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا — کہ مومن ماں باپ کا ادب کرو اور کافر ماں باپ کے ساتھ زیادتی کرو"۔ حضرت فرمایا کرتے تھے اِس کا اثر یہ ہے کہ بعض اوقات وہ جھوٹی سچّی شکایت لگاتی تو حضرت سِندھیؒ ہمیں پیٹتے، اور فرمایا کہ بعض اوقات بلاوجہ ہی ایسا معاملہ پیش آجاتا لیکن فرمایا کرتے تھے کہ ہم تو اُن کے جوتوں کی بجا تھے، اُن کے بچّے تھے۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایک استاد تھے اُن کو پتہ چلا کہ بلاوجہ اُس نے شکایت کی ہے اور حضرت سِندھیؒ نے تحقیق نہیں کی اور سزا دی تو انھوں نے کہا "مَیں پُوچھوں مولانا سِندھیؒ سے"؟ تو حضرتؒ فرمانے لگے مَیں نے اُن سے کہا "ہمارا باپ بیٹے کا معاملہ ہے، وہ ایک چھوڑ بیس دفعہ مجھے مار لیں، آپ باپ بیٹے کے درمیان دخل دینے والے کون ہوتے ہیں؟ بے شک مجھے اور دس دفعہ مار لیں، اس میں میری کون سی ہتک ہے؟ وہ میرے اُستاد ہیں، میرے شیخ ہیں، میرے باپ بجا ہیں، مجھے اُن کے واسطے سے علمِ دین نصیب

ہُوا، اللہ کا نام نصیب ہُوا، قرآن نصیب ہُوا، قَالَ اللّٰہُ وَ قَالَ الرَّسُوْل پڑھنے پڑھانے کی توفیق نصیب ہوئی، وہ میرے محسن ہیں، اُنہی کے صدقے مجھے حضرت دین پوریؒ (سیّدنا و مُرشدنا و مخدومنا حضرت خلیفہ غلام محمدؒ دین پور شریف) اور حضرت امروٹیؒ (شیخنا و مرشدنا حضرت مولانا سیّد تاج محمود امروٹی نوّر اللہ مرقدہٗ، مترجم سندھی قرآنِ حکیم) کی خدمت میں جانے کی سعادت نصیب ہُوئی اور اللہ کا نام لینے اور سیکھنے سکھانے کا شرف حاصل ہُوا اور میری زبان تازیست انکی عنایاتِ بے نہایت اور اُن کے احسانات کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہے۔ مجھے ہزار دفعہ ماریں، مَیں جانوں وہ جانیں، آپ کو اس سے کیا مطلب"؟ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سندھیؒ اپنی ماں کا بے حد ادب و احترام فرماتے اور اُس کے زدوکوب پر کبھی ناک بھوں چڑھانا تو الگ رہا کبھی اُنھوں نے اُف تک نہ کی۔ چونکہ ہماری تربیّت اسی ماحول میں ہُوئی اِسی لیے ہمیں کوئی استاد یا حضرت سندھیؒ چاہے کس قدر سخت سُست کہہ لیں، ڈانٹ ڈپٹ کرلیں یا مار پیٹ لیں، یہ ہماری عین سعادت ہے وہ ہمیں اپنا جانتے ہیں جبھی تو ہمارے ساتھ اُن کا یہ برتاوا ہے ورنہ کسی اور کے ساتھ ان کا یہ تعلقِ خاطر کیوں نہیں؟ اس کا اثر یہ تھا اخیر زمانے میں جب وہ ۲۵ سالہ جلاوطنی کے بعد اپنے وطن واپس آئے تو پیرانہ سالی کی وجہ سے قوّتِ برداشت بہت کم ہوگئی تھی اور مزاج میں برہمی اور تیزی آگئی تھی۔ ذراسی بات پر آگ بگولہ ہو جاتے تھے لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ اُن کے سامنے ایسے ہو جاتے جیسے برف کی سخ بستہ سِل۔ وہ پوتوں، نواسوں، شاگردوں اور عقیدت مندوں کے سامنے اکثر و بیشتر کافی دیر تک ڈانٹ ڈپٹ کرتے رہتے مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ ادب کی تصویر بنے نہایت خاموشی اور ٹھنڈے دِل سے سر جھکائے سب کچھ سُنتے رہتے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ جب کبھی گھر میں ہوتے اور سحری افطاری یا کھانے یا چائے کا وقت آتا تو حضرتؒ حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے خود اُٹھا کے کھانا لے جاتے اور مَیں اور چھوٹے بھائی بچّیاں وغیرہ کھانا لے جانا چاہتیں تو حضرتؒ فرماتے "نہیں، میرے ہوتے ہُوئے تم نہیں اُن کی خدمت کرسکتے، یہ میرا فرض ہے، چاہے کتنا بھی بڑا ہوں لیکن اُن کا تو چھوٹا ہی ہوں"۔

مُراد آباد کی بات ہے۔ مَیں حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا جُوتا اٹھانے لگا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بڑھ کر جُوتا اٹھا لیا۔ مَیں نے اُن سے لینا چاہا، حضرتؒ نے فرمایا "بیٹا! میرے ہوتے ہُوئے

تم اُن کا جُوتا نہیں اُٹھا سکتے، میرا جُوتا بے شک اُٹھا لو کیونکہ تم میرے چھوٹے ہو، میرے ہوتے ہوئے اُن کا جُوتا میں ہی اُٹھاؤں گا کیونکہ میرا فرض ہے" یہ ہے ع

ہر کہ خدمت کرد اُو مخدوم شُد

سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ ۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ ہمیں تو توکّل حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ سے نصیب ہُوا۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۱۳ جون ۱۹۶۸ء)

دُنیا میں رہ کر بھی دُنیا سے لاتعلّق رہو

دلا تو رسمِ تعلّق زمُرغِ آبی جُو
کہ گرچہ غرق بدریاست خشک پر برخاست

حضرت رحمۃ اللہ علیہ یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے۔ یہ سیہ کار حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایک ہی دفعہ بحری جہاز سے ۱۹۴۶ء میں حج کو گیا اور باقی جتنی مرتبہ بھی سفر ہُوا، ہوائی جہاز سے ہُوا۔ تو بعض پرندے ایسے دیکھے جو سمندر میں ایسے بیٹھ جاتے جس طرح سطحِ زمین پر بیٹھے ہوں جونہی پانی کی زبردست لہر آتی تو یُوں معلوم ہوتا کہ وہ پانی میں ڈوب گئے ہیں مگر جیسے ہی تلاطم ہٹتا تو وہ جُوں کے توُں نکل آتے اور مجال ہے کہ اُن کے پروں پر پانی کا ایک قطرہ بھی ہو۔ حضرتؒ نے فرمایا ؎

دلا تو رسمِ تعلّق زمُرغِ آبی جُو ․․․ کہ گرچہ غرق بدریاست خشک پر برخاست

مُرغابی پانی میں تیرتی بھی ہے، پرندے کی طرح اُڑتی بھی ہے اور مچھلی کی طرح ڈبکی بھی لگا لیتی ہے۔ اللہ والے کہتے ہیں کہ دُنیا میں اِس طرح رہو کہ اس مُرغِ آبی کی طرح دُنیا میں رہتے ہوئے بھی دُنیا کے ساتھ تعلّق نہ ہو۔" دِل بیار دست بکار"۔ دِل اللہ کی یاد میں ہو، ہاتھ کام میں لگے ہوں۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۱۸ جولائی ۱۹۶۸ء)

اللہ والے رنگ چڑھا دیتے ہیں

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ قرآن میں آیا ہے وَمِنَ الَّیْلِ فَتَھَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (پ۱۵ س بنی اسرائیل آیت ۹) ایک عالم اس آیت کے ٹکڑے پر گھنٹوں لچھے دار تقریر تو کر دے گا لیکن اس پر عمل کی توفیق کسی اللہ والے کی صحبت ہی ہیں نصیب ہو سکتی ہے۔ عالم ہو، پُورا فاضل ہو یا انگریزی کا تعلیم یافتہ ہو، ایم اے، بی اے کا ڈگری یافتہ ہو، جب اللہ والوں کی صحبت میں آئیں گے تو دونوں پر اللہ کے نام کا، اللہ کے کلام کا رنگ چڑھ جائے گا۔ وہ پھر صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (پ۱ س البقرہ آیت ۱۳۸) کے عملی

نمونے بن جائیں گے کیونکہ سب سے بہتر اللہ ہی کا رنگ ہے۔ اللہ والوں کی صحبت میں آئیں تو اِس طرح رنگ چڑھ جاتا ہے جس طرح بھٹی میں رنگ چڑھتا ہے کپڑے پر۔ پھر ایک درجہ آتا ہے کہ اُن میں اور شیخ میں فرق ہی نہیں رہ جاتا۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۱۵ را گست ۱۹۶۸ء)

دُنیا میں کاٹ چھانٹ کی ایک عمدہ مثال

حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایک مثال دیا کرتے تھے کہ ایک شخص نے کسی کو توے بنانے کے لیے دیے۔ بنانے والے نے نمونے کے مطابق نہ کاٹے، اپنے خیال سے کاٹ لیے تو وہ چھوٹے رہ گئے۔ جب وہ لینے کے لیے آیا اور اُس نے اپنے دیے ہوئے نمونے سے ملا کر دیکھے تو کہا یہ تو غلط ہیں کیونکہ یہ چھوٹے کٹ گئے ہیں۔ اُس نے کہا بہت اچھا، کل لے جانا۔ دُوسرے دن اُس اللہ کے بندے نے سوچا کہ یہ نقصان میں کیسے برداشت کروں گا اور یہ چھوٹے توے کس کو دُوں گا؟ یہ مال کسی نہ کسی طریقے سے نکالو اور اپنا روپیہ برابر کرو۔ اُس نے وہ نمونے کا توا اُٹھایا اور وہ بھی چھوٹے توؤں کے برابر کاٹ ڈالا۔ جب وہ گاہک آیا تو اُس کو کہنے لگا "یہ ہے جناب کا نمونہ" (ناپ تو اُس نے بھی نہیں رکھا تھا) اور یہ ہیں ہمارے توے"۔ اُس نے کہا، "جی اب بالکل ٹھیک ہیں"۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے ہمارا پنجابی بناوٹی اسلام یہ ہے کہ اُن توؤں کی طرح بجائے اپنی زندگی کو اصل نمونہ کے مطابق بنانے کے قرآن کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آج کہیں حدیث کا انکار ہے، کہیں سُنّت کا انکار ہے، کہیں تصوّف کا انکار ہے، کہیں مسلمان دجل و تلبیس میں مُبتلا ہیں اور ان سب کو اپنے کیے کی سزا ملے گی۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۲۲ راگست ۱۹۶۸ء)

حضرتؒ کی تنبیہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم اِسی لیے مجبور ہیں کلمہ حق کہنے پر کہ کل کو یہ نہ کہیں کہ ہمارے پاس کوئی حق کہنے والا نہ آیا۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے میرا ہاتھ ہوگا اور تمھارا گریبان ہوگا، خدا کے حضور پیش کروں گا کہ ۳۵ سال قرآن سُنایا، تم نے اِس کان سُنا اُس کان نکال دیا تاکہ خُدا کی طرف سے حُجّت پوری ہو جائے کہ تم یہ نہ کہہ پاؤ کہ رَبَّنَا مَا جَآءَنَا مِنۡ نَّذِیۡرٍ (حوالہ: مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۲۴ جنوری ۱۹۶۹ء)

بیوی شیطان کا رول ادا کرتی ہے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے ساری زندگی جو توبۃ اللہ کر کے، بیعت کر کے ذِکر اذکار میں گزارتے ہیں، بچے جوان ہوئے تو بیوی ہی شیطان کا رول ادا کرتی ہے اور سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہے کہ "ایہہ مولویاں دی تے مُلّاواں دی کیہڑی گل اے، اسی دِھیّاں پُتّراں والے آں، اسی تے واجے وَجا کے لیائے ساں، ساڈیاں دِھیّاں بھیناں دی ولاجے وَجا کے جان گیاں۔ ایہہ کیہہ ہویا برادری وَاجا نہ لیاوے تے موت تے شادی برابر ہو گیا۔ تُسی مُلّاں ملوانیاں دیاں گلّاں چھڈو۔ اسی دُنیا تے نک نہیں کٹانی" —— حضرتؒ بڑی کہانی دراز فرمایا کرتے تھے، کہتے تھے لو سارے ذِکر اذکار، ساری توبۃ اللہ، ساری محنت ایک شیطان نما انسان اور دوست نما دُشمن نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ضائع کر دی۔ اُسے جہنّم رسید کر دیا۔

(حوالہ: مجلس ذکر ۲۴ راپریل ۱۹۶۹ء)

حضرتؒ کا چیلنج

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے مجھے اختیار دے دو آٹھ دن۔ دیکھو مَیں کس طرح پاکستان میں اسلام کو عملاً نافذ کرتا ہُوں۔ (حوالہ: مجلس ذکر ۲۴ راپریل ۱۹۶۹ء)

حضرت امروٹیؒ کا وجُود باعث برکات تھا

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ سِندھ میں جب بھی کِسی کے کھیت میں پہلا پھل آتا تو وہ حضرت امروٹی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیا کرتا۔ اگر حضرت امروٹیؒ قبول فرما لیتے تو وہ لوگ سمجھتے اب برکت ہی برکت ہو جائے گی۔ غیر مسلموں یا مسلمانوں کے آپس میں اگر جھگڑے ہوتے تو بعض اوقات ان کی عورتیں حضرت امروٹیؒ کے ہاں آ کر پناہ لیتیں۔ حضرت امروٹی اُن کے فیصلے فرماتے اور خود بخود معاملے سُلجھ جاتے۔

(حوالہ: مجلس ذکر ۲۲ رمئی ۱۹۶۹ء)

ایک دن دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی ہونا ہے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "دُنیا دے واسطے مَیں کدی ککھ بھن کے دُوہرا نہیں کیتا"۔ اور ادھر یہ کہ اللہ کے دین کی تبلیغ کی جو ذِمّہ داری آپؒ پر عائد ہوتی تھی اُس کی ادائیگی کے لیے دن رات چوبیس گھنٹے تن من دھن کی بازی لگائے رکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے آپؒ کو چودہ مرتبہ زیارت حرمین الشریفین کا شرف عطا فرمایا

حضرت رحمۃ اللہ علیہ بیعت کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ "اگر کسی کے ساتھ نیکی نہ کر سکو تو اُس کے ساتھ بُرائی بھی نہ کرو۔ دُعا نہیں لے سکتے تو کم از کم بد دُعا تو نہ لو" ایک دن دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی ہونا ہے۔ (حوالہ: مجلس ذکر یکم جنوری ۱۹۷۰ء)

کم از کم بیٹیوں ہی کو دین کی تعلیم دو

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ چالیس پینتالیس سال سے مَیں کہہ رہا ہوں کہ اپنے بیٹوں کو دین پڑھاؤ، کسی نے بھی نہیں پڑھایا۔ فرماتے تھے بی اے، ایم اے کے لیے سب مرتے ہیں۔ پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ چلو تم نے بیٹوں کو تو دُنیا ہی پڑھانی ہے، کم از کم بیٹیوں ہی کو دین کی تعلیم دو۔ حضرتؒ فرمانے لگے کہ مجھ سے بہت سے لوگوں نے کہا لڑکیاں کالج میں پڑھانے کے بغیر لوگ لیتے ہی نہیں۔ اگر ہم آپ کی بات مانیں اور دین پڑھانا بھی چاہیں تو کہاں پڑھائیں؟ پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور میں، کراچی میں لڑکیوں کی تعلیم کے لیے مدرسے بنائے لیکن اُن میں غرباء کی بچیاں آئیں۔ پھر حضرتؒ نے کوشش کی کہ جو پہلی نشست ہے وہ تو آٹھ سال کا پورا نصاب پڑھنے والی بچیوں پر مشتمل ہو اور دوسرے وقت وہ آئیں جو سکولوں کالجوں میں جاتی ہیں۔ پھر بھی مسلمانوں نے اس طرف بہت کم توجہ دی۔ (حوالہ: مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۲۰ مارچ ۱۹۷۰ء)

بزرگانِ دین اور صوفیاءِ عظام کی صحبت

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ انسان کے دِل میں حرام خوری کی نفرت اور یادِ خدا کی رغبت بزرگانِ دین اور صوفیائے عظام کی صحبت اور تربیّت سے پیدا ہوتی ہے۔ جو شخص اللہ والوں کی صحبت میں آئے وہ اُسے اپنی توجہاتِ باطنی اور رحمتِ خداوندی سے گناہوں، اور رُوحانی بیماریوں سے پاک کر دیتے ہیں۔ پھر انسان حرام چیزیں تو کُجا مشتبہ چیزیں کھانے سے بھی گریز کرتا ہے اور اُسے یادِ الٰہی میں لُطف و سرور حاصل ہوتا ہے۔ (مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۱۵ مئی ۱۹۷۰ء)

اللہ والوں کا سارا وقت اللہ کی یاد میں گزرتا ہے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ والوں کی تعلیم ایسی ہوتی ہے کہ اُن کا سارا وقت اور دن کے چوبیس گھنٹوں میں ہر منٹ اور ہر سیکنڈ اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزرتا ہے۔ (حوالہ: مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۱۵ مئی ۱۹۷۰ء)

مغربی ممالک کی ایڈ کے متعلق حضرتؒ کا ارشادِ گرامی

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو مغربی ممالک ہمیں مُفت کا گیہوں بطور ایڈ دیتے ہیں یہ مُفت کا نہیں ہے بلکہ یہ تو مچھلی کو دریا سے پکڑنے کے لیے کُنڈی کے ساتھ آٹا یا گوشت کی بوٹی لگانے والی بات ہے، وہ بچاری بھولی بھالی مچھلی اِس کو اپنی خوراک سمجھ کر پھنس جاتی ہے۔ یہی حال اِن عیّار اور مکّار مغربی ممالک کا ہے کہ سادہ لوح کو خوراک دیتے دیتے اُن کے ضمیر ہی خرید لیتے ہیں۔ ہم بھی یہی سمجھتے رہے کہ یہ مُفت گیہوں آرہا ہے، مُفت کہاں تھا؟ وہ تو ہمارا دین بھی اور ایمان بھی خراب کر گئے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر مطبوعہ خدام الدین ۲۵ر ستمبر ۱۹۷۰ء)

جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے ہم یہاں آئے ہیں توشہٗ آخرت سمیٹنے کے لیے لیکن ہم یہاں ایسا جی لگا کے بیٹھے ہیں کہ حیرت ہے۔ مکان ایسا بنایا ہے کہ جیسے یہاں سے پلٹ کے جانا ہی نہیں ہے۔

(حوالہ: مجلسِ ذکر مطبوعہ خدام الدین ۱۴ر مئی ۱۹۷۱ء)

گمراہی کی انتہا

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے اِس دَور میں جو بڑے بڑے اہل اللہ اور مفسّرین پیدا ہُوئے۔ اُن میں سے مولانا حسین علیؒ واں بھچّراں والے، میانوالی کے علاقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اُنھیں قرآن سے عشق تھا اور قرآن کی توحید سے اُن کو اتنا شغف تھا کہ ہر آیت سے اثباتِ توحید یا ردِّ شرک کا استدلال کرتے تھے۔ اُن کے دَور میں اُن کے قرب وجوار میں پیر پرستی خدا پرستی کے قریب پہنچ چکی تھی، جیسے بعض سندھی پیروں کے مُرید خدا کی نماز تو پڑھنے کے لیے تیار نہیں اور پیر کی خاطر جان بھی دینے کو تیار۔ اللہ کے بندوں نے کتنے کتنے بال رکھے ہوتے ہیں، کبھی ترشاتے ہی نہیں، زیرِناف اور دُوسرے زائد بال ہٹانا فطرت کا تقاضا ہے جو پہلی اُمّتوں کا بھی معمول رہا ہے لیکن یہ لوگ اس تک سے بے نیاز ہیں۔ پورے پورے تھان کی شلوار پہننے کے لیے تیار، بھنگ گھوٹ گھوٹ پیتے ہیں اور دس بجے اُٹھ کر ہل جوتتے ہیں، ہر بات اُن کی نرالی دیکھی اور پیر کے لیے جان بھی حاضر ہے۔ نماز روزے کی خبر تک نہیں ہے۔ پیر بنایا اِس لیے جاتا ہے کہ وہ رُوحانی تربیّت کرے، اُس کی مَلکیّت کو سنوارے، اُن کی بہیمیّت اور مَلکیّت میں توازن قائم کرے۔ قرآنِ کریم میں حق تعالیٰ نے جو روزے کے فضائل اور فوائد بیان کیے ہیں وہ یہ ہیں کہ سال بھر تو بے روک ٹوک ہر جاندار کی طرح خوب کھاتے ہو، لُطف اٹھاتے ہو، سال بھر کے بعد ایک مہینہ آتا ہے جس میں

روزے فرض ہیں۔ بہیمیّت کو ترقی دیتے دیتے گیارہ ماہ گزر گئے۔ اب ملکیّت کے لیے اور انسانی رُوح کے لیے یا اُس کے توازن کے لیے یہ روزے رکھائے جاتے ہیں اور یہ نہیں ہے کہ بھوکا پیاسا رکھا جاتا ہے۔ صرف وقت اُس کا بدل دیا۔ کھاؤ تو غروب کے بعد اور طلوع سے قبل، اس میں کتنا کھا سکتے ہو تم؟ پیٹ بھر کھاؤ۔ عام طور پر لوگ زیادہ مرغّن، زیادہ لذیذ اور زیادہ ہی تعداد میں کھاتے ہیں اور کھلاتے ہیں۔ چلو اللہ کی نعمتیں ہیں، خُوب کھاؤ، لیکن آپ کو بھوک اور پیاس کو کنٹرول کرنے کا سبب عطا فرمایا اور یہ اِس لیے ضروری ہے کہ کارخانۂ قدرت میں انسان پیٹ کا یا اپنی کسی دوسری عادت کا محتاج نہ ہو بلکہ اس کی یہ عادتیں جس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا، اُن پر بھی گرفت کا حکم ہے اور گرفت بھی تام۔ یہ ہے سال بھر کے بعد ایک مہینہ ٹریننگ کا۔ قرآن کی سالگرہ کا ماہ، حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم صائم تھے جب غارِ حرا میں اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ کی آیات نازل ہُوئیں۔ (حوالہ: خطبہ جُمعہ مطبوعہ خدام الدین ۲ر جولائی ۱۹۷۱ء)

حضرتؒ کی دُعا اور متوسّلین کو اُس کی اجازت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ یہاں مجلس ذکر میں ایک دفعہ فرما رہے تھے کہ مَیں بچپن سے

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (الفرقان ۷۴)

نماز میں التّحیّات کے اندر دُرود کے بعد پڑھتا ہوں اور نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر پھر پڑھتا ہُوں ۔ بچّوں کو، بیوی کو نماز کے بعد ذہن میں لے آتا ہوں اور فرمایا کہ اِس کا نتیجہ یہ ہے کہ ستّر سال میری عُمر ہے اور اتنے ہی سال تقریبًا میری گھروالی کی عُمر ہے۔ کبھی لڑائی، فساد اور اختلاف نہیں ہُوا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرا بہت ادب کرتی ہے اور مَیں اللہ کی امانت سمجھ کر اُس سے شفقت کے ساتھ پیش آتا ہوں۔ اولاد پر میں ہمیشہ مہربانی اور شفقت کرتا ہوں۔ اولاد نے کبھی میری توہین یا حکم عدولی نہیں کی۔ یہ آیت مَیں پڑھتا رہا ہوں، اس لیے خلقِ خدا کو اور اپنے متعلّقین و متوسّلین کو بتانا چاہتا ہُوں کہ وہ بھی اس آیت کو اپنی زندگی کا معمول بنالیں تاکہ ہر کسی کا گھر جنّت کدہ بن جائے۔

(حوالہ: مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۲ر جولائی ۱۹۷۱ء)

کامیاب تجارت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ مسجد نبوی اور خانہ کعبہ میں سارا مال خیرات کرکے آتے۔ صرف ہوائی جہاز یا بحری جہاز کا ٹکٹ پاس ہوتا۔ میری والدہ واپس آکر کہتیں "آپ کی تجارت بڑی کامیاب ہے"۔ حضرتؒ فرماتے "مَیں نے کب تجارت کی؟" والدہ فرماتیں "آپ نے

پائی پائی خرچ کر دی، کوئی سوغات تک نہیں خریدی اور آپ کی جیبیں بھری ہوئی ہیں واپس آنے تک۔ یہ تجارت اگر یہاں کامیاب ہے تو وہاں کامیاب کیوں نہ ہو گی؟" پھر ہنس کے فرماتے "ہاں، ٹھیک ہے۔" میں کہتا ہوں خدا آپ کو بھی ایسی ہی زندگی اور ایسی ہی تجارت کی توفیق دے۔

(حوالہ: مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۹ جولائی ۱۹۷۱ء)

تین نعمتیں۔ آدھے منٹ میں

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ والے تینوں نعمتیں، خدا کی رضا کا تمغہ، دِل کا سکون اور شیطان کو شکست دینا، آدھے منٹ میں سکھا دیتے ہیں۔

(حوالہ: مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۷ اپریل ۱۹۷۸ء)

ذِکر کی مثال چھُری کی ہے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ذِکر کی مثال چھُری کی ہے۔ بکری کی گردن پر رکھی جائے تو اُس کی ہڈی فوراً کٹ جاتی ہے اور وہی چھُری اگر خنزیر کی گردن پر رکھی جائے تو اُس کی ہڈی نہیں کٹتی کیونکہ اُس کی ہڈی سخت ہوتی ہے۔ ایسے ہی وہ دل جو تزکیہ سے صاف ہو، ذِکر اُس پر فوری اثر کرتا ہے اور جو گناہوں سے دل سخت ہو چکا ہو اُس کی مثال خنزیر کی ہڈی کی ہے جس پہ ذِکر کوئی اثر نہیں کرتا۔ (حوالہ: مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۱۳ اپریل ۱۹۷۸ء)

پیر کے انتخاب میں حد درجہ احتیاط لازم ہے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم چار آنے کا بازار سے پیالہ خریدتے ہو تو اچھی طرح بجا کر دیکھتے ہو کہ کہیں یہ کچّا اور پِلّا تو نہیں ہے لیکن جب اپنے ایمان اور دین کے لیے کسی کو پیر بناتے ہو تو وہاں کیوں نہیں سوچتے، کہ کیا یہ شخص ہمیں دین کے نام پر شرک و بدعات اور فضول رسُومات میں پھنسا کر ہمارا ایمان تو تباہ نہیں کر دے گا؟

(حوالہ: مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۱۵ دسمبر ۱۹۷۸ء)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم ـــ کامیابی کا گُر

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دُنیا میں کامیابی کا بہت بڑا گُر ہے اِنۡقِطَاعُ عَنِ الۡخَلۡقِ وَاحۡتِيَاجُ اِلَى اللّٰه۔ جو اس نسخہ پر عمل کرے گا وہ کامیاب ہو گا یعنی اِنسان لوگوں سے کٹے اور اللہ کی محتاجی کا خُوگر ہو۔ پھر اُس کی طرف سے ہر مشکل آسان ہو گی۔

(حوالہ: مجلس ذکر مطبوعہ خدام الدین ۲۳ مارچ ۱۹۷۹ء)

پیر کے انتخاب میں احتیاط کرنی چاہیئے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب

تم چار آنے کا پیالہ بازار سے خریدتے ہو تو اچھی طرح بجا کر دیکھتے ہو کہ کہیں یہ کچّا اور پِلّا تو نہیں، لیکن جب اپنے ایمان اور دین کے لیے کسی کو پیر بناتے ہو تو وہاں کیوں نہیں سوچتے کہ کیا یہ شخص ہمیں دین کے نام پر شرک و بدعات اور فضول رسُومات میں پھنسا کر ہمارا ایمان تو تباہ نہیں کر دیگا؟

(حوالہ: مجلسِ ذکر مطبوعہ خدام الدین یکم فروری ۱۹۷۴ء)

باعمل علماءِ کرام قابلِ صد احترام ہیں

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے محض علم سے کام نہیں بنتا۔ اصل مُراد یہ ہے کہ علم پر عمل کا رنگ چڑھ جائے اور قال حال بن جائے۔ چنانچہ حضرتؒ ہی کی مثال لے لیں۔ اُن کی تقاریر پُرجوش دار نہ ہوتی تھیں، سادہ الفاظ ہوتے تھے۔ حضرت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ فرمایا کرتے تھے ہماری اتنی طویل اور باربط تقاریر ایک طرف اور حضرتؒ کے سیدھے سادے چند جملے ایک طرف، اثر اُن ہی کا ہوتا تھا۔ چنانچہ آپ اب بھی دیکھ لیں ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی المعروف بہ "علی میاں ندوی" اور حضرت مولانا قاضی مُحمّد زاہد الحسینی صاحب، دونوں بزرگ عالم بھی ہیں اور باعمل بھی ہیں۔ جو بات کہتے ہیں پہلے اُس پر خود عمل کرتے ہیں۔ چنانچہ پھر اُن کے مواعظ کے ہمہ گیر اثرات ہمارے سامنے ہیں۔ حضرت رائپوریؒ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے "حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے وجُود سے لاہور کئی مُصیبتوں سے بچا ہوا تھا۔ اب اُن کی وفات کے بعد لوگوں کو اُن کی قدر معلوم ہو گی"۔ واقعی بات صحیح تھی۔ کوئٹہ جب غرق ہُوا تو مَیں نے اس کی اصل ٹوہ لگائی کہ غرق تو لاہور کو ہونا چاہیئے تھا مگر ہُوا کوئٹہ۔

میرے ماموں زاد بھائی وہاں پر کرنل کے عُہدہ پر تھے۔ انھوں نے بتایا حُکّام کی سطح سے شراب خوری کی عادت پھیلتے پھیلتے عوام کی سطح تک آ پہنچی تھی، تو کوئٹہ غرق کیوں نہ ہوتا؟ لاہور میں پھر بھی کچھ اللہ کے بندوں نے رحمتِ خداوندی کو جذب کر رکھا ہے کہ عذابوں سے محفوظ رہتا ہے اور ان میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ عالی کا درجہ بہت بلند تھا۔ اسی طرح یہاں پر مجلسِ ذکر میں کچھ عرصہ قبل مولانا قاضی مُحمّد زاہد الحسینی صاحب نے فرمایا تھا کہ "حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو بغور دیکھو تو وہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا پُورا عکس اور رنگ لیے ہُوئے معلوم ہوتے ہیں"۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سچّے قادری بزرگ تھے اور اُن کا شمار اس دَور کے اکابر اہلُ اللہ میں ہوتا ہے۔ (حوالہ: مجلسِ ذکر ۲۳ اگست ۱۹۸۴ء)

مکتوبات امام الہدیٰ

رحمۃ اللہ علیہ

خود نوشت خطوط وہ ہیں جو حضرت امام الہدیٰؑ نے اپنے دستِ مبارک سے تحریر کیے۔ ان خطوط میں اوّل تا آخر تابندگی اور تازگی جھلکتی ہے۔ بعض خطوط وہ ہیں جنھیں مختلف خدّام نے حضرتؑ کی طرف سے جواباً تحریر کیا اور حضرتِ اقدسؑ کے دستخطوں سے جاری ہوئے۔

— مؤلّف —

○

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے کہ اگر کسی کی شخصیت کے متعلق غائبانہ اندازہ لگانا ہو تو تین چیزوں کو دیکھو۔ اُن میں اُس کی شخصیت جھلک رہی ہوگی۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں :

۱ - اُس نے جو تحفہ بھیجا ہو وہ دیکھو۔

۲ - اُس شخص کا پیام بر دیکھو۔

۳ - اُس کا خط دیکھو۔

اہل اللہ حضرات کے گرامی نامے بھی روشنی کا مینار ہوا کرتے ہیں جو آنیوالی نسلوں کے لیے ہدایت کا موجب ہوتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات شریف آج بھی ہمیں روشنی مہیا کرنے میں ممد ثابت ہوتے ہیں۔

ہمارے حضرت امام الہدیٰ رحمۃ اللہ علیہ کو لاکھوں مُریدوں کی طرف سے آنے والی ڈاک پڑھنے یا ہر ایک کو فرداً فرداً جواب دینے کا وقت ہی نہیں ملتا تھا تاہم آپؒ نے بعض اکابر و اصاغر کے نام چند مکتوباتِ گرامی وقتاً فوقتاً تحریر فرمائے یا دُوسروں سے اِملا کروا کر اُن پر اپنے دستخط مُبارک ثبت فرمائے۔ آپؒ کے جتنے مکتوباتِ گرامی مہیا ہو سکے ہیں، شاملِ کتاب کیے جا رہے ہیں۔ قارئین کرام حضرت مولانا عُبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط سے اندازہ فرمالیں کہ آپؒ کی تحریر کتنی جامع، پُر معنی، شُستہ اور شگفتہ ہے، اس میں ادب کی چاشنی اور اشعار کا برمحل استعمال بہت اثر انگیز ہے۔

(مؤلّف)

○

سیدی و مرشدی و مولائی متعنا اللہ بفیوضکم و ادام اللہ برکاتکم

تحیۃ و سلاماً

عزیز محمد اجمل سلمہ و محمد اکمل سلمہ قدمبوسی و زیارت کی غرض سے حاضرِ خدمتِ اقدس ہو رہے ہیں، رمضان المبارک کے اس مبارک موقع پر اس سیہ کار کی دلی تمنا ہے کہ حضرت والا ان دونوں کو سلسلہ بیعت وارشاد سے مشرف فرما کر ذکر و فکر کی تلقین فرمادیں یہ ان کی اپنی خواہش بھی ہے اور انتہائی سعادت مندی بھی!

خدا کرے حضرتِ اقدس کی صحت پہلے سے بہتر ہو اور حق تعالیٰ آں حضرت کو صحت و تندرستی کے ساتھ تا دیر ہمارے سروں پر سلامت باکرامت رکھیں الٰہ العالمین آمین، آجکل دورۂ تفسیر کی جماعت آئی ہوئی ہے۔ اس نالائق و ناکارہ کی طبیعت اکثر ٹھیک نہیں رہتی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلۂ خیر کو تاحیات جاری و ساری رکھنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین

جماعت کی طرف سے سلام مسنون اور دعا کی درخواست عرض ہے دینپور میں تمام واقف حضرات کی خدمت میں تسلیمات عرض کر دیں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

احقر عبید اللہ انور

بدھ ۳ رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ مطابق ۹ اگست ۱۹۷۸ء

سفرِ رُوس

اور

بلغاریہ کی رُوداد

صوفیہ، ۱۹ر فروری ۱۹۷۴ء

۸۶

عزیز القدر محمد اجمل و محمد اکمل ! سلمہما

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ لاہور سے ۱۳ر فروری کی صبح آپ لوگوں سے رُخصت ہو کر مَیں اور نوابزادہ مظہر علی خان ۱۲ بجے دوپہر کراچی پہنچے۔ مطار پر بلغارین اور رشئین سفارتی نمائندے، محترم رانا بشیر احمد اور کچھ اور احباب موجُود تھے۔ پہلے ویزا کے سلسلہ میں ہر دو سفارت خانوں میں جانا پڑا۔ رُوسی سفارت خانہ والوں نے ظہرانے کا انتظام کیا ہُوا تھا جس میں کراچی پیس کونسل کے ارکان بھی مدعو تھے۔ چونکہ گھر سے ناشتہ کے بعد ہوائی جہاز میں بھی چائے پی چکا تھا اس لیے دوستوں سے ملاقات کے بعد معذرت کر کے رانا صاحب کے گھر آرام کے لیے آگیا۔ لاہور میں جو ٹیکے لگے اُن کی وجہ سے گلے میں درد اور بُخار محسوس ہو رہا تھا۔ رانا صاحب نے بعجلت کراچی کے ایک معروف ڈاکٹر صاحب کو بُلوا لیا۔ اُنھوں نے چیک اپ کے بعد کافی دوائیں تجویز کر دیں اور انجکشن بھی لگا دیا۔ مَیں دورانِ سفر انھیں کی دوائیں استعمال کرتا رہا۔ خُدا کے فضل و کرم سے طبیعت ٹھیک رہی۔ عصر کی نماز پر جناب حاجی محمّد یُوسف صاحب، حاجی خوشی محمّد صاحب (واہ کینٹ) حضرت درخواستی کے صاحبزادے مولوی مطیع الرحمٰن صاحب اور کچھ دیگر احباب ملاقات کے لیے آگئے۔ ہمیشہ کی طرح حاجی محمّد یُوسف صاحب سے مِل کر مسّرت حاصل ہُوئی، اُن کی دُعا سے دِل کو سکون و قرار نصیب ہُوا۔ پتہ چلا حضرت درخواستی اور قاضی محمّد زاہد الحسینی صاحب حج و زیارت سے فراغت کے بعد واپس تشریف لے آئے ہیں۔ دِل چاہا اُن سے بھی ملاقات ہو جائے۔ الحمد للہ قاضی صاحب کی زیارت تو نصیب ہو گئی اور حضرت درخواستی کی قیام گاہ سے معلوم ہُوا ابھی کہیں تشریف لے گئے ہیں۔ گھر واپس آ کر کچُھ دیر کے لیے لیٹ گیا۔ رات ۲ بجے کراچی ایئر پورٹ پر پہنچے جہاں محترم مظہر علی خاں صاحب بغرضِ انتظام کافی پہلے سے تشریف لائے ہُوئے تھے۔ اڑھائی بجے ہم نے ایروفلوٹ پر قدم رکھا۔ سفارتی نمائندے آخر وقت تک ساتھ رہے۔ اُنھوں نے نہایت مستعدی اور خوش خلقی سے اپنے فرائض انجام دیے اور طیارے میں پہنچا کے خدا حافظ کہا۔ اتنا بڑا جہاز ہمارے اندازے کے برعکس کھچا کھچ بھرا ہُوا

تھا۔ جہاز میں ہمارے ساتھ خصوصی برتاؤ کیا گیا۔ اُس کے اگلے حصّہ میں ہمیں تین تین سیٹیں مہیّا کر دی گئیں۔ ٹھیک ۳ بجے جہاز نے اُڑان شروع کی۔ اُس کے فضا میں بلند ہوتے ہی ہم اپنی سیٹوں پر آرام سے سو گئے۔ کہنے کو ہم فضا میں پرواز کر رہے تھے لیکن نیند اِس مزے کی آئی جیسے گھر میں پلنگ پر سو رہے ہوں بلکہ نرم و نازک گدّیوں نے جو آرام پہنچایا وہ تو گھر میں بھی بمشکل میسّر آتا ہوگا۔ طیّارہ فضا میں اُڑتا ہُوا نہیں بلکہ خلاء میں ساکت و جامد محسوس ہوتا تھا۔ ایسے موقعوں پر قُدرت کی عنایتوں پر انسان حیران ہوتا ہے۔ بہر کیف میری گھڑی پر ۹½ بجے اور ماسکو ٹائم ۷½ بجے جہاز ایئر پورٹ پر لینڈ کر گیا۔ وہاں پیس کونسل کے معزّز نمائندگان استقبال کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے۔ انھوں نے خندہ رُوئی سے گلے لپٹایا اور خوش آمدید کہا۔ کسٹم پر برائے نام چیکنگ کے بعد وہاں کے سب سے بڑے ہوٹل "رُوسیا" پہنچا دیے گئے۔ ہوائی اڈے سے شہر کوئی ۲۵ میل سے کیا کم ہوگا؟ راستے میں سڑک کے دونوں طرف سیمنٹ کے بڑے سے کراس کے نشان نظر پڑے معلوم ہُوا پچھلی جنگِ عظیم میں رُوس کے بعض اہم مقامات اور کارخانوں پر قبضہ کر کے جرمن فوجوں نے ماسکو کے دروازے پر آ دستک دی۔ پھر اسی مقام سے رُوسی جیالوں نے دست بدست جنگ کر کے اُنھیں واپس جرمنی دھکیل کر تاریخی شکست سے دوچار کیا۔ اُس وقت رُوئی کے گالوں کی طرح برف کی پھوار پڑ رہی تھی۔ پُورا علاقہ کہر آلُود اور برف کی دبیز چادر سے ڈھکا ہُوا تھا۔ جدھر دیکھو دُودھ کی مانند سفید ہی سفید دِکھائی دیتا۔ اپنے کمروں میں سامان رکھ کر مَیں اور مظہر علی خاں صاحب ریسٹورنٹ میں ناشتہ کرنے آ گئے۔ میزوں پر ڈیلی گیٹس کے ناموں کے کارڈ پہلے سے لگے ہوئے تھے۔ یہاں پر بے شمار ممالک کے امن کونسلوں کے وفُود دیکھنے میں آئے۔ فارغ ہو کر کچھ دیر آرام کیا۔ پھر غسل کر کے ماسکو امن کونسل کے ارکان اور عرب وفُود کے ساتھ لنچ کیا اور کچھ دیر تبادلۂ خیالات ہوتا رہا۔ پھر اپنے اپنے کمروں میں آ گئے۔ ہر کمرے میں ٹیلیفون اور ٹیلیویژن سیٹ موجود تھا اور دیگر ضروریات بھی قرینے سے لگی ہُوئی تھیں۔ ماسکو دراصل ایک دریا کا نام ہے جو اِس ہوٹل سے صاف دِکھائی دیتا ہے اور پانی موسم کی وجہ سے چاندی کی طرح سفید اور برف کی طویل ترین سِل بنا ہُوا ہے جس پر بچے دن بھر ہنستے، کھیلتے، دوڑتے نظر آتے ہیں۔

یہ جُمعۃ المبارک کا دِن تھا۔ اپنے سفارت خانہ کے ایک دوست جناب غلام سرور صاحب جو پشاور کے رہنے والے ہیں، مِلنے کے لیے ہوٹل تشریف لے آئے۔ دورانِ گفتگو مَیں نے اُن سے

پُوچھا آپ لوگ جُمعہ کی نماز کہاں ادا کرتے ہیں؟ اُنھوں نے مسجدِ تاتار کا نام لیا۔ مَیں نے وقت معلوم کیا تو اُنھوں نے کہا بس اب چلنا چاہیئے۔ زیرِ زمین ٹرین (ٹیوب) کے ذریعے چند سکّوں کے عوض کچھ ہی دیر میں جامع تاتار پہنچ گئے۔ وہاں یہ دیکھ کر خوشگوار حیرت ہُوئی کہ اگلی تین صفیں چھوڑ کر قطاروں میں کچھ لوگ سُنّتیں اور کچھ قرآن پڑھنے میں مشغول ہیں جن میں اکثریت نوجوانوں کی ہے خطیبِ مسجد جناب مصطفیٰ جان سے جب تعارف ہُوا تو میرا اُن سے پہلا سوال اِن پہلی صفوں کے بارے ہی میں تھا۔ جواب میں انھوں نے فرمایا اکرامِ ضیف اسلام کی تعلیم ہے۔ سفارت خانوں کے مُسلمان عہدہ دار ذرا دیر سے آتے ہیں، ہمارا فرض ہے معزز مہمانوں کو پہلی صفوں میں جگہ دیں۔ مَیں نے دیکھا وہاں تک جانے کے لیے بیچ میں ذراسی پگڈنڈی چھوڑ رکھی ہے جسے دیکھ کر اور خوشی ہُوئی کہ پھلانگ کر نہیں جانا پڑتا جو شرعًا ممنوع ہے۔ یہ اہتمام قابلِ داد ہے اور قابلِ تقلید بھی۔ جہاں ایسی صُورتِ حال ہو وہاں ضرور اس کا اہتمام ہونا چاہیئے۔ اور یہ جان کر تو ازحد مسرت ہوئی کہ حضرت مولانا عُبید اللہ سِندھیؒ اپنے قیامِ ماسکو کے دوران اِسی مسجد میں علماء کو درسِ قرآنِ حکیم دیتے رہے ہیں۔ اور سُنا ہے کہ مولانا سِندھیؒ کے بعض شاگرد اِن دنوں بخارا و تاشقند میں تدریسِ قرآن و حدیث کا فریضہ ادا کرنے میں مصروف ہیں۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ وَبَارِكْ۔

ہم مسجدِ تاتار سے واپس آئے ہی تھے کہ سفارت خانہ کی کار ہمیں لینے کے لیے آگئی اُس روز سفیرِ پاکستان مسٹر ایس۔ اے دہلوی کے ساتھ شام کی چائے پینے کا پروگرام تھا۔ اُن سے بین الاقوامی مسائل پر گفتگو رہی۔ مسٹر دہلوی پاکستان کے چوٹی کے سفارت کاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ میرا اُن سے تعارف مولانا سِندھیؒ کے نام سے ہُوا بلکہ اِس سارے سفر میں یہی میرا ذریعۂ تعارف بنا۔ مسٹر دہلوی کی معلومات مولانا سِندھیؒ کے بارے میں بھی خاصی تھیں جس پر مجھے تعجب ہُوا۔ مَیں نے ذریعہ دریافت کیا تو انھوں نے سابق گورنر بنگال مسٹر عبدالرحمٰن صدیقی کا نام لیا جن سے موصُوف کی عزیزداری ہے۔ سفارت خانہ سے واپسی پر معلوم ہُوا کہ ماسکو امن کونسل والوں نے شہر میں پروگرام رکھا ہُوا ہے۔ چنانچہ رات گئے تک اُن کے پروگرام جاری رہے۔ اِن دنوں یہاں اتنی ظالم سردی پڑ رہی ہے کہ اگر میرے کرم فرما جناب عبداللہ ملک چلتے وقت اپنا چینی طرز کا اوور کوٹ عنایت نہ فرماتے تو خدا معلوم رُوس اور بلغاریہ میں میرا کیا حشر ہوتا۔ خیر جیسے ہی واپس ہوٹل پہنچے سردی بھُول بھال گئی۔ پُورا ہوٹل، جس کے پانچ ہزار کمرے، سینکڑوں ریستوران اور بیسیوں لفٹ

ہر وقت مصروفِ کار ہیں۔ اِنھیں گرم رکھنے کے لیے جدید ترین مشینری سے کام لیا جا رہا ہے۔ یُوں لگتا ہے جیسے باہر برف باری اور اندر آتش باری ہو رہی ہو۔ صبح ناشتہ کے بعد بلغاریہ جانے کی تیّاری شروع ہو گئی۔ دوپہر کو روانہ ہُوئے۔ لنچ جہاز میں دیا گیا۔ عصر کے وقت بعافیت اپنی منزلِ مقصود پر صوفیہ پہنچ گئے۔ یہاں استقبال کا بڑا معقول بندوبست تھا اور مُلک مُلک کے لوگ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے بڑی تعداد میں جمع ہو چکے تھے۔

۱۶ فروری ۱۹۷۴ء کی صُبح ۱۰ بجے ایک شاندار ہال میں تزک و احتشام سے ورلڈ پیس کانگرس کا اجلاس شروع ہُوا۔ تقاریر سُننے کے لیے ہر ڈیلی گیٹ کو ہیڈ فون کی طرز کا ایک آلہ مہیّا کیا گیا جس سے آٹومیٹک طور پر بیک وقت چھ زبانوں میں سے کسی ایک میں مقرّر کی تقریر سُنی جا سکتی ہے۔ چنانچہ اتوار کی شام کو یاسر عرفات کی عربی میں ایک زناٹے دار تقریر ہوئی۔ وہ پانچ منٹ تقریر کرتے، ہال دس منٹ تالیوں سے گونجتا۔ انھوں نے ایک ہاتھ میں زیتون کی تازہ شاخ اور دُوسرے میں رائفل تھام رکھی تھی۔ اِس مردِ مُجاہد نے ظالموں کو للکارا اور بڑے جوش و ولولے سے کہا ہم امریکہ اور اسرائیل کے کُشتۂ ستم ہیں۔ کہاں ہے یُو این او؟ اور اُس کا بلند بانگ چارٹر؟ جسے سامراجیوں کی شہ پر اسرائیل بے دردی سے پامال کر رہا ہے۔ ہمیں بتلایا جائے آخر کس جُرم کی پاداش میں ہمارے بچّوں کو سنگین کی نوک پر وطن سے نکال باہر کیا گیا ہے؟ انھوں نے کیا کِیا ہے؟ کہ اُنھیں اُن کے مکانوں اور زمینوں سے ظلماً بے دخل کر کے اُن کی جگہ صیہُونیوں کو باہر سے لاکر بسایا جا رہا ہے۔ آخر کس وجہ سے فلسطینی معاشرہ اور اس کی قدروں کو تلپٹ کیا گیا ہے؟ اور مقبوضہ فلسطین کے بچّوں، عورتوں، بُوڑھوں پر کیوں زندگی اجیرن کر دی گئی ہے؟ اہلِ فلسطین انسانیت کے علمبردار اور امن و آشتی کے متوالے ہیں۔ ہم اقوامِ متحدہ اور دُنیا بھر سے انصاف کی اپیل کرتے ہیں اور امن و سلامتی کی خاطر ہر قربانی دینے کو تیّار ہیں۔ ہم صرف اپنا حق مانگتے ہیں، کسی کا حق غصب کرنا نہیں چاہتے۔ اگر ہمارا حق ہمیں نہ دیا گیا اور ہمیں جنگ پر مجبُور کیا گیا تو یاد رکھیے مادرِ وطن فلسطین کا بچّہ بچّہ سرزمینِ انبیاءؑ پر کٹ مرے گا لیکن اپنے حق سے دستبردار نہیں ہو گا۔ میرے ایک ہاتھ میں امن کا سمبل (شاخِ زیتون) اور دُوسرے میں بندوق ہے۔ اب یہ فیصلہ دُوسروں نے کرنا ہے کہ وہ امن چاہتے ہیں یا جنگ۔ آپ جو فیصلہ کریں گے ہمیں اُس کے لیے تیّار پائیں گے۔

میں نے اشتراکیت کے ہمنوا اسرائیلی و امریکن نمائندوں کی طرف دیکھا۔ وہ چکنا گھڑا بنے سب کچھ سُن رہے تھے اور اندر کی یہ کیفیت کہ کاٹو تو لہُو نہیں بدن میں۔ کانفرنس ہال میں یاسر عرفات کی مقبُول و متحرّک شخصیت سب کو متاثّر کر رہی تھی۔ وہ اپنی معنی خیز مسکراہٹ، گُونج دار آواز، جذبۂ صادق اور عزمِ کامل کی وجہ سے عوام و خواص سب کی توجّہ کا مرکز بنے ہوئے تھے ـــــ ۱۸ر فروری پیر کی صُبح ایشیائی مسائل پر جناب مظہر علی خاں کی سنجیدہ اور پُر مغز تقریر ہُوئی جسے سب نے سراہا۔ اُسی رات کے ایک خاص اجتماع میں "اسلام اور امن" کے موضوع پر میری تقریر ہُوئی جس کا ترجمہ محترم سی۔آر۔ اسلم کے فرزندِ گرامی ساتھ ساتھ کرتے گئے۔ وہ آجکل بسلسلۂ تعلیم یہاں تشریف رکھتے ہیں۔ رُوس اور بلغاریہ کے پادری صاحبان اور مصری نمائندہ نے اس کی بھرپور حمایت کی جس پر اسرائیلی نمائندہ برہم ہُوا اور امریکی نمائندہ نے اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی لیکن میرے جواب کو ہال میں پسند کیا گیا۔ کانفرنس کے اختتامی اجلاس میں اس عزم کو دُہرایا گیا کہ ہمہ جہت ترقّی و مساوات اور عالمی امن کے قیام اور اس کے فروغ کے لیے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھّی جائے گی۔ اِس وقت بعض بین الاقوامی طاقتیں مہیب و مہلک ہتھیاروں کی خفیہ تیّاری میں مصروف ہیں۔ بدقسمتی سے روشنی اور جمہوریّت کے اس دَور میں بھی توازنِ سیاست انہی طاقتوں کے گرد گھُوم رہا ہے جنھوں نے پچھلی جنگِ عظیم میں قیامت بپا کر دی تھی۔ اِسی طرح سیاسی اخلاق و آداب کا بھی دیوالہ پٹ گیا ہے کہ وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب اُلٹا۔

دورانِ اجلاس امن و آشتی کی فضا کو ٹھیس پہنچانے والے بعض گنجلک مسائل بھی زیرِ بحث آئے جنھیں دیدہ وَری سے سُلجھانے کی کوشش کی گئی۔

امن کونسل کا ماٹو ہے :

ہر قیمت پر امن   دُنیا میں   فضا میں   اور خلا میں

یہ ایٹمی دَور ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی نے دُنیا کی کایا پلٹ دی ہے۔ اگر انسان نے جوہری توانائی کے مثبت اور تعمیری استعمال کا سلیقہ سیکھ لیا تو یہ اُس کے حق میں ابرِ رحمت سے کم ثابت نہ ہوگا اور اگر خدانخواستہ اِس خوفناک جن پر قابو نہ پایا جا سکا تو پھر ایک وقت آئے گا کہ انسانیّت خُودکُشی کرنے پر مجبُور ہو جائے گی۔ اِس لیے آج امنِ عالم کی خاطر باہمی اعتماد و تعاون کی اشد ضرورت ہے اور ایسی کانفرنسوں سے افہام و تفہیم میں بڑی مدد ملتی ہے۔

اختتامِ کانفرنس کے بعد منگل کی شام کو ہم لوگ پھر ماسکو آ گئے۔ یہاں امن کونسل کی منتظمہ نے رنگا رنگ تفریحی پروگرام مرتب کیے ہوئے تھے اور ہمیں یہ پیش کش ہوئی کہ کسی بھی مقام کی سیر کرنا چاہیں تو پیس کونسل اپنے معزز مہمان کے طور پر سفر کا انتظام کرے گی۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے بُخارا و سمرقند اور تاشقند وغیرہ علاقوں کی سیر کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ دل تو میرا بھی یہی چاہتا تھا لیکن میں مجلسِ ذکر اور جمعہ پر لاہور واپس پہنچنے کا وعدہ کر گیا تھا۔ چنانچہ جناب مظہر علی خان صاحب اور دیگر ارکانِ وفد اگلے سفر پر روانہ ہو گئے اور میں پروگرام کے مطابق لاہور روانہ ہو گیا۔

روانگی سے قبل آخری تقریب میں مہمانوں نے میزبانوں کا شکریہ ادا کیا اور تبادلۂ تحائف ہُوا۔ مجھے حکومتِ رُوس کی طرف سے مسٹر شلنش نے نہایت قیمتی کاغذ پر تاشقند کا ۱۹۶۰ء کا مطبوعہ قرآنِ کریم عنایت فرمایا جسے میں نے چُوم کر آنکھوں سے لگایا اور شاعرِ مشرق کے اس مصرعہ سے دِلی شکریہ ادا کیا۔ ع

این کتابے نیست چیزے دیگر است

اس موقع پر میں نے اپنے دادا حضرت مولانا عُبید اللہ سندھیؒ کے ساتھ بیتے ہوئے اُس تاریخی واقعہ کا ذکر کیا اور اظہارِ ممنونیت کیا جو رُوسی حکومت نے ۱۹۲۲ء میں مولانا سندھیؒ اور اُن کے رفقاء کو سیاسی پناہ دے کر کیا تھا۔ افغانستان کی جنگِ استقلال کے بعد انگریزوں سے جب امیر امان اللہ خان کی صُلح ہو گئی تو ہندوستانی انقلابیوں کے لیے وہاں کام کرنا ممکن نہ رہا اور وُہ کہیں اور پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ اس آڑے وقت میں رشین گورنمنٹ نے نہ صرف یہ کہ مولانا سندھیؒ اور اُن کے ساتھیوں کو پناہ دی اور شرفِ مہمانی بخشا بلکہ آزادیٔ ہند کے سلسلہ میں اُس وقت کے وزیرِ خارجہ مسٹر چیچرن سے صلاح و مشورہ اور تبادلۂ خیالات کے لیے متعدد ملاقاتوں کا اہتمام بھی کیا جس کا سیاسی حلقوں نے بہت اچھا اثر لیا۔ تقریباً ایک برس وہاں قیام اور سیاسی نظام کے مطالعہ کے بعد مولاناؒ کی خواہش پر اُنھیں بحفاظت ترکی پہنچا دیا گیا۔ پھر وہاں سے وُہ مکّہ معظمہ تشریف لے گئے۔ تمام شرکاء اور میزبانوں نے اس اہم واقعہ کی یاددہانی کو بنظرِ استحسان دیکھا اور جذباتِ تشکّر کا تشکّر سے جواب دیا۔

ایسی کانفرنسوں میں اخبار نویسوں اور پریس نمائندوں کے ٹھٹھ لگ جاتے ہیں۔ کچھ ایسی ہی صُورتحال یہاں بھی تھی۔ ایک دو دفعہ بعض ادیبوں اور صحافیوں سے کچھ مسائل

پر تبادلۂ افکار ہُوا۔ وہ اللہ کے بندے دیگر دقیانوسی مذاہب کی طرح اسلام کو بھی ترقّی کی راہ میں حائل سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اسلامی اخلاقیات کی قدر کرتے ہیں لیکن انھیں معلوم نہیں کہ اسلام سولھویں صدی کی عیسائیت کی طرح محض توہمات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک متحرک، ترقی پسند اور تمام اُلجھے ہوئے مسائل کو حل کرنے والا انقلابی نظامِ زندگی ہے۔ یہود و نصاریٰ کے دل پر مسلمانوں کی تاریخی کامیابی سے جو گھاؤ آیا تھا وہ وقت بڑھنے کے ساتھ ناسور میں بدل گیا۔ کچھ وہی اثرات اِن آزاد خیال دانشوروں میں نظر آتے ہیں۔ وہ آزادی کی طرح تعلیم کو انسان کا پیدائشی حق — اور بیسک تعلیم کو مدر لینگویج میں ضروری سمجھتے ہیں اور نیشنل لینگویج کو ثانوی تعلیم کا حصّہ اور انٹرنیشنل لینگویج کا جوڑ ہائر ایجوکیشن سے لگاتے ہیں۔ تکنیکی تعلیم کو کامرس اور آرٹس کی تعلیم سے بدرجہا بہتر تصوّر کرتے ہیں۔ آج کے ترقّی یافتہ دَور میں تعلیم کو جتنی بھی اہمیّت دی جائے کم ہے۔ لیکن بقول مولانا سندھیؒ کسی قوم کی ہمہ جہت ترقّی محض تعلیمی قابلیّت پر منحصر نہیں۔ اِس کے لیے اجتماعی سیاسی شعُور کی بیداری لازمی ہے۔ اور یہ سیاسی شعُور ہی تو ہے جو انسان کو بربرّیت و انارکی اور تہذیب و جمہُوریّت کے درمیان اِنتخاب کی راہ سجھاتا ہے اور انتخاب کی غلطی ہمیشہ بھیانک نتائج سے دوچار کرتی ہے اور جب اِن سے ادب برائے ادب اور ادب برائے زندگی کی بات چھڑی تو اندازہ ہُوا کہ وُہ معاشی اور مادّی توجیہ کو ہر دُوسرے ادبی نقطۂ نظر پر ترجیح دیتے ہیں اور اُن کے نزدیک زندگی اور ادب ہر دو کی اساسی قدریں مادّی قدریں ہی ہیں۔

دورانِ گفتگو مَیں نے شاہ ولی اللہ کے بعض اقتصادی و معاشی نظریات پیش کیے تو وہ میرا مُنہ تکنے لگے جیسے کوئی اچنبھے کی بات کہہ دی ہو۔ اُن میں سے دو صحافیوں نے ڈائری نکال کر شاہ ولی اللہ کا نام اور نظریات نوٹ کر لیے۔

مَیں نے مستقبل کے ادب و صحافت کے بارے میں اُن کی رائے پُوچھی تو اُن میں سے ایک نے زیرِ لب مسکراتے ہُوئے کہا اب تو ہر کوئی انجینئر، ڈاکٹر، سائنٹسٹ اور خلا باز بننا چاہتا ہے۔ خطرہ ہے کہیں تعلیم کی طرح ادبیات و صحافت پر بھی عورتوں کا قبضہ نہ ہو جائے۔ پھر اخبارات و جرائد میں مَردوں کی دال نہ گل سکے گی۔ اِس پر خُوب قہقہہ پڑا۔

یورپ میں اخبار زندگی کا لازمی جُزو ہے۔ جو کچھ اِس میں مختلف انداز میں چھپتا ہے، وُہ اُن کے ذہنوں پر پرنٹ ہو جاتا ہے۔ اِس طرح سارا یورپ ایک ہی انداز میں سوچنے لگ گیا ہے

اور وہ ہے زندگی کا مادی رُخ۔ پھر لُطف کی بات یہ ہے کہ مادی احتیاجات کی کوئی حد نہیں اور ہر انسان کے لیے اس کا حصُول ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ جونہی ایک خواہش پُوری ہوتی ہے دُوسری اُس کی جگہ لے لیتی ہے۔ اِس طرح ہر روز نت نئی خواہشات پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ مثلاً تعلیم کے بعد ہائی گریڈ ملازمت اور تعلیم یافتہ قبول صُورت بیوی، پھر نئے ماڈل کی کار اور فیشن ایبل علاقہ میں کوٹھی، اِس کے بعد اولاد کی تعلیم و تربیت، علاج معالجہ، سیر و تفریح کے لیے بنک بیلنس وغیرہ وغیرہ۔ غرض انسان تو ختم ہو جاتا ہے لیکن اُس کی خواہشات کبھی ختم نہیں ہوتیں اور جُوں جُوں انسان اور اُس کی لامتناہی خواہشات بڑھ رہی ہیں اِسی نسبت سے وسائلِ حیات کم سے کم تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اِس طرح مسابقت و مقابلہ جنگ و جدل کی کہانی کا رُوپ دھار کر اختتام کو پہنچ جاتا ہے۔

میرا یورپ کا یہ پہلا سفر ہے۔ دورانِ سفر میں نے یہ چیز خاص طور پر نوٹ کی کہ وقت اور اصُول کی پابندی نظافت و پاکیزگی اور ایٹی کیٹ کا یورپ میں بہت خیال رکھا جاتا ہے اور اب یہ تہذیب اپنے عرُوج کو پہنچ چکی ہے۔ میرا جس شہر میں بھی قیام ہُوا، ہوٹل میں رات سونے سے قبل اور سویرے سات بجے فون کی گھنٹی پر ریسیور اُٹھاتے ہی گُڈ نائٹ اور تڑکے گُڈ مارننگ اور یُوں شب بخیر اور صبح بخیر کی صحّت و سلامتی کی دُعا کانوں میں رس گھولتی رہی۔ یہاں کے ہر شعبۂ زندگی میں مرد و عورت شانہ بشانہ کام کرتے ہیں۔ اب چونکہ وقت کے ساتھ ساتھ اقدار بھی بدلتی جا رہی ہیں۔ پہلے عورت گھریلو کام کاج اور بچّوں کی پرورش میں مصروف رہتی تھی، اب اُسے چراغِ خانہ سے شمعِ محفل بنا دیا گیا ہے، گویا پنبہ و آتش کو جمع کر دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں نمود و نمائش اور بیہُودہ قسم کے ملبوسات کا استعمال تیزی سے پھیلتا جا رہا ہے۔ پہلے جسم کا نظر آنا محال تھا اب جسم کا نظر نہ آنا ناممکن ہے۔ چہروں پر میک اپ کی تہیں چڑھائی جا رہی ہیں، ناخنوں پر رنگ تھوپا جا رہا ہے۔ اِس طرح قدرتی حُسن کی تابندگی فنا ہوتی جا رہی ہے اور بے نُور قسم کی کشش باقی رہ گئی ہے۔ میرے خیال میں مشرق و مغرب پر یہ ستم جنس اور جرائم سے مملو ایکشن فلموں نے ڈھایا ہے۔ یہیں سے اخلاقی بگاڑ کی وجہ بھی سمجھ میں آ جاتی ہے۔ بچّے تعلیم گاہوں سے زیادہ گھر کے ماحول اور ماؤں سے سیکھتے ہیں۔ ماؤں کی پیشانیوں پر جو کچھ لکھا ہوتا ہے بالآخر وہی قوم کا مقدّر بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کردار سازی کے لیے عورت کو مقدّم سمجھا جاتا ہے لہٰذا ملّت کی

شامِ اَلم کو صُبحِ بہار سے بدلنے کی اصل ذِمّہ داری عورت پر عائد ہوتی ہے۔

یہاں صفائی کا یہ عالم ہے کہ کوڑا کرکٹ، چھلکا، کاغذ کہیں نظر نہیں آتا۔ ہوٹل کے کمرے اِس درجہ صاف سُتھرے ہیں جیسے تعمیر و تزئین کے بعد ابھی تک یہاں کسی نے قدم نہیں رکھا اور اشیاءِ خورد و نوش کو کسی مرحلہ پر انسانی ہاتھ نہیں لگتا۔ کھیت اور زراعتی فارم سے لے کر حلق میں اُتارنے تک تمام کام مشینوں اور آلاتِ کٹلری سے لیا جاتا ہے اور ڈرائنگ رُوم میں داخل ہوتے ہی ایک دفعہ تو اجنبی کو اِس کی نفاست و زیبائش اور سامانِ تعیش کی فراوانی حیرت زدہ کر دیتی ہے۔ اُجلے شفّاف نیپکن، ٹیبل کلاتھ، نفیس کراکری، رنگا رنگ خوشبُودار پھولوں کی مہک اور دُودھیا روشنی آنکھوں کو خیرہ کیے دیتی ہے اور جہاں تک لباس کا تعلق ہے ہمارے ساتھ کبھی ڈنر پر امیر، وزیر اور سفیر بھی ہوتے لیکن کیا مجال اُن کے اور اِنٹرپریٹر، ویٹر اور ویٹرس کے لباس میں کوئی فرق نظر آجائے، اور کچھ ایسا ہی حال ہیئر ڈیکوریشن والوں کا ہے۔ اُن کی تراش خراش، وضع قطع، تن زیب لباس اور جگمگ جگمگ کرتے ہیئر کٹنگ سیلون کو دیکھکر خواہ مخواہ ان سے حجامت بنوانے کو جی چاہتا ہے۔

یہ تو رہی یہاں کی ظاہری چکا چوند، اندر کا حال سُنتے ہیں پتلا ہے۔ بہرکیف جب اسلام نے دُنیا کو امن و سلامتی، پاکیزگیٔ اخلاق و معاملات اور عفّتِ قلب و نظر کی تعلیم دی اور علم کی شمع روشن کی، اُس وقت سارا یورپ تہذیب و شائستگی اور علم کی روشنی سے کوسوں دُور تھا۔ یہ علم و حکمت کی جوت اسلام نے جگائی ہے لیکن افسوس کہ اب مسلمان اِس سے پیچھے ہٹتے اور اہلِ یورپ حدِ اعتدال سے بھی آگے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے اِس کا انجام اِس کے سوا اور کیا ہوگا ؎

تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکُشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

مکرّر: اِس خط کو صوفیہ میں لکھنا شروع کیا، کچھ ماسکو آکر لکھا، بقیّہ جہاز میں مکمّل کیا، مجھے تو ہر شہر اچھا لگتا ہے، صوفیہ بھی پسند آیا لیکن ماسکو کی بات ہی اور ہے۔ یہاں کے باشندے وجیہہ، صحت مند اور اپنے کام میں مگن، یہاں کی سڑکیں کُشادہ، ٹریفک رواں دواں — بازار بارونق، گرجوں کے بلند گنبد و مینار، کارخانے، فیکٹریاں اور وسیع و عریض عمارات، ماضی و حال

کو گلے ملاتی ہیں اور ایک کی دید سے دُوسرے کی عظمت آشکارا ہوتی ہے۔ ماسکو کا موسمِ سرما اتنا حسین ہے کہ پتّوں سے بے نیاز، دُودھ میں نہلائے ٹُنڈ مُنڈ درخت جیسے سپید کھدّر میں ملبُوس بہار کے انتظار میں ہاتھ باندھے کھڑے ہوں۔ اُدھر موسم کی یہ شدّت، اِدھر زندگی اپنی پُوری تابانی و دِلکشی کے ساتھ ہر طرف جلوہ افگن۔ جب سرما کا یہ حال ہے تو موسمِ بہار کی دلفریبیاں کیا ستم نہ ڈھاتی ہوں گی؟ جرمنوں اور فرانسیسیوں کو رُوسیوں سے ہمیشہ بَیر رہا ہے لیکن نپولین اور ہٹلر جیسے فاتحوں کو ماسکو ہی میں عبرتناک شکست ہُوئی۔

یہ رات کا پچھلا پہر ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے کھڑکی کے راستے چاند ہم سے اٹھکیلیاں کر رہا تھا نیلے آسمان پر تارے جھلملا رہے تھے۔ بار بار دھیان چاند کی طرف چلا جاتا۔ اب وہ غائب ہونے کی سوچ رہا ہے۔ صبا رفتار طیارہ تیزی سے کراچی کی طرف لپک رہا ہے۔ ابھی نُور کے تڑکے ہم کراچی اُترنے والے ہیں۔ صرف چند منٹ باقی ہیں۔ اب حرفِ آخر سُن لیجئے!

۱۹۱۷ء کا بالشویک انقلاب نہ صرف رُوسی شہنشاہیت کے خاتمہ کا ذریعہ بنا بلکہ دُنیا بھر کی بادشاہتوں کے لیے پیامِ اجل ثابت ہُوا۔ اور اس حیثیّت سے ۱۷۹۳ء کے انقلابِ فرانس کے بعد یہ دُوسرا ہمہ گیر انقلاب ہے جس نے کم و بیش ساری مہذّب دُنیا کو متاثر کیا ہے۔ اِسی وجہ سے رُوس کے انقلابی ہیرو وی آئی لینن اور بلغاریہ کے اشتراکی لیڈر دمتیروف کو وہاں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اُن کے خاکی مجسّموں کو ادویہ کے ذریعہ جُوں کا توُں محفوظ دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔ ممی مصریوں کا قدیم فن ہے لیکن یہ تو ایسے بیٹھے ہوئے ہیں جیسے دُنیا سے اُٹھے ہی نہ ہوں۔ چہرے، بالوں، ناخنوں کی رنگت سے زندہ مُردہ کی تمیز مشکل ہے۔ الغرض اُنھوں نے قوم کے لیے بے پناہ قربانیاں دیں۔ قوم نے اُنھیں زندہ رکھنے کا عزم کر لیا۔ سچ ہے بعض افراد قوموں پر بھاری ہوتے ہیں، اُن کا عزم بالجزم قوم کی ڈوبتی نیّا کو پار لگا دیتا ہے۔

لیجئے جہاز میں آواز اُبھری اپنی اپنی سیٹوں پر پیٹیاں باندھ لیں۔ ابھی تھوڑی دیر میں ہم کراچی انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر اُترنے والے ہیں۔

اَللہ بس۔ باقی ہوس۔ خدا حافظ و ناصر (خود نوشت)

احقر عبید اللہ انور

بنام سلطان الاولیاء حضرت مولانا حبیب اللہ مہاجر مدنی ثم مکی کے نام

پسِ منظر: مؤلف کو اللہ تعالیٰ نے ۱۹۶۵ء میں سفر حج پر جانے کی سعادت سے نوازا۔
یہ گرامی نامہ احقر کو حضرت اقدسؒ نے دستی عطا فرمایا (مؤلف)

○

باسمہٖ سُبحانہ

دفتر خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور ۸
مؤرخہ ۲۳، فروری ۱۹۶۵ء

سیدی المحترم دام بقاہ

تحیۃً وسلاماً۔ حامل عریضہ محترم بھائی عثمان غنی صاحب خوش قسمتی سے امسال اپنی والدہ ماجدہ کے ہمراہ زیارتِ حرمین الشریفین اور فریضۂ ادائیگیٔ حج کے سلسلہ میں تشریف لا رہے ہیں۔ موصوف کا شمار اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے آخری دَور کے متوسلین میں ہوتا ہے لیکن ان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی کرم ہے۔ اپنے ہمعصروں اور ہمجولیوں میں حضرت اقدسؒ سے خوب مستفید ہوئے ہیں، واقعی اللہ نے نوازا ہے۔ اس ناچیز نے چونکہ ان کے اُس دور کا بھی مشاہدہ کیا ہے جب کہ کلین شیو، اَپٹوڈیٹ بی اے پاس واہ کینٹ میں سرکاری ملازم تھے، اب عہدہ میں خدا نے ترقی عطا فرمائی ہے، چونکہ مستعد اور فرض شناس افسر ہیں لیکن اب خلوت وجلوت، ظاہر وباطن میں سچے دیندار ذاکر وشاغل مسلمان ہیں۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ وَبَارِكْ۔

عثمان بھائی کئی سال سے حج کا ارادہ رکھتے تھے مگر قرعہ کے قانون نے یہاں تک نوبت پہنچادی اور اس سال بھی قرعہ کی بجائے مایوسی ہی ہاتھ آئی لیکن جوشِ عقیدت وارادت اور والہانہ شوقِ حج نے پاسپورٹ اور بحرین کا دشوار ترین راستہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا اور لطف یہ ہے کہ حکومت نے صرف آمد ورفت کی اجازت دی ہے اور زرِ مبادلہ قطعاً ایک پائی نہیں دیا۔

اس بارہ میں اگر کوئی ضرورت پیش آجائے یا کسی دوسرے معاملہ میں تو ان پر جو کرم نوازی ہوگی، مَیں اُس کے لیے براہِ راست ممنون ومشکور رہوں گا۔

اُمید ہے کہ حضرتِ والا بعافیت ہوں گے۔ یہاں سب خیریت ہے۔ دعواتِ صالحہ

سے فراموش نہ فرمائیں۔ (خود نوشت)

والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ

سیاہ کار احقر عبیداللہ انور

○

بنام سیّد العارفین حضرت الحاج میاں عبدالہادی صاحب دین پوری نوّر اللہ مرقدہٗ

(تاریخ درج نہیں ہے)

سیّدی المحترم دامت برکاتہم !

تحیّۃ وسلاماً

حاملِ عریضہ آمنہ بی بی حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے متوسّلین میں سے ہیں۔ اسی طرح آنجناب سے بھی بے پناہ عقیدت رکھتی ہیں۔ عرصہ سے قدمبوسی کا شرف حاصل کرنا چاہتی تھیں لیکن حق تعالیٰ نے اب موقعہ مرحمت فرمایا ہے، اُمید ہے کہ ان کے حال پر خصوصی توجّہ فرمائینگے۔

احقر بھی ایک ضروری کام کے سلسلہ میں حاضر ہونا چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ جلدی اس کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ

احقر عبیداللہ انور (خود نوشت)

(نقل حضرت میاں ریاض احمد صاحب دین پوری سے دستیاب ہوئی، مؤلف)

○

حکیم محمّد اسحاق کیماوی مکّہ معظّمہ کے نام

مؤرّخہ ۲۳ فروری ۱۹۶۵ء

باسمہٖ سبحانہٗ

محترم المقام حکیم محمّد اسحاق کیماوی دام بقاہ

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ حاملِ عریضہ کرم فرمائے بندہ عثمان غنی صاحب المحترم اپنی معمّر والدہ ماجدہ

کے ہمراہ سفرِ مبارک حج و عمرہ و زیارتِ حرمین کے لیے تشریف لا رہے ہیں۔ موصوف ہمارے تبلیغی پرچہ "خدام الدین" ہفت روزہ کے خاص مضمون نگاروں میں سے ہیں اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ارادتمندوں میں ان کو مخصوص مقام حاصل ہے اور اس ناچیز کے ساتھ حقیقی بھائیوں سے بڑھ کر کرم فرماتے ہیں۔ لہٰذا میری گزارش ہے کہ جس طرح آنجناب نے گزشتہ اسفارِ حج و عمرہ میں ہمارے ساتھ احسان فرمایا تھا اگر ان کو ضرورت ہو تو بلا تکلف جس قدر رقم کی فرمائش کریں عنایت فرما دیں اور ان سے تحریر لے کر مجھے روانہ فرما دیں، جس کو فرمائیں گے فوراً لاہور میں ادا کر دی جائے گی اور اس کرم نوازی کے لیے احقر بطورِ خاص ممنون و مشکور رہو گا۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

سیاہ کار احقر عبیداللہ انور (خود نوشت)

○

بنام حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب مدظلہ (اٹک)

بدھ ۸ مارچ ۱۹۷۸ء سیدی المحترم لازالت معالیکم

تحیۃ وسلاماً۔ تفسیرِ قرآن کے حصہ آلِ عمران کی طباعت کا مژدہ سن کر قدرتی طور پر بڑی مسرت حاصل ہوئی۔ حق تعالیٰ اپنے کاموں کے لیے بعض مخصوص افرادِ اُمت کو چن لیا کرتے ہیں جو اس کا دستِ عمل بن جاتے ہیں، مجھے ایسا ہی معاملہ کچھ آپ کے ساتھ معلوم ہوتا ہے جس طرح اللہ رب العزت نے آپ کو تفقہ فی الدین اور فہمِ قرآنِ حکیم سے نوازا ہے اسی طرح اشاعتِ کتاب وسنت کی توفیق سے بھی بھرپور حصہ عطا فرمایا ہے، سو مبارک ہے وہ زندگی جو قرآنِ حکیم کے درس و مطالعہ، اس کے فکر و فلسفہ، اسرار و رموز میں غواصی، اس کے مطالب و معانی میں تدبر اور تفکر، اس کے عبر و حکم اور ضوابط و احکام میں غور و خوض اور اس کی نشر و اشاعت میں گزرے یہ نصیب اللہ اکبر — لیکن اس تحقیقی و تفسیری کارنامے پر مجھ بے بصیرت و ناکارہ کا کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مصداق ہے۔ امتثالاً للامر چند جملے کچھ سستی اور کچھ عدیم الفرصتی کی وجہ سے نہایت تاخیر سے ارسالِ خدمت ہیں۔ اس میں حک و اضافہ کا آنجناب کو کامل اختیار ہے — اُمید ہے کہ مزاجِ سامی بعافیت ہو گا۔ تمام پرسانِ حال سے سلام مسنون عرض ہے

محمّد اجمل سلّمہٗ محمّد اکمل سلّمہٗ سے سلام قبول فرمائیں، گھر سے اندرونِ خانہ کو سلام عرض کریں۔

والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ

احقر عُبیداللہ انور (خود نوشت)

—— ✿ ——

بنام حضرت مولانا قاضی زاہد الحُسینی صاحب مدظلّہ العالی

سیّدی المحترم انصرکم اللہ فی الدارین

تحیۃً وسلاماً۔

الطاف وعنایات کے بحرِ کرم نے پھر مشرّف فرمایا۔ عُمدہ دیدہ زیب سوئیٹر، رحمتِ کائنات کے جدید ایڈیشن کا نہایت مبارک، نظر افروز اور دِل کُشا نسخہ پاکر عشقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم کے سمندر میں تلاطم برپا ہوگیا، کس مُنہ سے شکریہ کیجیے اِس لُطفِ خاص کا۔

حق تعالیٰ اِن مساعی جمیلہ کو نجاتِ دارین کا ذریعہ بنائیں۔ دارالعلوم دیوبند کا تازہ پرچہ دیکھ کر افسوس ہُوا۔

مکرّمت نامہ سے ہمشیرہ مکرّمہ کا دارِ فانی سے دارالبقاء کی طرف کُوچ طبعًا باعثِ قلق ہُوا اِنّا لِلّٰہ واِنّا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ اپنے جوارِ رحمت میں بلند درجات سے نوازیں۔ پس ماندگان خاص کر مولانا محمّد الیاس صاحب، مولانا محمّد انور صاحب کو صبرِ جمیل اجرِ جزیل عطا فرمائیں۔ اب تو یہی اُن کا صدقہ جاریہ ہیں، خُدا سلامت رکھّے۔ آمین۔ سب کی خدمت میں سلام مسنون عرض کردیں۔

والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ

احقر عُبیداللہ انور (خود نوشت)

○

بنام جناب حافظ ملک عبدالواحد صاحب گوجرانولہ

۵ ستمبر ۱۹۸۳ء　　　　محبِّ صادق　زید مجدکم

سلام مسنون ۔ فرزندِ سوم سلمہٗ اللہ تعالیٰ کی خوشخبری سے دل شاد کام ہُوا محبّت و اخلاص سے لبریز ڈھیروں شیرینی کے لیے ڈھیر سارا ہدیۂ تشکّر قبول فرمایئے اور گھر میں سب سے سلام مسنون اور مبارک باد کہیے ۔

اللہ تعالیٰ آپ کے بچّوں کو اعلیٰ تعلیم و تربیّت سے سرفراز فرمائے اور اکابر کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے بلکہ آپ کی طرح قرآن پڑھنے کا جذبہ اور سلیقہ بھی نوازش فرمائے سچّی بات یہ ہے کہ جب آپ لحنِ داؤدی میں قرآن یا اذان بالکل مدنی انداز میں پڑھتے ہیں تو وہ دِل کی گہرائیوں میں اُتر کر رُوح کو گرماتی ہے جس سے آپ کے لیے بے اختیار دُعا نکلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے عمُر و اقبال اور سعادت مندی و کمال میں برکت عطا فرمائے۔ اِلٰہ العالمین۔ آمین۔

دُعا گو و دُعا جو　　احقر عبُید اللہ انور (خود نوشت)

○

حضرتِ اقدس امام الہدیٰؒ نے اپنے جملہ مجازین کو اجازتِ بیعت و ارشاد دیتے وقت یہ تحریر عنایت فرمائی

الحمد للہ وحدہ والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ من لا نبیّ بعدہ

محبّ مکرّم　　　سلام مسنون

مجھے آنجناب کے سلسلۂ عالیہ قادریہ راشدیہ کے اسباق کی تکمیل اور بعض دیگر احوال و کیفیات کا انتظار تھا جو بحمد اللہ تعالیٰ بطریقِ احسن پورے ہُوئے۔ اب مَیں انشراحِ قلب سے آپ کو مجازین بیعت و تلقین میں شامل کرتا ہوں اور توکّلاً علی اللہ اجازت دیتا ہوں کہ آپ طالبینِ صدق کو بیعت کر کے بالتّدریج ان کے اسباق مکمل کرایا کریں اور اپنے اوراد و اشغال دلجمعی سے جاری رکھیں اور سالکین کی استعداد کے مطابق ہمیشہ آسان اور سہل الحصول تدابیر اختیار کریں تاکہ طبیعت میں اکتاہٹ محسوس نہ ہو اور قوائے باطنیہ بھی جلا پا جائیں۔ اِس طریقِ عمل سے انشاء اللہ تزکیۂ قلب اور

تصفیۂ باطن کے ساتھ ساتھ ذاتِ حق جلَّ ذکرہٗ اور حبیبِ کبریا علیہ التّحیۃ والثنا سے محبّت اجاگر ہوگی اور انعاماتِ الٰہیہ شاملِ حال ہوں گے جس کی برکت سے حکمت و معرفت کے دروازے کھُل جائیں گے۔ اِس دور میں شاہ ولی اللہ راسخین فی العلم کے امام مانے جاتے ہیں، چونکہ علم کا مقصود عمل ہے۔ اِس لیے شریعت کی رُوح طریقت کو قرار دیا جاتا ہے۔ اِس موضوع پر شاہ صاحب نے نہایت بلند پایہ کتابیں لکھی ہیں۔ اگر خدا توفیق دے تو اُنھیں ضرور اپنے مطالعہ میں رکھیں۔ والامر بید اللہ وھو المعین والمستعان۔

والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ

احقر عُبید اللہ انور

۲۵ر محرّم ۱۴۰۵ھ ۲۱ر اکتوبر ۱۹۸۴ء

○

بنام حضرت مولانا سیّد جاوید حُسین شاہ صاحب مدظلّہٗ فیصل آباد

خلیفہ مجاز حضرت امام الہُدیٰ مولانا عُبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ

پس منظر: حضرت مولانا سیّد جاوید حسین شاہ صاحب رقمطراز ہیں کہ "ایک مرتبہ حضرتِ اقدس علیہ الرّحمۃ کافی دیر بعد مسجد سے فارغ ہوئے اور گھر کی طرف تشریف لے گئے، کچھ احباب حسبِ معمول ساتھ تھے۔ بندہ نے خلوت میں بات کرنے کی درخواست کی۔ آپؒ مکان کے اندر لے گئے اور وہاں مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ شروع فرمایا۔ بندہ نے بھی اُن کے متعلق کچھ عرض کیا جس کے ضمن میں رفعِ سبّابہ کا مسئلہ تذکرہ میں آیا کہ اُن کے صاحبزادوں اور خلفاء نے اس مسئلہ میں اُن سے اختلاف کیا ہے اور بعض نے رفعِ سبّابہ فی التّشہد کے اثبات میں رسائل بھی تصنیف کیے ہیں۔ جو بات کرنا تھی اُس سے فراغت کے بعد اجازت لے کر بندہ فیصل آباد آ گیا لیکن طبیعت نہایت بے چین اور پریشان تھی کہ حضرتؒ کی مجلس میں صرف حضرتؒ کے ارشادات کو سُننا چاہیے تھا، خود کہنا بے ادبی اور بے جا جسارت ہے۔ یہ مجھ سے سخت غلطی ہوئی۔ میرے بعض دوستوں نے مجھے مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ بزرگانِ محترم ہماری کتنی بڑی بڑی غلطیوں سے تسامح فرماتے ہیں، اس لیے آپ پریشان نہ ہوں لیکن بے چینی اور اضطراب میں کوئی کمی نہیں آئی۔ بمعذرت کے لیے خط لکھا جس کا جواب حضرتؒ نے ارسال فرمایا۔" (مؤلف)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم المقام شاہ صاحب

سلام مسنون۔ آنجناب نے جس واقعہ کا ذکر فرمایا ہے مجھے تو کچھ یاد نہیں۔ ویسے ہمارے مراسم جتنے اور جس نوعیت کے ہیں وہاں ان باتوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے اور خلقِ خدا کو زیادہ سے زیادہ آپ سے نفع پہنچائے ۔۔۔۔ الٰہ العالمین آمین۔

حضرت مولانا محمد ظریف صاحب مدظلہٗ اور دیگر پُرسانِ حال احباب کی خدمت میں سلام عرض کر دیں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ (خود نوشت)

انور

۲۳ مارچ ۱۹۸۴ء

○

بنام حضرت مولانا محمد ابراہیم بالاکوٹی

باسمہٖ سبحانہ

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب ادام اللہ برکاتہم

تحیۃ وسلامًا۔ یکے بعد دیگرے آنجناب کا اور صاحبزادہ صاحب کا خانپور حضرت الامیر مرکزیہ کی خدمتِ اقدس میں عیادت کے لیے جانا قابلِ ستائش امر ہے۔ حق تعالیٰ دُنیا و آخرت میں اس کا عظیم اجر عطا فرمائیں۔

وداع و وصل جداگانہ لذتے دارد ہزار بار بروصد ہزار بار بیا

آپ کی اس ہمتِ مردانہ کی جس قدر داد دی جائے کم ہے۔ اللہ ربّ العزت ساری جماعت کو اپنے اکابر کی اسی طرح عزت و توقیر نصیب فرمائیں۔ ہم سب کی طرف سے حضرت امیر دامت برکاتہم کی خدمت میں سلامِ نیاز عرض کریں اور خیریت معلوم کر کے واپسی پر اس کی تفصیل سے مطلع فرمائیں ۔۔۔۔ جب سے حضرت کی تکلیف کا پتہ چلا ہے ذاتی طور پر اور جلسوں میں برابر ان کے حق میں صحتِ کاملہ کی دُعائیں کرائی جا رہی ہیں ۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازیں۔

اِلٰہ العالمین آمین۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

۱۱ر مارچ ۱۹۷۵ء　　　سیہ کار احقر عُبید اللہ انور

○

جمعیۃ علمار اسلام کے ایک راہنما کے نام

سیدی المحترم دام بقاہ

تحیۃً وسلاماً۔ اتوار ۲۴ر جون کو جمعیۃ علمارِ اسلام پنجاب کا ایک نمائندہ اجلاس مدرسہ قاسم العلوم لاہور میں منعقد ہو رہا ہے، جس میں صوبہ بھر سے امیر، ناظمِ عمومی اور ناظمِ انتخابات شریک ہوں گے، اس موقعہ پر حضرت مفتی صاحب مدظلہم العالی بھی شرکت فرما رہے ہیں اور اُمید ہے کہ ہفتہ کی شام تک لاہور پہنچ جائیں گے۔ دریں اثنار ہماری درخواست ہے کہ حضرت والا بھی مہربانی فرما کر اس دن لاہور تشریف لے آئیں۔ انشار اللہ حضرت مفتی صاحب سے یہاں مفصل گفتگو بہتر فضار میں ہو سکے گی۔

جماعت کے مخلص احباب کی یہ دِلی تمنا ہے، اس لیے بطورِ خاص حضرت مولانا ابراہیم صاحب کو آنجناب کی خدمت میں بھیجا جا رہا ہے۔ اُمید ہے مزاجِ سامی بعافیت ہو گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ تا دیر ہم پر سلامت رکھیں۔ آمین

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

۱۶ر جون ۱۹۷۵ء　　　احقر عبیداللہ انور

○

حضرت مولانا احمد علی سراج (کویت) کی کتاب "مومن کے عقائد واعمال" پر تقریظ

خلیفہ مجاز جانشین امام الہدیٰ حضرت مولانا محمد اجمل قادری مدظلہ

عزیزم مولوی احمد علی سراج خلف الرشید مولانا سراج دین صاحب آف ڈیرہ اسمٰعیل خان کی کتاب "مومن کے عقائد واعمال" کا کچھ حصہ جو "عرب ٹائمز" کویت میں قسط وار شائع ہو رہا ہے،

نظر سے گزرا۔ الحمد للہ کہ عزیز موصوف کا انداز بڑا پسندیدہ اور شگفتہ ہے۔

ایک انسان کی زندگی میں عقائد کو جو اہمیت حاصل ہے اُس سے ہر ذی شعور انسان واقف ہے۔ انسان کی نجات وسعادتِ اُخروی کا انحصار عقائد کی صحت و درستی پر ہے لیکن افسوس کہ آج یہی شعبہ سب سے زیادہ ضعف و اضمحلال کا شکار ہے۔ سعید ہیں وہ رُوحیں جو اس شعبۂ حیات میں کام کر رہی ہیں اور جہاں تک اعمال کا تعلق ہے یہ وہ گل بُوٹے ہیں جن کے ذریعہ شجرِ حیات میں رونق آتی اور انسانی رُوح کو بالیدگی نصیب ہوتی ہے۔ یہ درست کہ بے عمل انسان کسی نہ کسی وقت بخشش کا مستحق ہو ہی جائے گا لیکن بے عملی کا وبال اتنا شدید ہے کہ اِس دُنیا اور اُس دُنیا میں اس سے دوچار ہونا ہی پڑتا ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ عقائد کی صحت و درستی کے بعد اعمال کا شوق پیدا ہو اور ایک مسلمان صحیح معنوں میں باعمل و باکردار بن جائے۔

عزیزی مولوی احمد علی صاحب ایک علمی گھرانے کے فرد ہیں۔ ان کے والد بزرگوار دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ اور مخدوم العلماء سیدی مطاعی حضرتِ اقدس مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد ہیں۔ عزیزی سلمہٗ نے بڑی جانکاہی اور محنت سے یہ کام کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو قبول فرمائے اور مُسلم برادری کے عقائد و اعمال کی درستی کا اِس مجموعہ کو ذریعہ بنائے۔

آمین بحُرمتہ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم

احقر عُبید اللہ انور

۴

عزیز مکرم مولوی احمد علی سراج صاحب سلمکم وعافاکم

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ

حاجی بشیر احمد صاحب کے توسط سے آپ کے سلام اور دینی سرگرمیوں کا علم ہوتا رہتا ہے مجلسِ ذکر کا بابرکت سلسلہ وہاں شروع ہُوا بڑی مسرت ہُوئی۔ تازہ خدام الدین میں اس کی رپورٹ بھی چھپ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اِس سلسلۂ خیر کو سب کے لیے نجات وسعادتِ اخروی کا ذریعہ بنائے۔

برادرِ دینی محمد باقر سلمہٗ صاحب اب تشریف لائے تو آپ کا گرانقدر تحفہ اجمل میاں سلمہٗ کی شادی کے سلسلہ میں لائے۔ جذباتِ تشکر کے ساتھ ساتھ رُواں رُواں آپ کے لیے دُعا گو ہے اللہ رب العزت اِس ربطِ باہمی کو اپنی رضا کی خاطر قبول فرمائے اور آپ کو اجرِ جزیل سے نوازے

آپ کی کتاب کا متعلقہ حصہ دیکھا، چند سطور ارسال ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیے، اور اِس نعمت کو آپ اور آپ کے والدین کے لیے ذریعۂ نجات بنائیے۔ جُملہ احباب سے سلام

والسّلام

احقر عُبید اللہ انور (خود نوشت)

○

مؤلّف کے نام

برادرِ محترم جناب عثمان غنی صاحب دام بقاہ

تحیتہً وسلاماً۔ حاملِ عریضہ بے چارہ عرصہ سے پریشان حال ہیں۔ موصوف چند روز پیشتر اِس سیہ کار کے پاس بسلسلہ ملازمت تشریف لائے تھے۔ ان کی خواہش ہے کہ کسی طرح ٹیکسلا چائنا فیکٹری میں ملازمت مل جائے۔ اِس بارے میں مجھ سے حضرت قاضی صاحب مدّظلہم کے نام مکتوب لینا چاہتے تھے، اسے مَیں نے سُوءِ ادبی سمجھا اور یہ تکلیف آپ کے سر ڈال دی کہ

کرم ہائے تو مارا کرد گُستاخ

خُدا نے چاہا تو آنجناب مع اہل وعیال بخیر وعافیت اور خوش وخرّم ہوں گے۔ اللہ کرے آپ کے واسطے سے ان کا کام ہو جائے۔ پُرسانِ حال احباب سے سلام اور گھر میں ہر خُرد وکلاں سے دُعا پیار کہہ دیں۔ بچّے آج مری سے واپس آنے والے ہیں۔ آپ کے ہر دو خط مِل چکے ہیں عنقریب اِستخارہ پر جواب سے مطّلع کر دیا جائے گا۔

والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ

۱۳ رجولائی ۱۹۷۱ء دُعاگو و دُعاجو احقر عُبیداللہ انور (خود نوشت)

❁

[پسِ منظر: احقر کو ایک مشکل درپیش تھی۔ ہماری تو ہر عرض وگزارش اپنے مربّیؒ ہی کی خدمت میں ہُوا کرتی تھی۔ یہ گرامی نامہ اُس سے متاثر ہو کر تحریر فرمایا اور اپنے خدّام خاص کے ہاتھ مع تحائف ارسال فرمایا]

(مؤلّف)

۷۸۶

۱۸ ردسمبر ۱۹۶۶ء اخی المکرّم! الحال اللہ بقاہ

تحیۃً وسلاماً۔ ہر دو گرامی نامے موصول ہوئے۔ یکم دسمبر والا پڑھ کر سخت رنج وقلق ہُوا لیکن ان حالات میں بھی ہدیے اور مبلغات؟ اچھا رزّاقِ کریم اس ماہِ صیام کی برکت سے دارین میں اضعافاً مضاعفہ برکت اور اجر وثواب سے نوازیں، آمین۔ یہ سیہ کار تو حسبِ عادت یا عدیم الفرصت ہونے کی وجہ سے تشکّر و امتنان سے بھی محروم رہا۔

کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ

بہرکیف، عدُو شرّے برانگیزد کہ خیرِ ما دراں باشد کے مصداق چند سطور اس حادثۂ فاجعہ کے سلسلہ میں زیرِ تحریر ہیں۔ پہلی فرصت میں تکمیل پذیر ہونے پر ملاحظہ کے لیے پوسٹ کی جائینگی۔ مکرّم بندہ جناب حاجی صاحب اور حضرت یُونس غالباً اسی آفتِ نازلہ سے متاثر ہو کر زیارت کے لیے واہ کینٹ آیا چاہتے ہیں۔ ایک نسخہ نماز مترجم خرُد۔ خرُدوں کی ضیافت کے لیے ارسال ہے۔ بچّوں کے لیے "بچّوں کی دُنیا" ثمینہ بی بی کے لیے "تعلیم و تربیّت" نیز "عیدی" حصّہ رسدی کے مطابق پیش ہے، اور "میٹھی عید" کی مناسبت سے سوّیاں رومالی اور ڈبّے کا میٹھا دُودھ.. "فارز" عید اور جمعہ کے استعمال کے لیے عطر دربار حاضر ہے اور ایک پیکٹ بسکٹ بچّوں کا تحفہ ہے۔ یہاں سب خیر وعافیّت ہے۔ واہ میں ملنے والوں سے سلام مسنون عرض کر دیں۔ فقط

نہ ہو نومید، نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے
اُمیدِ مردِ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں (علامہ اقبالؒ)

عُبید اللہ انور ۳ بجے شب

۵

[پس منظر: الفقر کی اہلیہ کا انتقال ہوگیا تو حضرت اقدسؒ کے خدّام یہ گرامی نامہ لاہور سے لے کر تشریف لائے۔ (مؤلف)]

بسمِ اللہِ الرّحمٰنِ الرّحیم

۱۴ جنوری ۱۹۷۷ء مجبّی عثمان غنی ابقاہ اللہ اِلیٰ یوم القرار

تحیۃً وسلاماً۔ کل اچانک اہلیہ محترمہ کے اِس دارِ فانی سے کُوچ کرنے کا سُن کر سخت دُکھ ہُوا۔ اِس سے پہلے والدہ ماجدہ کی رحلت کا صدمہ ابھی تازہ تھا کہ یہ حادثۂ جانکاہ پیش آیا۔ سچ ہے مصیبت جب آتی ہے تو ایک ساتھ آتی ہے۔ مومن نے کسی ایسے ہی ابتلاء کے وقت

کہا ہوگا ؎
برق کا آسمان پر ہے دماغ
پھونک کر میرے آشیانے کو

مرحومہ والدہ کے جنّت الفردوس کو سدھارنے کے بعد بیمار اور دُکھیا بیوی کا دم معصوم بچّوں کے لیے بسا غنیمت تھا۔ اب جبکہ وہ بھی طویل علالت کے بعد داغِ مفارقت دے گئی ہے ... تو اللہ کی مرضی۔ کون ہے جو دم مارے ـــــــ مَیں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ جب موت ایک اٹل حقیقت ہے اور رنج و غم اور انسان ایک ساتھ تخلیق ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ مصائب اور حوادث کو سہارنے کے لیے پتّھر کا دل بھی عطا فرمائے اور صبر و برداشت کی طاقت بھی۔۔ بالخصوص ننھّے مُنّے پھول سے بچّوں کو جب موت اُن کی ماں کو اُچک لے جاتی ہے تو وہ اور بھی قابلِ رحم ہو جاتے ہیں ؎

ہم بھی پُوچھتے پھرتے ہیں زمانے بھر سے
جن کی تقدیر بگڑتی ہے وہ کیا کرتے ہیں

آپ کا غم شریک بھائی

انور (خود نوشت)

(۲)

دُخترِ مؤلف کے نام

[پس منظر : حضرتِ اقدسؒ تبلیغی دورہ پر مری تشریف لائے تو میری بیٹی نے آپؒ کے نام ایک خط دیا جس کے جواب میں یہ گرامی نامہ عطا ہُوا (مؤلف)]

۷۸۶

کشمیر پوائنٹ، مری
بوقت ۲½ بجے سحر
۲۵ جولائی ۱۹۶۶ء

ثمینہ بیٹی جیو، خوش رہو!

وعلیکم السّلام ورحمۃ اللہ۔ تمہارا پہلا اچھّا سا خط ملا، پڑھ کر دل باغ باغ ہوگیا ـــ تمہارے چھوٹے بھائی اور تمہارا پانچوں وقت کی نماز اور قرآنِ مجید پڑھنے کا حال معلوم کر کے اور بھی خوشی ہُوئی۔ ثمینہ بیٹی خدا تمھیں، تمہارے سب بھائیوں اور تمہاری سب سہیلیوں کو دین

دُنیا کے ہر امتحان میں کامیاب و کامران کرے اور اس سہ ماہی امتحان میں بھی خدا تمھیں اچھے نمبروں پر کامیابی عطا کرے۔ آمین۔ پانچویں جماعت میں کامیابی کا انعام پانچ روپے اور ایک روپیہ خط لکھنے کا انعام یعنی کُل چھ روپے۔ عثمان بھائی (آپ کے پیارے، فاضل اور لائق ابّا جان) کے ہاتھ بھیج رہا ہُوں۔ نیز ایک ایک روپیہ تمھارے چھوٹے بھائیوں کے لیے بھیج رہا ہُوں۔ خداوندِ کریم آپ سب کو صحت مند، خوش و خرّم اور اپنی یاد کے ساتھ زندہ و سلامت رکھّیں۔ یا الٰہ العالمین۔ آمین۔ خدا نے چاہا تو جلدی واہ کینٹ آؤں گا۔ گھر میں بڑوں کو سلام، اور بچّوں کو دُعا پیار کہہ دیں۔

تمھارا سدا سفر میں رہنے والا چچا

عُبید اللہ انور (خودنوشت)

۴

باسمہٖ سُبحانہٗ

حبیب منزل لاہور

۷ نومبر ۱۹۶۷ء

اچھی بیٹی ثمینہ غنی جیو خوش رہو!

تمھارا لکھا ہُوا پیارا سا خط مِلا، پڑھ کر دِل باغ باغ ہوگیا۔ بیٹی! میرا واہ کینٹ آنے کا ارادہ پکّا ہے۔ تمھارے بھائی محمّد اجمل سلمہٗ و محمّد اکمل سلمہٗ ہَیں تو خیریّت سے لیکن وہ کسی سفر پر میرے ساتھ نہیں جاتے، ابھی سکول جاتے ہیں اور مسجد میں قاری صاحب سے قرآنِ حکیم حفظ کرتے ہیں۔ اگر ابھی سے باہر آنے جانے لگ جائیں تو تعلیم کا سخت حرج ہوگا۔ دُعا کرو حق تعالیٰ انھیں بھی عالم باعمل بنائیں اور دادا حضرتؒ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین گھر بھر میں سب بڑے چھوٹوں کو دُعا سلام کہنا۔ خدا تم سب کو لائق بنائے۔ آمین

احقر عبید اللہ انور (خودنوشت)

○

جناب باقر علی ظفر (کویت) کے نام

محترم باقر علی ظفر صاحب بسلسلہ ملازمت آج کل کویت میں مقیم ہیں۔ (مؤلف)

۲۸۶

ادارۂ سلسلۂ عالیہ قادریہ راشدیہ
شیرانوالہ دروازہ، لاہور
۲۴ دسمبر ۱۹۸۱ء

برادرِ دینی، محبّ مکرّم
السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حاجی بشیر احمد صاحب کے ذریعہ آپ کی خیریت معلوم ہوتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر طرح اپنے حفظ وامان میں رکھّے۔ جس دوست کی بچّی کے لیے آپ نے لکھّا ہے اُس کے لیے دُعا بھی کرتے ہیں اور سُورۂ یٰسٓ کی آیت نمبر ۳۶ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ، بعد نمازِ عشاء ۳۰۰ مرتبہ ۲۱ روز پڑھیں۔ کچھ دن کا وقفہ ڈال کر پھر ۲۱ دن پڑھیں۔ نیز اسی مقصد کو سامنے رکھ کر سُورۂ والضّحیٰ جتنی پڑھ سکیں پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے۔

باقی ہر طرح آپ کے لیے دُعا گو ہیں۔ اللہ تعالیٰ جہاں بھی رکھے خیریت سے رکھے اپنی یاد اور فکر کی توفیق دے۔ والدہ صاحبہ کو بھی اللہ تعالیٰ خیریت سے رکھّے۔

والسّلام
احقر عُبید اللہ انور

۞

مدرسہ قاسم العُلوم
شیرانوالہ دروازہ۔ لاہور
۱۵ مارچ ۱۹۸۳ء

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

مُحبّ گرامی جناب باقر علی ظفر صاحب سلّمکم وعافاکم
السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

حاجی بشیر احمد صاحب کے ذریعہ وقتاً فوقتاً آپ کے سلام اور خیریت کا عِلم ہوتا رہتا ہے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

حالیہ خط میں حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ تعالیٰ کی خواب میں زیارت نہایت مبارک ہے ——

بَارَكَ اللهُ لَكُمْ وَلِاَحِبَّائِكُمْ۔

در اصل آپ نے دیارِ غیر میں جس طرح اسلام کی ترجمانی و خدمت کی اور کر رہے ہیں، مجلسِ ذکر کا سِلسلہ شروع کیا ہے، خدّام الدّین کی توسیع میں سرگرمِ عمل ہیں، یہ اُس کا نقد اور

فوری ثمر ہے۔ ؏ پیا جس کو چاہے سُہاگن بنائے

عزیز مکرّم مولوی احمد علی سراج، عبد الرّؤف صاحب (جن کے مکان پر مجلسِ ذکر ہوتی ہے) اور دوسرے جملہ احباب و رفقاء اور حاضرین وصادرین سے انتہائی محبّت بھرا اور مخلصانہ سلام۔ دُعاؤں سے نہ دریغ کیا نہ آئندہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اپنی خصُوصی رحمتوں سے نوازے۔

والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

احقر عبُید اللہ انور

⁂

بسم اللہِ الرّحمٰنِ الرّحیم

مدرسہ قاسم العلُوم

شیرانوالہ دروازہ، لاہور

۲۰ جُون سنہ ۱۹۸۴ء

محترم بھائی باقر علی ظفر صاحب

سلام مسنون۔ اُمید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ حاجی بشیر احمد صاحب کی زبانی آپ حضرات کے حالات معلوم ہوتے رہتے ہیں۔ یہ سُن کر بڑی خوشی ہُوئی کہ مجلسِ ذکر کے لیے جناب عبد الصمد صاحب نے جگہ کی پیش کش کی ہے اور انھوں نے اپنی نئی جگہ پر مجلسِ ذکر کا انعقاد بھی کیا ہے۔ سُننے میں یہ بھی آیا ہے کہ سب سے پہلے مجلسِ ذکر کی یہاں پر ابتدا کرنے والے بھی یہی بھائی عبد الصمد ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ حضرات خصوصًا بھائی مولانا احمد علی سراج اور جاوید صاحبان جو اِس سلسلہ کو چلا رہے ہیں، اُن کے لیے دل سے دُعائیں نکلتی ہیں۔ جو ساتھی اِن مجالس میں شرکت کرتے اور حِصّہ لیتے ہیں، اُن تمام کو سلام کہنا۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی تمام نیک تمنّائیں پُوری فرمائے۔

محمّد اجمل اور محمّد اکمل صاحبان کی طرف سے بھی سلام قبول فرمائیں۔

والسّلام مع الاکرام

احقر عبید اللہ انور

○

بنام جناب صلاح الدین قریشی (کویت)

پس منظر: صلاح الدین قریشی صاحب انڈیا سے تعلق رکھتے ہیں اور بسلسلہ ملازمت کویت میں مقیم ہیں — (مؤلف)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدرسہ قاسم العلوم
شیرانوالہ دروازہ، لاہور
۴ مئی ۱۹۸۳ء

محبِّ مکرّم جناب قریشی صاحب سلّمکم وعافاکم
السّلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کی خواہشِ بیعت کی تکمیل میں چند لفظ لکھ رہا ہوں۔ آپ کے حُسنِ ظن کے پیشِ نظر ایسا ہُوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

پاک صاف کپڑے پہن کر باوضو قبلہ رُخ بیٹھ کر تصوّر یہ پیدا کریں کہ سب کچھ فنا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور مَیں ہُوں اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر یہ کلمات اپنی زبان سے دُہرائیں:

"توبہ کی مَیں نے کُفر سے، توبہ کی مَیں نے شرک سے، توبہ کی مَیں نے بدعت سے، توبہ کی مَیں نے اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی سے۔ اللہ تعالیٰ اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا جو حکم آپ بتائیں گے مَیں اُس کو دل سے مانوں گا اور اُس پر عمل کرونگا اس بات پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں۔"

اِس تصوّر سے یہ کلمات دُہرا کر یہ سمجھ لیں کہ بیعت ہوگئی اور حضرت الشّیخ عبد القادر جیلانی قدس سرّہٗ کے سلسلۂ عالیہ قادریہ راشدیہ میں آپ داخل ہوگئے۔ پانچ وقت نماز کی پابندی کریں اور دن رات میں دس تسبیح اَللّٰہ اَللّٰہ کی دل پر ضرب لگا کر پڑھیں اور کوشش کریں کسی کا دِل نہ دُکھایا جائے۔ آپ کی وجہ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ باقی خدام الدّین میں مجالسِ ذکر اور خطباتِ جُمعہ کو پڑھا کریں۔ اِس سے نصیحت حاصل کریں۔ ایک کارڈ بھائی باقر صاحب سے مِل جائے گا اُس کی پابندی کریں۔ اسباق وہ سمجھا دیں گے، اُن سے رابطہ رکھیں۔ اللہ تعالےٰ کامیاب فرمائے۔

والسّلام
احقر عُبید اللہ انور

بنام جناب عادل وردہ (کویت)

پس منظر: عادل وردہ صاحب ایک مصری باشندہ ہیں جو بسلسلۂ ملازمت کویت میں مقیم ہیں ——— (مؤلف)

دفتر ہفت روزہ خدام الدین
اندرون شیرانوالہ گیٹ لاہور
۶ر اکتوبر ۱۹۸۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم عادل وردہ صاحب

سلام مسنون۔ امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ محترم حاجی بشیر احمد صاحب نے آپ کے بارے میں تفصیلاً بتایا۔ آپ دین کی تعلیم کے لیے جو ذوق و شوق رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ اس میں مزید برکت عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دین اور دُنیا دونوں میں کامیاب و کامران فرمائے آمین

آپ کو باقاعدہ سلسلۂ عالیہ قادریہ راشدیہ میں بیعت کیا جاتا ہے۔ آپ کسی وقت باوضو ہو کر قبلہ رُخ التحیات کی شکل میں بیٹھ جائیں اور تصور کریں کہ اس وقت ہر چیز فنا ہے اور صرف اللہ کی ذات موجود ہے۔ پھر یہ کلمات اپنی زبان سے دُہرائیں:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

توبہ کی میں نے کفر سے، توبہ کی میں نے شرک سے، توبہ کی میں نے بدعت سے، توبہ کی میں نے اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی سے،

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حکم آپ بتائیں گے میں اُسے دل سے مانوں گا اور اُس پر عمل کروں گا۔ اس بات پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں۔"

یہ الفاظ دُہرانے کے بعد تصور کریں کہ آپ نے میرے ہاتھوں میں ہاتھ دے دیا ہے ہر نماز کے بعد دو تسبیح اللہ اللہ کی کیا کریں اور محسوس اس طرح ہو جس طرح دل پر چوٹ لگ رہی ہے۔ اگر ہر نماز کے بعد ممکن نہ ہو تو کسی وقت بھی اللہ کی دس تسبیحات کر لیا کریں اور خصوصاً نمازِ فجر سے پہلے یہی ذکر تھوڑی سی اونچی آواز کے ساتھ کر لیا کریں۔ مزید کوشش کریں کہ نماز قضا نہ ہو۔ کسی کا دل نہ دُکھائیں اور جو کارڈ آپ کو جناب باقر صاحب دیں وہ وظائف اُن سے سمجھ کر کر لیا کریں۔ اس سے بڑے فوائد ہوں گے۔ اور نمازِ فجر کے بعد گیارہ سو گیارہ

تسبیحات یَا مُغْنِیُ کی کر لیا کریں۔ انشاء اللہ رزق میں فراوانی ہو گی۔ باقی ہر قسم کی معلومات باقر صاحب سے حاصل کریں اور کسی قسم کی مزید معلومات حاصل کرنا ہو تو میرے نام خط لکھیں اور پتہ حاجی بشیر احمد صاحب کا لکھ دیں تاکہ تعمیل میں آسانی رہے۔

میری طرف سے مجلسِ ذکر میں شامل ہونے والے تمام حضرات کو سلام کہیں۔

والسّلام

احقر عُبید اللہ انور

⊙

بنام جناب محمّد طفیل بٹ صاحب و محمّد اشرف بٹ صاحب
سعُودی عرب (حال گوجرانوالہ)

۱۵ ستمبر ۱۹۷۹ء

محبّ مخلص، سلام و تحیّات

خاکِ یثرب از دو عالم خوش تر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دل بر است

آپ اپنے دُور افتادہ بھائیوں کو مسلسل یاد فرماتے رہتے ہیں، اِس کے لیے ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ آپ اپنی والدہ مرحُومہ کی نیک آرزوؤں کی تکمیل کے لیے وطن سے بے وطن ہُوئے اور محنت و مشقّت سے اُن کی مزید دُعائیں لینے کے لیے مصروفِ کار تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پیاری ہو گئیں۔ اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ موت بھی ایک طبعی امر ہے۔ اِس سے کسی کو رستگاری نہیں۔ لیکن بعض اموات ایسی ہوتی ہیں جن کے لیے انسان آمادہ نہیں ہوتا اور دل مانا نہیں کرتا۔ کیونکہ ماں سے بڑھ کر قدرت نے دُوسرا عطیہ انسان کے لیے پیدا ہی نہیں کیا۔ پھر حالتِ سفر میں اتنا بڑا حادثہ پیش آجانا۔ اور وہ بھی انتہائی نیک سیرت، شب بیدار اور دل و جان نچھاور کرنے والی محسنہ والدہ کا تو ایسے شخص کی دُنیا اور اُس کے سارے منصوبے اندھیر ہو کر رہ جاتے ہیں لیکن قضا و قدر کے فیصلوں کے آگے سر جُھکائے بغیر چارہ نہیں۔ اللہ آپ کو صبر و طمانیت عطا فرمائے۔

ایک حیثیّت سے آپ اور آپ کی مرحومہ والدہ دونوں خوش قسمت ہیں کہ ایسی پاکباز خاتون کو حق تعالیٰ نے نیک سیرت اور بلند کردار اولاد سے نوازا ہے جو نہ صرف اِس کے لیے بہترین

صدقۂ جاریہ ہے بلکہ حرمین الشریفین کے انوار و تجلّیات سے جو لازوال اور ابدی خزانے آپ لُوٹ رہے ہیں اس میں بھی وہ برابر کی شریک ہیں۔ اللّٰھم زد فزد وبارک۔ وفات سے چند روز پیشتر ایک دوپہر میں گھر آیا تو وہ اپنے نواسے اور صاحبزادی صاحبہ کے ساتھ ہمارے یہاں تشریف فرما تھیں۔ خوب دل کھول کے باتیں کیں اور آپ کی طرف سے مجلسِ ذکر کے مہمانوں کے کھانے کے لیے پانصد روپے عنایت فرمائے۔ کچھ تعویذ، سُرمہ، تناول ماحضر اور طویل باتوں کے بعد بہت خوش خوش دُعائیں دیتی ہوئی رخصت ہوئیں تو آنکھ کی شکایت کے سوا صحت اچھی معلوم ہوتی تھی۔ یہ قدرت کو معلوم تھا کہ یہ آخری ملاقات ہے، اب چل چلاؤ کا وقت ہے صحت سنبھلی نہیں بلکہ طبیعت سنبھالا لیے ہوئے تھی۔ جب کہ مقدس روانگی کے وقت آپ کی ملاقات بھی آخری ثابت ہوئی حالانکہ آپ لوگ کس نیّت سے گئے اور انھوں نے کس تمنّا و آرزو سے بھیجا تھا۔ بس یہ کاتبِ تقدیر کو پتہ تھا یہ عارضی رخصت دائمی رخصتی میں تبدیل ہو جائے گی ؏
تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ۔ اور حضرت دردؔ مرحوم نے ٹھیک کہا ہے ؎

دُنیا ہے چل چلاؤ کا رستہ سنبھل کے چل

آپ لوگ کس قدر خوش نصیب ہیں کہ دیارِ حبیب صلّی اللہ علیہ وسلّم اور دربارِ نبوی میں والیٔ بطحا کے قدمین شریفین میں محبُوبِ ربّ العالمین کی سُنّت کے عین مطابق اسی مسجد میں صیام و قیام اور اعتکاف جلیسی نعمتِ عظمٰی سے سرشار و سرفراز چند نادرہ روزگار عشّاقِ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی معیت میں لُطف اندوزِ رحمت ہوئے، یہ سعادت یہ نصیب اللہ اکبر کبیرًا۔

عید الفطر کے بعد حضرت مفتی صاحب، مولانا محمّد اجمل صاحب، شیخ ظہیر الدین صاحب بخیریت واپس آئے۔ شیخ صاحب سے آپ کے حالات سُن کر خوشی ہوئی۔ بھائی اشرف صاحب کا تحفہ نفیس کپڑا موصول ہُوا۔ اِس اخلاص کے لیے ممنون ہُوں۔ فرزندِ ارجمند کی دلی مبارک قبول فرمائیں۔ پروردگار نومولود مسعُود کو لمبی عمر دے۔ بلند اقبال اور صالح و مُصلح ہو۔ مِلّت کا ترجمان اور صحیح خدمت گزار ہو۔ آمین الٰہ العالمین۔

محمّد اجمل سلّمہ، محمّد اکمل سلّمہ اور پُوری جماعت کی طرف سے سلام مسنون قبول فرمائیں۔

پُرسانِ حال احباب اور واقف کار حضرات کی خدمت میں سلامِ نیاز اور درخواست دُعا پیشِ خدمت ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ　　دُعا گو و دُعا جو　　احقر عُبید اللہ انورؔ

(خود نوشت)

تحریر: ڈاکٹر محمد اکمل مدظلہ

ولادت

اپنے دور کے امام الاولیاء قطب الارشاد حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کے گھر بڑی مرادوں اور سحر خیز دعاؤں کے بعد شب جمعہ ۲۳ ذوالقعدہ ۱۳۴۲ھ بمطابق ۲۶ جون ۱۹۲۴ء کو آپکی ولادت باسعادت لاہور میں ہوئی۔

وجہ تسمیہ

آپکے جد امجد امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے نام پر عبیداللہ' اور پھر انہی کے فرمان پر محدث کبیر مولانا انور شاہ کاشمیریؒ کی نسبت سے انور تجویز ہوا۔ یوں اسم مبارک "عبید اللہ انور" ہوگیا۔

حضرت امروٹیؒ کی توجہ

انہی دنوں قافلہ سالار تحریک آزادی سرتاج الاولیاء سیدالعارفین مولانا تاج محمود امروٹیؒ لاہور تشریف لائے۔ نو مولود کو انکی گود میں دیا گیا۔ انہوں نے توجہ فرمائی اور سعادت مندی و بخت آوری کی پیش گوئی کی۔

ابتدائی تعلیم

چار برس چار ماہ اور چار دن کی عمر میں آپ کے نانا تحریک آزادی کے نامور مجاھد مولانا ابو محمد احمد چکوالیؒ نے علماء و صلحاء کے ایک اجتماع میں بسم اللہ کروائی۔

قرآن کریم اور ابتدائی فارسی و عربی اپنی والدہ ماجدہؒ سے پڑھیں۔ انجمن حمایت اسلام کے ہائی سکول واقع شیرانوالہ دروازہ سے پرائمری اعزاز کے ساتھ پاس کی بلکہ سکول بھر

میں اول آئے۔ اور منہ مانگے انعام کے طور پر آپکے والد بزرگوارؒ نے دوسری چیزوں کے علاوہ تاج محل آگرہ، جامع مسجد دھلی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور دارالعلوم دیوبند کی سیر کیلئے اپنے نومسلم خادم عبدالرحمٰن (چاند خان) کے ہمراہ بھیجا۔

دیوبند میں قیام

دوران سفر جب دارالعلوم دیوبند پہنچے تو اپنے بھائی حافظ حبیب اللہ (جو بعد میں سلطان الاولیاء شیخ المدینہ بنے) کے پاس ٹھر گئے اور کم سنی کے باوجود وہاں کے علوم و عرفان کی عطر بیز فضاؤں سے مستفید ہونے کی ٹھان لی۔ شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے پرسنل سیکریٹری قاری اصغر علی نگران استاد مقرر ہوئے۔

آشوب چشم

چند ہی مہینوں کے قیام دارالعلوم میں کئی سپارے حفظ کر ڈالے اور درجہ اولی کی کتابیں بڑے ذوق و شوق سے پڑھی جارہی تھیں کہ اچانک آنکھیں دکھنے آئیں۔ ٹراکومہ (Traehoma) کا حملہ شدید تھا۔ سلسلہ تعلیم منقطع کر کے گھر واپس آجانا پڑا۔ لاہور میں اپنے ماموں ڈاکٹر عبدالقوی لقمانؒ کے علاج سے افاقہ ہوا۔ یہاں بھی قاری عبدالکریمؒ سے پڑھتے رہے۔

مظاہر العلوم سہارن پور

۱۹۳۸ء میں جب طبیعت سنبھل گئی تو مظاہر العلوم بھیج دیے گئے۔ جہاں مولانا ظہور الحق دیوبندیؒ جیسے متقی اور پرہیز گار استاذ نگران مقرر ہوئے۔ وہاں مولانا عبدالرحمٰن مولانا اکبر علی، مفتی جمیل احمد تھانوی، اور امام النحو مولانا محمد صادق، وغیرھم سے استفادہ کیا۔ اور بقول خود اصل فائدہ ناظم مدرسہ مولانا عبداللطیفؒ اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی صحبت اور حضرت تھانویؒ، حضرت رائے پوریؒ اور بانی تبلیغ مولاناالیاسؒ کی متعدد بار زیارت اور مجلس سے ہوا۔

مارچ ۱۹۳۹ء میں فارسی کی انتہائی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھ رہے تھے کہ اپکے جد

امجد تحریک آزادی کے عظیم قائد امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ ۲۴ سالہ جلاوطنی کے بعد وطن واپس آئے۔

مکتوب مدنیؒ

جانشین شیخ الہند مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے حضرت لاہوریؒ کو لکھا کہ اپنے بڑے صاجزادے مولوی حبیب اللہ کو اپنے ساتھ اور دوسرے بیٹے مولوی عبیداللہ انور کو حضرت سندھیؒ کے ساتھ مامور کریں۔

امام سندھی سے تلمذ

ملک بھر کے مسلسل اسفار کے دوران حضرت مولانا عبیدا للہ سندھیؒ آپکو ہر فن کی کتابیں پڑھاتے رہے اور پھر سندات بھی دیں۔ اسطرح جیسے حضرت امام لاہوریؒ کو حضرت امام سندھیؒ کا پہلا شاگرد ہونے کا فخر حاصل ہے ایسے حضرت امام الہدیٰ مولانا عبیداللہ انورؒ کو آپکا آخری شاگرد ہونے کی سعادت نصیب ہوگئی۔

لطیفہ قلبی

حضرت سندھیؒ نے آپ کو حضرت مدنیؒ یا حضرت لاہوریؒ سے ذکر قلبی کا طریقہ سیکھ کر روزانہ ایک گھنٹہ ذکراللہ کے لئے مقرر کرنے کو کہا۔ اور فرمایا"انشاء اللہ کبھی کسی دجل و دجال کا اثر نہیں ہوگا"۔۔ پھر اس نور چشمان سندھیؒ ومدنیؒ و لاہوریؒ نے ذکر و فکر کو اتنا بڑھایا کہ ایک طرف تو رضا و لقاء الٰہی کے آسمان ہفتم تک پہنچے اور دوسری طرف کمالات ظاہری و باطنی اور حق گوئی و بے باکی کے اعلیٰ ترین اوصاف سے متصف ہوئے۔

دورہ حدیث شریف

حضرت سندھیؒ نے آپکو دوبارہ دیوبند داخل کروا دیا تھا۔ لہٰذا ۱۹۴۶ء میں آپ نے دورہ حدیث شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے پڑھا۔ اور پورے دارالعلوم میں امتیازی کامیابی حاصل کی اور اپنے جد امجد امام سندھیؒ والا اعزاز پایا۔

زیارت حرمین شریفین

اسی سال یعنی ۱۹۴۶ء میں سند فراغت اور شاندار کامیابی سے خوش ہوکر والد بزگوار حضرت لاہوریؒ آپکو ساتھ لے کر عازم حج ہوئے۔ یہ صرف انعام و تحسین کا سفر نہ تھا۔ بلکہ نگاہ شیخ کچھ اور ہی دیکھ رہی تھی۔ چنانچہ دوران سفر سلوک و مجاھدہ کی اھم منازل کا سفر شروع ہوگیا اور فاضل نوجوان مولانا انورؒ شریعت و طریقت کی عظیم شاہراہ پر گامزن ہوگئے اور جسکی تائید ایسے ہوئی کہ بعد میں تقدیر الٰہی اور منشاء ایزدی نے انہی کو اپنے دور کے امام الاولیاء حضرت شیخ التفسیر کی جانشینی کا اعزاز بخشا۔ قیام حرمین شریفین میں وہاں کے شیوخ اور اساتذہ سے بھی بھرپور فیض یاب ہونے کا موقع میسر آیا۔

اسی سفر میں ملک عبدالعزیز آل سعود نے دیگر عمائدین کے ہمراہ آپکو کھانے پر مدعو کیا اور یوں آپکو عالم اسلام کے چوٹی کے عمائدین اور اشراف سے میل جول کا بیش بہا موقع میسر آگیا۔

جامعہ ملیہ میں استفادہ

سفر بیت اللہ شریف سے واپسی پر علوم عصریہ کی تحصیل کے لئے حضرت شیخ العالم المعروف بہ شیخ الہندؒ کے بنا کردہ جامعہ ملیہ چلے گئے۔ ڈاکٹر ذاکر حسینؒ شیخ الجامعہ تھے۔ کچھ عرصہ تو خوب استفادہ ہوا مگر پھر تقسیم ملک کے فسادات کے سبب واپس آجانا پڑا۔

درس و تدریس

قیام پاکستان کے متصلاً بعد حضرت امام سندھیؒ کے علمی و فکری رفیق حضرت مولانا محمد صادقؒ کے مدرسہ مظہرالعلوم کھڈہ کراچی میں باقائدہ تدریس شروع کی۔ ان دنوں آپکے برادر اکبر مولانا حبیب اللہؒ بھی وہاں پڑھاتے تھے۔ ذریعہ معاش کے طور پر (امپورٹ ایکسپورٹ Import, Export) کا بزنس شروع کیا جو جلدی ہی بہت اچھا ہوگیا چند

برس یہ سلسلہ چلتا رہا۔

مراجعت لاہور

حضرت مولانا حبیب اللہ ؒ کے ہجرت مدینہ کے بعد حضرت امام لاہوریؒ نے آپکو لاہور آجانے کو کہا۔ لہٰذا تعمیل حکم میں کراچی اور کاروبار کو خیرباد کہا اور ۱۹۵۱ء میں لاہور چلے آئے۔ انجمن خدام الدین کے زیر انتظام مساجد و مراکز اور حضرت شیخ التفسیر کے حلقے میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ یہاں بھی آپکے ذوق علمی اور جذبہ تحصیل نے مختلف اساتذہ سے استفادہ پر آمادہ کیا۔ جن میں پروفیسر اورینٹل کالج شیخ التفسیر علامہ نور الحسن بخاریؒ بھی شامل ہیں۔

لاہور آتے ہی زندگی نئے اسلوب سے شروع ہوگئی۔ آپکو اپنے والد گرامی کے ہر معاملے میں ساتھ ساتھ رہنے کے علاوہ انکی عدم موجودگی میں نیابت کے فرائض انجام دینے ہوتے۔

جانشینی

حضرت شیخ التفسیر امام لاولیاء مولانا احمد علی لاہوریؒ لکھتے ہیں " بالاخر ہر انسان نے اس جہاں سے رخصت ہونا ہے اس لئے میں نے چاہا کہ انجمن خدام الدین کے بانیوں کے دینی جذبے کے پیش نظر میرے بعد بھی بدستور ایک امیر کی تحویل میں یہ کام ہوتا رہے۔ اس وقت تمام اراکین انجمن میں دارالعلوم دیوبند کا فاضل سوائے میرے منجھلے بیٹے قاری مولوی محمد انور سلمہ ‘ کے اور کوئی نہیں ۔ اس لیے میرے پیش کرنے پر مجلس منتظمہ انجمن خدام الدین نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۰ محرم الحرام ۱۳۷۳ھ بمطابق ۱۹۵۳ء کو قاری مولوی محمد انور سلمہ ‘ کو میری وفات کے بعد متفقہ طور پر انجمن کا امیر تسلیم کرلیا ہے۔ ارکین انجمن نے محض اللہ کی رضاء کے لئے یہ فیصلہ بطیب خاطر کیا ہے"

۲۳ فروری ۱۹۶۲ء کو حضرت شیخ التفسیر ؒ کے سانحہ ارتحال کے بعد آپکے برادر

اصغر مولانا حافظ حمید اللہؒ کی تحریک اور اکابر علماء کی تائید سے جانشین مقرر ہوئے۔ راس لاتقیاء مولانا عبدالہادی دینپوریؒ نے دستاربندی کروائی۔ نیز جمیعتہ علماء اسلام پاکستان کے نائب امیر منتخب ہوئے۔

عملی زندگی

۱۹۵۱ء کے اجلاس کراچی جس میں علماء کے ۲۳ نکات مرتب ہوئے میں مولانا عبیداللہ انور اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ شریک ہوئے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھر پور حصہ لیا ۱۹۵۶ء میں جمیعتہ علماء اسلام کی تنظیم نو کے بعد باقاعدہ حصہ لینے لگے۔

۱۹۵۸ء میں ایوبی مارشل لاء لگنے کے ساتھ ہی سماجی اور سیاسی میدان میں جدو جہد شروع کردی۔

۱۹۶۴ء میں صدر ایوب خان اور محترمہ فاطمہ جناح کے مقابلے میں صدارتی امیدوار نامزد ہوئے لیکن حکومت کی دھاندلی کے باعث الیکشن لڑا نہ جاسکا۔

۱۹۶۸ء میں جمیعتہ علماء اسلام کا حلقہ مشرقی پاکستان تک پھیلا تو آپ کل پاکستان کے نائب امیر اور مغربی پاکستان کے امیر منتخب ہوئے۔ اسی سال ایوب خان کی آمریت کے خلاف تحریک میں قائد ہراول دستہ کے طور پر شریک ہوئے اور پولیس کے تشدد کا نشانہ سب سے زیادہ آپ بنے۔ صدر ایوب نے اپنی نشری تقریر میں معافی مانگی۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۶۸ء کو ذمہ دار پولیس افسر نے معافی چاہی تو آپ نے فرمایا "بھائی میں نے تو اپ کو تیسرے ہی روز معاف کردیا تھا چونکہ مومن تین دن سے زیادہ کسی مسلمان سے ناراض نہیں رہ سکتا۔

————— اور ثابت کردیا کہ اھل حق ذاتی انتقام نہیں لیا کرتے۔

۱۹۷۰ء میں منعقدہ جمیعتہ علماء اسلام کی فقید المثال "آئین شریعت کانفرس" کے صدر مجلس استقبالیہ آپ تھے اور اسی سال لاہور سے قومی اسمبلی کا الیکشن بھی لڑا۔

۱۹۷۱ء میں صدر پاکستان یحییٰ خان کے اصرار پر پاکستان کے مشرقی اور مغربی حصوں میں

یگانگت کا فارمولا تلاش کرنے کے لئے آپکو مشرقی پاکستان جانا پڑا۔ اس سفر میں مولانا غلام غوث ہزاریؒ اور مولانا مفتی محمودؒ بھی ہمراہ تھے۔۔۔ مگر افسوس ہے کہ کار پردازان حکومت حضرت والا کی سفارشات پر عمل نہ کرسکے اور سقوط ڈھاکہ ایسے المیے سے دوچار ہونا پڑا۔

۱۹۷۳ء کی تحریک بحالی جمہوریت میں قائدانہ کردار ادا کیا۔

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کے داعی بذات خود حضرت جانشین شیخ التفسیرؒ تھے اور میدان و معرکہ اور قید و بند کی بے مثال قربانیاں دے کر بلاخر اس مسئلے کو ہمیشہ کے لئے حل کروا دیا اور ذریت مرزائیہ کے بارے میں تاریخی فیصلہ ہو گیا۔

۱۹۷۴ء میں بلغاریہ میں عالمی امن کانفرنس میں پاکستان پیس کونسل (peace councel Pakistan) کے صدر کی حیثیت سے شریک ہوئے اور " اسلام کا پیغام امن " کے موضوع پر زبردست خطاب فرمایا یوں آپکو ملت اسلامیہ کی نمائندگی نصیب ہوئی۔

۱۹۷۷ء میں قومی اسمبلی حلقہ ۹۶ لاہور سے انتخاب لڑا۔ بھٹو حکومت کی دھاندلی کو عدالت میں چیلنج کیا اور جب دھاندلی ثابت ہوگئی تو عوامی ردعمل نے " تحریک نظام مصطفیٰ) کی صورت اختیار کرلی ۔ اور بالاخر بھٹو آمریت کا خاتمہ ہوا۔

۱۹۸۰ء میں حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی وفات کے بعد آپ کو جمیعت علماء اسلام کا جنرل سیکرٹری بنا لیا گیا۔

۱۹۸۴ء میں متفقہ طور پر جمیعتہ علما اسلام کی تمام شاخوں نے آپکو امیر مرکزیہ منتخب کیا اور تازیست متفقہ امیر رہے۔

حضرت امام الہدی مولانا عبیداللہ انور نے اپنے والد و مرشد حضرت شیخ التفسیر کے حلقہ متوسلین کی سرپرستی اور راہنمائی اور مخلوق کی دینی اور روحانی تربیت زندگی بھر جاری رکھی۔ اپنے شیخ و مربی کے کارناموں کو چار چاند لگائے اور انکی جماعت کو ایک عالمگیر تحریک میں بدل کر رکھ دیا۔

فکر ولی اللہی اور طرز عبید اللہی کے وارث کی حیثیت سے اسلام کے آفاقی اور انقلابی اصولوں پر دورہ تفسیر اور درس وارشاد کی محفلیں سجاتے ' اور علم و دانش کے پیاسوں کی آبیاری کرتے رہے۔

انجمن خدام الدین اور جمیعتہ علماء اسلام کے پلیٹ فارموں سے ملی اور سیاسی خدمات سر انجام دیتے رہے اور یوں پاکستان کی فلاح و بقاء کی جدوجہد کرنے والے عظیم ترین اور مسلمہ قائد بنے۔

فکری محاذ کو مضبوط و مربوط کرنے کی غرض سے ۱۹۸۰ء میں شاہ ولی اللہ سوسائٹی پاکستان " کی بنیاد رکھی۔ جس کا ماہانہ اجلاس مدرسہ قاسم العلوم لاہور میں منعقد ہوتا اور اھل حل و عقد مختلف موضوعات پر حضرت امام شاہ ولی اللہ کے فلسفہ و فکر کی روشنی میں مقالے پڑھتے۔ اکثر آپ خود بھی اپنا مقالہ پڑھتے۔ آپکی تحریریں بہت بڑا علمی سرمایہ ہیں۔

وفات

زندگی بھر کی صبر آزماء مسلسل جدوجہد اور تحاریک دینی و ملی میں قربانیوں کے نتیجے میں صحت بگڑ گئی تھی۔ چنانچہ ۲۸ اپریل ۱۹۸۵ء بمطابق شعبان ۱۴۰۵ھ کو آسمان رشدو ہدایت کا یہ دمکتا ہوا سورج گہنا گیا۔ اور آپ اپنے مرشد و مربی شیخ التفسیر امام الاولیاء کے پہلو میں ابدی نیند سو گئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون